دار الاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 021-2213768

نام کتاب	معاشرتِ نبوی ﷺ اور جدید سائنس
مؤلف	حکیم طارق محمود چغتائی
ناشر	دارالاشاعت، اردوبازار، کراچی
پرنٹنگ	شکیل پریس، کراچی
کمپوزنگ	کوسموس پرنٹ لائن
سنِ اشاعت	۲۰۰۰ء
تعداد	

ملنے کے پتے

دارالاشاعت، اردوبازار، کراچی

فاراہی دواخانی، احمدپور شرقیہ

مکتبہ دارلعلوم، دارالعلوم کراچی

بیت القرآن، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم امّا بعد

الحمدللہ۔ اللہ تعالیٰ کا انعام وکرم ہے کہ زیرِ نظر کتاب "معاشرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور جدید سائنس" آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں اس کے مطالعہ سے پہلے چند باتوں کی طرف متوجہ ہونا اور کرنا مقصود ہے۔

ہم لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور سنتوں کو صرف نماز، روزہ اور چند عبادات تک محدود کر رکھا ہے اور معاشرت، معاملات میں اطاعت کی طرف سے غفلت حد درجہ بڑھی ہوئی ہے جس کی وجہ سے ہم لوگ بے چین زندگی بسر کر رہے ہیں اور سکون کی تلاش میں ہیں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور سنت کی اتباع ہمارے لئے نجات اور سکون کا باعث ہے بس اس طرف متوجہ ہو کر اس پر عمل کی فکر کرنا اور کوشش کرتے رہنے سے اسکی برکات حاصل ہو سکیں گی۔

اب جبکہ مستشرقین اور سائنس الحمدللہ ہر ہر سنت اور اسلامی تعلیمات کو وقت کے ساتھ ساتھ مجبوراً اسلام کا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لئے بغیر درست ثابت کر رہی ہے۔ اگرچہ کسی مسلمان کو اسلامی تعلیمات اور اتباعِ سنت کے لئے کسی غیر مسلم یا سائنسی تحقیق کی ضرورت نہیں ہے ان کے آگے سرِ تسلیم خم کر کے ان پر عمل ہی نجات کا باعث ہے لیکن پھر بھی اس کی ضرورت محسوس کی جاتی تھی ایک حلقہ کو متوجہ کرنے کے لئے اس طرح کی تصانیف سامنے آئیں جس سے آنکھیں کھلیں۔ تمام غیر مسلم اقوام جو عروج پا رہی ہیں وہ اسلام کی بنیادی تعلیمات پر عمل کی وجہ سے ہے۔ اور جس شعبہ میں اسلامی تعلیمات سے بغاوت ہے وہاں ان کی ذلت کھلی آنکھوں نظر آتی ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ میں یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے جناب حکیم طارق محمود صاحب کی تلاش وجستجو کا نتیجہ ہے کہ اس موضوع پر جو مضامین، کتب اور رسائل سے مواد دستیاب ہوا اسے خوبصورتی سے ترتیب دے کر وقت کی ایک ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے کہ ہم ان سے معاہدہ کے بعد اسے شائع کرنے کے قابل ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ اس مجموعے کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں اور دنیا و آخرت میں اسے نافع بنائیں۔

قارئین سے گزارش ہے کہ دورانِ مطالعہ مرتب و ناشر کے والدین اور اہلِ خانہ کے لئے دعا فرماتے رہیں احسان ہوگا۔

والسلام

خلیل اشرف

فہرست

عورتوں کی خوبصورتی کا اہم راز ۱۴۱

مالی پریشانیاں ۱۴۷

تفکرات اور پریشانیاں دور کرنے کے چند طریقے ۱۵۳

باغِ بہشت۔۔ آر۔ سی۔ بوڈلی ۱۵۷

خوش کلامی کا آسان طریقہ ۵۰۹

ترغیب اور کامل جذبہ ۵۲۳

محنت کا میٹھا پھل ۵۶۹

معاشرہ، عالم، پادری اور جدید سائنس دلچسپ اور حیرت انگیز موازنہ ۵۷۹

دورِ نبوی ﷺ کی آب و ہوا اور فضا ۶۱۳

بری عادات ۶۲۱

اعترافِ دل

زیرِ نظر کتاب معاشرتِ نبوی ﷺ اور جدید سائنس آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ کتاب کیا ہے؟ فیصلہ آپ کے پاس ہے لیکن اتنا عرض کرنا لازم ہے کہ جب اسلامی تعلیمات کو فراموش کرنے کے بعد ہم یورپ کی ترقی کی طرف مائل ہوئے اور ہمیں یورپی زندگی کو کچھ زیادہ قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اسی وقت نگاہِ عدل سے دیکھنے کے بعد یہ احساس بار بار دل کو کھانے لگا کہ وہ اصول اور معاشرت جس کی وجہ سے یورپ موجودہ معاشرے کے بعض معاملات میں عروج پر ہے۔ دراصل اسلامی تعلیمات کا حصہ ہیں۔

یورپی اور امریکن ماہرینِ معاشرت نے اپنی زندگی کے حالات اور واقعات کو جس تفصیل سے لکھا ہے اور پھر اپنے عوام کو ان عوامل کی ترغیب دی ہے سب دراصل اسلامی تعلیمات کا حصہ ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ہم ان اصولوں کو چھوڑ کر زندگی کی ایک ایسی شاہراہ پر چل دیئے جہاں تاریکی ہی تاریکی ہے۔

مجھے ان احباب سے کچھ زیادہ ہی عرض کرنا ہے جو یورپی یا امریکن ماہرینِ معاشرت کی کتب کا مطالعہ کرنے کے بعد متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اور پھر اس معاشرے کی مثالیں دیتے نہیں تھکتے ان سے اتنی عرض ہے کہ انہوں نے دراصل یکطرفہ مطالعہ کیا ہے، اگر وہ اسلامی اصولِ معاشرت اور اصولِ زندگی کا مطالعہ کریں تو یہ تمام اصول اس سے کہیں واضح اصول اسلام میں نظر آئیں گے۔

بندہ ایک اسکالر کے ہاں بیٹھا کسی موضوع پر گفتگو کر رہا تھا، فرمانے لگے کہ آج یورپی ماہرین کی کتابیں بڑی بڑی مارکیٹوں میں عام ہیں اور انہیں پڑھ کر لوگ اسلامی زندگی کو حقیر سمجھتے ہیں۔ دراصل وہ یورپی معاشرت کا موازنہ مسلمانوں سے کرتے ہیں، حالانکہ یورپی تعلیمات یورپی ممالک کے عوام میں بھی مکمل عمل میں نہیں۔

فرمانے لگے کہ اگر ان یورپی کتابوں پر کام کیا جائے اور ان کا اسلام سے موازنہ کیا جائے تو قارئین کے سامنے دونوں عکس عیاں ہوں گے۔

بندہ نے عرصہ دراز کی محنت کے بعد اس کتاب کو مکمل کیا جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

ملحوظِ خاص

ہمارا مقصد دراصل اسلامی زندگی کی حیثیت اور اہمیت ہے نہ کہ یورپی زندگی کی۔ مسلمان کیلئے اسلام کی حقیقت اصل ہے اور اسی پر عمل میں نجات ہے، یورپی زندگی کی وضاحت دراصل ان لوگوں کیلئے ہے جو یورپ اور اس کی زندگی کو سب کچھ سمجھتے ہیں تاکہ وہ ذہن نشین کرلیں کہ اصل کامیابی اور نجات صرف اور صرف اسلامی زندگی میں ہے۔ اسلام ایک حقیقی اور آفاقی مذہب ہے، اس کے اصول دائمی اور جاودانی ہیں۔ یورپی زندگی غیر حقیقی اور لایعنی ہے۔ ہمارا مقصود اور مطلوب اسلام اور اسلامی زندگی کی اہمیت ہے۔

یورپی حوالہ جات میں بعض یورپی زندگیوں کے خبائث اور ان کی معاشرتی برائیاں بطورِ مثال یورپی ماہرین نے دی ہیں، ان تمام سے مؤلف کا کوئی تعلق نہیں، یہ اسلامی زندگی کا نہیں بلکہ یورپی زندگی کا حصہ ہیں جس کی اصلاح اسلامی اصولوں سے ہی ہو سکتی ہے۔

یورپی زندگی کی وضاحت کیلئے مارڈن، ٹونی، الیگزینڈر اور ڈیل کارنیگی کی درج ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے :۔

١ : لائف اینڈ مین
٢ : یو گڈمی فریش
٣ : سی یور لائف
٤ : مائی پریذیڈنٹ لائف (لنکن)
٥ : لونگ لائف

آخر میں قارئین سے التماس ہے کہ جب اس کتاب کو پڑھیں تو دل میں تمام خیال یہی ہو کہ یورپی زندگی دراصل اسلامی اصولوں اور قوانین کا عکس ہے جبکہ اصل اسلام ہے اور ہمیں مکمل طور پر اخلاص اور ایمان کے ساتھ اسلامی طرزِ زندگی پر عمل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کو بھی عمل اخلاصِ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

خواستگارِ اخلاص و عمل
حکیم طارق محمود چغتائی (گولڈ میڈلسٹ)
فاران دواخانہ، احمد پور شرقیہ، ضلع بہاولپور، پاکستان

مسکراہٹِ نبوی ﷺ کے حیرت انگیز فوائد اور جدید سائنس

The smile of the Prophet ﷺ — its adavantages & modern science

عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے زیادہ تبسّم فرمانے والا نہیں دیکھا۔ (شمائل ترمذی)

حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب بھی آپ ﷺ مجھے دیکھتے تو تبسّم فرماتے۔ (یعنی خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے ملتے تھے۔) (شمائل ترمذی)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ ﷺ سے تعجب سے پوچھا کہ آپ بھی مذاق کرتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک مگر میرا مزاح سراسر سچائی اور حق ہے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ سے سواری کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا میں تمہیں اونٹنی کے بچہ پر سوار کردوں گا۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا؟ اس پر حضور ﷺ نے (اس مزاحِ پُر لطف کی تشریح فرماتے ہوئے) فرمایا: اونٹ تو سب اونٹنی ہی کے بچے ہوتے ہیں۔ (الادب المفرد)

جب کسی مسلم بھائی سے ملاقات ہو تو خندہ پیشانی سے ملیئے۔ (ترمذی)

لوگوں سے خوش اسلوبی سے بات کرو۔ (القرآن)

آپ ﷺ لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملتے اکثر مسکراتے رہتے۔ (مجمع الزوائد)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں:

میں آپ ﷺ کی سو مجلسوں سے زیادہ میں بیٹھا ہوں صحابہ کرامؓ اشعار سناتے اور زمانہ

جاہلیت کے قصے بھی۔ آپ ﷺ خاموشی سے سنتے بلکہ کبھی خود بھی ہنسنے میں شریک ہو جایا کرتے۔ (ترمذی)
فقر، فاقہ، غربت، فقیری، ناداری، ظاہری بے طاقتی، افلاس اور مظلومی کے باوجود حضور اقدس ﷺ اور صحابۂ کرامؓ، اہلِ بیتؓ بالکل مطمئن اور خوش اور مسکراتے رہتے تھے۔ یہ ایک عظیم اصول ہے کہ حضور ﷺ اور حضور ﷺ کی جماعت اور گھر والے ہر حال میں راضی اور خوش رہتے۔
موجودہ یورپ کی زندگی انہی اصولوں پر کامیاب ہو رہی ہے اور اب ماہرین انہیں اصولوں کی طرف یورپی قوم کو بار بار پکارتے ہیں۔
زیرِ نظر تحریر سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ شاید اس ماہر نے پہلے اسلامی مطالعہ کیا ہے اور پھر یہ مضمون تحریر کیا کیونکہ اس مضمون میں مکمل اسلامی جھلک موجود ہے لیکن اس مضمون میں بعض جگہوں پر خالص یورپی اسلوب اپنایا گیا ہے۔ وہ محض ایک یورپ کی زندگی کا حصہ ہے۔ اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

ہمیشہ خوش رہیے

Always be happy

اگر ہم اپنی زندگی میں فتح و کامرانی کے آرزومند ہیں اور ایک آسودہ طمانیت بھری زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو اس کیلئے ہمیں کسی عظیم دانشور کے اس قول پر پورے عزم کے ساتھ عمل پیرا ہونا پڑے گا۔ کامیاب زندگی کیلئے بنیادی شرط یہ ہے کہ آپ پُر عزم اور خوش مزاج ہوں اور ہمیشہ زندگی کے روشن پہلو پر نظر رکھیں یاد رکھئے کہ کامیابی خندہ روی سے مشروط ہے۔

سر جان کا قول

Sir John says

سر جان لیبک کا قول ہے :
دنیا بہتر اور زیادہ چمکدار بن سکتی ہے، بشرطیکہ لوگوں کو یہ سکھا دیا جائے کہ خوش رہنا ان کا فرض ہے اور فرض کی ادائیگی کتنی مسرور کن ہوتی ہے؟
خود خوش رہنے سے دوسروں کی خوشی میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ ایک نوجوان نے

اپنے ایک دوست سے **جوکہ** ہمیشہ اداس اور مغموم رہا کرتا تھا کہا:
آپ زندگی کے روشن پہلو کو دیکھا کیجئے!
مغموم دوست نے جواب دیا:
زندگی میں روشن پہلو تو ہے ہی نہیں!
تب نوجوان نے دوبارہ کہا:
اگر یہ بات ہے تو سیاہ پہلو ہی کو روغن لگا کر چمکا لیا کرو۔

کارلائل کی پکار

Carlyle's call

کارلائل بلند آواز میں پکارتا ہے:
وہ آدمی جو کام کے دوران مسرت سے گنگناتا رہتا ہے۔ وہ اپنے وقت سے زیادہ کام لیتا ہے۔ جب کوئی شخص کوئی گیت الاپتے ہوئے کارواں کے ساتھ چلتا ہے تو اسے تکان محسوس ہی نہیں ہوتی۔ کہتے ہیں کہ ستارے بھی اپنی کرنوں میں گردش کرتے ہوئے سُر الاپتے ہیں۔ خندہ روی کی قوت تعجب خیز ہے اور اس کی برداشت بے پایاں ہے۔ اگر آپ اپنی جدوجہد کو کامیابی سے ہمکنار دیکھنے کے خواہش مند ہیں تو کسی بھی لمحے خندہ روی اور خوش اخلاقی کا دامن نہ چھوڑیئے۔ آپ خواہ کتنے ہی بلند حوصلہ کیوں نہ ہوں۔ خوشی اور امنگ کے بغیر آپ کا حوصلہ بے جان جسم کی طرح ہے۔

سٹرن کا قول

Citrine says

سٹرن کا قول ہے:
میں اپنی علالت اور کمزوریٔ صحت کا مقابلہ ہمیشہ خوش مزاجی اور خندہ روی سے کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ جس وقت کوئی شخص مسکراتا ہے تو اس کی زندگی میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہوتا ہے۔ خندہ رو، خوش مزاج اور خوش گفتار لوگوں کو ہم تادیر یاد رکھتے ہیں۔ جب بھی ہم اپنے حافظے کی کتاب کی ورق گردانی کرنے بیٹھتے ہیں تو خوش مزاج لوگ ہی ہمارے سامنے آتے ہیں۔

نیویارک شہر کا نکتہ رس

Profound ponderer of New York city

ایک دبلا پتلا مریض سا آدمی تقریر کر کے ابھی بیٹھا ہی تھا کہ نیویارک شہر کے نکتہ رس اور تیز فہم شخص نے کہا:

میرا خیال ہے کہ محترم مقرر جو ابھی تقریر کر کے بیٹھے ہیں ان کی رہائش افسردگی اور ناامیدی کے محلے میں ہے اور ان کا مکان شکایت والی گلی میں ہے۔ میں خود بھی کچھ عرصہ وہاں گزار چکا ہوں اور یقین کیجئے کہ میں جتنا عرصہ وہاں مقیم رہا میری صحت کبھی ٹھیک نہیں رہی۔ ہوا خراب، مکان خراب، پانی خراب حتیٰ کہ اس گلی کے پرندے بھی افسردگی اور بیداری کا شکار تھے میں نے انہیں کبھی چہچہاتے ہوئے نہ دیکھا۔ میں اس پُر مژدہ ماحول سے جلد ہی متاثر ہو گیا اور ہر وقت غمگین اور اداس رہنے لگا لیکن میں اس ماحول کو زیادہ برداشت نہ کر سکا اور وہاں سے بھاگ نکلا۔ اب میں نے مکان صبر و شکر والی گلی میں لے لیا ہے اور میں اپنے پورے کنبہ سمیت صحت مند ہوں، ہوا صاف ہے، پانی اچھا ہے، فضا خوشگوار اور مکان بہتر ہے، سورج وہاں دن بھر چمکتا ہے اور پرندے خوشی سے چہچہاتے ہیں اور میں زندگی سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔ میں اپنے مقرر بھائی سے گزارش کروں گا کہ وہ شکایت و بیزاری کی گلی والا مکان چھوڑ دیں۔ صبر و شکر کے کوچے میں بہت سے مکان کرائے کیلئے خالی پڑے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر میرے یہ بھائی وہاں آجائیں تو وہ اپنے آپ کو ایک تبدیل شدہ انسان پائیں۔ مجھے ان کی ہمسائیگی پر بے حد مسرت ہو گی۔

لنکن کی میز

Lincoln's desk

لنکن کی میز کی دراز میں لطائف و ظرائف کی ایک کتاب ہمیشہ پڑی رہتی تھی اور جب بھی وہ کام کرتے کرتے تھک جاتے یا اکتاہٹ سی محسوس کرتے تو فوراً اس کتاب کو نکال کر پڑھنے لگتے اور اس طرح وہ ایک بار پھر تازہ دم ہو جاتے۔ وہ دراصل کسی بھی لمحے افسردہ یا ملول رہنے کے قائل نہ تھے۔

خوش مزاجی اور خوش اخلاقی خدا کی نعمت ہے اور اسی لئے اسے بابرکت کہا گیا.

ہے۔جب روح اپنی کھڑکیوں کے سارے پٹ کھول دیتی ہے اور روشنی کو اپنے اندر سرایت کرنے کی اجازت دیتی ہے اور ہر دیکھنے والے کو خوشی کا ثبوت مہیا کرتی ہے تو وہ روح نہ صرف مسرور رہتی ہے بلکہ اس میں بھلائی کرنے کی بے پناہ قوت پیدا ہو جاتی ہے ،ایسے ہی موقع پر یہ کہا جاتا ہے کہ :

"مبارک ہیں وہ جو خود خوش رہتے ہیں اور دوسروں کو خوش رکھتے ہیں"

جس طرح بیماری میں دوا فائدہ پہنچاتی ہے اسی طرح مایوسی، رنج اور فکر کی حالت میں خندہ پیشانی اور بشاش چہرہ بھی پژمردگی کو مسرت اور مسکراہٹ سے بدل دیتا ہے۔

اگر ہم مصیبت کو کھینچ کر سینے سے لگاتے ہیں تو خدائی قانون کی رو سے رنج والم کی لہر ہماری طرف یورش کرنے لگتی ہے، ہماری ہستی میں سے ہو کر بلند سے بلند تر اور عمیق سے عمیق تر ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ ہم اس میں ڈوب کے رہ جاتے ہیں۔

ایک نامور ادیب

A famous writer

ایک نامور ادیب نے لکھا ہے کہ اگر مجھے اس صندوق کا پتہ چل جائے جس میں مسرت اور تبسم مقفل ہیں تو پھر کنجی خواہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہوں اور زنجیر کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو، میں اتنی سخت کوشش کروں گا کہ یقیناً صندوق میرے لیے کھل جائیگا۔ یہ کام کر کے میں مسرت اور تبسم کو چاروں طرف زمین اور سمندر پر بکھیر دوں گا کہ وہ اپنا کام کریں اور بچوں کے چہرے اس کو مضبوطی سے اپنے اندر قابو کرلیں اور مدت الایّام تک وہاں محفوظ رکھیں۔

اس کے برعکس وہی ادیب رنج و غم کے متعلق رقم طراز ہے :

اگر مجھے کسی ایسے صندوق کا پتہ چل جائے کہ جس میں رنج والم اور نفرت و حقارت اور جھوٹ ، فریب سما سکیں تو میں ان سب کو یکجا کر کے اس صندوق میں بند کر دوں گا اور پھر اسے مقفل کر کے کسی گہرے سمندر میں پھنکوا دوں۔

خیال اور خاص طور پر پُرمسرت خیال میں کتنی قوت ہے اس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگا لیجئے جو میرے شہر کے ایک بیمار آدمی کے ساتھ پیش آیا۔ یہ آدمی بہت دنوں سے بیمار تھا اور تمام ڈاکٹر اس کی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے، ہر علاج آزمایا جا چکا تھا اور ہر

دوا پر کھی جا چکی تھی لیکن مریض کی حالت میں ذرا بھر بھی فرق نہ آیا۔ اب سب کو یقین ہو چکا تھا کہ بیمار اب مرا۔ تب خاندان کے تمام افراد اس کی چارپائی کے ارد گرد بیٹھے تھے ، سب کے چہرے مغموم تھے اور آنکھیں نم ناک تھیں ، سب کا یہی خیال تھا کہ کوئی ساعت جاتی کہ ان کا عزیز ان سے بچھڑ جائے گا۔ اتنے میں ایک آدمی بیمار سے ملنے آیا اور اس نے آتے ہی مسکراتے ہوئے مریض کو یقین دلایا کہ تم بہت جلد ٹھیک ٹھاک اور صحت مند ہو جاؤ گے۔ بیماری کا کیا ہے... آدمی زندگی میں کئی مرتبہ بیمار پڑتا ہے اور ٹھیک ہو جاتا ہے... تمہاری بیماری تو بہت ہی معمولی ہے.. میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ چند ہی روز میں تم بالکل تندرست ہو جاؤ گے۔ وہ اتنی لطیف پُر از یقین مسکراہٹ سے بول رہا تھا کہ مریض کے چہرے پر اطمینان بھری چمک پھیلنے لگی تھی اور اب وہ بھی جواب میں مسکرانے لگا تھا۔ پھر عیادت کرنے والے نے کوئی ایسی بات کی کہ مریض ہنسنے مجبور ہو گیا، وہ کھل کے ہنسا اور ہنستے ہنستے اسے پسینہ آ گیا۔ دوسرے روز وہ شخص پھر آیا اور بیمار کو ہنساتا رہا یہاں تک کہ ایک ہی ہفتہ میں مریض بھلا چنگا ہو گیا۔

ایمرسن کا قول

A saying of Emerson

ایمرسن کا قول ہے :

"اپنے کمرے کی دیواروں پر کوئی اداس اور غمگین تصویر آویزاں نہ کرو اور اپنی بات چیت میں رنج و غم کا ذکر کم سے کم سے کیا کرو"

بیچر نے لکھا ہے :

"ان لوگوں کو جو چیخ چیخ کے زندگی گزارتے ہیں انہیں نکال دو۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ فردوسی پرندے ہیں. .یاد رکھئے. .جو انسان ہنس نہیں سکتا وہ خوش نہیں رہ سکتا ہے، اس کو چاہئے کہ اپنی دیکھ بھال کرے اور ایسے کام کیا کرے جن سے اسے مسرت حاصل ہو۔

ڈاکٹر برڈک

Doctor Birdick

مغربی نیویارک میں ایک طبیب رہتا تھا جس کو لوگ ہنسے ہنسانے والا ڈاکٹر کہا

کرتے تھے، اس شخص کا نام ڈاکٹر برڈک تھا۔ اس کی عادت تھی کہ ہمیشہ مسکرایا کرتا تھا، اس کے چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ رقصاں رہتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس کے مریض ہمیشہ تندرست رہا کرتے تھے، وہ دوا بہت کم دیتا مگر مریضوں کو خوش رکھنے کی کوشش زیادہ کرتا اسی لیے وہ اپنے تمام مریضوں میں زیادہ کامیاب تھا۔

ہنسنے کی قوت ہم کو ایک بڑے ہی دانشمندانہ مقصد کی تکمیل کیلئے عطا کی گئی ہے۔ قدرت کی یہ ایک ترکیب ہے جس سے اندرونی اعضاء کی ورزش ہو جاتی ہے اور ساتھ میں مسرت بھی حاصل ہوتی ہے۔ ہنسی پھیپھڑوں اور باقی جسم میں سے ہوتی ہوئی دیگر اعضاء کو تیز تھرتھراہٹ میں لاتی ہے، دل جلدی جلدی حرکت کرنے لگتا ہے اور خون کی گردش تیز سے تیز تر ہو جاتی ہے تنفس بڑھتا ہے اور تمام نظام جسم میں حرارت اور چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ قہقہہ آمیز ہنسی سے آنکھوں میں چمک آتی ہے، سینہ پھیلتا ہے اور وہ نفیس موزونیت جسے صحت کہتے ہیں پھر سے حاصل ہو جاتی ہے۔ خوش طبع ڈاکٹر اسی لیے زیادہ کامیاب رہتے ہیں کہ وہ مریض کو خوش رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ابراہیم لنکن کہا کرتا تھا:

اگر میں کبھی کبھار کھل کر ہنسنے کا عادی نہ ہوں تو یقیناً قبل از وقت مر جاؤں"

والٹر اسکاٹ نے لکھا ہے:

"میں تم سے کچھ طلب نہیں کرتا.. مجھے تم ایک ایمان دار ہنسنے ہنسانے والا شخص لادو"

حقیقت یہ ہے کہ والٹر اسکاٹ خود بھی بے حد خوش طبع اور ہنس مکھ انسان تھا۔ وہ ہر کسی سے مسکرا کر ملتا تھا اور اسی لیے دوسرے لوگ بھی اس کو چاہتے اور پیار کرتے تھے۔

رنجیدہ مت ہو، چیں بہ چیں سے دور رہو، ایک نہ ایک دن ہم ضرور روشنی تک پہنچ جائیں گے بشرطیکہ ہماری نظریں بلندی کی جانب ہوں ۔ ہماری زندگی مرتفع ہو اور ہمارا کام روبہ ارتقاء ہو۔

زمین کی تہہ میں دبے ہوئے بیج کی نسبت یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ بیکار پڑا ہے بلکہ کسی نہ کسی دن پرورش پا کر اس میں سے تنے پھوٹیں گے، شگوفے، پتے، پھل اور پھول ظہور پذیر ہو جائیں گے یہ اپنے دل سے سوال نہیں کہ مٹی کا وہ ڈھیر جو اس پر پڑا ہے۔ اس میں سے وہ کیوں کر گزر سکے گا وہ یہ شکایت بھی نہیں کرتا کہ میرے راستے میں نباتات کی جڑیں اور ان جڑوں سے جکڑی ہوئی زمین اور پتھر پڑے ہیں بلکہ آہستہ

آہستہ زور لگا کے اپنا نازک سر پتھروں اور ڈھیلوں میں نکالتا ہوا روشنی میں آکر پتے، پھول اور پھل پیدا کر لیتا ہے۔ جن وسیلوں اور ذریعوں کی مدد سے ہم تاریکی سے نکل کے شہرۂ آفاق بنتے ہیں اور جہالت سے نکل کے مہذب وشائستہ بنتے ہیں۔

خوشی کے آنسو

Tears of happiness

خوش مزاجی کے پارس کو پاکر ''سکروج'' خوشی کے آنسو بہاتے ہوئے پکار اٹھے۔ ''میں نہیں جانتا کہ کیا کروں؟ میں ایک پرندے کی مثال ہوں، ہلکا پھلکا۔ میں فرشتے کی طرح خوش ہوں، اسکول کے طالبعلم کی طرح ہشاش بشاش ہوں، شرابی کی طرح سرشار ہوں.. ہر کسی کو خوشی اور مسرت نصیب ہو۔

گلاب کا پودا

Rose plant

ریورنڈ کہتا ہے:

میں ایک بیمار عورت کو دیکھنے جایا کرتا تھا، اس کے کمرے میں ایک گلاب کا پودا لگا ہوا تھا جو دریچے میں رکھا ہوا تھا۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ پودے میں صرف ایک ہی پھول تھا اور اس کا رُخ روشنی کی طرف تھا۔ جب میں نے اس کے متعلق پوچھا تو بیمار عورت نے مجھے بتایا کہ اس کی بیٹی نے کئی دفعہ اس کا رخ اندھیرے کی طرف پھیرا مگر ہر دفعہ پھول نے پھر پھرا کر اپنا رُخ روشنی کی سمت کر لیا۔ گویا پھول کو اندھیرے سے نفرت ہے۔ اس پھول نے مجھے یہ سبق سکھایا کہ میں کبھی تاریکی کی طرف رُخ نہ کروں بلکہ ہمیشہ زندگی کا روشن پہلو ہی مدِ نظر رکھا کروں۔ یاد رکھئے کہ ہر کام میں کوئی نہ کوئی روشن پہلو ضرور ہوتا ہے۔ پس ہمیں اس روشن پہلو ہی کو تلاش کرنا چاہئے کیونکہ مایوسی سے خطرات بڑھتے ہیں، صحت گرتی ہے اور جسم وروح کمزور ہو جاتے ہیں۔

بنجمن فرینکلن

Benjamin Franklin

بنجمن فرینکلن نے لکھا ہے:

میرے دفتر کے نزدیک ایک مکان پر کئی معمار اور مزدور لگے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کو میں نے دیکھا کہ وہ ہمیشہ خوش خوش دکھائی دیتا تھا۔ سردی ہو، ابر ہو، یا سورج کی روشنی بالکل نہ ہو، اس کے ہشاش بشاش چہرے پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی۔ آخر ایک دن میں نے اس سے دریافت کیا کہ اس کی مسکراہٹ کا راز کیا ہے؟ اس نے جواب دیا:

یہ کوئی راز کی بات نہیں۔ میری بیوی بہت اچھی عورت ہے۔ جب بھی میں کام پر آتا ہوں تو بڑی خوشی سے مجھے الوداع کہتی ہے۔ جب گھر پہنچتا ہوں تو مسکرا کے میرا استقبال کرتی ہے اور مجھے پیار کرتی ہے۔ اس کے بعد چائے بھی تیار ملتی ہے۔ وہ مجھے ہمیشہ خوش رکھنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ اسلئے میرے دل میں کسی سے بھی ترش رو ہونے یا سخت کلامی سے پیش آنے کا خیال تک نہیں آتا۔

جے کک کی کہانی

Story of J. Cook

جے کک، اکیاون سال کی عمر میں کئی لکھ پتیوں جتنا امیر تھا مگر باون سال کی عمر میں عملی طور پر ایک کوڑی اس کے پاس نہ تھی۔ اس عمر میں اس نے پھر از سرِ نو کام شروع کیا اور بڑی بھاری دولت پھر کمائی۔ اس نے تین ہزار قرض خواہوں کو جن کا قرضہ اس کے ذمہ تھا۔ باقی کوڑی کوڑی ادا کر دی اور اپنا قول پورا کر دکھایا۔ ایکدفعہ ایک ملاقاتی نے اس سے دریافت کیا کہ آپ نے پھر کس طرح دولت کمائی تو اس نے جواب دیا: "یہ تو ایک سیدھی سی بات ہے جو طبیعت میں نے اپنے والدین سے ورثے میں پائی تھی۔ اس میں میں نے کوئی تبدیلی نہیں کی بچپن سے لے کر آج تک میں ہمیشہ پُر امید اور مسرور رہا ہوں اور رنج والم کو پاس نہیں آنے دیا۔ ہمیشہ خوش رہا ہوں۔ میرا مقولہ ہے کہ کام کیجئے اور خوش رہیئے۔ یہی میری کامیاب زندگی کا راز ہے۔ ہمیشہ روشن پہلو کو مدِ نظر رکھئے"۔

محنت کی عظمت

Dignity of labour

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ :
جو شخص کسی کام میں کامیاب ہو اس کو لازم ہے کہ اس کو نہ چھوڑے (یعنی محنت اور مسلسل مشقت سے اسے کرتا رہے)۔ (بیہقی)
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا :
جو چیز تم کھاتے ہو اس میں سب سے بہتر وہ ہے جو تم اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاؤ اور تمہاری اولاد کی کمائی بھی جائز ہے۔ (مشکوٰۃ)
اس حدیث میں خود اور اپنی اولاد کو محنت کی ترغیب دی گئی ہے۔
نبی کریم ﷺ نے فرمایا :
رزق کی تلاش اور حلال کمائی کیلئے صبح سویرے ہی چلے جایا کرو۔ اس وقت کاموں میں برکت اور کشادگی ہوتی ہے۔ (طبرانی)
حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے :
"اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں غم سے، حزن سے، کسل (سستی، بیکاری اور کاہلی) سے، بزدلی سے، بخل سے، قرض کے غلبہ سے اور لوگوں کے قہر سے۔ (الادب المفرد)
ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور واقعہ ہے جس کو آپ ﷺ نے کلہاڑا دیا بلکہ اس کا دستہ جو لگا کر دیا اور اسے محنت کی ترغیب دی اور جب پندرہ دن کے بعد وہ لکڑیاں جنگل سے کاٹ کاٹ کر بیچ کر روزی کما کر آیا تو پھر آپ ﷺ نے فرمایا : یہ محنت کی کمائی تمہارے لیئے اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم لوگوں سے مانگتے پھرو۔ (حیٰوۃ المسلمین)
حضرت خضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ آپ ﷺ نے ہم کو زیادہ آرام طلبی سے منع فرمایا اور ہمیں حکم دیا کہ کبھی کبھی ننگے پاؤں بھی چلا کرو (ابوداؤد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اپنے بندہ کو حلال روزی کی تلاش میں محنت کرتا اور تکلیف اٹھاتا دیکھے۔(الدیلمی، ترمذی)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہنر مند کو پسند فرماتا ہے۔(طبرانی)

جو شخص اپنے ہاتھ سے محنت کر کے شام کو تھکا ماندہ واپس آیا ہو اس کی شام اس حالت میں ہوتی ہے کہ اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔(طبرانی)

دینِ اسلام مسلسل محنت اور مسلسل کام کا نام ہے۔ کاہلی، سستی، بے طاقتی اس دین کا حصہ نہیں بلکہ آپ ﷺ نے کاہلی اور سستی سے پناہ مانگی ہے۔ حضور اقدس ﷺ جنگل سے لکڑیاں چن کر لائے، جہاد جیسی مجاہدانہ زندگی گزاری، تبوک کا سخت ترین اور مشکل ترین سفر کیا، طائف کا واقعی مشقت طلب سفر بھی طے فرمایا...... الغرض آپ ﷺ اور آپ کی جماعت نے قدم قدم پر محنت کی عظمت کو اجاگر کیا، اسی محنت کو دنیا کیلئے بھی استعمال کیا اور آخرت کیلئے بھی۔

یورپ کی زندگی اور ماحول نے مسلسل محنت کے بعد اپنا لوہا منوالیا ہے اور آج وہ محنت اور کام کی وجہ سے پوری دنیا پر حاکم ہیں۔

زیرِ نظر مضمون محقق کی عمیق تحقیق ہے اور اس نے یورپ کی زندگی کو نمونہ بنایا ہے لیکن ہمارے لیے نمونہ حضورِ اقدس ﷺ کی کامل اور مکمل زندگی ہے۔ بلکہ زیرِ نظر سطور کو پڑھ کر ہمارا دینِ اسلام پر یقین اور بڑھ جائے۔ محقق نے یورپی زندگی کی اچھائیاں اور واقعات بیان کیے ہیں۔ اگر کسی جگہ اس نے اپنا عقیدہ ظاہر کیا ہے تو ہمارا مقصودِ تحقیق اس کا عقیدہ نہیں بلکہ اس سے بہترین راہِ عمل حاصل کرنا ہے اور سنتِ نبوی ﷺ کو سامنے رکھ کر اس پر عمل کرنا ہے۔

محنت کی عظمت

Dignity of labour

رسکن کا مشہور قول ہے:

اگر آپ کو علم کی آرزو ہے تو اس کیلئے محنت ضروری ہے۔ اگر آپ کو خوراک کی ضرورت ہے تو اس کیلئے بھی محنت بنیادی شرط ہے۔ اگر آپ مسرت چاہتے ہیں تو اس کیلئے بھی محنت کرنا پڑے گی۔ محنت کی حیثیت قانون کی سی ہے، اس کی پابندی ہی آپ کو

ہر مقصد میں کامیاب کرا سکتی ہے۔

مسز اوس گڈ نے کہا ہے:

کام کرو کسی بھلائی کیلئے خواہ کتنا ہی آہستہ آہستہ کرو۔ پھول اگانے کی کوشش کرو، خواہ پھول کتنا ہی کم درجہ کا کیوں نہ ہو۔ محنت خواہ کسی قسم کی ہو ہمیشہ اعلیٰ اور متبرک ہوا کرتی ہے۔ تمہارے بڑے بڑے کام ہی خدا کی بارگاہ میں تمہاری مناجات ہیں۔

تم اسکول کیوں نہیں جاتے

Why do you not go to school

مسٹر گرے کے پندرہ سالہ لڑکے نے باپ سے التماس کی کہ مجھے اسکول جانے سے معذور سمجھا جائے۔ اس التماس کو باپ نے بڑی حیرت سے سنا اور بیٹے سے دریافت کیا: مگر تم اسکول کیوں نہیں جانا چاہتے؟ لڑکے نے جواب دیا: ابا جان! تعلیم سے میرا جی بھر گیا ہے.. مجھے تعلیم میں کوئی فائدہ دکھائی نہیں دیتا۔ باپ نے پھر دریافت کیا: کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم نے کافی علم حاصل کر لیا ہے؟۔ لڑکے نے جواب دیا: جتنا کچھ جارج لائی میں کو آتا ہے اتنا مجھے بھی آتا ہے، کئی مہینے ہوئے اس نے اسکول چھوڑ دیا ہے.. اب کبھی اسکول نہیں جائے گا کیونکہ اس کے باپ کے پاس بہت دولت ہے۔ اس کے جواب پر مسٹر گرے نے کہا اگر یہ بات ہے تو تم کو اسکول جانے کی ضرورت نہیں۔ لڑکے نے باپ کا شکریہ ادا کیا اور کمرے سے باہر نکلنے ہی والا تھا کہ باپ نے کہا: ایک منٹ اور ٹھہرو... میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی جس کے عوض تم میرا شکریہ ادا کرو، اگر تمہارا جی پڑھنے کو نہیں چاہتا تو تمہیں اسکول جانے کی ضرورت نہیں لیکن ایک بات سمجھ لو کہ اگر تم اسکول نہیں جاؤ گے تو تم کو کام پر جانا ہوگا ... میں تمہیں کاہل اور سست الوجود دیکھنا پسند نہیں کرتا۔

اگلے روز مسٹر گرے ایک جیل خانے کا معائنہ کرنے گئے تو اپنے لڑکے چارلس کو بھی ساتھ لے گئے۔ جیل میں ان کا بہت پرانا ہم جماعت قید تھا، جب وہ قیدی ان کے سامنے آیا تو مسٹر گرے بولے: ''مسٹر ہارسن! میں تم سے مل کر بہت خوش ہوا ہوں لیکن تمہیں اس جگہ دیکھ کر مجھے بے حد صدمہ پہنچا ہے''۔ قیدی نے جواب دیا: یہ ٹھیک ہے اسلئے کہ آپ میرے دوست ہیں اور دوستوں کو ایسے موقعوں پر دکھ ہوا کرتا ہے۔

پھر قیدی نے چارلس کو دیکھا تو بولا : میرا خیال ہے مسٹر گرے یہ آپ کے صاحبزادے ہیں ؟ مسٹر گرے نے کہا ہاں یہ میرا بیٹا ہے اس وقت یہ بھی اسی عمر میں ہے جس عمر میں میں اور تم ایک ساتھ اسکول جایا کرتے تھے۔ کیا تم وہ دن بھول گئے ؟ قیدی نے جواب دیا : کاش میں ان دنوں کی یاد اپنے دل سے محو کر سکتا بعض اوقات مجھے خیال آتا ہے کہ سب کچھ خواب وخیال ہے اور جاگنے پر بھی خواب وخیال معلوم ہو گا۔

مسٹر گرے نے پوچھا کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ وہ کیا اسباب تھے جن کے ہاتھوں تم اس حالت کو پہنچے ؟ تمہاری حالت تو قابلِ رشک تھی روپے پیسے کی ریل پیل تھی اور بظاہر کوئی غم نہ تھا۔ قیدی نے جواب دیا : میری کہانی بہت مختصر ہے۔ کاہلی اور غفلت نے مجھے برباد کر دیا۔ پڑھنا لکھنا مجھے پسند نہ تھا میرا خیال تھا کہ امیر آدمی کے بیٹے کو پڑھنے لکھنے کی کیا ضرورت ہے باپ کی موت پر بہت سی دولت میرے ہاتھ آئی۔ اس دولت کا ایک پیسا بھی میرا کمایا ہوا نہیں تھا۔ اسلئے مجھے اس کی قدر نہ تھی۔ مجھے پتہ بھی نہ چلا اور ساری دولت ختم ہو گئی۔ پس ایک خواب تھا اور جب آنکھ کھلی تو میری جیب میں ایک پائی بھی نہ تھی۔ اب حالت یہ تھی کہ مجھے دولت کی اشد ضرورت تھی لیکن دولت کمانے کا ڈھنگ مجھے آتا نہیں تھا۔ ایمانداری سے کچھ ہاتھ آنے کی توقع نہ تھی اسلئے میں نے جرائم کا راستہ اختیار کیا اور یہ راستہ مجھے اس جگہ لے آیا۔ جہاں میں اس وقت کھڑا ہوں کاش میں نے اپنا وقت غفلت اور کاہلی میں نہ گزارا ہوتا اور کچھ لکھ پڑھ لیا ہوتا...... تو یہ نوبت نہ آتی۔

اور جب چارلس اپنے باپ گرے کے ساتھ گھر واپس پہنچا تو اس کی دنیا میں انقلاب آچکا تھا اور گھر پہنچتے ہی کہا : ”ابا جان! میں کل سے روزانہ اسکول جایا کروں گا۔ میں بیکار رہ کے مجرم نہیں بننا چاہتا“۔

جان ایڈم کی داستان

John Adam's story

اسی قسم کا ایک اور واقعہ جان ایڈم نامی لڑکے کا ہے جو اسباق سے گھبراتا ہے۔ اس نے اپنے باپ سے التجا کی کہ وہ لاطینی زبان کی گرائمر نہیں سیکھنا چاہتا۔ اسلئے اسے ان اسباق سے محروم رکھا جائے۔ باپ نے جواب دیا : ”جانِ پدر ایسا ہی ہوگا ہاں اب تم یہ کرو کہ دلدلی زمین میں خندقیں کھودا کرو تاکہ اس زمین کو دلدل سے پاک کر دیا جائے۔ جان

کو لاطینی اسمائے ضمیر کی گردان منظور نہ تھی، لیکن باپ کے نئے حکم سے سر تابی کی جرأت بھی نہ تھی یہ تو نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ تعلیم سے بھی فراغت حاصل کرے اور کچھ کام بھی نہ کرے۔ اس نے بیلچہ اٹھالیا اور صبح سے شام تک دلدلی زمین میں کھدائی کرتا رہا۔ رات کو جب گھر آیا تو سارا جسم دُکھ رہا تھا اور ہلنے کی ہمت نہ تھی۔ اگلے روز اس نے اپنے باپ سے گزارش کی کہ وہ دلدلی زمین میں خندقیں نہیں کھودے گا بلکہ تعلیم حاصل کرے گا۔ باپ نے اسے منظوری دے دی اور پھر دنیا نے دیکھا کہ وہ ایک نامور شخصیت بن گیا اور واشنگٹن کے بعد امریکہ کا صدر مقرر ہوا۔

فرانسیسی مؤرخ

A French historian

ایمانداری سے محنت کرو تم ایک شاندار اور ساعت پذیر مسرت سے ہمکنار ہو جاؤ گے۔ ایک فرانسیسی مؤرخ لکھتا ہے: میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جس وقت مائیکل انجلو کی عمر تقریباً ساٹھ سال کی تھی اور جسم خاصہ کمزور ہو چکا تھا۔ اس وقت وہ سنگِ مرمر کے ٹکڑوں سے مجسمے تراشتے وقت اتنی تیزی سے پتھر کاٹتا تھا کہ ۱۵ منٹ میں وہ اتنا کام کر لیتا تھا۔ جتنا تین صحت مند آدمی ایک گھنٹے میں کرتے ہیں۔ وہ اس جوش و خروش اور مسرت سے کام کرتا تھا کہ دیکھنے والا ڈر جاتا تھا کہ سنگِ مرمر کا ٹکڑا اب چور ہوا، کیونکہ ایک ایک چوٹ پر تین تین چار چار انگل کا موٹا ٹکڑا کٹتا چلا جاتا تھا۔ کام یہ ایسا ہوتا تھا کہ اگر بال برابر بھی ادھر سے ادھر ہو جائے تو سارا مجسمہ بیکار ہو سکتا تھا۔

مائیکل انجلو نے رفائیل کے بارے میں لکھا ہے: یہ شخص بڑی پیاری روح کا مالک تھا اور جو شہرت اس نے حاصل کی یہ ذہانت کی بدولت نہیں تھی کہ جتنی کہ محنت کی بدولت تھی"۔ رفائیل سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے ایسے عجیب و غریب کام کس طرح کر دکھائے تو اس نے جواب دیا:

"بچپن سے لے کر میرا یہ اصول رہا ہے کہ میں کسی بات سے غفلت نہیں کرتا تھا"۔

یہ عظیم فنکار جس کی موت پر تمام روم نے اظہارِ رنج و غم کیا اور یورپ بھی زار و قطار رویا۔ صرف ۳۷ برس تک جیا۔ مگر ۲۸۷ تصاویر اور ۵۰۰ سے زائد نقشے، خاکے چھوڑ گیا۔ بعض اس کی تصاویر ایسی تھیں کہ ایک ایک کی قیمت ہزاروں لاکھوں تک پڑی۔

لیونارڈو ونسی کا مزاج

Disposition of Leonardo da Vinci

لیونارڈو ونسی بے حد خوش مزاج اور پُر عزم فنکار تھا۔ وہ صبح سویرے اپنا کام شروع کرتا اور اندھیرا ہونے تک اپنا کام جاری رکھتا تھا اور یہی اس کی لگاتار اور ایماندارانہ محنت کا نتیجہ تھا کہ ونسی کو ایک غیر فانی مصور کی حیثیت سے آج تک یاد کیا جاتا ہے۔ ان کی بنائی ہوئی تصاویر کی قیمت لاکھوں ڈالر تک پہنچ چکی ہے۔

ایک اور مصور یونس جب خوب مشہور ہو گیا اور اس کے پاس دولت کی ریل پیل ہو گئی تو ایک نامور کیمیاگر نے اس سے کہا کہ آؤ مل کے معمولی دھاتوں سے سونا بنائیں۔ اس پر یونس نے جواب دیا: ”تم بیس سال بعد آئے ہو اور دیر سے آئے ہو مجھے کیمیا گری کا راز بہت پہلے معلوم ہو چکا تھا۔ پھر اس نے اپنے رنگوں اور بُرش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ”جس چیز کو میں ان سے چھوتا ہوں، وہ سونے میں تبدیل ہو جاتی ہے“۔

تن من کی خبر نہ ہوتی

He was fully absorbed

ملیئس جب تصویر کشی کا کام کرتا تو اسے تن من کی خبر بھی نہ رہتی اسے صرف اپنے کام سے غرض ہوتی۔ جب تک وہ اپنا کام ختم نہ کر لیتا کسی طرف توجہ نہ دیتا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا: ”میں کھیتوں میں ہل چلانے

والے کسان کے مقابلے میں زیادہ محنت کرتا ہوں۔ نوجوانوں سے میری یہ نصیحت ہے کہ خوب دل لگا کے کام کیجئے۔ یاد رکھئے محنت ہی آپ کو اپنے مقاصد میں کامیاب کرا سکتی ہے۔ محنت کے بغیر ذہانت بھی کچھ کام نہیں آتی۔ میں کسی سے یہ نہیں کہتا کہ ہنر مند بنو۔ میں ہمیشہ یہ کہتا ہوں کہ: محنت کرو جی لگا کے مشقت کرو اور ایمان داری سے محنت کرو، حتیٰ کہ منزلِ مقصود آپ کے قدموں تلے ہو گی۔ محنت کے بغیر کامیابی کی امید خود فریبی اور حماقت ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہنے سے کچھ نہ ہو گا۔ خیالی پلاؤ کچھ فائدہ نہ پہنچائیں گے۔ ہوائی قلعے بنانے کی بجائے عملی طور پر کچھ کام کیجئے اور مٹی کے کچے مکانات ہی بنائیے۔ بیسیوں لوگ میرے پاس آتے ہیں اور اپنے بچوں کو مصوری سکھانے کے متعلق مجھ سے مشورہ طلب کرتے ہیں میرا ان سے ہمیشہ یہی

مشورہ ہوتا ہے کہ آپ کا بیٹا جو کچھ بننا چاہتا ہے۔ اسے اس کیلئے محنت کی تلقین کیجئے کیوں کہ محنتِ شاقہ ہی اسے اپنے مقاصد میں کامیاب کروا سکتی ہے۔

امیر آدمی کا واقعہ

An incident of a rich man

ایک بڑے ہی امیر آدمی کا واقعہ سنئے۔ اس نے شب و روز محنت کی کہ ذاتی آرام اور خوشی کو قربان کر دیا اور اپنے بچوں کے لئے معقول جائیداد بنالی۔ اس نے اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی اور انہیں یہ محسوس ہی نہ ہونے دیا کہ روپیہ کیا ہوتا ہے؟ اور کہاں سے آتا ہے؟ اسے اپنے بیٹوں سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں کہ وہ پڑھ لکھ کر بہت بڑے انسان بنیں گے لیکن نتیجہ اس کے برعکس نکلا۔ ایک لڑکا ڈاکٹر بنا مگر مریض اس کے پاس پھٹکتے تک نہیں۔۔ دوسرا وکیل ہے لیکن مؤکل اس سے دور بھاگتے ہیں۔۔ تیسرا سوداگر ہے لیکن اسے اپنے کاروبار سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ وہ انہیں نصیحت کرتا ہے کہ محنت کریں، باہمت بنیں اور کفایت شعاری کو اپنائیں لیکن وہ ایک کان سے سنتے اور دوسرے سے اڑا دیتے تھے۔ "ابا جان! اس سے کیا فائدہ؟ ہمارے پاس روپے پیسے کی کمی نہیں۔۔ آپ کا کمایا ہوا روپیہ ہم سب کیلئے کافی ہے۔

پطرسِ اعظم

Peter, The Great

پطرسِ اعظم اگرچہ ایک وسیع و عریض سلطنت کا مالک تھا مگر اس نے سخت محنت سے اصلی تاج حاصل کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ کسی بادشاہ نے ایسا نہیں کیا۔ پطرس نے شاہی لباس اتار کے ایک مزدور کے سے کپڑے زیب تن کئے۔۔ اس نے دیکھا کہ روس میں لوگوں کو صنعت و حرفت سے بہت کم واقفیت ہے۔۔ اس نے اپنے لوگوں کو صنعت و حرفت سے روشناس کرانے کیلئے دوسرے ممالک کا سفر کیا۔ سب سے پہلے وہ ہالینڈ پہنچا اور ایک عام مزدور کی حیثیت سے جہاز سازی کا کام سیکھا۔۔ بعد ازاں وہ انگلینڈ چلا گیا اور وہاں کاغذ سازی، لکڑی چیرنے اور رسے بٹنے کے کارخانوں میں بحیثیتِ مزدور کام کرتا رہا۔ اس کی خواہش تھی کہ ایک عام مزدور کی زندگی کا مطالعہ اس گہرائی سے کرے کہ اسے ان کے مسائل سے کماحقہ واقفیت حاصل ہو جائے۔ اس نے مہینہ بھر ملکر کی

بھٹیوں میں طرح طرح کا کام سیکھا اور ایک ماہ میں اٹھارہ پونڈ اجرت حاصل کی۔ روس کے بعض امراء جو اس کے ہمراہ تھے وہ اس کام کی نوعیت کو نہ سمجھ سکے۔ کام کرتے کرتے پطرس کے جوتے بالکل پھٹ گئے تھے اور اس نے اپنی محنت کی کمائی سے نئے جوتے خریدے تو اس کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اس موقع پر اس نے کہا تھا "یہ جوتے میں نے اپنے خون پسینے کی کمائی سے خریدے ہیں"۔

شہرۂ آفاق موجد تھامس ایڈیسن کہا کرتا تھا "جب میں کسی ایجاد کو مکمل کر لیتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ مجھے اب اس میں کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ کسی کو یہ بھی خیال ہو سکتا ہے کہ کام سے محبت رکھنے والے آدمی کیلئے ایجاد کا صلہ وہ رنج ہے جو اس ایجاد سے حاصل ہوتی ہے لیکن اپنی بابت تو میں یہ اطمینان سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ بات ہرگز نہیں .. مجھے زندگی کا لطف اتنا کبھی نہیں آیا جتنا اس وقت تھا جب میں نے ایک غریب لڑکے کی حیثیت سے تار برقی کے متعلق اصلاحات کی کوشش شروع کی تھی اور چھوٹے موٹے آلات کی مدد سے کام کا آغاز کیا تھا۔ میں اپنی ہر ایجاد کو اپنی لگاتار اور پُر خلوص محنت کا صلہ سمجھتا ہوں۔

پریذیڈنٹ ٹائلر

President Taylor

جب پریذیڈنٹ ٹائلر کی صدارتی مدت ختم ہو گئی تو اس کے بعد اس کے سیاسی مخالفین نے اسے سڑکوں کی پیمائش کا کام سونپا.. اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ مسٹر ٹائلر ان باتوں سے ناراض ہو جائیں گے اور لوگ ان کی ہنسی اڑائیں گے مگر ان کا یہ مقصد پورا نہ ہوا کیونکہ مسٹر ٹائلر نے اس منصب کو بخوشی قبول کر لیا تھا اور بڑی وضع داری سے اس منصب کو پورا کرتے رہے تھے۔ ان کا یہ طرزِ عمل ان لوگوں کی لئے جو محنت و مشقت سے نفرت کرتے ہیں ایک طرح کی خاموش مگر باوقار عبرت تھی جس سے متأثر ہو کر انہوں نے مسٹر ٹائلر سے التجا کی کہ وہ اس منصب سے مستعفی ہو جائیں .. مگر انہوں نے جوب دیا "صاحبان! میں کسی منصب کو قبول کرنے سے انکار نہیں کرتا اور نہ ہی کسی منصب سے مستعفی ہوا کرتا ہوں"۔

ایک چابی پر جرمن زبان میں ایک کتبہ منقوش ہے:

"سہل انگاری مجھے زنگ لگا دے گی"

اور یہ بالکل درست ہے۔ لوہے سے اگر کام نہ لیا جائے تو اس کو زنگ لگ جاتا ہے۔ اسی طرح اگر آدمی کوم نہ کرے تو اسے بھی زنگ کھا جاتا ہے۔

کام کی تقدیس

Purity of work

ٹامس کارلائل کام کی تقدیس یوں بیان کرتا ہے:

"مبارک ہے وہ شخص جسے کام میسر آ گیا اس کو کسی دوسری برکت کا طلبگار نہیں ہونا چاہیئے

اس کے پاس کرنے کیلئے کام ہے جو اس کی زندگی کا مقصد ہے

اسے وہ مقصد حاصل ہو گیا ہے

اس ندی کا طاس آدمی کی اپنی زندگی کے بدبودار کیچڑ اور دلدل سے شریفانہ بلند خیالی اور طاقت سے کاٹ کر بنایا گیا ہے اور اس میں ہر لحظہ، ہر منٹ زیادہ گہرائی بنانے والے دریا کی طرح وہ بہتا چلا جاتا ہے

دور و نزدیک گھاس کی جڑوں میں جو متعفن پانی جمع ہو گیا ہے وہ اسے بہائے چلا جاتا ہے اور وہاں دلدل کے بجائے ایک سرسبز مرغزار بناتا چلا جاتا ہے

جس میں صاف اور شفاف ندیاں بہہ رہی ہیں

مرغزار کیلئے یہ ندی کتنی متبرک ہے

ندی خواہ چھوٹی ہو یا بڑی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا

محنت ہی زندگی کا نام ہے

دراصل تمہارے پاس علم و عقل نام کی کوئی چیز نہین ہے سوائے اس کے جو تم کام کر کے حاصل کرتے ہو۔ ۔ باقی سب کچھ مفروضہ و معلومات ہیں"

والٹر اسکاٹ نے لکھا ہے

Walter scott writes

صبح ہی صبح اُٹھنے کی عادت مبارک ہے اگر مجھ میں یہ عادت نہ ہوتی تو میں یہ کام نہ کر سکتا۔ یہ عادت مجھے آزمائش کے لئے ہر وقت تیار اور مستعد رکھتی ہے" کہتے ہیں جو لوگ والٹر سکاٹ سے ملنے اس کے مکان پر آتے وہ تعجب

کیا کرتے کہ والٹر سکاٹ کو کام کرنے کا وقت کب ملتا تھا؟ کیوں کہ سارا دن مہمانوں کی آؤ بھگت میں گزار دیا کرتا تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ والٹر سکاٹ صبح ہی صبح بیدار ہو جاتا اور لکھنا شروع کر دیتا اور جب تک لوگ اٹھتے، ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہوتے اور اس کے گھر پہنچتے وہ اپنے روزانہ کے کام کا ایک بڑا حصہ ختم کر چکا ہوتا۔

کارلوئل کہتا ہے

Carlyle says

کرو.. کرو کچھ کرو کچھ کر دکھاؤ.. کچھ پیدا کرو
خواہ تمہارا کام نہایت ہی حقیر اور معمولی نتائج کا حامل ہی کیوں نہ ہو
خدا کیلئے اپنے کام کو تکمیل تک پہنچاؤ، اسے حقیر اور معمولی خیال نہ کرو
جو کچھ تمہارے اندر ہے اسے نکال کر ظہور میں لاؤ
اٹھو.. اٹھو کوشش کرو
جو کام بھی تمہیں کرنا ہے پوری محنت اور دیانت سے کرو
اسی میں کامیابی کا راز پوشیدہ ہے

کسی دانشمند کا قول ہے

A prudent saying

"ہر بیکار شخص مردے کے برابر ہے
انسان کو صرف اس صورت میں زندہ تصور کرنا چاہئیے کہ جب وہ دوسرے کے فائدے کیلئے کچھ کام کرتا ہو
بعض انسان بیس سال کی عمر میں پیدا ہوتے ہیں، بعض تیس سال کے ہو کر جنم لیتے ہیں اور بعض تو ساٹھ سال کی عمر میں تولّد ہوتے ہیں اور کچھ تو ایسے بھی ہیں جو موت سے گھنٹہ دو گھنٹہ پہلے وجود میں آتے ہیں
فی الحقیقت زندہ وہی ہے جو دوسروں کیلئے زندہ ہے
کائنات میں ایک ذرہ تک ایسا نہیں جسے بیکار کہا جائے

ہر بیکار شئے اپنے مقصد کی تکمیل میں لگی ہوئی ہے

مشہور فرانسیسی ناول نگار ''ایمل زولا'' کا قول ہے

Emile Zola says

مشہور ناول نگار ''ایمل زولا'' کا قول ہے ''کام دنیا کا سب سے بڑا اصول ہے جس کے باعث منظّم مادہ آہستہ آہستہ مگر اطمینان کے ساتھ اپنی منزلِ مقصود کی جانب رواں دواں ہے۔ یہ بلکل درست ہے زندگی کے اور کچھ معنی ہے ہی نہیں۔ یہ قدرت کا قانون ہے ۔جب ہم اپنے قویٰ سے کام لینا چھوڑ دیتے ہیں تو اس وقت اس میں تنزل شروع ہو جاتا ہے۔ قدرت ہمیں وہی چیز دیتی ہے جسے ہم استعمال کرتے ہیں اور جس سے کام لینا چھوڑ دیتے ہیں اسے واپس لے لیتی ہے۔

کسی نے خوب کہا ہے

How well said

ہر صبح خواہ بارش ہو، خواہ دھوپ ہو، خواہ دردِ سر ہو، خواہ دردِ دل اور چاہے دردِ دنداں.. ہمیں ایک مقررہ جگہ پر جانا ہے اور مقررہ کام کرنا ہے۔ چونکہ آٹھ دس گھنٹے لگاتار کام کرنے کے بعد ہی آرام میسر آسکتا ہے اس لئے محنت بنیادی شرط ہے۔ اگر آپ کامیابی کے متمنی ہیں اور اپنی زندگی کو خوشحالی اور مسرت سے ہم کنار دیکھنا چاہتے ہیں تو کبھی بیکار نہ رہیئے... خوب جی لگا کر محنت کیجئے اور محنت سے کبھی جی نہ چرایئے۔ ایک مقررہ وقفے تک کام کیجئے اور پھر آرام کیجئے۔ آپ محسوس کریں گے کہ صحت کے بعد آرام میں کتنی راحت اور مسرت پوشیدہ ہے۔

کاہل اور سست الوجود کا نقشہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان لفظوں میں کھینچا ہے:

''ذرا اور سولوں.. کچھ دیر اور انگڑائیاں توڑلوں.. ذرا اور ہاتھ سمیٹ کر لونگھ لوں''

مکتبِ حیات

A livnig school

ہم درحقیقت جو کچھ سیکھتے ہیں مکتبِ حیات میں سیکھتے، درسگاہیں اور کتابیں ہمیں کچھ نہیں سکھاتیں (سینیکا)۔

میرا خیال ہے کہ دنیا میں سب سے بہتر تعلیم وہ ہے جو ہم اپنے سے زیادہ علم رکھنے والے لوگوں کے ساتھ گفتگو کر کے حاصل کرتے ہیں اور جس کے حاصل کرتے وقت ہمارے اندر کوئی خاص قسم کا احساس نہیں ہوتا۔(بلور)

تجربات کے مکتب میں اخراجات بہت ہوتے ہیں لیکن جو احمق کسی اور جگہ سے بھی کچھ نہیں سیکھتے یہاں بھی ناکام رہتے ہیں۔ دراصل ہم لوگ نصیحت ہی کر سکتے ہیں کردار نہیں دے سکتے، جو لوگ مشوروں سے نصیحت بھی حاصل نہیں کرتے ان کیلئے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ اگر عقل کی بات گوشِ ہوش سے نہیں سنتے تو زندگی میں ٹھوکریں کھاؤ گے۔(فرینکلن)

سموئیل ڈریو

Samuel Drews

سموئیل ڈریو جوتے بنانے کا کام کرتا تھا۔ ایک دن کسی سیاسی مباحثے میں اس کا خاصا وقت ضائع ہو گیا، اس نے سوچا چلو دن میں جو وقت ضائع ہوا ہے اسے رات کو پورا کریں گے۔ چنانچہ وہ رات کے آخری پہر تک کام کرتا رہا۔ ایک چھوٹے لڑکے نے اس کے دروازے کے دراڑ میں سے پکار کے کہا:

”موچی .... اے موچی! دن کو تو دوڑتا پھرتا ہے اور رات کو کام کرتا ہے“۔

ڈریو نے یہ واقعہ اپنے ایک دوست سے بیان کیا تو دوست نے کہا:

”کیوں جی.. آپ نے اس لڑکے کو پکڑ کر اس کے کان نہیں کھینچے؟ ڈریو نے جواب دیا: نہیں... نہیں، اگر وہ میرے کان کے پاس پستول چلا دیتا تو بھی مجھے اتنی ندامت اور پشیمانی نہ ہوتی جتنی اس کی بات سے ہوئی ہے۔ میں نے کام تو ہاتھ سے چھوڑ دیا اور دل میں یہ عہد کیا کہ اس لڑکے کو یہ بات دوبارہ کہنے کا موقع نہ دوں گا، میرے لیے لڑکے کی یہ آواز خدا کی آواز تھی اور زندگی بھر یہ آواز میری راہنمائی کرتی رہی۔ اس سے میں نے یہ سیکھ لیا کہ آج کا کام کل پر نہیں چھوڑنا چاہئیے اور کام کرتے وقت غفلت اور کوتاہی سے بچنا چاہئیے۔

ڈریو نے اسی دن سے وقت ضائع کرنے کی عادت چھوڑ دی اور ایک کاروباری انسان کی حیثیت سے ایک خود مختار آدمی بن گیا۔ بعد ازاں وہ ایک بلند پایہ عالم اور مصنف

کی حیثیت سے مشہور ہوا۔
"ارے گو" ایک جلد ساز تھا۔ وہ ریاضی کی ایکدرسی کتب کی جلد باندھ رہا تھا اچانک اس کی نظر ایک ردی کاغذ پر پڑی، لکھا تھا "چلتے رہو.. بڑھتے چلو.. راستے کی مشکلات سے خوف نہیں کھاؤ، تم جوں جوں آگے بڑھتے جاؤ گے گویا خود بخود سلجھتی چلی جائیں گی، بڑھتے چلو... اجالا ضرور ہو گا اور اندھیری راہیں جگمگا اٹھیں گی"۔
یہ ایک خط کی نقل تھی جو ڈیلم برٹ نے اپنے ایک دوست کو لکھا تھا لیکن ارے گو نے اس خط کو اپنی زندگی کا رہبر مان لیا اور اپنے زمانے کا شاہد النجوم (ASTROLOGIST) بن گیا۔ اس کا قول ہے: "علم ریاضی میں وہی خط میرا استاد ہے، میں نے جو کچھ سیکھا ہے اسی سے سیکھا اور جو کچھ حاصل کیا اسی سے حاصل کیا"۔

ایڈ منڈ برک کہتا ہے

Edmund Burke says

مشکلات دراصل ہماری محسن ہیں، وہ ہمیں ہماری کمزوریوں، ہمارے مقاصد اور ہماری کوتاہیوں سے آگاہ کرتی ہیں۔ وہ ہمیں مجبور کرتی ہیں کہ ہم اپنے مقصد پر ہر تعلق اور ہر رشتے کی روشنی میں غور کریں۔ مشکلات ہمیں حوصلہ، جرأت اور استقلال عطا کرتی ہیں۔
قدرت کو بیکاری اور تساہل پسندی سے نفرت ہے۔ بیکاری ور تساہل پسندی مالدار میں ہو خواہ غریب میں۔ شمالی امریکہ کے باشندے اپنی ہمت، استقلال اور دانش و حکمت کیلئے مشہور ہیں لیکن جنوبی امریکہ کے لوگ کاہل و جاہل اور کم ہمت مشہور ہیں۔
اگر آپ مشہور امریکی لوگوں کی تاریخ کی ورق گردانی کریں تو پتہ چلے گا کہ یہ تاریخ قابل ترین افراد سے بھری پڑی ہے۔ ایک مصنف نے ایک چھوٹی سی کتاب لکھی ہے جس میں ایک مصنف نے ایک سو اکانوے مشہور مردوں اور عورتوں کا حال لکھا ہے۔ جو زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں حیثیت سے زندہ رہے۔ ان میں نثر نگار، شاعر، موسیقار، نقاد، مصور، واعظ اور موجد شامل ہیں۔ سبھی مشہور لوگ میسا چوسٹس کی اسکس کونٹی میں پیدا ہوئے تھے۔
شاہکار اور غیر فانی کتابیں کون سی ہیں؟ سمندر، پہاڑ، دریا، جنگلات، ریگستان، مرغزار، شہر اور ویرانے...... یہ سب کتابیں ہی تو ہیں۔ سینۂ ارض پر ایستادہ پہاڑ دنیا کی

قدیم سے قدیم ترین کتب سے زیادہ قدیم اور فصیح و بلیغ ہیں۔ ان میں ایرانیوں، ہندوؤں اور یونانیوں کے افکار سے زیادہ عمیق اور عظیم افکار پوشیدہ ہیں۔ جو کوئی انہیں چشمِ بصیرت سے پڑھتا اور گوشِ معرفت سے سنتا ہے اس کیلئے ان کے اندر علم و عرفان کے خزانے مخفی ہیں۔ بلند و بالا پہاڑ قدرت کے عظیم رازوں کے امین ہیں۔

سمندر بھی ایک غیر فانی کتاب ہے.. لیکن ہر شخص اس کتاب کو پڑھنے پر قادر نہیں ہے۔ کہاں ہے وہ فاضل جو اس کتاب کو پڑھ سکے؟ اس کے الفاظ کا مفہوم پا سکے؟ ہومر ملٹن اور شیکسپیئر کے تمام شاہکار اس کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔

شہر بھی ایک زندہ جاوید کتاب ہے۔ شہر بھی کون سا جو انسانوں سے بھرپور ہو۔ اس کے اندر بے شمار المیے اور طربیے بھی ہیں۔ اس کی فضا میں گونجنے والی نظمیں احاطۂ تحریر میں نہیں لائی جاسکتیں جو شخص اس کتاب کو پڑھ کر اس کی معرفتوں کو پالے وہ کہکشاں کی حدود کو پھلانگ سکتا ہے اور تحت الثریٰ تک جاسکتا ہے۔ اس کی روح خدائے عظیم و بصیر کے رازوں کو جان لیتی ہے اور اس کی آنکھیں اس کے اسرار کو دیکھ لیتی ہیں۔ مجھے ایسی ہی کتابوں کی ضرورت ہے۔ میں انہی کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔ شباب سے ضعیفی تک زندگی کا دور نہایت مختصر ہے۔ اگر میں نے اس کتاب کا صرف ایک بھی صفحہ پڑھ لیا تو مجھے زندگی کے مختصر اور تیز رو ہونے کا احساس نہیں رہے گا۔

پیچر نے لکھا ہے

Writings of Pitcher

اخبارات عام لوگوں کیلئے معلمین کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کیلئے خزانوں سے بڑھ کر ہیں، روزانہ اخبار تجدید عہد کا اک معجزہ ہے جو کروڑوں افراد کو علوم کی روشنی عطا کرتا ہے۔

بچوں کو ایسی تعلیم سے آراستہ کرنا چاہیئے کہ وہ ہر جگہ حسن و رعنائی کو تلاش کر سکیں اور قدرت کی نیرنگی میں مخلوقات کی عظیم نظم کا مطالعہ کر سکیں۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ قدرت کے رازوں سے معمور ہے، اس کے اندر علم و حکمت کے اسرار پوشیدہ ہیں ضرورت صرف غور و فکر کی ہے۔

قدرت ہر طریقے سے ہمیں ترغیب دیتی ہے کہ ہم اس کے قوانین کی پیروری کریں۔ فطرت کے قوانین کی پیروی سے ہمیں مسرت اور شادمانی کی دولت میسر آتی

ہے ، صحت و تندرستی کا راز بھی قوانینِ فطرت کی پیروی میں ہے۔ ان قوانین کی خلاف ورزی سے ہمارا جسم علیل اور ہماری روح پژمردہ ہو جاتی ہے۔ قدرت ہمیں تندرستی عطا کرتی ہے کہ ہم جدّوجہد کر سکیں، اس نے ہمارے لیے کیسی کیسی نعمتیں عطا کر رکھی ہیں، قدرت مہربان ماں کی طرح ہے ہمیں اس کے احکام اور ہدایا کی پابندی کرنی چاہئیے۔

مکتبِ حیات میں پڑھائے جانے والے اسباق بلا شبہ بیحد مشکل اور ادق ہیں لیکن جو کوئی انہیں سیکھ لیتا اور ان پر عمل کرتا ہے وہ زندگی میں کبھی ناکام نہیں ہوتا۔ فطرت کے اسباق میں ایک سبق "محنت" کا بھی ہے۔ محنت انسان کی سب سے بڑی رہنما ہے۔ محنت کے ذریعے انسان ایسے اصول و ضوابط سیکھتا ہے جو اسے زندگی کی ہر مشکل سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت بخشتے ہیں۔ محنت ہمیں فطرت کے اس مکتب میں داخل کرتی ہے جہاں ہمیں زندگی اور اس کے اصل حقائق سے سابقہ پڑتا ہے، یہیں ہمیں عزم و استقلال کا درس ملتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ارشاد ہے :

"محنتی آدمی کا ہاتھ حکمران ہو گا اور سست آدمی ہمیشہ باجگزار رہے گا"

خلیل جبران کا قول

Sayings of Khalil Jibran

محنت کی عظمت و تقدّس کے بارے میں لبنان کے پیغمبرِ ادب "خلیل جبران" نے اتنا معنی خیز اور خوبصورت وعظ دیا ہے کہ جس کی مثال پورے عالمی ادب میں عنقا ہے۔ اپنی مشہور تصنیف ("النبی ﷺ") (THE PROPHET) میں محنت کی عظمت کے بارے کہتا ہے :

"تم محنت اس لئے کرتے ہو کہ کاروانِ حیات کے ساتھ قدم بقدم چل سکو اس لئے کہ کاہل راہنما قافلۂ حیات سے بچھڑ جانے کے مترادف ہے۔

جب تم محنت کرتے ہو تو گویا ایک بانسری بن جاتے ہو جس کے سینے سے پھوٹنے والی لازوال موسیقی کی ایک لَے حیاتِ انسانی پر چھا جاتی ہے۔

جب تم محنت کرتے ہو تو تم کائنات کے اس اعلیٰ مقصد کو پورا کرتے ہو جس کیلئے تم اسی دن نامزد کر دیئے گئے تھے جس روز وہ مقصدِ عظیم تخلیق ہوا تھا۔

محنت کا دامن تھام کر تم گویا زندگی کا دامن تھام لیتے ہو اور جب تم محنت کے

ذریعے زندگی کو محبوب بناتے ہو تو گویا زندگی کے عزیز ترین رازوں سے واقف ہو جاتے ہو۔

محنت در حقیقت محبت کا ایک عظیم مظہر ہے.. نظر آنے والی شکل میں۔

محبت جسم ہے اور محنت اس کی روح ہے۔

اگر تم محبت کے ساتھ محنت نہیں کر سکتے تو بہتر ہے کہ اپنا کام ترک کر کے کسی مندر کے دروازے پر بیٹھ رہو اور ان لوگوں سے بھیک مانگ لیا کرو جو اپنے کھیتوں سے مسرور واپس آتے ہیں تاکہ دیوتاؤں کے درشن کر سکیں''

دیانت داری

Honesty

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا:
اگر تم میں سے کسی کو یہ محسوس ہو کہ اسے رزق کے حصول میں دیر ہو رہی ہے تو بھی وہ اللہ کی نافرمانی کر کے ہرگز رزق طلب نہ کرے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اس کی نافرمانی کر کے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ (حاکم، رغیب، ج ۳)

حلال رزق کی تلاش فرائض کی ادائیگی کے بعد دوسرا فریضہ ہے۔ (طبرانی، بیہقی)

سچا اور امانت دار تاجر انبیاءِ کرام علیہم السلام اور صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی، مشکوٰۃ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:
اللہ اس شخص پر رحم کرے جو نرم خو ہو بیچتے وقت بھی، خریدتے وقت بھی اور اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے وقت بھی۔ (بخاری، مشکوٰۃ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:
بہترین کمائی ان تاجروں کی ہے جو بات کہیں تو جھوٹ نہ بولیں، امانت رکھیں تو خیانت نہ کریں، وعدہ کریں تو خلاف ورزی نہ کریں، کچھ خریدیں تو (سامان کی) مذمت نہ کریں بیچیں تو (مبالغہ آمیز) تعریف نہ کریں، ان کے اوپر کسی کا حق واجب ہو تو ٹال مٹول نہ کریں اور ان کا حق کسی پر واجب ہو تو اسے تنگ نہ کریں۔ (بیہقی، ترغیب)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جب ذاتی کام کرتے تو بیت المال کا چراغ بجھا دیتے اور ذاتی چراغ جلا لیتے۔ (معمولات)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ :

جھوٹ بولنے سے رزق گھٹ جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ :

سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی سے جھوٹی بات اس طریقے سے بیان کرو کہ وہ اس کو سچ سمجھے۔ (الادب المفرد)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ :

جو عیب دار چیز فروخت کرے اور اس کے عیب کو ظاہر نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں مبتلا رہتا ہے یا یہ کہ فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ (مشکوٰۃ)

اسلام دیانت اور ایمانداری کا مذہب ہے۔۔ ہم نے چھوڑ کر ناکامی مول لی اور یورپ نے اپنا کر کامیابی۔۔ تو پھر یورپ کی زندگی میں کامیاب لوگوں کے حالات پڑھیں۔

دیانت داری

Honesty

☆ دیانت دار انسان خدا کی بہترین تخلیق ہے۔ (یورپ)

☆ دیانت دار آدمی خواہ کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو اس کے باوجود وہ انسانوں کے درمیان ایک سلطان کا درجہ رکھتا ہے۔ (برنس)

☆ میں پریذیڈنٹ بننے کے بجائے دیانت دار بننا زیادہ پسند کروں گا۔ (ہنری کلے)

☆ خطِ مستقیم۔۔ جیومیٹری میں دو لفظوں کے درمیان چھوٹے سے چھوٹا خط ہے، اسی طرح اخلاق میں دیانت داری سب سے چھوٹا راستہ ہے۔ (آئزک بیرو)

پریذیڈنٹ جون کونسی

President John Quincy

پریذیڈنٹ جون کرنسی کے بیٹے نے اپنے باپ کے ڈیسک میں سے ایک کاغذ نکالا۔۔ باپ نے اسے کہا کہ یہ خط جہاں سے اٹھایا ہے وہیں رکھ دو۔ اس لیئے کہ یہ سرکاری خط ہے۔۔ یہ کاغذات سرکاری ہیں اور ان پر صرف سرکاری نوعیت کے خطوط ہی لکھے جا سکتے ہیں۔ میرے ذاتی کاغذات دوسری دراز میں ہیں وہاں سے لے لو اور اپنا

کام چلاؤ.. میں سرکاری اشیاء کو ذاتی استعمال میں نہیں لاتا۔
مسٹر جان کو نسی اور بھی کئی باتوں میں مشہور تھے۔ درستی، سچائی اور پابندیٔ وقت کیلئے ان کی خاص شہرت تھی۔ جب وہ ایوان کے ممبر تھے تو ایوان میں ان کا داخل ہونا اس بات کی علامت تھی کہ کاروائی شروع ہونے کا وقت ہو گیا ہے۔ اگر کسی سے ملاقات کا وقت مقرر کر لیتے تو اس کو بالکل پورا کرتے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ کسی دوسرے کا وقت ضائع کرنا انتہائی درجے کی بد دیانتی ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

An incident in the life of Shaikh Abdul Qadir Jilani

دیانت داری اور سچائی کے سلسلے میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہمارے لیئے مشعلِ راہ ہے۔ کہتے ہیں کہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو سفر پر روانہ کرتے وقت ماں نے انہیں چالیس دینار سفر خرچ کے لیئے دیئے چلتے وقت ماں نے نصیحت کی.. جاؤ بیٹا خدا حافظ. ہو سکتا ہے ہم ماں بیٹے کی ملاقات نہ ہو سکے لہٰذا مجھ سے وعدہ کرو کہ زندگی بھر جھوٹ نہیں بولو گے۔

عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ نے ماں سے وعدہ کیا اور سفر پر روانہ ہو گئے۔ چند دن کے سفر کے بعد ڈاکوؤں نے قافلے پر حملہ کر دیا، ایک ڈاکو نے عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا: ''بتا تیرے پاس کیا ہے؟'' عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ ''میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ جو میری قبا میں سلے ہوئے ہیں''۔ یہ جواب سن کر ڈاکو ہنس پڑا۔ اس پر دوسرے ڈاکو نے کڑک کر پوچھا: ''سچ سچ بتا.. تیرے پاس کیا کچھ ہے؟'' عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ نے وہی جواب دہرایا.. مگر ڈاکوؤں نے ان کی بات پر یقین نہ کیا.. کیونکہ جواب بڑی سادگی اور صفائی سے دیا گیا تھا۔ ڈاکوؤں نے انہیں پکڑا اور اپنے سردار کے پاس لے گئے.. سردار نے پوچھا:

اے لڑکے.. اگر تو اپنی جان کی امان چاہتا ہے تو سچ سچ بتا دے کہ تیرے پاس کیا کچھ ہے؟...... جھوٹ بولو گے تو سزا پاؤ گے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا: ''میں نے تمہارے دوساتھیوں کو سچ سچ بتا دیا ہے کہ میری قبا میں چالیس دینار سلے ہوئے ہیں مگر انہیں میری بات پر یقین ہی نہیں آتا۔

سردار نے حکم دیا کہ اس کی قبا ادھیڑ دو!......اور جب قبا ادھیڑی گئی تو اس میں سے چالیس دینار ہی نکلے۔ ڈاکوؤں کے سردار نے کہا: اے لڑکے.. تو نے سچ کیوں بولا؟

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا: "میں نے چلتے وقت اپنی ماں سے وعدہ کیا تھا کہ میں کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا"۔ اس لیئے اپنی ماں سے کیئے گئے عہد کو توڑنا میرے لیئے گناہ سے کم نہیں۔

ڈاکوؤں کا سردار اس جواب سے کانپ گیا.. اس نے سوچا کہ لڑکا اپنی ماں سے اس قدر ڈرتا ہے اور جھوٹ کے قریب بھی نہیں پھٹکتا اور ایک میں ہوں کہ اپنے خدا کے احکام کی برسوں سے خلاف ورزی کرتا آیا ہوں اور ذرا بھی ڈر محسوس نہیں کرتا ہوں۔ پھر ڈاکو نے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اپنے گزشتہ گناہوں کی معافی چاہی اور آئندہ کیلیئے راہِ راست پر چلنے کی قسم کھائی۔ ڈاکو کی تقلید میں اس کے ساتھیوں نے بھی توبہ کر لی اور ڈاکہ زنی کے پیشے سے تائب ہو گئے۔

ایک دیہاتی اسکول

A Village School

ایک دیہاتی سکول کا ذکر ہے کہ ماسٹر صاحب نے لڑکوں سے کہا کہ وہ ایک مشکل لفظ کے ہجے کریں۔ جماعت میں کل اٹھارہ طالبعلم تھے۔ سب سے پہلا لڑکا ٹھیک جواب نہ دے سکا۔ ہوتے ہوتے سترہ لڑکے بھگت گئے کوئی بھی ٹھیک جواب نہ دے سکا۔ آخر اٹھارہویں لڑکے کی باری آئی جو قد اور عمر میں سب سے چھوٹا تھا۔ اس نے جو جواب دیا بالکل درست تھا۔ اس پر اسے استاد نے سب سے آگے بٹھا دیا۔ پھر استاد نے وہی لفظ بلیک بورڈ پر لکھا تاکہ طلبہ اس کے ہجے اچھی طرح یاد کر لیں۔ لیکن جوں ہی استاد نے لفظ لکھا وہ لڑکا اٹھ کر پھر پیچھے چلا گیا اور کھڑا ہو کر کہنے لگا: "سر میں نے غلط ہجے کیئے تھے!"۔ وہ چھوٹا لڑکا اتنا دیانت دار تھا کہ اس نے جو کام نہیں کیا تھا اس کے بدلے میں مفت کی شاباش لینی مناسب نہ سمجھی تھی۔

بڑا پادری

A well-known porson

ایک بڑا پادری اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے ان کا کفارہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ اس کے

دل میں در حقیقت یہ خواہش تھی کہ اپنے آپ کو گناہ گار کہہ کر عظیم انسان ہونے کی شہرت حاصل کرے۔ جس دوسرے پادری کے سامنے وہ اعتراف کر رہا تھا.. اس سے بولا: میں ہر قسم کے گناہوں کا مرتکب ہوتا رہا ہوں سننے والا پادری بولا آپ واقعی سچ کہہ رہے ہیں۔ پھر پہلے نے کہا: میں نے فخر و غرور، کینہ پروری، انتقام پروری وغیرہ سبھی گناہ کیئے ہیں۔ سننے والا بولا: اس میں کوئی شک نہیں.. آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ اس کے منہ سے یہ سن کر اعتراف کرنے والا پادری سخت غصے سے بول اٹھا: "اے بے وقوف شخص! جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ لفظ بہ لفظ سچ نہیں ہے۔ اس پر سننے والا پادری بولا: خوب! اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ دروغ گو بھی ہیں.. کیا یہ سچ نہیں ہے؟ اس بات پر اعتراف کرنے والے پادری کا سر شرم سے جھک گیا۔

وکیل اور مؤکل

Advocate & Client

دیانت داری اور صاف گوئی کی ایک اور مثال دیکھیئے۔ یہ ایک وکیل اور اسکے مؤکل کے درمیان ایک مکالمے کی صورت میں ہے۔ مؤکل کا نام ایلن تھا.. اسے کسی دوسرے شخص کا قرضہ دینا تھا.. قرض وصول کرنے والے شخص نے معاملہ عدالت تک پہنچادیا۔ اسپر ایلن جونز نامی ایک وکیل کے پاس پہنچا اور اس سے کہنے لگا:

"میں ایک شریف آدمی ہوں.. مجھے ایک صاحب کے ساٹھ پونڈ دینا ہیں.. میں نے اسے تمسک لکھ کر دیا ہوا ہے اب اس شریف آدمی نے بات عدالت تک پہنچادی ہے.. میں قرض فوری طور پر ادا نہیں کر سکتا.. آپ سے گزارش ہے کہ آپ اسکی ادائیگی التوا میں ڈلوادیں.. اس اثنا میں میں ادائیگی کا بندوبست کرلوں گا"۔

عدالت میں کیس شروع ہوا تو ایلن کے وکیل نے کہنا شروع کیا:

"حضورِ والا! یہ تمسک جو عدالت میں پیش کیا گیا ہے۔ اس پر میرے مؤکل کے دستخط نہیں بلکہ یہ جعلی ہیں"۔ اس دلیل بازی سے وکیل کا یہ مطلب تھا کہ بوسٹن سے گواہوں کی طلبی ہوگی جس سے کافی وقت روپے کی ادائیگی کیلیئے مل جائے گا۔

مگر ان کی دلیل بازی پر مؤکل بول اٹھا:

مسٹر جونز! میں نے آپ کو وکالت نامہ اس مطلب کیلئے نہیں دیا کہ آپ کچہری میں آکر جھوٹ بولیں یہ تمسک درست ہے، میں نے اس پر دستخط کیئے ہیں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ دستخط میرے ہی ہیں۔ میں ادائیگی سے منکر نہیں ہوں بلکہ مجھے صرف مہلت چاہیے۔ میں نے آپ کو وکیل اس بات کیلئے بنایا تھا کہ آپ مجھے کچھ مہلت دلوادیں۔ میری یہ خواہش نہ تھی کہ آپ جھوٹی دلیل بازی کریں"

یہ سن کر وکیل بہت شرمندہ ہوا لیکن مجسٹریٹ مسٹر ایلن کی صاف گوئی پر اتنا خوش ہوا کہ مقدمے کی ساعت ملتوی کردی اور مسٹر ایلن کو مہلت دی کہ وہ اس اثنا میں ادائیگی کا بندوبست کرلیں۔

نووارد تاجر

A New Businessman

ایک نووارد تاجر کسی گاؤں میں داخل ہوا دیہاتی اس کی اشیاء کو دیکھنے جوق در جوق آئے مگر کسی نے بھی کچھ نہ خریدا۔ سب سے آخر میں اس گاؤں کا رئیس مال دیکھنے کیلئے آیا۔ مال دیکھنے کے بعد اس نے ایک کمبل اور ایک ململ کا تھان پسند کیا اور تاجر سے کہنے لگا: "کمبل کے عوض تمہیں تین سمور، اور ململ کے تھان کے عوض تمہیں ایک سمور، یعنی کل چار سمور ملیں گے"۔ تاجر رضامند ہو گیا۔۔ کچھ دیر بعد گاؤں کا رئیس پانچ سمور لے کر آیا اور تاجر سے کہا: لو بھائی تمہارے مال کے بدلے میں حسبِ وعدہ پانچ سمور لے آیا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے گٹھے میں سے پانچ سمور نکالے اور تاجر کے سامنے رکھ دیئے۔ چار سمور بھی خاصے قیمتی تھے۔ مگر پانچواں سمور سب سے زیادہ خوبصورت اور قیمتی تھا، تاجر نے چاروں اٹھالئے۔ اور پانچواں سمور لینے سے انکار کر دیا۔

رئیس نے کہا: لے لو بھائی۔۔ میں نے پانچ سموروں کا ہی وعدہ کیا تھا لیکن تاجر نے جواب دیا: حضور آپ بھولتے ہیں۔۔ میں نے صرف چار سموروں کے عوض مال بیچا تھا۔ اس پر رئیس نے کہا: میرا خیال ہے تم بھول رہے ہو۔۔ میں نے تمہیں پانچ سمور دینے کا وعدہ کیا تھا، مگر تاجر نے انکار کر دیا اور جواب دیا: "محترم آپ کو شاید یاد نہیں رہا۔۔ میں نے صرف چار سموروں کے عوض سودا طے کیا تھا۔۔ میں آپ کی یادداشت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اپنی روزی حرام نہیں کرنا چاہتا۔۔ یہ کاروباری دیانت کے خلاف ہے"۔

رئیس بہت خوش ہوا اور لوگوں سے کہنے لگا: "یہ تاجر بے شک دیانتدار اور بااصول ہے۔ میں نے اس کی آزمائش کی تھی۔ اگر یہ پانچواں سمور لے لیتا تو میں اس کو گاؤں سے نکلوا دیتا لیکن اس نے دیانت اور سچائی کا دامن نہیں چھوڑا۔ لہذا میری یہ خواہش ہے کہ اس سے کاروبار ضرور کیا جائے، یہ حرص و ہوس سے بلند اور دھوکے فریب سے مبرا ہے"۔ اور پھر شام ہونے تک تاجر کا سارا مال فروخت ہو گیا۔

دیانت داری ضرب المثل ہے

Honesty is proverbial

نیو اور لینز میں جیکب پارکر بڑی اچھی شہرت کا کاروباری انسان تھا۔ اسکی دیانت داری ضرب المثل تھی۔ ایک بار جب کہ اس کا مال بحری جہاز سے آرہا تھا کہ جہاز کی آمد میں کچھ تاخیر ہو گئی۔ جیکب بارکر ایک بیمہ کمپنی کے دفتر میں گیا کہ جہاز کا از سرِ نو بیمہ کرائے۔ چونکہ جہاز کی سلامتی میں شبہ تھا اسلئے کمپنی والوں نے پریمیم کی شرح کچھ زائد طلب کی۔ بارکر زائد شرح پریمیم پر رضامند نہ ہوا اور بیمہ کمپنی کے دفتر سے لوٹ آیا۔ اسی رات خبر آگئی کہ جہاز تباہ ہو گیا.. جہاز کی تباہی کا سن کے بارکر کو کچھ ملال نہ ہوا اور رضائے الٰہی پر شکر ادا کرتے ہوئے خاموش ہو گیا۔ اگلی صبح بیمہ کمپنی کا ایک آدمی اس کے پاس آیا اور کہا:

"مسٹر بارکر! ہم نے آپ کے جہاز کے بیمے کے کاغذات آپ کی مجوزہ شرح پریمیم پر تیار کر دیئے ہیں۔ آپ پالیسی لے لیجئے۔

مگر بارکر نے جواب دیا: بھائی اب کچھ نہیں ہو سکتا، جہاز کے متعلق خبر آچکی ہے۔
مگر بیمہ کمپنی والے بضد رہے کہ اب پالیسی تیار ہو چکی ہے اور آپ اسے رد نہیں کر سکتے۔
بارکر نے مجبوراً پالیسی لے لی اور بیمہ کمپنی والوں کو اپنی جلد بازی کے باعث رقم ادا کرنا پڑی۔ اس کے بعد شہر بھر میں خبر پھیل گئی کہ مسٹر بارکر کا جہاز تباہ ہو گیا.. ساتھ ہی یہ بھی مشہور ہو گیا کہ کس طرح کمپنی والوں نے خود کو دھوکہ دے کر بیمہ کرنے میں جلدی کی جب کہ مسٹر بارکر بیمہ پر ہرگز تیار نہ تھے۔

مزاح نگار مارک ٹوین

Mark Twain the humorist

مشہور مزاح نگار مارک ٹوین نے لکھا ہے کہ ایک شخص کے پاس پرندوں کے متعلق ایک نایاب کتاب تھی، اگر وہ اسے بازار میں فروخت کرتا تو اس کی قیمت کم سے کم ایک ہزار ڈالر ہوتی۔ مگر ایک خریدار نے یہ کتاب صرف ایک سو ڈالر میں خرید لی اور بہت خوش ہوا کہ اسے یہ کتاب سستے داموں ہاتھ لگ گئی۔

اس کے برعکس دوسرا واقعہ سنئے...... ایک بوڑھی عورت کا پاس انجیل مقدس کا ایک قدیم نسخہ تھا.. اس نے اسے ایک خریدار کے ہاتھ ایک سو ڈالر میں فروخت کرنا چاہا.. مگر خریدار نے بڑھیا کو لکھا کہ اگر یہ نسخہ مکمل ہے تو اسے ایک ہزار ڈالر میں فروخت کروا سکتا ہے۔ بعد ازاں اس آدمی نے واقعی اس جلد کو برٹش میوزیم کے ہاتھ ایک ہزار ڈالر میں فروخت کروادیا۔ اب آپ دونوں انسانوں کی نیت اور دیانت داری کا موازنہ کیجئے۔

دیانت داری اور سچائی

Honesty & Truth

دیانت داری اور سچائی زندگی میں قدم قدم پر ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔ بظاہر تو یہ لگتا ہے کہ دیانتداری ہمیں کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچاتی اور دیانت دار انسان زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ ہم صرف عارضی کامیابی کو دیکھتے ہیں اور وقتی منفعت ہی کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ آپ اپنے اردگرد نظر دوڑایئے اور دیکھئے کہ کتنے لوگ ہیں جو دیانتداری سے کامیاب ہوئے ہیں اور کتنے ایسے ہیں جو بددیانتی اور جھوٹ کے سہارے کامیاب زندگی گزار رہے ہیں؟ آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں نے بد دیانتی کو اپنایا وہ کچھ ہی عرصے بعد پھر اسی نچلے مقام پر آگئے جہاں سے انہوں نے اپنی کاروباری زندگی کا آغاز کیا تھا۔ اس حقیقت کو ہمیشہ ذہن نشین رکھئے کہ بددیانتی ریت کی دیواروں جیسی ہے۔ اگر جھوٹ اور بد دیانتی ہی مستقل اور پائیدار ہو گئیں تو انسانی معاشرہ انہیں ہمیشہ مستحسن نظروں سے دیکھتا اور ہمیشہ انہی کی تبلیغ کرتا۔ بد دیانتی اور جھوٹ دراصل شیطان کے اوصاف ہیں اور اسی لئے یہ انسانوں کو کبھی راس نہیں آئے اور نہ

آئیں گے۔ دنیا کے ہر مذہب اور ہر پیغمبر اور ہر بڑے انسانوں نے ہمیشہ صداقت اور دیانت کا پرچار کیا ہے۔ صداقت انسانی معاشرے کی مستقل اور ناقابلِ تسخیر اقدار میں شامل ہوتی ہے۔ صداقت کو خدائی صفت اسلیئے کہا گیا ہے کہ یہ خداہی کی طرح لازوال اور لم یزل ہے۔ زندگی میں ہر شعبے میں کامیابی کیلئے دیانتداری اور صداقت ہمیشہ زینوں کا کام دیتی ہے۔ ان کی بدولت معاشرے میں ہمیں قابلِ عزت مقام ملتا ہے۔

آیئے.....اب یہ دیکھیں کہ آپ اپنے پیشے میں کس حد تک دیانت دار اور پر خلوص ہیں ؟ مثلاً آپ کا تعلق بجلی کے کام دھندے سے ہے . . آپ ایک مکان میں وائرنگ کرتے ہیں . . مالک مکان سے آپ معیاری سازوسامان کا بل وصول کرتے ہیں لیکن وائرنگ ناقص اور غیر معیاری کرتے ہیں . . پھر وقت بچانے کی غرض سے آپ کام کو تیزی سے نمٹا دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چند ہی روز میں آپ کی کی ہوئی وائرنگ خراب ہو جاتی ہے اور اہل خانہ میں سے کسی نہ کسی کو بجلی کا شاٹ بھی پہنچتا ہے۔ اب پڑتال ہوتی ہے کہ وائرنگ کن حضرات نے کی تھی ؟ لوگ آپ کا اسم گرامی بتاتے ہیں......اس سے آگے بتانے کی ضرورت نہیں . . اسلیئے جو کچھ آپ کے ساتھ بیتے گی آپ خود ہی جان لیں گے۔

آپ کا تعلق کریانہ فروشی کے پیشے سے ہے۔ آپ ہلدی مرچوں میں ملاوٹ کرتے ہیں۔ جس سے نہ صرف دوسروں کی صحت متأثر ہوتی ہے بلکہ آپ خدا تعالیٰ کی نظروں میں بھی گناہگار ٹھہرتے ہیں۔ ایک دن آپ دھر لیئے جاتے ہیں۔ پھر بدنامی الگ ہوتی ہے اور سزا الگ ملتی ہے۔

آپ ایک وکیل ہیں۔ آپ دونوں طرف سے پیسے وصول کر لیتے ہیں بتایئے کیا یہ درست ہے ؟ جی نہیں ! آپ کے بارے میں لوگوں کو جلد ہی پتہ چل جائے گا اور آپ کو وکالت چھوڑ کر کوئی دوسرا دھندا کرنا پڑے گا۔

اسی طرح آپ ایک میڈیکل اسٹور چلاتے ہیں۔ زیادہ منفعت اور راتوں رات امیر بن جانے کی آرزو میں آپ ملاوٹ والی اور غیر معیاری ادویات فروخت کرتے ہیں۔ کیا آپ کا یہ اقدام دیانت اور شرافت کے دائرے میں ہے ؟ جی نہیں آپ بھی دوہرے جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔

مشہور تاجر اے۔ ٹی۔ سٹوارٹ

Famous Trader A. T. Stewart

مشہور تاجر اور صنعت کار اے ٹی سٹوارٹ نے اصول بنا رکھا تھا کہ ان کی دکانوں کے تمام ملازمین ہمیشہ سچ بولیں گے اور کسی گاہک کے ہاتھ ناقص مال فروخت نہ کریں گے۔ ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ مسٹر سٹوارٹ نے اپنے ایک ملازم سے دریافت کیا فلاں نئے نمونے کا جو بہت سا مال ہم نے خریدا ہے اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ ملازم نے جواب دیا کہ مال گھٹیا ہے اور کچھ نمونے تو بالکل خراب ہیں۔ ملازم یہ باتیں اپنے آقا کی خدمت میں کہہ ہی رہا تھا اور ایک خاص قسم کے مال کے نقص جتا رہا تھا کہ ایک بڑا خریدار آ گیا۔ اس نے آتے ہی پوچھا کہ کوئی نیا مال آیا ہے؟

نوجوان سیلزمین فوراً آگے بڑھا اور کہنے لگا:

جی سرکار! ہم نے ابھی ابھی ایسا بڑھیا اور اعلیٰ نمونے کا مال منگوایا ہے جو باون تولے اور پاؤ رتی آپکی مرضی کے مطابق ہو گا۔

یہ کہہ کر اس نے وہی ٹکڑا جس کے نقائص وہ اپنے مالک سے بتا رہا تھا۔ خریدار کے سامنے کر دیا اور اس کی صفات میں ایسی فصاحت و بلاغت سے کام لیا کہ خریدار مال خریدنے پر آمادہ ہو گیا۔ مسٹر اسٹوارٹ یہ ساری کاروائی حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے خریدار سے کہا:

دیکھیے جناب آپ خود تسلی کر لیجئے مال ناقص ہے

اور پھر سیلزمین سے مخاطب ہوئے کہا:

آپ خزانچی کے پاس جایئے اور اپنا حساب چکایئے اور دکان سے تشریف لے جایئے.. مجھے جھوٹے سیلزمین کی ضرورت نہیں ہے۔

جارج واشنگٹن

George Washington

جارج واشنگٹن امریکہ کے صدر بننے سے پہلے ماؤنٹ ورنن میں میدے کے سوداگر تھے۔ ان کے مال کی ہر بوری پر "جارج واشنگٹن" لکھا ہوتا تھا۔ ان لفظوں کو دیکھ کر بندرگاہوں پر مال کی پڑتال نہیں کی جاتی تھی کیونکہ یہ بات مشہور تھی کہ جن بوریوں

پر "جارج واشنگٹن" کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں وہ پورے وزن اور معیاری سامان کی ہیں۔
جارج واشنگٹن کا نام دیانت اور سچائی کی علامت تھی۔

دلچسپ کہانی

An interesting story

عہدِ جدید میں ملاوٹی چیزوں کا جو جال ہے اس کے متعلق کسی نے بڑی دلچسپ کہانی لکھی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک بار چار مکھیاں بہت بھوکی تھیں، کئی روز سے انہوں نے کچھ نہیں کھایا پیا تھا.. آخر تنگ آکر وہ چاروں اڑیں اور بازار میں گئیں۔ ان میں سے ایک نے پہل کی اور مٹھائی پر بیٹھ گئی.. پیٹ بھر کے مٹھائی کھائی اور ابھی اڑنے کے لیے پر تول رہی تھی کہ وہیں ڈھیر ہوگئی۔ اسلئے کہ مٹھائی میں زہریلا رنگ ملا ہوتا تھا۔ دوسری مکھی نے اپنی سہیلی کا یہ حال دیکھا تو مٹھائی والی دکان سے منہ موڑا اور میدے کی ایک دکان پر پہنچی.. اس کا خیال تھا کہ میدہ تو خالص ہی ہوتا ہے.. اس نے خوب سیر ہو کے میدہ کھایا فوراً ہی اس کے معدے میں شدید درد اٹھا اور وہ بھی تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ اسلئے کہ میدے میں ملاوٹ تھی۔ تیسری کو شدت کی پیاس لگ رہی تھی وہ ایک حلوائی کی دکان پر پہنچی اور جی بھر کے دودھ پیا لیکن دودھ پیتے ہوئے ہی اس کے پیٹ میں تشنج ہوا اور وہ بھی ڈھیر ہوگئی۔ اسلئے کہ دودھ میں چاک ملا ہوا تھا۔ تینوں سہیلیوں کو یوں مرتے دیکھ کر چوتھی کو بہت دکھ پہنچا اور کہنے لگی:

دوستوں کے بغیر دنیا دوزخ سے بدتر ہے، جتنی جلدی چل بسیں اچھا ہے

بس یہ سوچ کے اڑی اور اڑتے اڑتے ایک دکان کے سامنے ٹھہر گئی۔ دکان میں مکھی مار کاغذ آویزاں تھے۔ مکھی نے سوچا کہ خودکشی کا یہ آسان طریقہ ہے۔ اڑ کے ایک زہر آلود کاغذ پر جا بیٹھی اور زہر چوسنے لگی۔ جوں جوں وہ زہر چوستی جاتی تھی۔ تندرست ہوتی جاتی تھی بڑی مایوس ہوئی اور پھر یہ کہہ کر اڑ گئی:

"برا ہو ملاوٹ کرنے والوں کا ظالموں نے زہر میں بھی ملاوٹ کر دی ہے۔
اب تو مرنا بھی آسان نہیں رہا"۔

ایک مشہور تاجر کا ذکر ہے کہ وہ اپنی دکان میں صرف ایک ہی قسم کی چائے رکھا کرتا تھا۔ یعنی وہ چائے جو وہ اپنے گھر میں استعمال کرتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ یہ چائے خرید کر کوئی گاہک شکایت نہیں کرے گا۔

مرابو کا قول ہے

A saying

اگر دیانتداری کا وجود نہ بھی ہو تو بھی ہمیں چاہئے کہ اسے ایجاد کرلیں۔ اس لیئے کہ یہ امیر اور معزز بننے کا اعلیٰ اور یقینی ذریعہ ہے۔

اشتہار

An advertisment

ایک دکاندار نے اخبار میں اشتہار دیا کہ اسے ایک سیلز مین کی ضرورت ہے، صبح ایک لڑکا اس کی دوکان پر پہنچا، دکاندار نے اس سے چند سوال پوچھے اور آخر میں اسے ملازم رکھ لیا۔ یہ سوالات خاصے دلچسپ تھے.. ذرآپ بھی سنیے۔

دکاندار: کیا تمہیں میری ہر شرط منظور ہوگی؟

لڑکا: جی ہاں.. منظور ہوگی۔

دکاندار: اگر میں کہوں کہ گھٹیا چینی کو اعلیٰ کہوں تو کہو گے؟

لڑکا: کہوں گا۔

دکاندار: اگر میں ملاوٹی چائے کے متعلق تم سے یہ کہوں کہ اسے عمدہ چائے کہہ کر فروخت کرنا.. تو ایسا کرو گے؟

لڑکا: جی ہاں.. ضرور کروں گا۔

دکاندار: اگر تم سے یہ کہا جائے کہ ملاوٹی مرچوں کو اصلی کہہ کر فروخت کرو تو کرو گے؟

لڑکا: ضرور کروں گا۔

دکاندار: اچھا.. تنخواہ کیا لو گے؟

لڑکا: تین سو روپیہ فی ہفتہ۔

دکاندار: (حیران ہو کر) یہ تو بہت زیادہ تنخواہ ہے؟

لڑکا: کمیشن اس کے علاوہ ہوگی۔

بات دراصل یہ ہے حضور کہ جھوٹ بولنے والے سیلز مین تو مہنگے ہی ہوتے ہیں۔ آپ اگر مجھ سے جھوٹ بلوائیں گے تو اجرت بھی زیادہ دینا پڑے گی۔ ہاں اگر آپ مجھ

جھوٹ نہ بلوائیں تو ایک سو فی ہفتہ لوں گا اور کمیشن بھی چھوڑ دوں گا۔ اب فیصلہ آپ پر ہے............اور دکاندار لڑکے کی بات پر بہت خوش ہوا اور اسے ملازم رکھ لیا۔
لڑکے کی دیانتداری نے دکاندار کو بھی دیانت دار بنا دیا۔

اس کے برعکس ایک اور واقعہ سنئے

A different incident

دکان میں ایک خاتون آئیں . . وہ کچھ خرید نے کا ارادہ رکھتی تھیں ۔ کچھ دیر وہ دکان میں مختلف چیزوں کو دیکھتی رہی اور پھر باہر چلی گئیں۔ دکاندار نے سیلز مین سے دریافت کیا کہ تم نے اس خاتون کے ہاتھ کوئی چیز فروخت نہیں کی؟ کیا وجہ ہے؟ سیلز مین نے جواب دیا کہ : خاتون نے جو مال طلب کیا تھا وہ ہمارے ہاں نہیں تھا۔ مالک نے کہا کہ تم نے کوئی دوسرا مال مطلوبہ مال کہہ کر فروخت کر دیا ہوتا۔ ملازم نے جواب دیا کہ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ مالک نے ناراض ہوتے ہوئے کہا کہ تم جیسے سیلز مین کی ہمیں ضرورت نہیں۔ تم کہیں اور بندوبست کر لو۔ اس پر سیلز مین نے جواب دیا: بہتر ہے۔ اگر ملازمت کیلئے جھوٹ بولنا ضرورت ہے تو میں ایسی ملازمت پر لعنت بھیجتا ہوں۔ آپ کسی جھوٹے سیلز مین کا انتظام کر لیجئے اور یہ کہہ کر وہ دکان سے باہر آ گیا، بعد ازاں اس سیلز مین نے اتنی ترقی کی کہ وہ اپنے وقت کا بہت بڑا تاجر بن گیا۔ آج بھی لوگ اس کا نام ادب واحترام سے لیتے ہیں۔

کاروباری دیانت

Business Honesty

کاروباری دیانت کے متعلق پیجر کا قول ہے :-
بہت کم لوگ ایسے ہیں جو خرید و فروخت کے ضابطۂ اخلاق پر غور کرنے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ کاروبار میں دیانت داری کامیابی کی کھلی ضمانت ہے۔ اگر آپ کی خواہش یہ ہے کہ کم پیسے دے کر زیادہ قیمت کی چیز خریدیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ فروخت کنندہ کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ زیادہ قیمت وصول کر کے کم قیمت کی چیز فروخت کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ گاہک سے دھوکہ کر رہے ہیں۔ کاروباری بددیانتی کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے

کہ آپ گاہک کی ناواقفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے زیادہ قیمت وصول کرلیں۔ اگر آپ ایک ہی چیز دو مختلف گاہکوں کے ہاتھ مختلف قیمت پر فروخت کرتے ہیں تو یہ بھی کاروباری بد دیانتی میں شمار ہوگی۔ دیر سویر گاہک کو اصل قیمت کا پتہ چل جاتا ہے اور اس صورت میں آپ کی کاروباری ساکھ متأثر ہوتی ہے۔ دھوکا کیئے گئے گاہک نہ صرف خود بلکہ اپنے تمام حلقۂ احباب سے آپکی بد دیانتی کا تذکرہ کرے گا اور آپ بدنام ہو جائیں گے۔

میں آپ کو اپنا ایک ذاتی واقعہ سناتا ہوں۔ مجھے ایک غیر ملکی دوا کی ضرورت تھی۔ میں نے ایک کیمسٹ سے دریافت کیا تو اس نے انکار کر دیا کہ مطلوبہ دوا اس کے پاس نہیں ہے لیکن میں یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ میری مطلوبہ دوا سامنے رکھی تھی میں نے کیمسٹ سے کہا: وہ تو سامنے موجود ہے اور تم مجھے انکار کر رہے ہو۔ کیا یہ زیادہ داموں فروخت کرو گے؟ اس پر دکاندار نے دوا کی شیشی نکال کر میرے سامنے رکھ دی۔ میں اسکا مطلب نہ سمجھ سکا میری حیرت کو دیکھتے ہوئے اس نے کہا: جنابِ عالی، یہ دوا اصلی نہیں ہے یہ ایک غیر ملکی فرم نے بطورِ نقل بنائی ہے اور نام اصل کمپنی کا لکھا ہوا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو لے لیں اس کی قیمت ذرا کم ہے لیکن ہم اس کی گارنٹی نہیں دے سکتے کہ دوا کس حد تک مؤثر ہے جو گاہک بھی یہ دوا خریدتا ہے۔ ہم اسے اصل صورتحال سے آگاہ کر دیتے ہیں۔ میں نے اس سے کہا: ایسی صورت میں آپ نے دوا کیوں رکھی ہوئی ہے؟ اس نے جواب دیا: کچھ گاہک ایسے بھی ہوتے ہیں جو زیادہ قیمت والی دوا نہیں خرید سکتے مجبوراً ان کیلئے خریدنا پڑتی ہے۔ میں نے کہا:

> یہ انسانی زندگی کا مسئلہ ہے آپ میری مانیئے تو صرف اصلی دوا ہی رکھا کیجئے۔ غیر مؤثر یا غیر یقینی اثرات والی ادویات کا رکھنا اخلاقی اور قانونی لحاظ سے جرم ہے جو چیز آپ اپنے لیئے پسند نہیں کرتے۔ دوسروں کیلئے بھی پسند نہ کیجئے

میری بات کا اس پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے میرے سامنے ہی اس دوا سمیت اور کئی ادویات الماری سے نکالیں اور پیک کر دیں تاکہ جہاں سے خریدیں تھیں، وہاں واپس بھیج دی جائیں۔ اس بات کو کئی سال ہو چکے ہیں اور اب وہ کیمسٹ اپنے شہر کا بہت بڑا کیمسٹ ہے اور معیاری اور مناسب قیمت ادویات فروشوں میں اس کا نام سب سے پہلے آتا ہے۔ کارلائل نے کتنی خوبصورت بات کہی ہے:

ہم کو ضرورت ہے ایسے آدمیوں کی جو سر سے پاؤں تک، پاؤں سے سر تک، دائیں سے بائیں تک اور بائیں سے دائیں تک، چاروں طرف سے کھرے اور سچے ہوں۔

صاف گوئی اور دیانت

Plain speaking & honesty

کاروبار میں صاف گوئی اور رعام زندگی میں دیانت داری آپکے بہترین ساتھی ہیں۔ یہ ایسے بااعتماد اور وفادار ساتھی ہیں جو آپ کو کبھی دھوکا نہیں دیتے بلکہ قدم قدم پر آپ کی حفاظت کرتے ہیں۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ کوئی ہندوستانی لندن میں جوتوں کی ایک دکان کے اندر گیا۔ ایک جوتا اسے پسند آ گیا۔ اس نے دکاندار سے قیمت دریافت کی تو دکاندار نے جواب دیا کہ جوتے پر قیمت کی سلپ چسپاں ہے۔ مگر ہندوستانی گاہک نے کہا کہ صاحب کچھ کم کیجئے۔ اس پر دکاندار نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا:

حضور آپ کس ملک سے تشریف لائے ہیں؟

ہندوستانی نے جواب دیا:

انڈیا سے۔

یہ سن کر دکاندار نے کہا:

کیا انڈیا میں دکاندار جھوٹ بھی بولتے ہیں؟

اور ہندوستانی شرمندہ ہو کر دکان سے باہر آ گیا۔

ریڈرڈائجسٹ

Reader's Digest

ہمارے ہیڈ ماسٹر صاحب، خدا انہیں جنت نصیب کرے، ایک روز ہمیں انگلش پوئٹری پڑھارہے تھے، باتوں ہی باتوں میں لندن کے دکانداروں کا ذکر چل نکلا۔ آپ نے ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک آدمی کسی بک اسٹال پر گیا اور وہاں سے "ریڈرڈائجسٹ" خریدنا چاہا، اسٹال پر ایک خاتون کھڑی تھیں۔ انہوں نے رسالے کی قیمت نصف وصول کی۔ یہ صاحب بے حد حیران ہوئے کہ نیا رسالہ اور قیمت نصف؟ پوچھ بیٹھے کہ محترمہ کیا بات ہے آپ نے قیمت آدھی کیوں لی ہے؟ اور اس خاتون نے جواب دیا کہ:

یہ پرچہ جو آپ نے اٹھایا ہے میں اسے شروع سے آخر تک پڑھ چکی ہوں
لہٰذا کاروباری دیانت کا تقاضہ یہ ہے کہ استعمال شدہ چیز آدھی قیمت پر
فروخت کی جائے۔ کہئے
کیسی عمدہ مثال ہے دیانتداری کی!

ریاست نیو جرسی

The state of New Jersey

جب انگلستان اور نئی بستیوں کے درمیان مشکلات پیدا ہو رہی تھیں تو بادشاہ جارج سوئم نے اپنے کمشنر بستیوں میں بھیجے۔ ریاست نیو جرسی کے مسٹر ریڈ سے ایک کمشنر نے کہا ہے کہ اگر آپ اپنے اثر و رسوخ اور رعب سے انگلستان اور بستیوں کے درمیان پیدا شدہ مشکلات کو دور کرا دیں اور اس طویل جنگ کو بند کرا دیں تو ہم آپ کو دس ہزار پونڈ نذر کریں گے۔ اس کا جواب مسٹر ریڈ نے یہ دیا کہ میں خریدے جانے کے قابل نہیں ہوں لیکن میں جو کچھ بھی ہوں اس کے خریدنے کیلئے شاہ برطانیہ کی تمام دولت بھی کافی نہیں ہے۔

ریاست الی نئیس

The state of Illinois

جب ریاست الی نئیس میں ایک تردیدی قانون پاس کرانے کی کوشش ہو رہی تھی تو سٹیون ڈگلس ایک ہوٹل میں بیمار پڑا تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں سے کہا: مجھے قانون ساز مجلس میں لے چلو۔ "وہاں پہنچ کر گدیلے پر پڑے پڑے تردیدی بل کی بجائے اس نے یہ ریزلیوشن لکھ دیا"۔ تجویز ہوا کہ ریاست الی نئیس دیانتدار رہے گی۔ اگرچہ وہ ایک پائی بھی ادا نہ کرے گی۔ یہ تجویز منظور ہو گئی اور اس سے تردیدی بل کو نہ صرف الی نئیس بلکہ دوسری ریاستوں میں بھی تہلکہ مچ گیا۔ تمام قوم کی دولت و اقبال میں سٹیون ڈگلس کے اس دیانتدارانہ عمل سے اضافہ ہو گیا۔

فرض شناسی

Duty conscious

کاروباری دیانت اور فرض شناسی کی ایک اور روشن مثال ملاحظہ فرمایئے:
روزنامہ ''نیویارک ٹائمز'' کو دس لاکھ روپیہ صرف اس مطلب کے لئے پیش کیا گیا کہ وہ ٹمانی دغابازیوں کے متعلق خاموشی اختیار کرے اور اپنے اخبار میں اس معاملے کے متعلق کچھ نہ لکھے، بلکہ دیگر باتوں سے اخبار کے کالم کو پُر کر دے۔ اس پیش کش کو سُن کے نیویارک ٹائمز کے مالک جارج جونز نے جواب دیا: میں سمجھتا ہوں شیطان اس سے بڑھ کر میری قیمت نہیں لگائے گا''۔ اس کے بعد اخبار کو خریدنے کی کوشش کی گئی مگر جونز نے اخبار فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ جونز نے اپنے عملے کو ہدایت کی کہ آپ کے پاس ٹمانی دغابازوں کے متعلق جتنا مواد ہے سب شائع کر دیجئے اور جب یہ تمام روداد شائع ہوئی تو ان سیاسی اور راشی سرغنوں کو جلاوطن کر دیا گیا۔

ابراہم لنکن

Abraham Lincoln

ابراہم لنکن کی شہرت کا باعث صرف یہی نہیں کہ وہ امریکہ کے صدر بنے تھے بلکہ ان کی شہرت کی اصل وجہ ان کی دیانتداری اور صداقت پسندی اور اصول پروری تھی۔ جب انہوں نے وکالت کا پیشہ شروع کیا تو وہ بہت غریب اور نادار تھے۔ اس سے پہلے انہوں نے بطورِ پوسٹ ماسٹر خدمات انجام دی تھیں۔
ایک دن محکمۂ ڈاک کا ایک ایجنٹ ان کے ہاں آیا اور ان سے سرکاری روپے کا بقایا طلب کیا۔ ڈاکٹر ہنری کو بھی اس بات کا پتہ لگ گیا تھا۔ وہ بھی ڈاکخانہ کے ایجنٹ کے ساتھ لنکن کے ہاں آئے کہ اگر ضرورت ہوئی تو وہ لنکن کے بجائے مطلوبہ رقم ادا کر دیں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ لنکن کی مالی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ لنکن نے ڈاکخانے کے ایجنٹ سے تھوڑی سی مہلت مانگی اور اپنے بورڈنگ ہاؤس میں گئے اور جلد ہی ایک پرانا موزہ ہاتھ میں لئے واپس آ گئے جس میں سے انہوں نے ۷ اڈالر اور ۶۰ سینٹ نکال کر ایجنٹ کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ یہی بقایا ان کے ذمہ تھا اور اسے انہوں نے اب تک سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے عارضی طور پر کبھی ایسے روپے کو استعمال نہیں کیا تھا جو ان کا نہیں ہوتا تھا۔

ابراہم لنکن اپنے علاقے میں کتنے باوقار، دیانتدار اور معزز خیال کیے جاتے تھے اس کی ایک اور مثال دیکھئے۔ ایک دفعہ ایک مؤکل ان کے پاس ایک مقدمہ لایا۔ مقدمہ زمین کا تھا۔ لنکن نے مشورہ دیتے ہوئے کہا: اول آپ کو تیس ہزار ڈالر پیش کرنے ہوں گے۔ تب مقدمہ چل سکے گا۔ مؤکل نے کہا جنابِ عالی میں ۳۰,۰۰۰ ہزار ڈالر کہاں سے لاؤں گا؟ لنکن نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا: ''تم روپے کی فکر نہ کرو، اسکا بندوبست میں کرلوں گا''۔ یہ کہہ کر وہ ایک بینک میں گئے اور خزانچی سے کہا کہ ہمیں ۳۰,۰۰۰ ڈالر کی ضرورت ہے کہ ہمیں ایک قانونی دستاویز تیار کرنی ہے۔ ایک دو گھنٹے میں روپے واپس کر دیئے جائیں گے۔ خزانچی نے ۳۰,۰۰۰ ڈالر کے نوٹ ان کے ہاتھ میں دے دیئے اور رسید تک طلب نہ کی۔

لنکن کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اس وقت تک کوئی مقدمہ نہیں لیتے تھے جب تک انہیں کامیابی کا یقین نہ ہو جاتا کہ ان کا مؤکل جیتنے کا مستحق ہے۔ اس بات کا یہاں تک اثر ہو گیا تھا کہ جب کبھی عدالت میں وہ مقدمہ لاتے تو عدالت، وکلاء جبوری ناظرین سب کے سب یہی سمجھ لیتے تھے کہ ان کا مؤکل حق پر ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ لنکن نے ایک مقدمہ میں بحث کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ اس کو پتہ چل گیا تھا کہ مؤکل نے اپنا مقدمہ سچا ثابت کر کے انہیں دھوکہ دیا تھا۔ لنکن کے ایک شاملاتی وکیل نے وہ مقدمہ لے لیا اور فیصلہ بھی اس کے حق میں ہو گیا۔

مقدمہ کی فیس اسے سو ڈالر ملی لیکن لنکن نے اس کا نصف حصہ لینے سے انکار کر دیا کہ وہ جھوٹے مقدمے کی فیس لینا بددیانتی سمجھتے ہیں۔ لنکن کو صداقت سے والہانہ محبت تھی اور وہ ہمیشہ اس کوشش میں رہتے تھے کہ حق کی طرفداری کریں۔ جب کبھی انہیں مشترکہ فیس ملتی تو صرف اسی میں سے خرچ کرتے اور دوسرے کا حصہ محفوظ کرتے۔ انہیں بھوکوں مرنا منظور تھا مگر بددیانتی گوارا نہ تھی۔

جن دنوں لنکن دکانداری کا کام کرتے تھے ایک غریب عورت ان کے ہاں سودا لینے آئی۔ ریزگاری دینے میں کچھ غلطی ہو گئی جونہی غلطی کا پتہ لگا لنکن دکان بند کر کے رات کے اندھیرے میں گھر سے چل پڑے اور ۶ میل کا فاصلہ پیدل چل کر بڑھیا کے گاؤں میں پہنچے اور ریزگاری کا بقایا اسے دے کر آئے یہ انتظار نہیں کیا کہ پھر کبھی دے دیں گے۔ اس قسم کی دیانتداری اور فرض شناسی کی وجہ سے لنکن کا نام انسانی دیانتداری کے معبد میں سنہرے حروف میں لکھا گیا ہے۔ لنکن کا قول ہے:

"بد دیانتی ایک زخم ہے جسے میں اپنی پاکیزہ روح میں نہیں لگا سکتا"۔
اگر آپ زندگی میں کامیاب و کامران ہونے کے خواہش مند ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ عزت و تکریم کے بھی آرزو مند ہیں تو دیانتداری اور سچائی کو اپنائیے یہی اس باب کا خلاصہ ہے۔

نیکی کر دریا میں ڈال

Don't let the left hand know what the right gives

اخلاصِ عمل مانگ ہندگانِ کہن سے
شاہاں چہ عجب گر ہوازند گدارا

☆ میں اپنی محنت کا اجر تم سے نہیں صرف اللہ ہی سے چاہتا ہوں۔ (القرآن)
☆ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ (مشکوٰۃ)
☆ اخلاص والے ہدایت کے چراغ ہیں اللہ ان کی وجہ سے بڑے بڑے فتنے دور فرما دیتے ہیں۔ (منہاج المسلمین)
☆ اخلاص کیا ہے کہ حال اور قال برابر ہوں۔ (حیات المسلمین)
☆ اے معاذ، اخلاص کے ساتھ کیا ہوا عمل جہاں کے بڑے عمل سے بہت بہتر ہے۔ (الحدیث)
☆ اللہ پاک اعمال میں سے صرف اسی عمل کو قبول فرماتے ہیں جو خالص انہی کیلئے کیا گیا ہو۔ (مشکوٰۃ شریف)

نیکی کر اور دریا میں ڈال

Don't let the left hand know what the right gives

مجھے ایک شخص ملا جو بہت امیر و کبیر تھا۔ اس نے اپنے ۳۴ ملازمین کو فی کس ساڑھے تین سو ڈالر بونس دیا۔ مگر وہ حیران اور پریشان رہ گیا۔ جب ایک نے بھی اس کا شکریہ ادا نہ کیا۔ وہ ملازمین کے اس رویہ کو دل و دماغ میں جگہ دے بیٹھا۔ یہ خیال اس کیلئے سوہانِ روح بن گیا۔ وہ اس قدر برگشتہ خاطر ہوا کہ ہر فرد کو یہ واقعہ سناتا۔ ملازمین کا

کیا بگڑا وہ اپنی رقم لے کر چلتے بنے تھے لیکن اس فرد نے زندگی بھر کا غم سمیٹ لیا۔ جب وہ مجھے ملا تو اس واقعہ کو تقریباً ایک سال گزر چکا تھا لیکن واقعہ سنانے کے دوران اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں، سانس پھول گیا اور کف جاری ہو گیا اگر وہ واقعہ کا ماضی نہ بتاتا تو میں یہ خیال کرتا کہ وہ اسی دن کا قصہ ہے۔

میں نے چند منٹ کیلئے ملازمین کے اس رویے کے متعلق سوچا ممکن ہے ملازمین نے بونس کو اپنا حق سمجھا ہو؟ یا ان کی پرورش ایسے ماحول میں ہوئی ہو، کہ وہ کسی کا احسان تسلیم نہ کر سکتے تھے؟ ممکن ہے وہ جڈ اور گنوار تھے؟ کچھ بھی ہو، دوسرے پر احسان کر کے شکریہ کی تمنا کرنا غلط ہے۔ چہ جائیکہ اگر نیکی کا صلہ شکریہ کی صورت میں نہ ملے تو اسے زندگی بھر کا روگ بنا لیا جائے اور ایک مستقل ذہنی خلش کیلئے دماغ میں جگہ بنالی جائے۔ ذرا بیمہ کمپنیوں کے ارباب بست وکشاد سے بات کر کے دیکھیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر ذہنی اور قلبی تکالیف نہ ہوں تو آج جتنے لوگ بیمہ کرائیں گے، ان میں دو تہائی اسی سال کی عمر پائیں گے۔ اسکے برعکس ذہنی، اعصابی اور قلبی امراض کے مریضوں کا شاید بیمہ نہ کیا جائے۔

بیمہ کمپنی کے ڈاکٹر اس قسم کے مریضوں کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے اور اعداد و شمار بھی ان کی آراء کی تصدیق کرتے ہیں۔ لہٰذا معمولی سی بات پر مستقل غم نہ لگائیں۔ نیکی کو تسلیم کرنا، احسان شناسی اور شکر گزاری ایک ایسا پودا ہے جس کی شروع سے آبیاری کرنی پڑتی ہے۔ زمانۂ قدیم سے بعض والدین یہ گلہ کرتے آئے ہیں کہ ان کی اولاد ناسپاس ہے۔ احسان شناس نہیں۔ کہیں یہ والدین کا قصور تو نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ والدین نے شروع سے انہیں تربیت ہی غلط دی ہو۔ دوسرے وہ اولاد میں فرق کرتے ہوں۔ کسی کو زیادہ دیا ہو اور کسی کو کم۔ اگر والدین اولاد سے سپاس گزاری چاہتے ہیں تو پہلے صحیح والدین بنیں پھر بھی یہ بنیادی نقطہ مدِ نظر رہے کہ:

"نیکی کر اور دریا میں ڈال"

ذرا سوچئے کہ آپ نے اولاد پیدا کی۔ اب آپ کے فرائض میں شامل تھا کہ سنِ بلوغت کو پہنچنے سے قبل تک اولاد کی پرورش اور تعلیم پر اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کریں۔ عام طور پر بچوں کو بڑھاپے میں والدین کے خیال ہوتا ہے لیکن اگر کسی ایک آدھ نے نہیں کیا تو بھول جائیں آپ نے بھی تو صرف سنِ بلوغت سے پیشتر ان کی پرورش کی تھی۔ بالغ ہونے کے بعد وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔

میں شکاگو کے ایک شخص کو جانتا ہوں۔ وہ چالیس ڈالر فی ہفتہ پر مزدوری کرتا تھا۔ شادی کیلئے اسے کنواری لڑکی نہ ملی۔ ایک بیوہ سے وہ ان حالات میں شادی کر سکا کہ وہ اس کے سابقہ خاوند سے پیدا شدہ دو لڑکوں کو کالج میں تعلیم دلاتا رہا۔ گو بیوہ کی طرف سے نکاح نامہ میں ایسی کوئی شرط نہ تھی لیکن وہ مروت میں بیوی کی بات نہ ٹال سکا اور مقروض ہونے لگا۔ جس دن بچے کالج سے فارغ ہوئے اور انہیں ملازمت ملی۔ وہ خاصا مقروض ہو چکا تھا۔ اس کنبہ کو جاننے والوں کا خیال تھا کہ لڑکے سوتیلے باپ کے حسنِ سلوک کے سپاس گزار ہوں گے اور ملازم ہوتے ہی کم از کم اس کا قرض چکا دیں گے لیکن انہوں نے نیکی کا کوئی صلہ نہ دیا۔ ان کی ماں ہر ملنے والے کے سامنے دلیل پیش کرتی کہ آخر یہ نوجوانوں کے کھانے پینے کے دن ہیں۔ سوتیلا باپ جس عمر کو پہنچ چکا ہے وہ قربانیوں اور سادگی کا دور ہے۔

دیکھئے! سوتیلے باپ کے لبوں پر مروت کی مہر لگی رہی مگر دو نوجوان صاحبِ روزگار لڑکے اور ان کی ماں اپنا فلسفہ بھگارتے رہے۔ سوتیلے باپ کے سامنے یہ اصول تھا کہ نیکی کر اور دریا میں ڈال۔

اس کے برعکس خالہ وائلہ کی مثال پیش کرتا ہوں۔ اسے اپنی بزرگ خواتین کی خدمت کرنے کا شوق تھا وہ جذبہ کے تحت بوڑھی رشتہ دار عورتوں سے نیک سلوک کرنا چاہتی تھی۔ گھر میں اس کی ذمہ داریوں کا سلسلہ طویل تھا۔ اس کے پانچ بچے تھے۔ پھر بھی وہ اپنی ماں اور ساس کو گھر لے گئی۔ وہ نہ صرف بڑی بوڑھیوں کی خدمت کرتی بلکہ اپنے پانچ بچوں کو تربیت دیتی کہ بزرگوں کی خدمت میں برکت ہوتی ہے۔

بچوں نے بچپن میں جس ماحول میں پرورش پائی تھی وہ ان کے ذہن پر مستقل طور پر نقش ہو گیا۔ آج خالہ کے پانچوں بچے جوان ہو چکے ہیں، صاحبِ روزگار اور صاحبِ اولاد ہیں لیکن بچپن کی تربیت نے انہیں بزرگوں کی خدمت کا درس دیا ہے۔ خالہ وائلہ اب بیوہ ہے۔ ہر لڑکا اس کوشش میں رہتا ہے کہ خالہ اس کے گھر میں مقیم ہو جائے۔ گویا خالہ نے جو محبت ماں اور ساس کو دی تھی وہی اسے مل رہی ہے۔

آیئے ہم اپنے طرزِ عمل پر غور کریں۔ کیا ہم بچوں کی تربیت کا مناسب خیال رکھتے ہیں؟ میں ایک چھوٹی سی مثال دیتا ہوں۔ آپ سے ملنے والی کسی خاتون نے کرسمس پر آپ کو کاڑھے ہوئے میز پوش یا ٹوپی کا تحفہ دیا۔ آپ کی رائے میں تحفہ معمولی تھا۔ آپ نے بچوں کے سامنے کہنا شروع کیا: "کیا اٹھا لائیں.. معمولی کھدر کا ٹکڑا لے کر اپنے

فالتو وقت میں چند پھول بنا دیئے ہیں"۔ کیا آپ نے خیال کیا کہ بچوں کے ذہن پر اس کیا اثر ہوا ہو گا؟ انہوں نے نہ صرف شکر گزاری کا جذبہ نہ دیکھا بلکہ بیچاری کی پیشکش میں ہزاروں کیڑے بھی سن لیئے۔ اگر بچوں کو ایسی تربیت دی جائے کہ جو افراد ان سے ذرا سی مہربانی کریں ان کا شکریہ ادا کیا جائے۔ تو بچے جوان ہونے پر اس صفت کو مزید ترقی یافتہ ہونے کی صورت میں اپنا لیں گے۔ احسان اور سپاس گزاری کے دو اصول ہیں۔

۱: نیکی اور دریا میں ڈال۔ بڑے لوگ اگر کسی پر احسان کرتے ہیں تو بدلے میں نیکی یا سپاس گزاری کی توقع نہیں رکھتے۔ اس لیئے دوسروں کو بھی انہی خطوط پر کام کرنا چاہیئے۔ بدلے میں نیکی کا انتظار کرنے والا مستقل اعصابی روگ لگا لیتا ہے۔

۲: بچوں کو شروع سے شکر گزاری کی تربیت دینی چاہیئے۔

چھ پریشانیاں۔ سی۔ آئی۔ بلیک وُڈ

Six Anxieties – C.I. Blackwood

مسلمان کی زندگی میں اس کا اعتقاد اور یقین بنیادی مسئلہ ہے، اگر اس کو یقین ہے کہ میری زندگی کی حفاظت کرنے والا اللہ ہے، اس نے مجھے پیدا کیا ہے، وہی میری ضرورتیں پوری کرے گا، میں اکیلا نہیں ہوں وہ میرے ساتھ ہے، اس کی قدرتیں میرے ساتھ ہیں، میرے حالات کبھی ایک جیسے نہیں ہوتے کبھی دکھ کبھی سکھ۔ دکھ کے بعد سکھ ضرور آتا ہے، آدمی اپنی زندگی اس یقین کے ساتھ گزارے یعنی سکھ کے ساتھ دکھ کیلئے بھی ذہنی طور پر تیار رہے۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دکھ سکھ میں اللہ کی رضا کی جستجو میں لگے رہتے تھے اور جو بھی حالات آتے اس میں خوش رہتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے صبر کی بناء پر حالات کو ٹھیک فرما دیتے۔ جو بھی حال صحابۂ کرامؓ پر آتا اسے اللہ رب العزت کے حضور پیش کرتے، پریشانی کا خاتمہ ہو جاتا۔ مستقبل کے بارے میں زیادہ فکرمند نہیں رہتے تھے کہ کل کیا ہوگا بلکہ وہ اللہ کی رضا پر راضی ہونے والے تھے۔ یہ ذہنی سکون ان کو مستقبل کے بارے میں بے فکری عطا کرتا تھا۔

سی آئی بلیک وڈ بھی آنے والے خطرات اور خدشات سے پریشان ہو گیا تھا، اس کی نیند بھی اڑ گئی تھی مگر جب اس نے اپنے مسائل ایک طرف رکھے اور ان سے سوچنا بند کیا تو ایک ایک کر کے اس کے سارے مسائل حل ہو گئے۔

چھ پریشانیاں

Six Anxieties

از ـــــ سی۔ آئی۔ بلیک وُڈ

میں نے اپنی زندگی کے چالیس سال مسرت و شادمانی سے گزارے۔ میں اچھا کھاتا

پیتااور صاحبِ جائیداد انسان تھا۔ اللہ نے مجھے تین بچوں سے نوازا تھا۔ دو لڑکے جواب بالغ ہو چکے تھے اور تیسری لڑکی جس نے میٹرک کا امتحان پاس کر لیا تھا۔ میں اسے کالج میں داخلہ دلوانے والا تھا کہ امریکہ دوسری جنگِ عظیم میں کود پڑا اور میرے لیئے چھ مسائل پیدا ہو گئے جن کا میری نظر میں کوئی حل نہ تھا۔ میں متواتر اور مسلسل کڑھنے لگا میری نیند اڑ گئی اور راتیں کروٹیں لیتے گزر جاتی۔ مسائل ملاحظہ کریں :-

۱ : میں ایک پرائیوٹ کالج کا سربراہ تھا، میرے طلباء اور طلبات کو ملازتیں مل گئیں، نئے طالب علم کالج میں داخلہ لینے کی بجائے جنگی ملازمتیں حاصل کرنے کو ترجیح دینے لگے، کل کاروبار ٹھپ ہو گیا۔

۲ : میرے دونوں لڑکوں کو لازمی لام بندی کی بناء پر جنگی محاذ پر جانا پڑا، میں ان کی خیریت معلوم کرنے کیلیئے تڑپنے لگا۔

۳ : شہر کے جس علاقہ میں آبائی مکان تھا حکومت کے منصوبہ کے تحت وہاں ہوائی اڈہ بنانے کا فیصلہ ہو گیا، تمام مکانات گرانے کا حکم کسی بھی وقت صادر ہو سکتا تھا۔ حکومت نے کوئی وعدہ نہ کیا کہ وہ مکینوں کو دیگر علاقوں میں رہائشی مکانات دیکر اپنے منصوبہ پر عمل پیرا ہو گی۔ سوال یہ تھا کہ میں اپنی بیوی اور جوان بچی کو لیکر کہاں سر چھپاؤں گا؟

۴ ہمارے علاقے کا پانی خشک ہو گیا تھا، اس کا حل یہ تھا کہ میں اپنے ٹیوب ویل کو مزید گہرا کروں۔ میں ایسا کرنے والا تھا کہ اس محلّہ کی جگہ پر ہوائی اڈہ بنانے کا نادر شاہی حکم سنا دیا گیا۔ کیا میں چند دنوں کے آرام کیلیئے ہزاروں ڈالر خرچ کر کے بور گہرا کراؤں؟.... اگر یہ رقم بچاؤں تو اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ نزدیکی مکانوں سے بالٹیوں کے ذریعے پانی بھرنا شروع کر دوں۔

۵ : جنگ کی وجہ کار سے ٹائروں کی راشن بندی ہو گئی تھی، قواعد کے مطابق مجھے ٹائر نہ مل سکتے تھے، میں سوچتا رہتا تھا کہ اگر موجودہ ٹائر پھٹ گئے تو موٹر گاڑی کی سہولت نہ رہے گی۔

۶ : کالج بند ہو جانے کی وجہ سے میری آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ رہا، اب لڑکی کو کالج میں کیسے داخلہ دلایا جائے اور گھر کی ضروریات کس طرح پوری کی جائیں؟

میں مسلسل اور متواتر آنے والے خطرات پر سوچتا رہتا اور سوائے اپنا خون جلانے

کے کچھ نہ کر سکتا تھا۔ ایک دن میں نے ٹائپ رائٹر لیکر تمام مسائل ٹائپ کر کے کاغذ ایک فائل میں لگادیا۔ اس کے بعد نام نہاد مسائل کو بھول گیا۔

وہ مسائل جو ابھی پیدا نہ ہوئے تھے مگر میرے ذہن کے مطابق ضرور پیدا ہونے والے تھے۔ آخر حالات خود بخود اس ڈگر پر چلنے لگے کہ کوئی مسئلہ پیدا ہی نہ ہوا۔ آپ بھی ملاحظہ کریں:۔

۱: جنگی مصالح کے پیشِ نظر حکومت نے مجھے کورس بھیج کر پوچھا کہ آیا میں جنگ کے دوران حکومت کے نامزد کردہ جوانوں کو گراں قدر فیس پر پڑھا سکوں گا؟ یہ فیس میری قبل از جنگ کی آمدنی سے زیادہ تھی۔ میں نے حامی بھر لی، میرا کالج کھل گیا اور مہینے کے آخیر میں میری جیب نوٹوں سے بھر جاتی۔

۲: مجھے لڑکوں کی خیریت کے باقاعدہ خطوط ملتے رہتے اور جنگ کے خاتمہ پر وہ فاتح کی حیثیت سے واپس آئے۔

۳: میرے محلّہ سے ذرا فاصلے پر پٹرول نکل آیا اس لئے حکومت نے وہاں ہوائی اڈہ بنانے کا پروگرام منسوخ کر دیا۔

۴: میں نے پانچ سو ڈالر کے خرچ سے اپنا ٹیوب ویل مزید گہرا کرالیا اور پانی کا انتظام ہو گیا۔

۵: گھسے ہوئے ٹائروں کو ازسرِ نو استعمال کی ترکیبیں معلوم ہو گئیں۔ مجھے نئے ٹائروں کی ضرورت نہ پڑی۔

۶: مجھے ایک جز وقتی ملازمت بھی مل گئی، یہ آمدنی لڑکی کو ایک اچھے اقامتی کالج میں تعلیم دلانے کیلئے کافی تھی، لڑکی کو کالج میں داخل کرادیا گیا۔

اس طرح گویا میں ہر وقت "شیر آیا... شیر آیا" پکارتا رہا مگر شیر نہ آیا بلکہ شیر آنے کے امکانات ختم ہو گئے۔

جوزف اور راک فیلر کی داستان

Story of Joseph and Rocke feller

اللہ رب العزت نے زندگی کے ساتھ ساتھ موت کو بھی پیدا کیا ہے، جہاں حیات ہے وہاں موت بھی ہے، جہاں عروج ہے وہاں پر زوال بھی ہے۔

موت کے بعد نئی زندگی

New life after death

انسانی زندگی میں تکالیف معمول کا حصہ ہیں، انسان بے شمار حادثات سے دوچار ہوتا ہے، ان سے نکلتا بھی ہے اور دوبارہ بھی اس کے ساتھ یہ واقعہ یا حادثہ پیش آسکتا ہے جس سے ابھی نکلا ہے لیکن موت انسان کو اس دنیا سے اگلی زندگی میں پہنچا دیتی ہے اور کسی کو باربار موت بھی نہیں آتی، صرف ایک دفعہ اس مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے لیکن اس مرحلے کی تکالیف زندگی کی تمام تکالیف سے زیادہ ہیں۔ جو آدمی اپنے اندر موت اور اس کی تکالیف کا یقین دل میں بٹھاتا ہے تو اس کو دنیا کی تکالیف معمولی محسوس ہوتی ہیں۔ گویا ذہنی طور پر موت کو اور اس کی تکلیف کو تسلیم کرتے ہیں اور ہر وقت تیار رہتے ہیں وہ مصائب اور تکالیف سے نکل آتے ہیں، ان کو دنیا کی تکالیف زیادہ مشقت معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اس میں بھی اللہ سے ثواب کی امید کرتے ہیں، خوشی سے اس تکلیف میں چلتے ہیں۔

اسلامی زندگی میں ایسے بیشمار واقعات ہیں بلکہ اسلامی زندگی ان سے لبریز ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ ایک آدمی اپنے آپ کو ہزاروں تلواروں کے سامنے پیش کرتا ہے اور پھر بھی اس بے خوفی اور بے باکی سے ان ہزاروں پر قابو پاتا ہے۔

جوزف۔ ایل۔ ریان کی زندگی میں چند معمولی واقعات پیش آئے جن سے وہ پریشان ہوا اور اس پر بیماری نے حملہ کیا لیکن جب اس نے موت کی حقیقت کو تسلیم کیا تو اس کا

خوف نکل گیا اور پچھلی پریشانیاں بھی معمولی محسوس ہوئیں، اس طرح وہ ذہنی دباؤ، اعصابی کشمکش اور الجھن سے آزاد ہوا..... صحت پائی اور قلبی سکون بھی میسر ہوا۔

راک فیلر کی داستان

The story of Rocke feller

انسان کو اس دنیا میں اللہ نے صرف دولت کمانے کیلئے نہیں بھیجا۔ انسانی زندگی کا محور دولت نہیں، اس سے انسان سکون نہیں خرید سکتا بلکہ سکون انسانیت کی خدمت میں ہے۔ مذہبِ اسلام میں اس پر بہت زور دیا گیا ہے اور اسلامی زندگی اس سے بھری ہوئی ہے۔ دولت رکھنے یا حاصل کرنے پر قید نہیں لگائی گئی بلکہ اس کی محنت کو ہر خطا کی جڑ قرار دیا گیا ہے۔ جہاں مال حاصل کرنے کو کہا گیا ہے وہاں اس کے خرچ کے متعلق بھی بتایا گیا ہے۔ اگر ایسا کیا گیا تو آدمی اس کے زہریلے اثرات سے محفوظ رہتا ہے۔ مال کو اللہ کیلئے خرچ کرتا رہے تاکہ اس کے اندر سے مال کی محبت نکلتی رہے۔ اگر آدمی ایسا نہیں کرے گا اور سب کچھ مال کو محسوس کریگا تو مال چوری بھی ہو سکتا ہے، نقصان بھی ہو سکتا ہے، حادثہ میں ضائع ہو سکتا ہے، یا صرف مال کے جانے کے خوف سے اس کو پریشانیاں لاحق ہو جائیں گی اور صحیح سوچنے یا سمجھنے کی قوت ختم ہو جائیگی۔

اسلامی زندگی میں مال کو اہمیت نہیں دی گئی بلکہ اس کے حاصل کرنے اور خرچ کرنے کے متعلق جو اعمال ہیں ان کو اہمیت دی گئی ہے اور نفع و نقصان اللہ پر چھوڑا جاتا ہے۔ جب انسان ایسا کرتے ہیں تو وہ راحت پاتے ہیں، صحتمند رہتے ہیں۔

راک فیلر کی داستان بھی ایک ایسے ہی انسان کی کہانی ہے جس نے مال کو سب کچھ سمجھا... پریشان ہوا، مگر جب مال کو رفاہِ عامہ کے کاموں میں خرچ کیا تو سکون محسوس کیا۔ پھر نقصان بھی آیا تو پریشان نہیں ہوا کیونکہ مال کی محبت دل سے نکل چکی تھی۔

اگر ایک غیر مسلم جس کا عمل اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچائے اسلامی اصول پر عمل کر کے مسرت کی وادیوں میں پہنچ سکتا ہے تو کیا ہم ایسا نہیں کر سکتے؟ یقیناً ہم ایسا کر سکتے ہیں۔ ہمیں طے کرنا ہو گا اور آخرت کو سامنے رکھ کر اپنی زندگی گزارنی ہو گی۔

لمبی عمر پانے کا راز

Secret of long life

ہمیں ہر وقت کام، کام اور کام میں لگنا ہوگا، اپنے آپ کو مصروف رکھنا ہوگا، کاموں میں ترتیب رکھنی ہوگی، مکمل یکسوئی کامیابی کی علامت ہے۔ اللہ کی ذات پر یقین کر کے کہ تمام کام اس کے ارادے سے بن پاتے ہیں، وہی حالات کا بنانے والا ہے اور نماز میں مشق سے ہم یہ صفات حاصل کر سکتے ہیں۔

جو کامیاب زندگی بنانا چاہتا ہو، وہ ان اصولوں پر کاربند ہو کر بنالے۔

کونی بیک نے تو کل ایک عجیب نقطہ بیان کیا ہے

"پریشانیاں صحت کا ضیاع کرتی ہیں"

ہر شخص کی خامیاں نہیں بلکہ خوبیاں دیکھیں اور اپنی گفتگو کا راز ان خوبیوں کو سامنے رکھ کر کریں۔

قیلولہ سنت ہے اور رات کو جلد سونا بھی سنت ہے۔ کونی بیک نے ان چیزوں پر زور دیا ہے۔

موت کے بعد نئی زندگی

New life after death

از ــــــ جوزف ایل ریان

یہ کسی بھارتی ہندو کی داستان نہیں جس میں موت کے بعد دوسرے جنم کا قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کا ایمان ہے کہ موت کے بعد اس دنیا میں دوسری زندگی نہیں آتی۔ میں عیسائی ہوں اور میرا ابھی یہی ایمان ہے لیکن جو واقعہ مجھ پر گزرا ہے اس میں کم وبیش پہلی زندگی کا خاتمہ اور دوسری زندگی کا آغاز نظر آتا ہے...... آپ ملاحظہ کریں۔

میں بعض قانونی مقدمات میں شاملِ تفتیش کر لیا گیا تھا۔ عدالت میں میری گواہی نے مجھے ذہنی اور دماغی طور پر اس قدر پریشان کیا کہ گھر پہنچنے تک مجھے دل کا دورہ پڑا۔ ڈاکٹر کے انجکشن لگانے کے باوجود میں بیہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو گھر والے پادری کو بلا چکے تھے تاکہ میری مرگ کی آخری رسم ادا کرے۔ ڈاکٹروں نے مجھے اشاروں سے

سمجھایا کہ چند منٹ کی باتیں جان لیوا ثابت ہو سکتی ہیں۔ میں نے گریہ وزاری کرتی ہوئی بیوی جو مجھ سے دو باتیں کرنا چاہتی تھی کے جذبات کو رد کر دیا گیا، لبوں پر خاموشی کی مہر لگالی۔ آنکھیں موند لیں اور مرنے کیلئے تیار ہو گیا۔ یہ صورتحال دل کے دورے سے ہزار درجہ بہتر تھی۔ میں اب سکون محسوس کرنے لگا وقت جوں کی رفتار سے گزر رہا تھا۔ موت کا فرشتہ کسی وقت بھی آسکتا تھا لیکن میں پریشان نہ تھا۔ میں گزشتہ زندگی کو بھول چکا تھا اور عزرائیلؑ کا استقبال کر رہا تھا۔

ایک گھنٹہ گزر گیا۔ نہ عزرائیلؑ آیا اور نہ دل کا درد لوٹا میں نے سوچنا شروع کیا کیا نئی زندگی کا امکان ہے؟ اگر مجھے نئی زندگی مل جائے تو میں اپنے طریقِ کار، جذبات اور مصروفیات میں کون سی تبدیلی کروں گا؟ میں نے فیصلہ کیا کہ اب معمولی معمولی باتوں کو ذہن میں نہ بٹھاؤں گا اور اس طرح اعصابی کشمکش میں مبتلا نہ ہوں گا اور نہ معمولی باتوں پر دوسروں سے الجھوں گا۔ اس واقعہ کو چار سال گزر گئے ہیں۔ میں تندرست ہو چکا ہوں۔ ڈاکٹر میری قلبی کیفیت کا ای۔ سی۔ جی۔ کے ذریعہ گراف بناتے ہیں اور حیران رہ جاتے ہیں۔ میں اب نہ پریشان ہوتا ہوں اور نہ اعصابی کشمکش کا شکار۔ یاد رکھیئے! مجھ پر بدترین واقعہ گزر چکا ہے۔ اس کے بعد نئی زندگی کا کون سا واقعہ مجھے پریشان کر سکتا ہے۔

تین راہنما اصول

Three Best Principles

از ـــــ ڈونے بڈر

زندگی کس طرح گزاری جائے اس کے متعلق جتنے منہ ہیں اتنی باتیں۔ میری اپنی شخصیت ہے۔ میں نے تعلیم حاصل کی ہے اور تجربات سے دو چار ہوا ہوں۔ میں نے زندگی گزارنے کے چند راہنما اصول قائم کیئے ہیں۔ میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کی بناء پر میں پریشان نہیں ہوتا اور خوش و خرم رہتا ہوں۔ آپ کی خدمت میں یہ اصول پیش کیئے جاتے ہیں۔

”گر قبول اُفتد زہے عز و شرف“

مصروفیت

Busyness

اگر کوئی چیز پریشانیوں اور تفکرات کے زنگ کو کاٹ سکتی ہے تو وہ مصروفیت ہے۔ میں اعلیٰ تعلیم کے بڑے اداروں میں ایک ایک عہدہ پر کام کرتا ہوں۔ سارا دن انہی مصروفیات میں گزر جاتا ہے۔ شام کے وقت گھر پہنچتا ہوں تو کھانا کھاتے ہی نیند آجاتی ہے۔ بتایئے پریشانیوں کیلئے وقت کہاں؟

ایک وقت ایک کام

One thing at a time

میں تین عہدوں پر کام کرتا ہوں لیکن ایک دفتر سے خیالات ذہن میں سما کر دوسرے دفتر نہیں لے جاتا۔ جب ایک دفتر کا کام ختم کرتا ہوں تو سب ذہنی غبار وہیں ڈال دیتا ہوں اور صاف ذہن سے آگے بڑھ جاتا ہوں۔

دفتر اور گھر علیحدہ ادارے ہیں

Office & Home are different places

میرے پاس تین عہدوں کی ذمہ داریاں ہیں۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی دفتر کا سارا کام ختم نہیں ہوتا۔ بعض لوگ مجھے مشورہ دیتے ہیں میں ایسے کام کو گھر لے جاؤں۔ مگر میں کہتا ہوں۔ نہ صاحب! دفتر اور گھر علیحدہ ادارے ہیں چنانچہ میں جب گھر پہنچتا ہوں تو عہدہ دار نہیں ہوتا بلکہ صرف اپنے کنبہ کا سربراہ ہوتا ہوں۔

راک فیلر کی داستان

The story of Rockefeller

از ــــ مصنف

صنعتی، مشینی اور اب ایٹمی دور نے ہر فرد کی زبان پر ایک لفظ چڑھادیا ہے جس کی گردان وہ لفظی اور عملی طور پر دن بھر کرتا رہتا ہے، یہ لفظ ہے "دولت"۔ ہر فرد اسے مصائب کا حل، پریشانیوں کا مداوا اور کامیاب زندگی کی ضمانت سمجھتا ہے۔ اسلئے دولت کے حصول کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائی جاتی ہے۔ لوگ تمام اخلاقی اور مذہبی اصولوں کو

ایک طرف رکھ کر دیوانہ وار اس کے پیچھے بھاگتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جونہی دولت کی دیوی ان کے قبضہ قدرت میں آجائے گی ان پر مسرت و شادمانی کا سورج طلوع ہوگا۔ دنیا بھر کی خوشیاں ان پر نچھاور ہوں گی اور وہ سکونِ قلب سے مالا مال ہوں گے۔

دولت

Wealth

دولت بہت بڑا موضوع ہے۔ سینکڑوں فلسفی اور ہزاروں ماہرینِ اقتصادیات نے اس عنوان کے تحت اپنی آراء پیش کی ہیں۔ اسلیئے میں اس ضمن میں اپنی کوئی رائے پیش نہیں کرنا چاہتا۔ میں صرف دنیا کے ایک امیر کبیر شخص کی داستان آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں اور آپ پر چھوڑتا ہوں کہ آپ دولت کے متعلق کیا رائے قائم کرتے ہیں۔ یہ کروڑ پتی شخص راک فیلر ہے۔ جان ڈی۔ راک فیلر کی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱: ترپن سال کی عمر سے قبل

۲: ترپن سال کی عمر کے بعد

جان ڈی راک فیلر منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا نہیں ہوا تھا۔ اس کا بچپن اپنے خاندان کے ہمراہ ایک زرعی فارم پر گزرا لیکن جوان ہوتے ہی اس نے نہ صرف کاروبار کو پیشے کے طور پر اپنایا بلکہ یوں کہئے کہ وہ دولت کی دیوی کے حصول کیلئے دیوانہ وار دوڑنے لگا۔ اس دور میں اس کی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد تھا۔ روپے کا حصول۔ کسی قیمت پر منافع اور کم سے کم خرچ۔ اس فرد کی طرح جسے آپ کنجوس کی بجائے خسیس کہتے ہیں۔ وہ منافع حاصل ہونے پر دیوانہ ہو جاتا۔ اپنی ٹوپی زمین پر پھینک کر رقص کرنے لگتا لیکن جہاں تھوڑا سا نقصان ہوتا، پریشانیوں اور تفکرات کے بادل اس کے ذہن کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ اسے دل ڈوبتا ہوا معلوم ہوتا اور ایک تاریک گوشے میں جاکر پڑا رہتا۔ ترپن سال کی عمر تک کاروباری زندگی میں ہزاروں واقعات پیش آئے میں صرف نمونہ کے طور پر ایک واقعہ پیش کرتا ہوں۔

ایک دفعہ راک فیلر نے اپنے کاروباری ساتھی کے اشتراک سے چالیس ہزار ڈالر کا غلہ دخانی جہاز کے ذریعے گریٹ لیکس کے راستے بھیجا۔ اپنی کنجوس طبع کے تحت اس نے غلے کا بیمہ اسلیئے نہ کرایا کہ ڈیڑھ سو ڈالر کی رقم ادا کرنی پڑتی تھی۔ غلہ بردار جہاز جب

گریٹ لیکس میں پہنچا تو طوفان کی خبریں آنے لگیں۔ راک فیلر گھبرایا۔ بیمہ اب بھی کرایا جاسکتا تھا۔ گو پریمیم کی رقم میں کچھ اضافہ ہو گیا تھا۔ اس نے بیمہ کرادیا۔ جب اس کا ساتھی بیمہ کرا کر واپس آیا تو ایک تار موصول ہوا لکھا تھا۔ "جہاز طوفان سے نکل گیا گویا ڈیڑھ دو سو ڈالر کی رقم بے کار خرچ ہو گئی تھی۔ راک فیلر کو اتنا بڑا صدمہ ہوا کہ وہ اپنے آپ پر کڑھتا ہوا دفتر سے نکل کر گھر جالیٹا۔

انڈور یا آؤٹ ڈور کھیلوں سے راک فیلر کو کوئی رغبت نہ تھی بلکہ یہ کہنا صحیح ہو گا کہ وہ ان پر ایک لمحہ خرچ کرنے کو تیار نہ تھا۔ اس کی رائے تھی کہ ان پر وقت خرچ کرنے کی بجائے وہی لمحے کیوں نہ پیسہ کمانے میں خرچ کئے جائیں۔ جان گارڈنر اس کا حصہ دار تھا، اس نے دو ہزار ڈالر میں ایک پرانی بادبانی کشتی خریدی اور راک فیلر کو دعوت دی کہ وہ بھی اس کے ساتھ سیر کو چلے۔ راک فیلر کا جواب تھا: "گارڈنر! میں نے تم سا فضول خرچ کبھی نہیں دیکھا...... تم اپنا کاروبار تباہ کر رہے ہو۔ میں تمہاری کشتی پر نہ جاؤں گا"۔

آخر یہ اعصابی پریشانیاں اور ذہنی کشمکش رنگ لائی۔ راک فیلر ترپن سال کی عمر میں بوڑھا ہو گیا۔ اس کے شانے جھک گئے اور وہ ایلومیشیا کے مرض میں مبتلا ہو کر اپنے سر بالوں، بھنؤوں اور پلکوں سے محروم ہو گیا۔ ڈاکٹروں کی رائے میں یہ سب اعصابی کشمکش کا کیا دھرا تھا۔ مزید انہوں نے رائے دی کہ راک فیلر کو دو باتوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہو گا دولت......یا......زندگی... راک فیلر نے زندگی کا انتخاب کر لیا۔

رفاہِ عامہ پر خرچ

Philanthropy

اس نے اپنی بے پناہ دولت کا ایک حصہ عوام پر خرچ کرنے کا پروگرام بنایا اور اس جذبہ کی تکمیل کے لئے ادارہ راک فیلر کی بنیاد رکھی۔ اس ادارے کی معرفت اس نے دنیا بھر کے اداروں اور بیماروں کی مدد کی۔ اس نے مالی طور پر دم توڑتے ہوئے ایک کالج کو لاکھوں ڈالر کی امداد دی۔ کالج نہ صرف معیاری گردانا گیا بلکہ ترقی پا کر یونیورسٹی بن گیا۔ شکاگو یونیورسٹی ہی وہ ادارہ ہے جو راک فیلر کی مالی امداد کے تحت اس مقام تک پہنچی۔ انسانی بیماریوں کے علاج کے ضمن میں راک فیلر کی امداد نے لاکھوں انسانوں کو موت کے منہ سے بچالیا۔

ہیضے کی وبا

Outbreak of cholera

۱۹۳۲ء میں چین میں ہیضے کی وبا پھوٹ پڑی۔ لوگ ہزاروں کی تعداد میں لقمہ اجل ہوئے تھے۔ آخر راک فیلر میڈیکل کالج کی ارسال کردہ ویکسین نے اثر دکھایا اور لاکھوں ملکی اور غیر ملکی اس متعدی مرض سے محفوظ کر دیئے گئے۔ مزید جن بیماریوں کی روک تھام کی طرف توجہ دی گئی اور عوام کو ان سے محفوظ کرنے کے اقدامات کیئے گئے۔ ان میں تپ دق، ملیریا، انفلوئنزا، خناق اور گردن توڑ بخار شامل ہیں۔

ان خیراتوں نے راک فیلر کی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ اسے روپے سے محبت نہ رہی۔ بلکہ روپیہ اس کے سامنے ہیچ ہو کر رہ گیا۔ اس امر کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ حکومت نے اس کی فرم سٹینڈرڈ آئل کمپنی کو لاکھوں ڈالر جرمانہ کیا۔ اس کے وکیل نے جب اس عظیم جرمانہ کی خبر راک فیل کو سنائی تو اس نے وکیل کو کہا:

"فکر نہ کیجئے۔ میں رات آرام سے سوؤں گا۔ آپ بھی پریشان نہ ہوں"۔ پریشانیوں اور تفکرات سے آزاد اس شخص نے اٹھانوے سال کی عمر پائی۔

لمبی عمر پانے کا راز

Secret fo a long life

از ــــ کونی میک

میری عمر پچاسی سال ہے اور میں بیس بال کا پیشہ ور کھلاڑی ہوں۔ ابھی تک میں کھیل سے ریٹائرڈ ہونے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ آپ یقیناً حیران ہوں گے، اتنی طویل عمر تک جسمانی ورزش سے بھرپور زندگی۔ لوگ مجھ سے مل کر میرے واقعاتِ زندگی مجھ سے معلوم کر کے اپنی آراء کا اظہار کرتے ہیں۔ کرنے دیجئے۔ زندگی میں نے گزاری ہے اور ابھی تک میرا دم خم قائم ہے۔ لہٰذا میری رائے زیادہ وزن رکھتی ہے۔ میرے سات تأثرات ملاحظہ کریں:۔

ا: میں نے بیس بال کی طویل زندگی میں بیسیوں بلکہ سینکڑوں میچ ہارے ہمیشہ ٹیم کی سربراہی کی۔ اپنی اور مقابل ٹیم کے کھلاڑیوں سے اُلجھا۔ میں شکست کے بعد اکثر ذہنی طور پر پریشان رہتا۔ اپنی قلیل آمدنی کا ماتم کرتا لیکن قت

گزر ہی گیا۔ آج میری رائے میں پریشان ہونا حماقت ہے۔ اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

۲: پریشانیاں صحت کا ضیاع کرتی ہیں۔

۳: اپنی تمام تر توجہات ماضی کی ناکامیوں پر کڑھنے کی بجائے مستقبل کو بہتر بنانے پر مبذول کردیں۔

۴: اگر ٹیم کو شکست ہو جائے تو میں اپنے کھلاڑیوں سے فوری طور پر نہیں ملتا۔ دوسرے دن تلخ تجربات کم ہو جاتے ہیں اور ہر گفتگو کا انداز تعمیری ہو جاتا ہے اور بطورِ کپتان یا منیجر میں جو مشورے دیتا ہوں انہیں شرفِ قبولیت بخشا جاتا ہے۔ آپ سے یہی سفارش کرتا ہوں۔

۵: خامیاں ہر شخص میں ہوتی ہیں۔ غلطیاں ہر شخص سے سرزد ہوتی ہیں لیکن میں اپنی ٹیم کے کھلاڑیوں کی خوبیوں کی تعریف سے اپنی گفتگو کا آغاز کرتا ہوں۔

۶: جسمانی تھکاوٹ کو دور کرنا ضروری ہے۔ سہ پہر کو قیلولہ کرنا اور رات کو جلد سو جانا میری مستقل عادات ہیں۔

۷: مصروفیت پریشانیوں کا سدِباب کرتی ہے۔

خیالات کی اہمیت

Importance of Thoughts

صحابۂ کرامؓ کی تربیت حضور پاک ﷺ نے فرمائی۔ ایسے جذبوں اور خیالات کو زندہ کرنے کی محنت فرمائی۔ جس سے کہ انسان بننا آسان ہوتا ہے، ایک ایسا انسان جو کہ چاروں طرف مسرتیں بکھیر رہا ہو۔ نفرتوں کو ختم کر رہا ہو۔ ان جذبات و خیالات کو ختم کرنے میں لگا ہو۔ جن کی وجہ سے انسانوں میں بگاڑ پھیلتا ہے۔

آپ ﷺ کی تعلیمات مسلسل خوشی کا پیغام دیتی ہے۔ ان میں اللہ کے خزانوں سے لینے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ جب انسان اس پر مہارت حاصل کرتا ہے تو اس کے سامنے زندگی کا کوئی تاریک پہلو بالکل نہیں رہتا۔ اس کا دل و دماغ مسرور و شادماں ہوتے ہیں۔ ہر قسم کا احساسِ محرومی ختم ہو جاتا ہے۔ بے شمار نفسیاتی امراض سے بچتا ہے۔ نامساعد حالات میں پُر عزم رہتا ہے۔

اس یقین اور اعتقاد کی محنت کی بنا پر وہ اپنے نفس کو مغلوب کر لیتا ہے۔ نفس کا مغلوب کرنا اسلئے ضروری ہے کہ سکون اور مسرت کا جسم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اس کے لئے روح کو اس کی غذا دے کر مغلوب کرنا۔ چونکہ جسم مٹی سے بنا ہے۔ اسکی ضروریات مٹی کے اندر ہیں۔ روح کا تعلق آسمان سے ہے۔ اس کی غذا آسمانی احکامات پر عمل کرنا آسمانی باتوں پر یقین لانا۔ یعنی اس کے ذریعے مسلسل ایک بہترین سے بہترین زندگی (یعنی جنت) کو حاصل کرنے کیلئے مسلسل مثبت خیالات کو سامنے رکھ کر زندگی بسر کرنا۔

ایسا کرنا نہ صرف مایوسی کو ختم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت، معافی کا یقین بھی دلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد اور طاقت کا یقین ایسے بے شمار کام کرا دیتا ہے جن کی مثال نہیں ملتی۔ منفی خیالات نہ صرف جسم کی صلاحیتوں کو متاثر کرتے ہیں بلکہ جسم کو بیماریوں میں بھی مبتلا کرتے ہیں۔ انسان کی خوشی کا دارومدار اس کی داخلی کیفیات کے

ساتھ ہے۔ خارجی حالات سے وہ خوش نہیں ہو سکتا۔
اس جذبے سے وہ روزانہ اپنے دن کو نئے عزم سے اسطرح گزارنا کہ وہ پچھلے دن سے اچھا گزر جائے۔ انسانیت کو خوشی پہنچانے میں گزر جائے۔ ہر انسان کا اکرام کرتا ہے، اس کو اپنے سے اچھا سمجھتا ہے۔ حسد سے بچنا اچھے خیالات کا پہلو ہے۔ بدگمانی سے بچنا اچھے خیال کی آماجگاہ ہے۔ دھوکہ دہی، فریب، ظلم وغیرہ جیسی بری عادت سے بچنا اچھے خیالات ہی کا حصہ ہے۔

خیالات کی اہمیت

Importance of Thoughts

ریڈیو کے ایک کارکن نے میرا انٹرویو لیتے ہوئے پوچھا:
آپ نے اپنی زندگی میں سب سے بڑا سبق کیا سیکھا؟ میرا جواب تھا:
کسی فرد کی شخصیت اس کے خیالات اور احساسات کا پرتو ہوتی ہے بلکہ میں یہ کہوں گا کہ ہمارے خیالات اور احساسات ہمارا مستقبل بناتے ہیں۔ مسرت اور شادمانی سے بھرپور خیالات انسان کو مسرور و شادماں بناتے ہیں جبکہ افسردگی پژمردگی کے خیالات متعلقہ فرد کو محروم اور پریشان بنادیں گے۔ علاوہ ازیں ہر وقت اپنے آپ پر پژمردگی اور افسردگی طاری رکھنے والے افراد کو سوسائٹی میں کوئی اپنے پاس نہیں بیٹھنے دیتا۔
اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں شیخ چلی بننے کی سفارش کر رہا ہوں.. تلخ حقائق پر ایک فرضی مسرت کا خول چڑھانا کسی فرد کو مسرور و شادماں نہیں بنا سکتا بلکہ ایسا فرد احمقوں کی جنت کا فرد ہوگا۔ اس کی مثال اس کبوتر کی سی ہوگی جو بلی کو دیکھتے ہوئے اپنی آنکھیں بند کر کے اپنے آپ کو یہ فریب دے دیتا ہے کہ بلی موجود نہیں ہے۔
میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مسائل پر دھیان ضرور دیں لیکن منفی انداز میں نہیں۔ آپ کی سوچ منفی کی بجائے مثبت ہونی چاہیئے۔ یعنی گو مسئلہ موجود ہوتا ہے تاہم اپنے وقت میں اس کا کوئی حل ضرور نکل آئے گا لیکن جب تک اس کیس کا فیصلہ نہ ہو اپنے آپ کو غم اور پریشانیوں کی گہرائیوں میں نہ گرادیں۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کریں اور اپنی منزل کی طرف بڑھتے جائیں۔

لاول تھامس کے حالات

Cirwmstances of Lowell Thomas life

میں نے ایک شخص لاول تھامس کو دیکھا جو مالی مشکلات میں مبتلا تھا لیکن وہ ہر روز جب اپنے گھر سے نکلتا تو پہلے پھولوں والی دکان سے سرخ گلابی پھول خرید کر اپنے کوٹ کے کالر میں لگاتا اور پھر گردن سیدھی کر کے اپنی منزل کی طرف رواں ہو جاتا۔ لاول تھامس نے کبھی بڑے اچھے دن دیکھے تھے۔ ایک وقت تھا جب وہ تاریخی ڈاکو منٹری فلمیں دکھانے کے ساتھ ساتھ اپنے ذاتی تجربات بھی بیان کرتا تھا۔ خاص طور پر مشہور جاسوس ٹی۔ ایچ۔ لانس کی فلم کے دوران جب وہ اس مہم میں اپنی شمولیت کی داستان نمک مرچ لگا کر سناتا تو تھیٹروں میں لوگ ہزاروں کی تعداد میں اُمڈ آتے۔ سینما ہاؤس بند ہو جاتے لیکن "ہر کمالِ رازوال" آخر لوگ ان فلموں اور اس کی تقاریر سے اکتا گئے۔ تھیٹر اب اس کے پروگرام کیلئے ایک پیسہ دینے کو تیار نہ تھے۔

ایک دن آیا کہ اس کا دیوالیہ نکل گیا لیکن اس کی ہمت نے جواب نہ دیا وہ ہر روز اپنے مستقبل کو سنوارنے کا منصوبہ لے کر ایک نئے ولولہ سے نکلتا۔ اپنے کوٹ کے کالر میں خوبصورت پھول لگاتا اور نئے حالات سے پنجہ آزما ہو جاتا۔

ماہرِ نفسیات کا تجزیہ

A psychiatrist's Analysis

مثبت یا منفی خیالات جسمانی قوتوں کو کس حد تک متاثر کرتے ہیں۔ سائنسی تجربات سے یہ راز بھی معلوم کر لیا ہے۔ مشہور ماہرِ نفسیات اور دماغی امراض کے معالج مسٹر جے۔ اے۔ ہیڈ فیلڈ نے اس عنوان کے تحت بڑا اہم تجربہ کیا۔ اس نے تین رضاکاروں کا انتظام کیا اور اپنے تجربے کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔

ا: عام حالت میں قوت پیما کے ذریعے تینوں رضاکاروں کی قوت معلوم کی گئی۔ قوت پیمانہ ایک ایسی مشین تھی۔ جسے جب رضاکاروں نے عام حالت میں پکڑا تو گرفت کا زور ۱۰۱ پونڈ تھا۔

۲: تجربے کے دوسرے حصے میں رضاکاروں پر فکری اثرات نافذ کرتے ہوئے انہیں یہ رائے دی گئی کہ وہ بہت کمزور ہیں۔ جب قوت پیما ان

کے ہاتھ میں دیا گیا تو گرفت کی قوت ۲۹ پونڈ پائی گئی۔

۳ : تجربے کے تیسرے حصے میں از سرِ نو ان پر فکری اثرات نافذ کئے گئے۔ اب کی بار انہیں بتایا گیا کہ وہ بہت قوی ہیں۔ آپ حیران ہوں گے کہ اس دفعہ گرفت کی قوت ۱۴۲ پونڈ تھی۔

یہ اعداد و شمار اپنی داستان خود بیان کرتے ہیں۔ آپ نے تاریخ میں متعدد ایسی جنگوں کی تفصیلات پڑھی ہیں۔ جب مختصر مگر باہمت فوج نے بڑی مگر بزدل افواج پر فتح پائی بلکہ بعض دفعہ ایسا ہوا کہ بزدل فوجوں پر اتنی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ وقت سے پیشتر بھاگ کھڑی ہوئیں۔

مسیحی سائنس

Christian Science

آپ نے شاید "مسیحی سائنس" کا نام سنا ہوگا۔ یہ عیسائیت کی ایک شاخ ہے۔ لاکھوں افراد اس مذہب میں شامل ہیں۔ اس مذہب کی بانی ایک عورت تھی۔ جس کا نام میری بیکر ایڈی تھا۔ وہ ایک غریب عورت تھی۔ اس کا پہلا شوہر شادی کے چند روز بعد انتقال کر گیا۔ دوسری مرتبہ شادی کیلئے خاوند غریب ملا۔ ایک لڑکا پیدا ہوا لیکن بچے کی عمر چار سال تھی کہ اسکا خاوند ایک شادی شدہ عورت کو اغوا کر کے روپوش ہو گیا۔ میری بیکر ایڈی اتنی غریب تھی کہ لڑکے کو پال نہ سکی اور اسے چھوڑ کر کسی طرف نکل گئی۔ اس کی جوانی اور ادھیڑ عمر کس طرح گذری؟ یہ معلوم نہیں لیکن اس کے بڑھاپے کی کی داستان معلوم ہے۔ اب وہ ایک بے سہارا عورت تھی۔ ایک امیر بیوہ نے اسے سہارا دیا وہ اس کے ساتھ رہنے لگی۔

بمشکل ایک ماہ گزرا تھا کہ امیر بیوہ کا داماد آ گیا اور اس انتظام پر سخت معترض ہوا۔ ایک اس نے میری بیکر ایڈی کو اٹھا کر باہر سڑک پر پھینک دیا۔ اس وقت سڑک برف سے ڈھکی ہوئی تھی۔ میری بیکر کو اتنی شدید چوٹ آئی کہ وہ بیہوش ہو گئی۔ اسے ہوش آیا تو وہ ہسپتال کے ایک بستر پر پڑی تھی۔ ڈاکٹروں نے معائنہ کیا اور بتایا کہ ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جانے سے اول تو وہ جانبر نہ ہو سکے گی۔ اگر بفرضِ محال زندہ رہ گئی تو ہڈی بیکار ہو جائیگی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ تکیے کے نیچے انجیل پڑی تھی۔ وہ اسے پڑھنے لگی ایک جگہ پر اس کی نظریں گڑ گئیں۔ عبارت کا مفہوم یوں تھا :

"حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کے سامنے ایک مفلوج آدمی لایا گیا تو انہوں نے فرمایا: اطمینان رکھو.. خدا تمہارے گناہ معاف کر دے گا، اپنی چارپائی سے اٹھو اور گھر جاؤ۔ وہ اٹھا اور گھر کی طرف چل گیا"۔

مسز بیکر لکھتی ہیں کہ یہ الفاظ ان کے ذہن میں سما گئے۔ ایک غیر مرئی قوت ان کے ذہن سے نکل کر ان کی ریڑھ کی ہڈی میں سرائیت کرتی ہوئی معلوم ہوئی۔ انہیں اپنی ریڑھ کی ہڈی بلا نقص معلوم ہوئی اور وہ اٹھ کر چلنے لگیں۔ ڈاکٹر حیران رہ گئے۔ ہسپتالوں میں شاید آپ نے ذہنی مریض بھی دیکھے ہوں گے۔ ان میں سے اکثر تندرست و توانا ہوتے ہیں لیکن ذہنی پریشانی اور اضطراب ان کے جسم کو بھی عملاً بیکار کر دیتا ہے۔ ایک مریض کی داستان ملاحظہ کریں۔

مریض کی داستان

The Story of patient

وہ میرے مرکز تعلیمِ بالغاں میں پڑھتا تھا۔ دبلا پتلا اور کمزور سا مستقل طور پر پریشان اور مضطرب رہنے والا۔ اسے کئی پریشانیاں لاحق تھیں۔ مثلاً یہ کہ اس کی شخصیت اس قابل نہ تھی کہ وہ کامیاب زندگی بسر کر سکے، اس کے سر کے بال جھڑ رہے تھے۔ لہٰذا کوئی لڑکی اسے پسند نہ کرے گی۔ اس کی شادی نہ ہو سکے گی۔ اگر کوئی لڑکی تیار ہو بھی گئی تو شادی کے بعد کسی خوبرو لڑکے کے ساتھ بھاگ جائے گی۔ وہ اتنا گھبرایا کہ اس نے اچھی بھلی ملازمت چھوڑ دی۔

اب وہ بے کار تھا۔ موسمِ گرما میں میامی بیچ دنیا بھر کی دلچسپیوں اور رنگینیوں کا مرکز ہوتا ہے۔ اسنے فیصلہ کیا کہ وہ میامی میں تفریح کرے گا اور اس کی حالت بدل جائے گی۔ اسکے والد نے اسے ایک بند لفافہ دیا اور کہا کہ وہ میامی میں اپنے قیام کے دوران کھولے۔ وہ میامی پہنچا۔ دنیا بھر کی رنگینیاں اس کے ہر طرف بکھری پڑی تھیں۔ جوان لڑکوں کے قہقہے ہر دم سنائی دیتے تھے لیکن اس کی حالت نہ بدلی۔ ایک دن اس نے اپنے والد کا دیا ہوا لفافہ کھولا.. لکھا تھا:

> برخوردار میں نے تمہیں روکنا مناسب نہ سمجھا۔ مجھے یقین ہے کہ ان دلچسپیوں اور رنگینیوں میں بھی تمہاری حالت ویسی ہی ہو گی۔ کیونکہ پریشانی تو تم یہیں سے لے گئے تھے۔ یعنی وہ تمہارے دماغ میں موجود

ہے۔ لہٰذا واپس چلے آؤ۔

میرے طالبعلم کو اپنے والد کی عبارت پسند نہ آئی اور وہ ایک بار پھر گلیوں، سڑکوں اور ہوٹلوں کے چکر کاٹنے لگا۔ ایک دن اسے سڑک پر گرجا نظر آیا۔ وہ غیر ارادی طور پر اس کے اندر چلا گیا۔ پادری کہہ رہا تھا:

"جو کوئی اپنی روح کو مغلوب کر لیتا ہے وہ اس فرد سے طاقتور ہوتا ہے جو کسی شہر کو فتح کر لیتا ہے"۔

طالبعلم نے بتایا کہ یہ فقرہ اس کی روح میں سما گیا.. اس پر یہ راز روشن ہو گیا کہ اسے اپنی روح کو قابو میں لانا چاہیے نہ کہ جسم کو روح کے قابو میں لانے کیلئے گھر سے پندرہ سو میل کی دوری درکار نہ تھی.. وہ واپس گھر چلا گیا۔ دوسرے دن وہ اپنی نئی ملازمت کے سلسلے میں دفتر کی میز پر مصروف کار تھا۔ یہ ملازمت پہلے سے کہیں بہتر ملی تھی۔

اس کا احساسِ کمتری دور ہو گیا، وہ مسرور و شاداں تھا، گنجے سر کے باوجود ایک نہایت ہی خوبصورت لڑکی اس پر مر مٹی نہ صرف وہ اچھی بیوی بلکہ اس کے بچوں کی اچھی ماں ثابت ہوئی۔ معاشرے میں اس کے گھرانے کو مثالی گھرانہ قرار دیا۔ یہ داستان ثابت کرتی ہے کہ ذہنی سکون کا جغرافیائی حالات، رنگینیوں اور دلچسپیوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ سکون کی نعمت تو دماغ اور ذہن کے اندر ہوئی ہے۔ صرف صحیح احساس کی ضرورت ہوئی ہے۔ اگر صحیح احساس کر لیا جائے تو گھر بیٹھے بٹھائے سکون و اطمینان کی وہ دولت میسر آتی ہے۔ جس کی تلاش میں بے خبر لوگ ہزاروں میلوں کا سفر کرتے ہیں اور لاکھوں ڈالر خرچ کرتے ہیں۔[1]

مسرت و شادمانی کے جذبات جغرافیائی حدود و قیود اور زندگی کی روزمرہ آسانیوں سے کس طرح بے نیاز ہوتے ہیں۔ اس کا اندازہ لگانا ہو تو صرف یہی مثال کافی ہے جو میں اب بیان کرتا ہوں۔

رابرٹ فیلکن سکاٹ کی سرکردگی

Achievement of Robert Falcon Scott

رابرٹ فیلکن سکاٹ کی سرکردگی میں پہلی برطانوی مہم جنوبی قطب کی طرف

ا: اس دور میں ہزاروں انگریز اور امریکن نوجوان لڑکے اور لڑکیاں سکون کی تلاش میں ہم دواری، بنارسی اور نیپالی میں سادھوؤں کے چرن چھونے کیلئے زیرِ بار ہوتے ہیں لیکن سکون میسر نہیں آتا۔

بھیجی گئی۔ یخ بستہ ہواؤں اور برفیلے پہاڑوں کا یہ حصہ موت کی وادی کہا جا سکتا تھا۔ حوصلہ مند مہم جو اس وقت تک آگے بڑھتے گئے جب تک کہ اس کا راشن ختم نہ ہوا اور واپسی کے راستے بھی برفباری سے مسدود نہ ہو گئے۔ اب موت سامنے کھڑی تھی۔ سیاہ ڈائن بلکہ کالی دیوی کی طرح لمبے لمبے دانت نکالے جب انہیں اپنی موت کا یقین ہو گیا تو ان میں مسرت وشادمانی کا ایک نیا جذبہ ابھرا جس نے لازوال گیتوں کو جنم دیا۔ پوری پارٹی گیت گاتی ہوئی موت سے ہمکنار ہو گئی[1]۔ ان کی بہادرانہ موت کا راز آٹھ ماہ بعد اس وقت ملا جب دوسری مہم جو پارٹی کو وہ کاغذات ملے جن پر گیت لکھے گئے تھے۔

انسان کی زندگی میں ایسے دن بھی آتے ہیں جب اسے مسرتیں ملتی ہیں یعنی ایسے خارجی عوامل اس کے دماغ پر اثرانداز ہوتے ہیں جو اس کا حوصلہ بلند کریں۔ مثلاً تنخواہ اور رتبہ میں اضافہ۔ سیاسی میدان میں کامیابی یا تجارت میں منافع یقیناً ایک عام فرد کو مسرت شادمانی کا پیغام دیا گیا، مبارکباد کا تار تھمایا گیا یا روپوں کی تھیلی پیش کی گئی۔ تو اس نے ٹھنڈی سانس کے ساتھ انہیں رکھ دیا اور پھر غم کی دنیا میں ڈوب گئے۔ یہ ایسے شخص ہوتے ہیں جن کے ذہن میں غم، خوف اور پریشانی گھر کر چکی ہوتی ہے۔ وہ اندرونی عوامل کا شکار ہوتے ہیں۔ صرف انہی عوامل پر قابو پانے سے وہ نارمل انسان بن سکتے ہیں۔

صرف ذہنی طور پر یہ سوچنا کہ میں اب مسرت وشادمانی کی وادی میں قدم رکھوں گا، کافی نہیں ہے۔ اپنے جسم اور عمل میں بھی ذرا سی تبدیلی پیدا کریں۔ صبح اٹھئے[2] چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پیدا کیجئے اور پھر اپنے کاروبار میں ایمانداری سے جت جائیے۔

ان واقعات کے برعکس میں آپ کو کیلی فورنیا کی ایک بوڑھی عورت کی داستان پیش کرتا ہوں۔ جو سب کچھ میسر ہوتے ہوئے بھی ہر وقت نہ فنا کا ورد کرتی ہے اور اپنی

۱: مسلمانوں کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جب مجاہدین نے میدانِ کارزار میں قدم رکھنے سے پیشتر اپنی شہادت کیلئے دعا کی یا سر پر کفن باندھا اور دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ شہادت کے وقت ان کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اس لئے علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا:

نشانِ مردِ مؤمن باتو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلبِ اوست

۲: صبح نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیے۔

تکالیف کی داستان اس رقت کے ساتھ سناتی ہے کہ ثابت کرے کہ وہ دنیا کی مظلوم ترین فرد ہے یعنی "سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے"

وہ بیوہ ہے مگر اس کا خاوند اتنی رقم چھوڑ کر گیا تھا کہ عمر بھر آرام سے زندگی بسر کرے۔ اسکے تین لڑکے اچھے عہدوں پر فائز ہیں۔ جنکے گھر وہ مہینوں مہمان رہتی ہے اور اچھے سے اچھا کھاتی ہے۔ مگر جو فرد بھی اسے ملے اس سے یہی کہتی ہے کہ اس سے کتوں کا سا سلوک ہوتا ہے۔ وہ اپنے لڑکوں اور بہوؤں میں سو سو کیڑے نکالتی ہے۔ اس کی دو لڑکیاں شادی شدہ ہیں اور جب بھی اس سے ملنے آتی ہیں تحفوں سے لدی ہوئی آتی ہیں۔ مگر وہ گلوں شکووں کی داستان سے ان کا استقبال کرتی ہے۔ جو ہر ملنے والی کو بھی سنائی جاتی ہے۔ گویا پریشانی اور اضطراب اس کے ذہن کی داخلی کیفیت ہے اور اتنے اچھے خارجی عوامل اس پر اثر انداز نہیں ہوتے۔

جے۔ایچ انگلرٹ کی داستان

Story of J. H. Englert

جے۔ایچ انگلرٹ کی داستان مسیحی سائنس کے بانی کی زندگی سے کافی حد تک ملتی ہے۔ اسے سرخ بخار ہوا، بخار اتر گیا مگر گردے متأثر ہو گئے۔ خون کا دباؤ اتنا بڑھا ۲۱۴ ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے اسے بتایا کہ اس کا انجام قریب ہے اور وہ جلد از جلد اپنے دنیاوی کام نمٹا لے چنانچہ اس نے وہ تمام رقوم واپس لے لیں۔ جو ادھار دی گئی تھیں۔ بیمہ کی رقم ملنے والی تھی جو ذاتی سطح پر چند دن میں حاصل کر لی گئی۔ اب وہ مرنے کیلئے تیار تھا لیکن ایک نئی بات پیدا ہو گئی۔ اس کی بیوی اور بچے پریشانی اور غم کی دنیا میں ڈوب گئے۔ بیوی بچوں کو اس سے شدید محبت تھی۔ ایک دو دن نے اس کے مغموم چہروں کو دیکھا۔ دل میں کسک اٹھی، اس نے اپنے آپ سے کہا:

"بے درد نہ معلوم تمہیں کب موت آئے گی لیکن تم اپنے بیوی بچوں کو ابھی سے موت کے منہ میں دھکیل رہے ہو"

اس خیال نے بجلی کی رو کی طرح اثر کیا۔ اس نے اپنی بدلتی اور ترقی کرتی ہوئی صحت کی فرضی داستان جب بیوی بچوں کو سنائی تو ان کے چہروں پر مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی، پھر اس نے محسوس کیا کہ اس کا ذہن اسکی پژمردگی کو مغلوب کر رہا ہے۔ اس کی صحت فی الواقع بہتر ہونے لگی۔ اسکے خون کا دباؤ نارمل ہوتا گیا۔ گردے کام

کرنے لگے اور وہ صحتمند ہونے لگا۔

اس واقعہ کو دس سال گزر چکے ہیں۔ وہ صحتمند، مسرور و شادماں ہے۔ اس کے بچے جوان ہو کر مالی لحاظ سے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو چکے ہیں لیکن جب وہ شام کو ڈرائنگ روم میں یکجا ہوتے ہیں تو کوئی چیز اس کے دماغ کو یہ کہتی معلوم ہوتی ہے کہ اس کی زندگی بچوں کیلئے ہے۔ اس کے بچوں کو ابھی اس کی ضرورت ہے۔

میں دیکھتا ہوں کہ لوگ اپنی معمولی ضروریات کیلئے نام نہاد پیروں اور فقیروں سے دعائیں کراتے ہیں۔ مجھے سچے پیروں کی دعا، اولیاء کرام اور بزرگوں کی کرامات سے انکار نہیں ہے لیکن میرا تجربہ ہے کہ عام انسان اگر اپنے دماغ اور ذہن کو مغلوب کر لے اور اپنی زندگی کو اپنی مرضی کے مطابق گرفت میں لینے کی کوشش کرے تو بہت کچھ ہو سکتا ہے اسکی شخصیت میں نکھار آسکتا ہے۔ وہ اپنی کمزریوں کو دور کر سکتا ہے اور اپنے ذہنی فکرات سے نجات پا سکتا ہے...... ذرا آزما کر دیکھیں۔

اس سے قبل میں یومیہ آب بند کمروں میں رہنے کی سفارش کی تھی۔ آیئے!! اس سبق سے ایک بار پھر فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ سبل۔ ایف۔ پارٹرج نے آج سے چھتیس سال قبل مندرجہ ذیل اقدامات کی سفارش کی تھی۔

۱: صرف امروز کیلئے مسرت و شادماں رہیں۔ ابراہم لنکن نے کہا تھا کہ لوگوں کی مسرت کی مقدار ان کی ذہنی کوشش کے تناسب سے ہوتی ہے۔ مسرتا ور شادمانی ذہن کے اندر موجود ہوتی ہے اور خارجی عوامل سے بے نیاز ہوتی ہے۔

۲: آج میں در پیش حالات میں اپنے آپ کو منطبق کر کے مسرت کا سامان کروں گا۔ میری خواہشات اور موجودہ حالات اور وسائل سے زیادہ نہ ہوں گی۔

۳: میں صرف امروز کیلئے اپنے ذہن کو مضبوط اور قوی بنانے کی کوشش کروں گا۔ میں ادھر ادھر بکھرا لٹریچر محض ذہنی عیاشی کیلئے اس غرض سے نہ پڑھوں کہ مستقبل ایک جال بن دوں۔

۵: میں صرف امروز کیلئے روح کے مفاد میں تین طرح کی ورزش کروں گا۔ سب سے اہم یہ کہ کسی کے ساتھ اس طرح نیکی کروں گا کہ اسے پیشگی معلوم نہ ہو۔

۶: صرف امروز کیلئے مسرور و شاداں رہوں گا۔ اسکے حصول کیلئے اچھا لباس پہنوں گا، دھیمی آواز میں بات کروں گا، جی بھر کر دوسروں کو داد دوں گا اور کسی پر تنقید نہ کروں گا۔

۷: صرف امروز کی اچھی زندگی میری منزل ہوگی، میں زندگی بھر کے مسائل کو آج ہی حل کرنے کی کوشش نہ کروں گا میں صرف اتنے گھنٹے کام کروں گا جتنا میری صحت اجازت دیتی ہے تاکہ میں مستقبل میں بغیر کوفت اٹھائے اسے جاری رکھ سکوں۔

۸: میرے پاس امروز کیلئے پروگرام ہے۔ میں ہر گھنٹے بعد کیا جانے والا ایک ایک عمل تحریر کروں گا، ہو سکتا ہے میں اپنے پروگرام کی سو فیصد تکمیل نہ کر سکوں لیکن میں دو خامیوں کو راستہ سے ہٹا دوں گا۔ پہلی عدم فیصلہ کی حالت اور دوسری جلد بازی۔

۹: آج میں ہر قیمت پر نصف گھنٹے کیلئے آرام کروں گا۔ شاید اس وقفے میں میں اللہ تبارک و تعالیٰ کو یاد کروں گا اور اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی استدعا کروں گا۔

۱۰: آج مجھے کسی چیز کا خوف نہ ہو گا۔ میں مسرور و شاداں ہوں گا میں خوبصورت اور دلکش چیزوں سے پیار کروں گا اور جو مجھے پیار کرتے ہیں انہیں پیار دوں گا۔

اصول :۔

اگر آپ نے غم و تفکرات کو دور کرنا ہے تو ذہنی طور پر آج ہی ان پر قابو پایئے اور خوش و خرم رویہ اختیار کیجئے۔

اکتاہٹ کا خاتمہ

Cure of boredom

اسلام میں اس دنیاوی زندگی میں عمل کو پیدا کرنے کیلئے جنت کی نعمتوں کے بارے میں بار بار بتایا گیا ہے تاکہ مسلمانوں کی زندگی میں دلچسپی برقرار رہے اور وہ اس کے شوق میں دینی و دنیاوی معاملات ادا کرتے رہیں۔

انسان بالطبع حریص ہے۔ جب تک اس کو کام میں کوئی نفع نظر نہ آئے تو اس کی ادائیگی میں نامکمل رہتا ہے۔ اسلئے حضورِ اکرم ﷺ اکثر و بیشتر جنت کی باتیں فرماتے تاکہ عمل اس شوق میں ادا ہو، کام میں دلچسپی ہو۔

صحابۂ کرامؓ جس عمل میں بھی لگتے چاہے وہ دنیاوی ہو یا دینی، فضائل کے شوق اور اللہ کو راضی کرنے کے جذبے سے لگتے تھے۔ اکتاہٹ کا خاتمہ بھی اس سے ممکن ہے۔

ایک صحابیؓ کچھ عرصہ بعد واپس اپنے گھر تشریف لائے، آپ ﷺ کا معلوم کیا۔ پتہ چلا کہ آپ ﷺ کسی غزوہ میں تشریف لے گئے ہیں۔ چونکہ شہادت سے دلچسپی تھی، حضورِ اکرم ﷺ سے محبت تھی، شہادت پر اللہ سے کیا انعام ملے گا یہ بھی سامنے تھا۔ اس شوق اور دلچسپی نے صحابی کو گھر نہ ٹھہرنے دیا بلکہ وہ غزوہ میں تشریف لے گئے اور لڑتے رہے حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ دلچسپی اور شوق نے صحابیؓ سے مجاہدہ کروایا۔

ذیل میں کچھ واقعات ایسے ہیں کہ جنھوں نے اس اسلامی اصولِ زندگی کو اپنا کر مسئلے کا حل نکالا۔

اسلامی اصولِ تجارت میں احادیث کے مطابق صبح کاروبارِ زندگی کیلئے بہت جلد نکل جانا، کاروبار کیلئے دور دراز سفر کرنا اور کاروبار کیلئے ایک جنس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے کر جانا۔ تمام امور انسان کو نفسیاتی طور پر شادمانی اور مسرت عطا کرتے ہیں۔ یہی انسان کبھی اکتاتا نہیں بلکہ محنت، تندہی اور مشقت کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزار دیتا ہے۔

قارئین...... کیا آپ اسلامی اصولِ معاشرت کو سمجھتے ہیں؟ لیکن اگر سمجھتے ہیں تو بالکل سطحی... براہِ کرم اسلامی اصولِ معاشرت کو سمجھنے کیلئے اسلامی کتب کا مطالعہ عمل کی نیت سے کرنا بہت ضروری ہے۔

اکتاہٹ کا خاتمہ

Cure of boredom

ایک ترقی پذیر ملک کے سرکاری دفتر میں، حسبِ دستور ضرورت سے زائد افراد ملازم رکھ لئے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک چپڑاسی سارا دن اپنے سٹول پر بیٹھا اونگھتا رہتا۔ اگر کسی کو ضرورت کے پیشِ نظر کوئی کلرک اسے دوسرے کمرے سے فائل لانے کو کہتا تو اسے یوں معلوم ہوا جیسے اس پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ شام کو گھر جاتے وقت وہ تھک چکا ہوتا۔ اس کے برعکس ایک لڑکے کو سارا دن قابلِ دید مقامات دکھائے گئے۔ وہ اکثر جگہ پیدل گیا۔ عجائب گھر، چڑیا گھر اور قلعہ کے وسیع احاطوں میں پھرتا رہا۔ اس نے کسی پریشانی کا اظہار نہ کیا۔

ایک نوجوان لڑکی الائس نامی ایک دفتر میں ملازم تھی۔ دفتری اوقات کے بعد گھر آئی۔ اس کا انگ انگ ٹوٹ رہا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ بستر پر دھڑام سے گر پڑے۔ ابھی وہ ماں کے پاس پڑی کرسی پر بمشکل بیٹھ پائی تھی کہ اس کا بوائے فرینڈ آگیا۔ اسے دفتر سے اچانک دو چھٹیاں مل گئی تھیں۔ آتے ہی کہا: الائس! اٹھو.. تھیٹر، سینما، ناچ، ہوٹل انٹرنیشل کا پروگرام.. جو چاہو حاضر ہے۔ تھکی ہوئی الائس کے چہرے پر رونق اور آنکھوں میں شوخی آگئی۔ وہ اندر بھاگی گئی اور بہترین گاؤن زیب تن کر کے بوائے فرینڈ کے بازو میں بازو ڈال کر باہر نکل گئی اور ساری رات رقص اور موسیقی میں مصروف رہی۔ دونوں صبح تین بجے لوٹے لڑکی میں تھکن نام کو نہ تھی۔

مندرجہ بالا دونوں مثالوں کا تجزیہ کریں تو ایک بات واضح ہوتی ہے کہ اول الذکر افراد میں اکتاہٹ یا بوریت تھی جبکہ دوسرے افراد میں دلپسندی اور تفریح کا سامان موجود تھا۔ ڈاکٹر جے۔ ای۔ بارمیک نے لڑکوں پر تجربات کیئے۔ پہلے گروہ کو کوئی خاص کام نہ دیا گیا۔

انکے ٹیسٹ سے معلوم ہوا کہ استحالہ درست نہ رہا۔ آکسیجن کا استعمال اور خون کا دباؤ بھی کم ہو گیا۔ مگر وہ طلبا جن کی دلچسپیوں کا سامان کیا گیا تھا ان کا استحالہ کام کے دوران درست رہا۔

کوہ پیماؤں کی انجمن

An association of mountaineers

کینیڈا میں کوہ پیماؤں کی انجمن کو کہا گیا کہ وہ نامزد کردہ سپاہیوں کو کوہ پیمائی کی تربیت دیں تربیت دینے والے کوہ پیما پچاس سے انسٹھ کے پیٹے میں تھے۔ جبکہ نامزد سپاہیوں کی عمر بیس سے پچاس سال تھی۔ غلطی یہ ہوئی کہ نامزد کرنے والے افسر نے سپاہیوں کی رائے پوچھے بغیر اپنی صوابدید کے مطابق انہیں نامزد کر دیا۔ کوہ پیمائی کا ہر حصہ مشکل ہوتا ہے لیکن سب سے مشکل کام عمودی دیوار پر چڑھنا ہوتا ہے۔ بہر حال تربیت دینے والے کوہ پیماؤں نے عمودی دیوار پر چڑھنے کا بار بار مظاہرہ کیا اور سپاہیوں نے ان کی نقل کرتے ہوئے مشق کی۔ شام کے وقت دونوں بنیادی کیمپ میں واپس پہنچ گئے سپاہی کھانا کھائے بغیر سو گئے۔ وہ بری طرح تھک چکے تھے۔ جبکہ کوہ پیماؤں نے ڈٹ کر کھانا کھایا۔ مے نوشی کا شغل کیا۔ اس دن کی کارگزاری پر نظر ڈالی اور آنے والے دن کا پروگرام بنایا۔ اسکے بعد وہ نیند کی دنیا میں چلے گئے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرق کیوں تھا؟ جواب یہ ہے کہ سپاہیوں کو کوہ پیمائی سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ انہیں پوچھے بغیر نامزد کیا گیا تھا۔ جبکہ کوہ پیماؤں کا رجحان اور دلچسپی اس طرف تھی۔ اول الذکر بور ہوئے اور آخر الذکر لطف اندوز ہوئے۔

دو لڑکیوں کی داستان

Story of two Girls

دو سٹینو گرافر لڑکیوں کی حقیقی داستان ملاحظہ کیجئے:

اول الذکر کو ایک آئل کمپنی میں مجوزہ فارموں پر مخصوص اعداد و شمار تحریر کرنے پر لگایا گیا۔ کام بہت آسان تھا لیکن روزانہ کام کی یکسانیت نے اسے بور کر دیا۔ وہ نہ صرف کام سے اکتا جاتی بلکہ دفتری اوقات میں تھکن اور چڑچڑاپن محسوس کرتی۔ فرم میں یہ آسان ترین کام تھا۔ التجا کے باوجود اسے کسی اور سیٹ کا کام نہ دیا گیا۔ بلکہ جب سا س نے سخت کام کی استدعا کی تو دفتری بابو اور دوسری لڑکیاں اس پر ہنسیں۔ ایک کہنے لگی: کیسی بے وقوف لڑکی ہے کہتی ہے "آ بیل مجھے مار"۔ لیکن اسے اپنی خامی کا زیادہ علم تھا۔

کام کو دلچسپ بنانے کیلئے اس نے اعداد و شمار کو گننا شروع کیا۔ وہ شام تک کام میں

مصروف رہتی اس کے باوجود مسرور و شاداں دکھائی دیتی۔ دوسری اسٹینو گرافر کو بھی اپنے کام سے چنداں دلچسپی نہ تھی۔ محض پیٹ کا دوزخ بھرنے اور آنے والے شہزادے کے انتظار میں اسے یہ کام کرنا پڑتا تھا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ دفتری اوقات ختم ہونے والے تھے کہ اس کی برانچ کی سپرنٹنڈنٹ نے اسے ایک چٹھی دی جسے وہ پہلے ہی ٹائپ کر چکی تھی۔ یہ درست ہے کہ اس میں چند غلطیاں موجود تھیں لیکن سرکاری دفاتر میں جب تک خطوط دوسرے محکموں کے افسرانِ اعلیٰ کے نام نیم ذاتی نوعیت کے نہ ہوں۔ معمولی غلطیوں کی پرواہ نہیں کی جاتی اور انہیں قلم سے درست کر لیا جاتا ہے۔ ادھر سٹینو گرافر نے چٹھی دوبارہ ٹائپ کرنے کی عدم ضرورت پر زور دیا۔

ادھر سپرنٹنڈنٹ نے اس کو اپنی انا کا سوال بنالیا۔ بک بک، جھک جھک ہوئی لیکن بہت جلد دونوں نرم پڑ گئے۔ سپرنٹنڈنٹ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا: "دیکھو مس! تمہارا کام کتنا دلچسپ ہے۔ روزانہ نئے الفاظ مطالعہ میں آتے ہیں۔ تم ان میں دلچسپی لو۔ اپنے ذہن میں زیادہ سے زیادہ الفاظ اور ان کے معانی محفوظ کرو"۔ اس روز لڑکی کو معلوم ہوا کہ اس کا کام بھی دلچسپ تھا۔ اسے اپنے کام سے محبت ہو گئی۔

ایک اور داستان

Another Story

ایک اور داستان ملاحظہ کریں:

ہارلان۔ اے۔ ہارووڈ، ایک اسکول میں بیرا گیری کا کام کرتا تھا۔ اسے پلیٹیں دھو کر میزوں پر سجانی پڑتیں۔ اس وقت بہت سے لڑکے کھیل کود میں مصروف ہوتے تھے۔ اسکا دل بھی تفریح چاہتا تھا۔ وہ اس کام میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں کرتا تھا اور فیصلہ کرنے والا تھا وہ کام چھوڑ دے کہ ایک دن اسے آئسکریم بنانے میں مدد دینا پڑی چند دن بعد اور قسم کی آئسکریم بنائی گئی۔

اسے یہ کام دلچسپ معلوم ہوا اور اس نے آئسکریم اور دودھ کی مصنوعات تیار کرنے کے کورس میں داخلہ لے لیا۔ وہ پاس ہو گیا لیکن اسے کوئی سرکاری یا غیر سرکاری ملازمت نہ ملی۔ اس نے ڈیری بکٹریالوجی کا کام سیکھا اور اپنی لیبارٹری قائم کر دی۔ تھوڑے وقفے میں چودہ ڈیریاں اس کی لیبارٹری سے دودھ ملاحظہ کرانے لگیں۔

کام اتنا بڑھا کہ اسے دو مددگار ملازم رکھنے پڑے۔ اگر وہ دلچسپی اور رجحان طبع نہ ہونے

کے باوجود ہیرا گیری میں پھنسا رہتا تو نہ صرف بور اور پریشان ہوتا بلکہ اسی قلیل تنخواہ پر تمام عمر کام کرتا رہتا۔

دلچسپ داستان

An intresting story

اس موضوع پر ایک داستان بڑی مفید بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ سیموئیل وکلین ایک فرم بالڈون لوکوموٹو ورکس کا پریذیڈنٹ تھا۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس نے اپنے فن کی ابتداء کس عہدے سے کی؟ ایک معمولی مستری جسے خراد کی مشین پر کام دیا گیا تھا۔ اس مستری کو اپنے کام سے کوئی دلچسپی نہ تھی لیکن کوئی اور ملازمت بھی اس کی نگاہ میں نہ تھی۔ آخر اس نے کام کو دلچسپ بنانے کا فیصلہ کیا اور اس مدعا کی تکمیل کیلئے وہ دوسرے مستریوں سے مقابلہ کرنے لگا۔ اس کی رفتار زیادہ پائی گئی۔ فورمین کی نظریں اس کے کام پر پڑیں تو اسے بہتر جگہ لگا دیا گیا۔ یہاں اس کی دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کی ابتداء ہوئی وقت گزرنے کے ساتھ وہ فرم کا پریذیڈنٹ بن گیا۔ اگر وہ اکتا جانے والی آسامی پر پھنسا رہتا تو نہ صرف اکتاہٹ محسوس کرتا بلکہ مالی لحاظ سے پہلے درجے پر رہتا۔

اسی قسم کی ایک اور حقیقی داستان پیش کی جاتی ہے۔ مشہور تجزیہ نگار ایچ۔ وی۔ کالٹن بورن نے اپنی ملازمت کا آغاز ایک ایسے ملازم کی حیثیت سے کیا جس کا کام مویشیوں کو چارہ ڈالنا تھا۔ یہ کام اس کی افتادِ طبع کے خلاف تھا۔ اسنے سائیکل خرید ااور سواری کرتا راستے میں پیسے کماتا امریکہ سے فرانس پہنچ گیا۔

ایک فرم نے اسے اسٹیریو اسکوپ مشین بیچنے کیلئے سیلز مین رکھ لیا۔ اسے کمیشن پر کام کرنا تھا۔ وہ فرانسیسی زبان سے یکسر نابلد تھا۔ اسنے مشینوں کی فروخت میں کام آنے والے چند فقرات اپنی ٹوپی پر لکھ لیئے۔ وہ کسی گھر کا دروازہ کھٹکھٹاتا۔ خاتونِ خانہ باہر آتی تو وہ رٹے رٹائے فقرے بول دیتا۔ چونکہ لہجے کا بڑا فرق تھا۔ فرانسیسی عورتوں کے ہاتھ میں مذاق سا آجاتا۔ جب وہ کوئی سوال کرتیں اور وہ فرانسیسی اور انگریزی الفاظ ملا کر اس کا جواب دیتا تو موجود خواتین کھلکھلا کر ہنس پڑتیں اور مشین خرید لیتیں۔ پہلے مہینے میں اسے پانچ ہزار ڈالر کمیشن مل گئی اور وہ ایک نئے دلچسپ راستے پر چل پڑا جس میں مالی مفاد بہت زیادہ تھا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر لوگ رجحان طبع کے خلاف کام سے کیوں چمٹے رہتے ہیں۔ کیوں بوریت میں پھنسے رہتے ہیں اور اکتاہٹ کے چکر میں گھرے رہتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک میں صرف چند اور بہت ہی محتاط قسم کے لوگ اس طرح کرتے ہیں۔ وہ خود بھی پریشان رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی پریشان کرتے ہیں البتہ ترقی پذیر ممالک میں سرکاری ملازمتیں بہت کم ہوتی ہیں۔ یہاں لوگ اپنی افتاد طبع کے خلاف سرکاری آسامی پر تعنیاتی حاصل کر لیتے ہیں۔ مگر وہ اپنے لئیے مصیبت عوام کے لئے مصیبت بلکہ افسران اور حکومت کے لیئے مصیبت بن جاتے ہیں اور ریٹائر ہونے تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مارکس آر۔ لی ایس نے آج سے اٹھارہ صدیاں پیشتر اپنی کتاب میں لکھا تھا۔ ہماری زندگی ہمارے خیالات کے تحت بنتی بگڑتی ہے۔ یہ آج بھی صحیح ہے۔ اگر آپ کے پاس نئے خیالات ہیں تو آپ بوریت کی بوسیدہ عمارت کو ڈھادیں اور نئے خیالات کی روشنی میں زندگی کا آغاز کریں۔

من پسند کام

Favourite occupation

حضورِ پاک ﷺ کو تمام علوم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے۔ آپ ﷺ لوگوں کی صلاحیتوں کو پرکھ لیتے تھے، ان کے رجحان طبع اور طبیعت تک کے اثر کو معلوم فرما لیتے تھے۔ چنانچہ مختلف موقع پر صحابۂ کرامؓ ایک جیسے مسائل پوچھتے تو آپ ﷺ ان کو مختلف جوابات ارشاد فرماتے۔ آپ ﷺ لوگوں کی طبیعت اور مزاج کو دیکھ کر ان کو اضافی عبادت بتاتے اور اسی اصول کو سامنے رکھتے ہوئے ان کو دنیا کے امور بھی تفویض فرماتے۔

ایک صاحب غربت کی حالت میں آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں آئے اور اپنی غربت کا حال بیان کیا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا :

تمہارے گھر میں کچھ ہے ؟ تو وہ آدمی گھر سے ایک بوریا اور پیالہ لایا۔ آپ ﷺ نے اس کو فروخت کر کے اس کا کلہاڑا منگایا اور خود اپنے دستِ مبارک سے دستہ ڈال کر دیا اور فرمایا : جاؤ لکڑیاں کاٹ کر اپنا گزارہ کرو۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ رسولِ پاک ﷺ تدبیر شناس، طبیعت شناس بہت زیادہ تھے۔ آپ ﷺ نے اس کیلئے من پسند کام منتخب فرمایا اور یوں وہ آدمی افلاس اور غربت کے حالات سے نکل آیا۔

مومن باتدبیر ہوتا ہے اور بافراست ہوتا ہے۔ مسلمان زندگی کے ہر شعبے میں عقل و تدبیر، دانش و تحقیق، فکر و نظر کے بہترین ہتھیار سے ہمہ وقت لیس ہوتا ہے۔

زیرِ نظر مضمون میں پیشے کے انتخاب کیلئے بے شمار دلائل اور مثالیں دی گئی ہیں، ان سب دلائل اور مثالوں کا مجموعہ صرف یہی بات ہے کہ :

"مومن کی فراست سے بچو" (الحدیث)

کیونکہ یہ تمام امور فراست، عقلمندی اور تدبیر سے طے پا سکتے ہیں۔

من پسند کام

Favourite occupation

یہ باب ان نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کیلئے تحریر کیا جارہا ہے جنہوں نے ابھی سرکاری یا غیر سرکاری دفاتر میں ملازمت کا آغاز نہیں کیا اور نہ ہی فنی میدانوں میں کسی پیشہ کا انتخاب کیا ہے۔ یہ باب ان جوانوں کی رہنمائی کرے گا جو خارزارِ زندگی میں قدم رکھنے والے ہیں۔

ترقی یافتہ ممالک کے متعلق ہمیں بتایا جاتا ہے کہ وہاں اساتذہ بچوں اور ان کے والدین کو بتاتے ہیں کہ بچوں کا رجحانِ طبع کس طرف ہے اور مستقبل میں وہ کون سا پیشہ اپنانے کیلئے موزوں ہیں[1]۔ دوسرے ممالک میں سہولتیں حاصل ہوتی ہیں کہ بچوں کو رجحانِ طبع کے مطابق تعلیم دی جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ ایک مخصوص لائن میں کمال حاصل کرتا ہے اور اسی شاہراہ پر اپنی زندگی کی گاڑی چلاتا ہے لیکن مندرجہ ذیل باب سے معلوم ہوتا ہے کہ ترقی یافتہ ممالک میں بھی سارے بچے اپنی من پسند تعلیم حاصل نہیں کرپاتے۔ اس کی وجوہ خواہ کچھ بھی ہوں لیکن ایسے نوجوانوں کی کھیپ ہر سال تیار ہوجاتی ہے جو تعلیم کی تکمیل کے بعد بھی گومگو کی حالت میں ہوتے ہیں۔

مسز ایڈینا کیر امریکن ہوم پروڈکٹس کمپنی کی اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہیں۔ انہوں نے ہزاروں نوجوانوں کو روزگار دلایا۔ وہ کہتی ہیں کہ یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ وہ نوجوان جن کے پاس بی۔ اے اور ایم۔ اے کی ڈگریاں ہوتی ہیں آکر پوچھتے ہیں "آپ کی فرم میں کوئی آسامی خالی ہے؟" جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ وہ کس قسم کا کام دلچسپی بلکہ من پسندی سے کرسکیں گے تو وہ فیصلہ نہیں کرسکتے اور کہتے ہیں جو کام موجود ہے دے ڈالو۔ دراصل ایسے افراد کو معلوم نہیں ہوتا کہ ان کا رجحان طبع کس طرف ہے یہ نوجوان اپنے کام سے انصاف نہیں کرسکتے اور صرف تنخواہ کے متلاشی ہوتے ہیں۔ آخر وہ فرم کو کون سا فائدہ دے سکتے ہیں؟

1: پاکستان میں تعلیمی ادارے اور سرکاری ملازمتیں فراہم کرنے والی ایجنسیاں ایسی راہنمائی نہیں کرتیں لہٰذا سرکاری دفاتر میں آپ کو ایسے نوجوانوں کی بھرمار ملے گی جن کو اپنے رجحان کے خلاف اس پیشے کو اپنانا پڑا۔ اس ناپسندیدگی کے انجام کا اندازہ لگایئے۔

قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا

من پسند کام سے روزی کمانا

Earning through cheriohed means

ان کے بر خلاف ایسے لوگوں کے حالاتِ زندگی پڑھیے جنہیں من پسند کام سے روزی کمانے کے مواقع ملے۔ مشہور سائنسدان ایڈیسن کو تحقیق اتنی عزیز تھی کہ وہ لیبارٹری میں قیام کرتے تھے اور اٹھارہ گھنٹے روزانہ کام کرتے تھے۔ ایک صاحب نے پوچھا: اتنا کام کرنے کے بعد آپ کو تکلیف اور کوفت تو ہوتی ہو گی؟ ایڈیسن کا جواب تھا:

"میں اپنے گھر میں رہتا ہوں اور یہ تمام میرا شغل ہے...... لہٰذا کوفت کیسی"

ایک مشہور ٹائر ساز کمپنی کے چیئرمین مسٹر ایم۔ اے۔ گوڈرتج کا قول ہے کہ من پسند کام کھیل کے مترادف ہوتا ہے اور کسی کارکن کو یہ محسوس نہیں ہوتا ہے کہ وہ کسی کارخانہ کا ہمہ وقتی ملازم ہے۔ وہ ملازمت کو بوجھ سمجھتا ہے اور پریشان رہتا ہے۔

ڈاکٹر ریمانڈ پیرل نے بیمہ شدہ افراد میں طویل زندگی پانے والوں پر تحقیق کی تو یہ معلوم ہوا کہ لمبی زندگی پانے والوں کی بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی جنہوں نے من پسند کام کیا۔ مسٹر پال ڈبلیو۔ بوائے آئٹن سونی ویکیوم آئل کمپنی کے شعبۂ روزگار کے نگران ہیں۔ انہوں نے روزگار کے پچھتر ہزار سے زائد نوجوانوں سے انٹرویو کیا اور اپنے تجربات پر مبنی ایک کتاب لکھی ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ اکثر نوجوانوں کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں، وہ صرف ملازمت کے طالب ہوتے ہیں۔

امریکہ میں مشہور پیشہ ور مشیر ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ دوسرے ممالک میں بھی ہوں۔ وہ نوجوانوں کا رجحانِ طبع معلوم کر کے ان کی راہنمائی کرتے ہیں کہ وہ کون سا پیشہ اختیار کریں۔ یاد رکھئے کہ ایسے لوگ بھی غلطی کر سکتے ہیں۔ اسلئے اپنی افتاد طبع اور اپنی صلاحیتوں پر گہری نگاہ ڈالئے.. تجزیہ کیجئے اور اندازہ لگائیے۔ پیشہ ور لوگوں سے صرف مشورہ کیجئے لیکن فیصلہ خود کیجئے۔

جان سٹو آرٹ مل جو انگلستان کا شہرۂ آفاق فلسفی ہے۔ اس نے صنعتی دنیا میں لوگوں کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہوئے کہا کہ صنعتی نامناسبتیں اور عدم ہم آہنگیاں شہری زندگی کے عظیم ترین نقصانات ہیں۔

ڈاکٹر ولیم ینگ کا تجزیہ

Analysis of Dr. William Young

ڈاکٹر ولیم ینگ جنگِ عظیم کے دوران شعبۂ اعصابی و نفسیاتی امراض کا انچارج تھا۔ وہ کہتا ہے کہ فوجی ملازمت میں نوجوان رجحانِ طبع اور من پسندی کی بنیاد پر منتخب کیئے جاتے ہیں لیکن شاید ہمارے طریقہ ہائے انتخاب تاحال نقائص سے بالاتر نہیں ہیں۔ کیونکہ بہت سے نوجوان عملی زندگی میں داخل ہو کر دماغی طور پر متأثر ہوئے اور یہ معلوم ہوا کہ وہ فوجی زندگی کو پسند نہیں کرتے تھے۔

مسٹر فلپ جانسن ہوائی جہاز بنانے والی بوئنگ کمپنی کا پریذیڈنٹ تھا۔ آپ یہ پڑھ کر حیران ہوں گے کہ وہ ایک لانڈری والے کا بیٹا تھا۔ باپ نے اسے حکم دیا کہ وہ لانڈری کے کام میں اس کی مدد کرے۔ فلپ جانسن نے باپ کو بتایا اسکو لانڈری کے کام سے نفرت ہے مگر عملی انجینئرنگ سے محبت ہے۔ وہ ایک ورکشاپ میں ملازم ہو گیا۔ اب وہ کام کے دوران سیٹیاں بجاتا اور گانے گاتا تھا۔ اس نے انجن کے پرزوں کی ساخت اور پرزوں میں ترقی کے امکانات کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا۔ وہ جنگِ عظیم سے قبل بڑے بڑے ہوائی جہازوں کے انجن بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ انجام یہ ہوا کہ وہ اپنی وفات سے قبل دنیا کی سب سے بڑی جہاز ساز کمپنی کا سربراہ تھا۔ ذرا خیال کیجئے اگر وہ باپ کے احکام کے تحت لانڈری میں پھنسا رہتا تو ساری عمر کپڑے دھونے میں گزر جاتی اور پریشانی الگ طاری رہتی۔

میں اتنی مثالیں دینے کے بعد اس قابل ہوں کہ پیشہ کا انتخاب کرنے میں آپ کو رائے دے سکوں۔ مندرجہ ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں۔

خاندان کے لوگ اور پیشہ ور مشیر

Family members & professional advisers

۱: والد، رشتہ داروں اور بڑے بھائیوں کی رائے کو غور سے سنیں۔

۲: کسی ایسے شخص کی باتوں میں نہ آیئے جو یہ کہہ دے کہ میں فوراً بتاوں گا کہ آپ کا رجحان کس طرف ہے اور کہ آپ کونسا پیشہ اختیار کریں۔

۳: کوئی پیشہ ور مشیر اگر یہ کہے کہ معمولی سے ٹیسٹ سے آپ کو یہ بتا سکے گا

کہ آپ کا ذہن کون سے پیشے کو اختیار کرنا چاہتا ہے تو یہ غلط بات کہتا ہے۔

۴ : ایسا پیشہ ور مشیر تلاش کیجئے جس کے پاس اطلاعات کی لائبریری بھی ہو۔

۵ : پیشہ ور مشیر سے زائد از زائد ملاقاتیں کریں تاکہ مستقبل کا پورا منظر آنکھوں کے سامنے آجائے۔

ان پیشوں کی وادی میں قدم نہ رکھیئے جہاں پہلے ہی جام پُر ہو چکا ہو

Do not choose an overcrowded professin

یہ درست ہے کہ اگر افتادِ طبع کے مطابق پیشے کو اختیار کیا جائے تو افرادِ متعلقہ زندگی بھر مسرور و شادماں رہیں گے لیکن یہاں ایک لفظ "بشرطیکہ" بھی ہے۔ "بشرطیکہ" اس پیشے میں گنجائش ہو۔ امریکہ میں پانچ پیشے پسند کیئے جاتے ہیں۔ وکالت، صحافت، ریڈیو، سینما اور ٹیلی ویژن۔ اسی میں لوگوں کی بہت بھر مار ہو چکی ہے۔ پھر بھی پانچ میں چار طالبعلم انہی پیشوں میں جانا پسند کرتے ہیں۔ وہ ان مسائل کا شکار ہو جاتے ہیں جو ضرورت سے زائد افراد کسی شعبہ زندگی میں پہنچ جانے سے پیدا ہوتے ہیں۔[1]

یہ معلوم کیجئے کہ کسی پیشہ میں آپ سے پہلے قدم رکھنے والوں میں کامیاب افراد کی شرح کیا تھی۔ مسٹر فرینکلن۔ ایل۔ بیٹ جو امریکہ کے بڑے کامیاب بیمہ فروش ہیں کا قول ہے کہ ان سو افراد میں سے جنہوں نے اس پیشے کو اختیار کیا نوے ناکام اور دلبرداشتہ ہو کر چھوڑ گئے۔ کیا آپ اتنا بڑا خطرہ مول لینے کیلئے تیار ہوں گے؟

من پسند پیشہ میں کام کرنے والے افراد سے تفصیلی ملاقاتیں

Interview those already occupied in your chosen profession

فرض کیجئے کہ آپ کو انجینئرنگ کا شعبہ پسند ہے۔ یہ بڑی اچھی بات ہے لیکن براہِ راست اس پیشے میں شرکت کرنے سے بیشتر آپ کے لیے ایک احتیاط لازم ہے کہ آپ متعدد انجنیئروں سے مشورہ کریں۔ اگر آپ کچھ انجینئروں کو جانتے ہیں تو یہ مسئلہ خود بخود آسان ہو جاتا ہے آپ ان سے بار بار ملیں۔ نہ صرف یہ کہ ان کی رائے لیں بلکہ انکی عملی اور پرائیویٹ زندگی کا بغور مشاہدہ کریں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ جب آپ کو ایسے عہدوں پر کام کرنا پڑے گا تو آپ مسرت و شادمانی سے کام سرانجام دیں گے؟

---

۱ : پاکستان میں میڈیکل اور انجینئرنگ کے شعبوں کا انتخاب جنون کی حد تک پہنچ گیا ہے، دو تین سالوں میں سالانہ تین ہزار میڈیکل ڈاکٹر اس پیشے میں قدم رکھیں گے۔ انکے لیے اور ملک کیلئے جو مسائل پیدا ہوں گے ان کا اندازہ ابھی سے لگانا چاہیے۔

کیا آپ کو عملی طور پر وہ زندگی پسند ہے جو وہ دفتر اور اسکے صلے میں گھر پر گزار رہے ہیں ؟ ہو سکتا ہے کہ آپ کسی انجینئر کو نہ جانتے ہوں۔ اس صورت میں آپ ٹیلیفون ڈائریکٹری لے کر بیٹھ جایئے اور بیس کے قریب انجینئروں کے نام اور پتے لکھ لیجئے۔ ان کو مندرجہ ذیل سوالنامہ بھیج کر ان سے استدعا کیجئے کہ وہ آپ کو ملاقات کا وقت عطا کریں اور ان سوالات کے جوابات مرحمت فرمائیں۔ بیس انجینئروں یا افراد میں سے کم از کم پانچ آپ کو ضرور وقت دیں گے۔ سوال نامہ یہ ہے۔

۱ : اگر آپ کو ایک اور زندگی میسر آجائے تو آپ اس زندگی میں انجینئر بننا پسند کریں گے یا کوئی دیگر پیشہ اختیار کرنا چاہیں گے ؟

۲ : کیا میرا امتحان لے کر اور تجزیہ کرنے کے بعد یہ بتانا پسند فرمائیں گے کہ مجھ میں اچھا انجینئر بننے کی صلاحیتیں موجود ہیں ؟

۳ : کیا اس شعبے میں پہلے ہی ضرورت سے زیادہ افراد آچکے ہیں ؟

۴ : کیا چار سالہ تعلیم کے بعد ملازمت مل جائے گی ؟ اچھی تنخواہ پر، درمیانہ تنخواہ پر یا کم درجہ تنخواہ پر ؟

۵ : پرائیویٹ انجینئر بننے کے فوائد اور نقصانات کیا ہیں ؟

۶ : کیا آپ اپنے بیٹے کو انجینئر بنانا پسند کریں گے ؟

اگر آپ شرمیلے ہیں تو ایسے دوست کو ساتھ لے جایئے جو بڑی عمر اور رتبہ کے لوگوں سے شرم نہ کرتا ہو۔ ویسے یہ یاد رکھیئے جب بھی کم عمر کا آدمی کسی بڑی عمر والے فرد سے راہنمائی کی درخواست کرتا ہے تو آخرالذکر کی انا کو تسکین حاصل ہوتی ہے اور وہ مدد کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ اسلئے نہ گھبرایئے۔ پیشہ کے انتخاب میں صرف کیا ہوا وقت پیشہ ورانہ زندگی میں محنت کے اوقات میں کام کرنے سے بھی زیادہ اہم ہے۔

کیا آپ ایک سے زائد پیشے کیلئے موزوں ہیں ؟

Do you have an aptitude for more than one profession

بعض پیشوں میں بہت کم فرق ہوتا ہے۔ اسلیئے اگر ایک فرد ایک پیشہ کیلئے موزوں ہے تو ملتے جلتے پیشوں کیلئے بھی موزوں ہوتا ہے۔ میری مثال لیجئے۔ میں نے استاد بننا پسند کیا تھا لیکن میں سائنسی زراعت، طب، فرخت کاری، دیہی اخبار کی ایڈیٹری، پھل

اگانا، غیر رسمی درس و تدریس پر بھی قادر ہو سکتا تھا اور یہ مجھے پسند بھی تھے یعنی درس و تدریس کے بعد۔

چار مفید عادات

Four beneficial habits

آج کا کام کل پر نہ چھوڑیں

Don't put on till tomorrow what you can do today

شریعت میں یہ ہے کہ جو عمل کیا جائے وہ تواتر سے کیا جائے بیشک وہ عمل تھوڑا ہو لیکن روزانہ اس کو ادا کیا جائے۔ اسے ملتوی نہ کیا جائے۔ اصل میں نماز بہت بڑا درس دیتی ہے کہ جیسے مومن اپنی پانچ وقت نماز کی روزانہ ادائیگی میں کوشاں وساعی رہتا ہے، اسی طرح دنیا کے معمولات کو بھی روزانہ ادا کرتا ہے۔ ان کو چھوڑنا یا التوا نہیں کرتا۔ ایک اچھا مومن جیسے نماز کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اسی طرح اپنے دنیا کے معاملات کو بھی کل پر نہیں ملتوی کر سکتا۔

صبح جلدی اٹھنا اور متوقع کاموں کو اہمیت کے لحاظ سے ترتیب دینا

Wake up early morning & Schedule your tasks

یہ مومن کی تدبیر اور حکمت ہے کہ وہ اپنے دنیا کے کاموں کو جو کہ اسی دن اس کو پیش آئیں اہمیت کے لحاظ سے ترتیب دے لے۔ کون سا کام پہلے ضروری ہے۔ کونسا کام بعد میں ہو۔ دراصل یہ ترتیب بھی شریعت نے سکھائی ہے، احکامات کی قسموں کو فرض، واجب، سنت اور نفل میں بتایا ہے اور سکھایا ہے۔

آپ ﷺ رات کو جلدی سوتے تھے اور صبح جلدی اٹھتے تھے۔ دنیا بھر میں آج جو معشیت کی تنگی کا شور مچایا جا رہا ہے وہ صرف اور صرف اس صورت ہی میں ختم ہو سکتا ہے کہ جب

صبح کا سونا ختم کر دیا جائے، اور جلدی اٹھ کر اپنے معاملات کو چلایا جائے۔

ترتیبِ زندگی

Arrangement of life

یہ بھی مومن کی تدبیر اور بصیرت ہے کہ وہ اپنے کام جن کو وہ اہمیت کے حساب سے ترتیب دے چکا ہے، ان کے حقائق کو سامنے لاکر (اگر کسی کام کے متعلق حقائق معلوم نہ ہوں، یہ حقائق اگر مذہب کے قریب ہوں تو علماءِ کرام سے پوچھئے) فوری فیصلہ کر دیں اور اس پر عمل شروع فرما دیں۔
اور پہلے اسی کام کو سر انجام دیں جس کو آپ طے کر چکے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے امور کے بارے میں اپنی صلاحیتوں کو استعمال میں لائیں۔

تنظیم، سپردگی اور نگرانی کرنا

Organisation, assignment & supervision

ایک اچھے مومن کی نشانی ہے کہ وہ خادم بھی ہوتا ہے اور مخدوم بھی ہوتا ہے۔ کام کرتا بھی ہے اور کام لیتا بھی ہے۔ ان دونوں امور میں وہ اخلاص سے کام لیتا ہے اور اخلاص سے کام کرواتا بھی ہے۔ اخلاص کی برکت سے دونوں امور میں اگر وہ مخدوم ہے تو دوسروں کے جذبات بنا کر اچھے منتظم کی حیثیت سے ان سے بھرپور کام لیتا ہے۔
مومن کی اندر مردم شناسی ہوتی ہے، وہ دوسروں سے ان کی صلاحیت کے مطابق کام لینا سمجھتا اور جانتا بھی ہے۔

چار مفید عادات

Four beneficial habits

اس کتاب کا بنیادی مقصد افراد میں اضطراب اور پریشانیاں دور کرنا ہے۔ یہ بہت بڑا موضوع ہے۔ کتاب ان ترکیبوں اور طریقوں کا احاطہ کرتی ہے۔ جن پر عمل کرنے سے پریشانیاں دور ہو سکتی ہیں۔ اس باب میں چار مفید عادات پر عمل کرنے کی سفارش کی جاتی ہے۔

اپنی میز پر صرف چند تازہ ترین کاغذات رکھئے

Leave only a few fresh papers on your desk

آپ سرکاری افسر ہوں یا تجارتی ادارہ کے ایگزیکٹو کلرک ہو یا اکاؤنٹنٹ۔ آپ کی میز پر شام گھر جانے سے قبل کوئی کاغذ نہیں ہونا چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ ایک دو کاغذ، چٹھیاں، خطوط یا ایسی فائل ہونی چاہئے جسے پوری کوشش کے باوجود اس دن نہ نپٹایا جا سکا ہو۔ اگر آپ روز کا کام روز کرنے کی عادت ڈالیں گے تو صحتمند، مسرور و شاداں رہیں گے۔ اگر کام بروقت نہ نپٹایا جائے تو میز پر انبار لگنے شروع ہو جاتے ہیں اور یہیں سے پریشانیوں، اضطراب اور ترقی پذیر ممالک میں فرض کاریوں بلکہ غلط کاریوں کا آغاز ہوتا ہے۔ فرض کاری یا غلط کاری کرنے والے ماتحت ملازموں کے ذہن پر خوف طاری رہتا ہے کہ اگر گہری پڑتال ہو، عمیق جائزہ لیا گیا تو ان کی غلطی پکڑی جائے گی...... لہٰذا متوازن زندگی گزاریئے اور پریشانی کو اپنے دماغ سے دور رکھئے۔

اہمیت کے لحاظ سے کاموں کو ترتیب دیں

Schedule your important tasks

سرکاری اور تجارتی دفاتر میں روزانہ کئی کام پیش آتے ہیں۔ ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے۔ دفتر کا سربراہ ان پر "فوری" نشانی لگا دیتا ہے۔ جو اس سے کم اہمیت کے حامل ہوں ان پر "ضروری" کی نشانی چسپاں کر دی جاتی ہے۔ یہ اسلئے کیا جاتا ہے کہ اگر اس دن کام زیادہ ہو تو اہم کام پہلے نپٹا لیئے جائیں۔ امریکہ میں بڑی بڑی کمپنیوں کے پریذیڈنٹ اور سربراہ اکثر وہ افراد ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کا آغاز معمولی افراد کے طور پر کیا اور محض اپنی صلاحیتوں اور محنتِ شاقہ کی وجہ سے ایسے مرتبوں پر پہنچ گئے۔ چارلس لقمان ایک بڑی کمپنی کے صدر بن گئے تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ ان کی کامیابی کا راز کیا تھا؟ انہوں نے بتایا: پانچ بجے صبح اٹھنا اور اس دن کے درپیش کاموں کو اہمیت کے لحاظ سے ترتیب دینا۔

ایک کامیاب بیمہ فروش یہی کام ایک دن قبل کر لیتا تھا۔ جارج برناڈشا ایک بنک میں خزانچی تھے لیکن ان میں لکھنے کی صلاحیت تھی۔ بنک کے فرائض سخت تھے۔ بہت کم فالتو وقت میسر آتا تھا لیکن انہوں نے مستقل پروگرام بنالیا کہ روزانہ پانچ صفحات لکھیں

گے۔ آپ حیران ہوں گے کہ وہ نو سال روزانہ اس اصول پر کام کرتے رہے۔ ان نو سالوں میں ان کی تحریریں زیادہ قیمت نہ پاسکیں لیکن منصوبہ بندی اور تسلسل اس کی عادت کا حصہ بن گیا۔ جب ان کی تحریروں کا مول پڑنے لگا تو پانچ صفحات کی عادت پختہ ہو چکی تھی اور اتنا سا کام گرانقدر معاوضہ کا موجب بن جاتا تھا۔

فوری فیصلے کیجئے

Prompt decisions

اگر آپ کے پاس حقائق موجود ہیں، متعلقہ کاغذات اکٹھے ہو چکے ہیں تو فوری فیصلہ دیجئے اسے ملتوی نہ کیجئے۔

مسٹر ایچ۔ پی۔ ہوول فولاد کی ایک فرم کے ڈائریکٹر تھے۔ جب ڈائریکٹروں کے بورڈ کا اجلاس ہوتا تو بحث ایجنڈے سے بے نیاز ہو جاتی۔ کچھ لوگ ایجنڈے کی ترتیب کا پاس نہ کرتے اور ایک مسئلہ زیرِ بحث ہوتا کہ دوسری یا تیسری شق پر خامہ فرمائی شروع ہو جاتی۔ کبھی ایجنڈے کے درمیان سے کوئی مسئلہ نکال کر شامل کر لیا جاتا۔ سارے دن کی بحث کے بعد "نشستند، گفتند اور برخاستند" کے مصداق کچھ بھی حاصل نہ ہوتا۔ آخر مسٹر ہوول نے فیصلہ دیا کہ ایجنڈے کی ترتیب قائم رکھی جائے گی اور شق زیرِ بحث پر فیصلہ ہونے کے بعد دوسری شق لی جائے گی۔ ہمارے سرکاری دفاتر اور تجارتی اداروں کے افسروں کیلئے اس میں سبق موجود ہے۔ اس طرح افسران اور دفتر کے کارکنوں کی پریشانیاں کم کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

تنظیم، سپردگیٔ کار اور نگرانی کرنا سیکھئے

learn to organise, assign and supervise

بہت سے لوگ کاروبار کو بڑھانے کے خواہشمند ہوتے ہیں، ان میں ان تین صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے۔ جوں جوں کاروبار میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ کوئی تاجر کاروباری یا صنعت کار تمام کام خود سرانجام نہ دے سکے گا۔ اگر ایسا کرے گا تو چڑچڑاپن، پریشانی، تشویش اور زود رنجی اس پر سوار ہو جائیں گی جو آہستہ آہستہ اختلاجِ قلب اور خون کے دباؤ میں اضافہ کی شکل اختیار کر لیں گی۔ کاروبار منظم کرنے کیلئے ضروری ہے کہ آپ غیر اہم کام دوسروں کے سپرد کریں۔ یہ درست ہے کہ ذمہ دار افراد کا قحط ہے اور

غیر ذمہ دار لوگوں کی وجہ سے نقصان بھی برداشت کرنا پڑتا ہے لیکن آپ نے فیصلہ دو باتوں کے درمیان کرنا ہے۔ اوسط نقصان یا قبل از وقت موت۔ اگر آپ اول الذکر کا انتخاب کریں تو ذہنی اور مالی لحاظ سے اس کیلئے تیار رہیں۔

تیسری صلاحیت نگرانی کی ہے۔ اچھا نگران دور بیٹھے ہوئے بھی اپنے کارکنوں کو مسرور وشاداں اور مستعد رکھتا ہے اور نہ صرف ان کی کاوشوں کا مالی فائدہ اٹھاتا ہے بلکہ خود بھی مسرور وشاداں رہتا ہے۔

خسارہ روک اصول پر عمل کریں

Adopt the no-loss policy

اسلام نے خرچ کرنے کے دو امور پر منع کیا ہے۔ ایک اسراف اور دوسرا تبذیر۔

اسراف

اسراف کے معنی خرچ کرنا یعنی اپنی ضروریات پر خرچ کرنا لیکن ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا۔ اس خرچ کے بارے میں قرآن نے کہا ہے :

"بے شک اللہ پاک اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا"۔ (القرآن)

تبذیر

تبذیر کے معنی بلا ضروت خرچ کرنا اور ایسی جگہ خرچ کرنا جہاں خرچ کی ضرورت نہ ہو۔ شریعت نے اس فعل سے قطعی منع کیا ہے۔ قرآن نے ایسے عمل کرنے والے کیلئے فرمایا ہے :

"بے شک، تبذیر کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں"۔ (القرآن)

زیرِ نظر مضمون کو پڑھتے ہوئے اگر اسراف اور تبذیر کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھیں تو اس سے بیشمار اسلامی اصولِ تجارت اخذ ہو سکتے ہیں۔

خسارہ روک اصول پر عمل کریں

Adopt the no-loss policy

سٹاک ایکسچینج میں حصص خریدنا اور فروخت کرنا بڑی نازک قسم کی تجارت ہوتی ہے۔ اسے سٹہ بلکہ جوابھی کہا جاتا ہے۔ ہزاروں بیوپاری شب بھر میں لکھ پتی ہو جاتے ہیں اور اتنے ہی دیوالیہ ہو جاتے ہیں۔ بلکہ بعض خودکشی کے مرتکب ہو جاتے ہیں شاید ہی کوئی ایسا فرد یا ادارہ ہو جو سٹہ میں استقامت سے کام کر رہا ہو اور اوسط طور پر فائدے

میں رہتا ہو۔ آیئے اس دنیا کی معلومات اور ان کے اثرات معلوم کرنے کی کوشش کریں۔

چارلس رابرٹس ٹیکساس سے صرف بیس ہزار ڈالر ادھار لے کر نیویارک آیا۔ سٹہ کھیلا اور دیوالیہ ہو گیا۔ اس نے ذہنی طور پر پریشان اور مضطرب ہونے کی بجائے کامیاب ترین سٹے باز برٹن۔ ایس۔ کاسلر سے رابطہ پیدا کیا۔ یہ شخص گو ہر سودے میں فائدہ نہیں اٹھاتا تھا۔ تاہم وہ اوسط طور پر اپنے بڑے کاروبار میں فائدہ میں رہتا تھا۔ چارلس نے مسٹر کاسلر سے اس کی کامیابی کا راز پوچھا تو جواب عجیب تھا، میں خسارہ روک اصول پر عمل کرتا ہوں"۔

"خسارہ روک اصول" کی وضاحت کرتے ہوئے مسٹر کاسلر نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قیمت میں گرتے ہوئے حصص کو ایک خاص مقام پر روک دیتا ہے۔ مثال کے طور پر جب وہ پچاس ڈالر کا حصہ خرید تا ہے تو اپنے دل میں فیصلہ کر لیتا ہے کہ خسارہ روک اصول لگا کر اس کی قیمت ۴۵ ڈالر ہونی چاہیے۔ چنانچہ حصے کی گرتی ہوئی قیمت جب پینتالیس تک پہنچتی ہے تو وہ کمی بیشی کا مزید انتظار نہیں کرتا بلکہ پینتالیس ڈالر پر حصہ بیچ دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ صرف پانچ ڈالر فی حصہ نقصان ہوتا ہے جو ایک بڑے کاروبار میں معمولی نقصان ہے۔ چارلس رابرٹس نے نہ صرف یہ اصول عمر بھر اپنایا بلکہ جس نے بھی رائے مانگی اسے یہی مشورہ دیا۔

میں اکثر دوستوں کو لنچ پر مدعو کیا کرتا تھا۔ میں لنچ کا وقت بتا دیتا مگر دوست مہربان کب وقت کی پابندی کرتے۔ میں میز پر کھانا سجائے ان کا منتظر رہتا۔ اپنے کام کا حرج کرتا اور پریشانیاں سہیڑتا۔ اس طرح دوست نوازی مجھے بڑی مہنگی پڑتی۔ ایک دن خسارہ روک اصول لگانے کا فیصلہ کر لیا۔

"دیکھیئے صاحب! لنچ کا وقت ایک بجے دوپہر ہے۔ میں مزید دس منٹ تک انتظار کروں گا۔ اگر آپ دس منٹ تک تشریف نہ لائے تو میں کھانا کھا کر کام پر چلا جاؤں گا" نتیجتاً بعض دوستوں نے اپنی روش کو بدلا۔ کچھ ڈھیلے ڈھالوں نے کھانے میں شرکت سے معذرت کرنی شروع کی اور اس طرح میری پریشانی دور ہو گئی۔

میں نے بطورِ پروفیشن ناول نگاری کو اپنانے کا فیصلہ کیا۔ پہلا ناول دو سال میں تحریر کیا۔ میرا خیال تھا کہ اس عرق ریزی کا صلہ نہ صرف معاشی مصائب کے خاتمہ کی صورت میں نکلے گا بلکہ میرا نام انگریزی کے بہترین ناول نگاروں اور ادیبوں میں شمار

ہونے لگے گا۔ پبلشر نے ناول پڑھ کر ایک ایسا فیصلہ دیا کہ مجھے یوں معلوم ہوا جیسے میرے دل کی دھڑکن بند ہو گئی ہو۔ "یہ تو کچھ بھی نہیں.. اس ناول کی کوئی خوبی نہیں.. بہتر یہ ہے کہ تم کوئی اور کام کرو"۔

میں نے ناول نگاری پر خسارہ روک اصول لگا دیا۔ میں نے وہیں فیصلہ کر لیا کہ افسانہ یا ناول یا اس قسم کی کوئی چیز نہ لکھوں گا، میں نے غیر افسانوی ادب لکھنے کا فیصلہ کیا۔ ایک کا ذکر اسی کتاب میں کیا گیا ہے جو لاکھوں کی تعداد میں فروخت ہوئی اور دوسری کتاب آپ کے سامنے ہے۔ یہ بھی ہزاروں کی تعداد میں چھاپی جائے گی اور شاید کئی ایڈیشن مزید چھاپنے پڑیں۔ اگر میں خسارہ روک اصول نہ لگاتا، افسانے اور ناول لکھنے کی راہ پر چلتا رہتا تو کیا ہوتا؟ ذہنی طور پر پریشان ہوتا، جیب خالی ہوتی اور کنگال ہوتا۔

گلبرٹ اور سلیون کی کہانی

Gilbert & Selwyn's Story

گلبرٹ اور سلیون ایک تھیٹر میں حصے دار تھے۔ دونوں ماہرِ موسیقی تھے۔ انہوں نے دنیائے موسیقی میں اپنی نادر دھنوں کے باعث بہت بڑا مقام حاصل کیا لیکن باہمی اشتراک کے باوجود دونوں ایک دوسرے کے مزاج کی قدر نہ کر سکے۔ ایک کی خواہش اور شوق دوسرے کو قبول نہ ہوتا۔ سلیون نے تھیٹر کیلئے گلبرٹ سے بالا بالا ایک قیمتی قالین کا آرڈر دے دیا۔ بل پہنچا تو گلبرٹ ادائیگی سے انکاری ہو گیا۔ اس پر دونوں میں وہ دھول دھپا ہوئی کہ مقدمہ عدالت میں پہنچا۔ باہمی ملاقاتیں بند ہو گئیں۔ ایک دوسرے سے صرف خط و کتابت کے ذریعے بات ہوتی اور دعوتوں میں دونوں الگ الگ گوشوں میں کھڑے ہو کر وقت نبھاتے۔ دراصل انہیں خسارہ روک اصول کا علم نہ تھا یا وہ اسے اپنی زندگی میں لگا نہ سکے۔

لنکن کا طرزِ عمل

Lincoln's behaviour

امریکہ کے مشہور صدر ابراہم لنکن کا عمل یہ تھا کہ جب ان کا کوئی سیاسی مخالف ان پر حملے کرنا بند کر دیتا تو وہ اس کی فائل کو وہیں روک دیتے اور اس بات سے بے پرواہ ہو

جاتے کہ زمانۂ ماضی میں وہ ان پر کتنے رقیق حملے کرتا رہا ہے۔ گویا خسارہ روک اصول لگا کر ایک پریشانی ختم کر دیتے۔

میرے چچا کسان تھے ان کی ملکیت ناقص قسم کی زمین تھی۔ گھاس پھوس سے اٹی ہوئی۔ انہیں بہت کم آمدنی ہوتی تھی۔ ایک دفعہ چچی کو شوق چرایا کہ گھر کو قیمتی پردوں سے سجائیں۔ نقد رقم موجود نہ تھی۔

چچی نے ایک اسٹور کا نام لیتے ہوئے کہا کہ وہ اس اسٹور سے ادھار لے آئیں گی۔ چچا کو معلوم تھا کہ ان کی آمدنی اتنے بڑے خرچ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ وہ رازداری میں اسٹور والوں کو کہہ آئے تھے کہ پردے ادھار نہ دیئے جائیں۔ چچی کو معلوم ہوا تو بہت بگڑیں۔

زمانہ گزرتا گیا لیکن انہوں نے اس واقعہ کو مستقل طور پر اپنے ذہن پر سوار کر لیا۔ ہر فرد اور ملاقاتی کو داستان سناتے سناتے پچاس سال گزر گئے۔ چچا فوت ہو گئے ہیں۔ چچی کی عمر اٹھتر سال ہو چکی ہے مگر اس محرومی کی داستان وہ اب تک سناتی ہیں اور ہر کس و ناقص کو دیکھئے کہ چچی نے کتنی بڑی قیمت ادا کی۔ مستقل پریشانی اور اضطراب کی صورت میں وہ کسی مقام پر خسارہ روک اصول لگا سکتی تھیں۔

اس طرح باقی ماندہ زندگی امن و امان سے گزرتی اور بڑھاپے میں انہیں نہ کڑھنا پڑتا۔ پریشانی اور اضطراب دور کرنے کا پانچواں اصول یہ ہے کہ خسارہ روک اصول لگا کر اپنی پریشانیوں کو وہیں روک دیں۔ اپنی ضروریات اور ان کے خریدنے کیلئے یہ تین باتیں مشعلِ راہ بنائیں :-

ا : کیا یہ چیز از حد ضروری ہے ؟ [1]
۲ : میں کونسے مقام پر خسارہ روک اصول لگا سکوں گا ؟
۳ : مجھے اس کی کتنی قیمت ادا کرنی ہوگی ؟

ا : قائد اعظم زیارت میں جب بسترِ مرگ پر پڑے تھے تو انہوں نے اپنے معالج ڈاکٹر الٰہی بخش کو یہی نصیحت کی۔

بے خوابی ـــ ڈیل کارنیگی

Insomnia — D. Carnegie

حضورِ پاک ﷺ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بہت ہی زیادہ مصروف زندگی (یعنی دن بھی مصروف اور رات بھی مصروف) میں نیند کیلئے کتنا وقت میسر آتا تھا؟ ظاہر ہے بہت ہی کم...... کیونکہ ان کی نیند کے پورا ہونے کی بنیادی وجہ جہاں مددِ الٰہی کار فرما تھی۔

وہاں اسباب میں ان کی دن کی جسمانی مشقت رات کی پُر سکون نیند کا ذریعہ بنتی۔ حتیٰ کہ وہ بہت کم سوتے لیکن گہری اور پر سکون نیند سوتے اور پھر نیند کی کمی کیلئے حضورِ پاک ﷺ کی مسنون دعا ہے جو اس دعا کو پڑھتا ہے اس کی نیند پوری ہوتی ہے اور وہ بے خوابی کے مرض سے چھٹکارا پا لیتا ہے۔

نیند کا فقدان

Lack of sleep

اس کتاب میں ہم نے جہاں آرام کرنے کی سفارش کی ہے۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ نیند جسمانی تکان کا قدرتی مداوا ہے لیکن یہ ایک عام سی بات ہے جو سو میں سے پچانوے افراد پر پوری اترتی ہے۔ مگر ایسے لوگوں کی تعداد ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں ہے۔ جنہیں بہت کم نیند آتی ہے۔ مگر وہ دوسری صبح کو مطمئن بلکہ مسرور و شادماں بستر سے بیدار ہوتے ہیں۔ ان میں صرف چند ایسے ہوتے ہیں جو نیند کی کمی سے بیزار اور پریشان ہوتے ہیں۔ غور سے تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس لیئے پریشان نہیں ہوتے کہ انہیں کم نیند آتی ہے۔ بلکہ اسلیئے پریشان ہوتے ہیں کہ سارے گھر اور محلّہ کے لوگ خواب غفلت میں سرشار ہوتے ہیں۔

یہ حضرت جاگ رہے ہوتے ہیں اور منتظر ہوتے ہیں کہ کب رات کی سیاہی چھٹے۔

سپیدۂ سحر نمودار ہو اور گھر کے دوسرے افراد کے ہمراہ وہ دن کی ذمہ داریوں اور دلچسپیوں میں شرکت کریں۔ یہ بات دوسرے الفاظ میں اس طرح بیان کی جاسکتی ہے کہ اگر ایسے افراد کی الگ بستی بسادی جائے تو وہاں صبح کے پانچ بجے سے رات ڈھلے تک زندگی کے کاروبار بخوبی سرانجام پاتے رہیں گے اور اس بستی کے مکین صرف چار گھنٹوں میں اپنی نیند پوری کرلیں گے پھر بھی خوش وخرم ہوں گے۔

ذرااس مثال پر غور کریں۔ مشہور وکیل سام یونٹر یر جب کالج میں داخل ہوا تو اسے بے خوابی کی شکایت تھی۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ بے خوابی کے باوجود وہ صبح صحتمند بیدار ہوتا ہے اور سارادن کام کرسکتا ہے تو اس کی پریشانی دور ہو گئی۔ اس نے بے خوابی کے لمحات کو اپنی تعلیم کیلئے استعمال کرنا شروع کیا۔ وہ رات ڈھلنے تک پڑھتا رہتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے تمام امتحانات اعزاز کے ساتھ پاس کیئے۔ اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں وہ مسلسل اور لگاتار محنت کرنے پر قادر تھا۔ اس بنا پر اس کی پریکٹس چمک اٹھی اور وہ ہم پیشہ وکیلوں کو میلوں پیچھے چھوڑ گیا۔ ۱۹۳۱ء میں اسے ایک مقدمے کی پیروی کیلئے دس لاکھ ڈالر دیئے گئے۔ یہ رقم پوی دنیا میں ایک ریکارڈ ہے۔

پال گرن کی کہانی

Paul Green's Story

پال گرن فوجی سپاہی تھا۔ اسے پیشانی پر گولی لگی۔ شاید گولی کا زور کم تھا اسلیئے گولی دماغ میں داخل نہ ہوسکی۔ بظاہر صرف بیرونی ہڈی پر خراش آئی زخم ہو گیا لیکن اس کی نیند اڑ گئی۔ ڈاکٹروں نے اسے خواب آور دوائیں کھلائیں، نشہ ار ادویات دی گئیں، ہپناٹزم کا عمل کیا لیکن اسے نیند نہ آئی البتہ وہ کبھی پریشان نہ ہوا [1]۔ پھر بھی اسے فوج سے فارغ کردیا گیا لیکن اسے سول میں ملازمت مل گئی اور زندگی بھر وہ خوب کام کرتا رہا۔ دراصل بے خوابی بیماری نہیں ہوتی بلکہ بے خوابی کا احساس بیماری بن جاتا ہے۔ فردِ متعلقہ اسے بیماری سمجھتے ہوئے بیسیوں وسوسوں اضطراب اور پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کچھ

۱: مترجم نے ایک فرد کو دیکھا کہ وہ رسہ اٹھائے شہر بہ شہر پھرتا تھا، اسے نیند نہ آنے کی شکایت تھی۔ ہر ڈاکٹر اور حکیم سے علاج کی استدعا کرتا بلکہ یہ کہتا کہ اگر اس کے علاج سے افاقہ نہ ہوا تو وہ اسی رسے سے خودکشی کرلے گا۔ وہ ظاہری طور پر صحتمند تھا، لوگ اس پر رحم کھا کر اس کی مالی امداد کرتے تھے۔ میرے خیال اس نے اپنی داستان کو پیسہ کمانے کا ذریعہ بنالیا تھا یا اسے چند منٹ اونگھ آجاتی تھی جس کا اسے احساس نہ ہوتا۔

غلط مشورہ دینے والے اور نیم حکیم خطرہ جان قسم کے ڈاکٹر اس کے ذہن میں یہ بات بٹھا دیتے ہیں کہ اگر اس کی نیند پوری نہ ہوئی تو اس کی موت واقع ہو سکتی ہے۔

ایرا سنیڈر کی آپ بیتی

Snider's Autobiography

ایرا سنیڈر ایک صحت مند نوجوان تھا۔ اسے ضرورت سے زیادہ سونے کی عادت تھی۔ اسلیئے وہ روزانہ دیر سے دفتر پہنچتا۔ ایک دن اس کے افسر نے فیصلہ سنادیا کہ اگر وہ کل بروقت دفتر نہ پہنچ سکا تو اس کی نوکری ختم کردی جائے گی۔ نوجوان اس ملازمت کو روزی کا واحد ذریعہ سمجھتا تھا۔ وہ بوکھلا گیا۔ دوستوں کے کہنے پر الارم لگایا اور پھر بھی کئی بار اٹھ کر وقت دیکھا پریشانی سے اسے رات بھر نیند نہ آئی۔ یہیں سے اس کی بے خوابی، پریشانی اور صحت میں کمزوری کا آغاز ہوا۔ خواب ور اور نشہ آور دوائیوں سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔

آخر ایک ڈاکٹر نے اسے سمجھایا کہ وہ اپنا علاج خود ہی کر سکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ بستر پر لیٹ جائے۔ آنکھیں بند کرلے اور اپنے دل سے کہے کہ اگر نیند نہیں آتی تو اسے اس کی پروا نہیں چند راتوں کی مشق کے بعد وہ گہری نیند سونے کے قابل ہو گیا۔

جو لوگ اس نام نہاد بے خوابی میں مبتلا ہو کر پریشان و مضطرب ہیں۔ انہیں ایسا کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ صدقِ دل سے تسلیم کرلیں کہ وہ بیمار نہیں ہیں اور نیند کی کمی ایک نارمل جسمانی طرز ہے۔ اس کے بعد ایک ادنیٰ سی کوشش یہ کریں کہ جوان اور صحتمند لوگ ایسی ورزشیں کریں جو ان کے جسموں کو تھکا دیں۔ معمر لوگ خوب سیر کریں۔ ایسے لوگوں کو ذہنی طور پر اس وقت تکلیف ہوتی ہے۔

جب رات کے وقت دوسرے سوتے ہیں اور وہ پریشانی سے کروٹیں بدلتے ہیں۔ اس وقت وہ مشہور عالم وکیل سام یوٹر یر کی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے رجحانِ طبع کے مطابق کوئی علمی اور تحقیقی پروگرام بنائیں اور اس چیز کو بھول جائیں کہ گھر کے دوسرے افراد سو رہے ہیں یا ایسی تدابیر اختیار کریں کہ ان کا جاگنا دوسروں کی نیند میں مخل نہ ہو۔[1]

1: قائد اعظمؒ کو بچپن میں پڑھنے کیلیئے مٹی کے تیل کی لالٹین میسر آتی تھی، وہ رات ڈھلنے تک پڑھتے۔ اس خیال سے کہ گھر کے دوسروں لوگوں کی نیند اچاٹ نہ ہو جائے، وہ چمنی کے گرد موٹا کاغذ یا پتلا گتہ لپیٹ دیتے تھے۔ اس ترقی یافتہ دور میں بیسیوں چیزیں استعمال ہو سکتی ہیں۔

میٹھی نیند

Sweet sleep

جسمانی تھکن کے بعد میٹھی اور پیاری نیند آتی ہے۔ اس ضمن میں بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ میں ایک دفعہ سور فروخت کرنے کیلئے اپنے گاؤں سے شہر گیا۔ جس کی آبادی ایک لاکھ کے قریب تھی۔ مجھے پہلی بار شہر اور اس کے لوازمات دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ شہری ریل پہل، چھ منزلہ عمارتیں، کاریں، تھیٹر۔ میں اس چہل پہل میں سو نہ سکا۔ جب واپس مسوری پیدل آرہا تھا تو چلتے چلتے مجھے نیند آگئی۔

نیند لانے کیلئے ڈاکٹر کینڈی کا تجربہ منفرد ہے۔ وہ پہلی جنگِ عظیم میں ڈاکٹر تھا۔ ایک دفعہ اس کی یونٹ پسپا ہوگئی۔ جوان اتنے تھک چکے تھے کہ جہاں گرے وہیں سو گئے۔ ڈاکٹر موصوف نے سپاہیوں کی آنکھوں کے پپوٹے اٹھا کر دیکھے۔ سپاہیوں کی آنکھوں کی پتلیاں اپنے مقام سے اوپر اٹھی ہوئی آنکھوں کے بالائی خانوں میں سما رہی تھیں ڈاکٹر موصوف کا قول ہے کہ جب کبھی انہیں بے خوابی کی شکایت ہوئی انہوں نے آنکھوں کے ڈھیلوں کو اٹھا کر آنکھوں کے خانوں میں پہنچانے کی کوشش کی۔ ذرا دیر بعد جمائیاں آنے لگیں اور وہ نیند کی دنیا میں چلے گئے۔

خودکشی کی بات

Thought of suicide

دوسرے فرضی امراض کی طرح بے خوابی کے مریض خودکشی کی بات کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر ہنری۔ سی۔ لنک کا تجربہ قابلِ ذکر ہے۔ ان کے پاس ذہنی طور پر سخت پریشان ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ وہ خودکشی کا فیصلہ کرچکا ہے۔ ڈاکٹر لنک نے کہا خوب، میں تم سے اتفاق کرتا ہوں۔ خودکشی ضرور کرو مگر بہادرانہ طور پر...... تم اتھلیٹوں کی طرح کھیل کے میدان میں اتنے چکر لگاؤ کہ گر کر مر جاؤ دنیا میں تمہارا نام زندہ رہے گا۔ نام نہاد مریض نے اپنی بساط سے بہت زیادہ چکر لگائے آخر وہ گر پڑا۔ مگر وہ موت کی وادی کی بجائے نیند میں پہنچ گیا۔ پھر وہ روزانہ زائد از زائد چکر کر لگانے لگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک طرف نیند آنے لگی اور دوسرے اس میں اتھلیٹ کی خوبیاں پیدا ہونے لگیں آخر وہ ایک نامور اتھلیٹ بن گیا۔ ڈاکٹر کا نسخہ کام کر گیا۔

حاصلِ کلام :-

۱: نیند میں کمی کوئی بیماری نہیں ہے۔ ایسے لوگ نارمل ہوتے ہیں۔ صرف ان کی حاصلِ کلام کے اوقات کم ہوتے ہیں۔ لہٰذا: پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

۲: اگر وہ نیند کے اوقات میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں تو جسمانی ورزشیں کریں۔ معمر لوگ زیادہ سیر کریں۔

۳: رات کی بیداری کے اوقات کا صحیح استعمال کریں۔ اپنے وسائل تعلیم اور افتاد طبع کے مطابق طویل مدت کا منصوبہ بنائیں۔ شاید قدرت ان کو کسی بلند مقام تک پہنچانا چاہتی ہے۔

۴: صحیح بے خوابی کی وجہ دور کیجیئے۔

۵: صحیح بے خوابی کے دوران دعا کیجیئے۔ آنکھیں بند کیجیئے۔ اپنی پتلیوں کو اٹھا کر آنکھوں کے بالائی خانوں تک لے جانے کی مشق کیجیئے۔

احساسِ کمتری کا مداوا

Remedy of inferiority complex

خود اعتمادی بہت بڑی دولت ہے۔ اگر آدمی کے اندر خود اعتمادی نہ ہو تو اس کی ذہنی و جسمانی صلاحیتیں پروان نہیں چڑھتیں۔ اسلام نے مسلسل حصولِ علم پر زور دیا ہے۔ آپ ﷺ کی دعاؤں میں ہے کہ اے میرے اللہ میرے علم میں اضافہ فرما۔ علم کے ذریعہ سے آدمی کے اندر حد درجہ خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔

اس کے اندر ہمیشہ نئے جذبے پروان چڑھتے رہتے ہیں علم کا مطالعہ حسرت و یاس کو ختم کر دیتا ہے۔ علم سے احساسِ کمتری بھی دور ہوتا ہے۔ علم روشنی ہے اس کو اجالا دکھاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا تو علم سیکھنے میں مصروف ہوتے یا سکھانے میں کوئی وقت خالی نہیں گزرتا تھا۔ اسلئے پریشانی یا مصیبت کا سامنا ہی نہیں تھا۔ الغرض مسلمان حصولِ علم اور مطالعہ کے ذریعے اپنی ذات کے اندر بے شمار خوبیاں پیدا کر لیتا ہے اور احساسِ کمتری کا خاتمہ ہوتا ہے۔ گویا علم اس کی ذات کو مکمل کر دیتا ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اعتمادی کی دو بہترین مثالیں ہیں۔ جنہوں نے انتہائی بچپن میں اکیلے ابو جہل جیسے فرعونی مرد کو تہہ تیغ کیا۔ دینی تعلیمات انسان کے اندر خود اعتمادی اور خودداری پیدا کرتی ہیں۔

قنوطی

Despoulency

از ۔۔۔۔۔ راجر ڈبلیو۔ باب سین

میں قنوطی اور رجائیت پسند تھا۔ میں اس دور کی سیاست، معاشرتی اور معاشی حالت کا منفی پہلو دیکھتا تھا۔ میرے خیال میں سیاسی اور دیگر معاملات اس نہج پر پہنچ چکے تھے کہ تباہی نزدیک اور لازمی تھی۔ مجھے ہر گوشے میں تاریکی اور ہر طرف حسرت و یاس کی تصویر

نظر آتی تھی۔

ایک دن میں لائبریری میں گیا اور تاریخ کی کتابوں کی الماری دیکھنے لگا۔ ایک کتاب اٹھائی اور جو صفحہ کھلا اسے پڑھنے لگا میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے محسوس کیا کہ ماضی میں بھی حالات کم وبیش ایسے ہی تھے۔ دوسرا صفحہ بلکہ دوسرا باب پڑھ ڈالا، یکسانیت بر قرار رہی۔

تاریخ کی ایک دوسری کتاب اٹھائی اور دوسرا دور پڑھ ڈالا۔ وہی حسرت ویاس وہی نا انصافیوں اور بے رنگینیوں کی داستان۔ آج تک میں نے تاریخ پر متعدد کتابیں پڑھ ڈالی ہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ نام نہاد سنہرے دنوں میں بھی حالات کم وبیش ایسے ہی تھے۔ میری قنوطیت اور رجائیت ختم ہو چکی ہے۔ میں واقعات کے ساتھ ساتھ چلنے کا ڈھنگ سیکھ رہا ہوں بلکہ یہ تگ ودو کرتا ہوں کہ ان حالات میں رہتے ہوئے مسرور و شادماں زندگی کس طرح بسر کی جاسکتی ہے۔

احساسِ کمتری کا مداوا

از ــــــ ایلمر تھامس

Remedy of inferiority complex

میں ریاست اوکلاہاما کے کامیاب ترین وکلاء میں سے ایک ہوں۔ عوام کو مجھ پر اتنا اعتماد ہے کہ انہوں نے مجھے پہلے ریاستی کانگرس، اس کے بعد ریاستی سینٹ اور بالآخر امریکی سینٹ کا ممبر منتخب کیا۔

میں کسی امیر سیاسی خاندان کا چشم وچراغ نہیں ہوں اور نہ ہی میں سونے یا چاندی کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوا۔ بلکہ اگر آپ کو یہ بتاؤں کہ میں جسمانی لحاظ سے بے تکا لمبا سا اور احساسِ کمتری کا شکار غریب لڑکا تھا تو شاید آپ یقین نہ کریں گے۔ میرا باپ ایک کسان تھا، ہمارا فارم پکی سڑک سے دور ایک الگ تھلگ جگہ پر تھا جہاں ہمارے کنبہ کے سوا دو میلوں تک کسی فرد کی شکل نظر نہ آتی تھی۔ ان حالات میں میرا مستقبل بظاہر تاریک تھا۔ تعلیم حاصل کرنے کی راہیں مسدود تھیں۔ باپ کی آمدنی اتنی محدود تھی کہ وہ فیس ادا کرنے کے قابل نہ تھا۔ میرا بے ڈھنگا جسم مجھے اچھا کاشتکار بنانے کی راہ میں حائل تھا۔

والدہ کی کاوش

Mother's advice

میری والدہ کبھی زمانہ میں اسکول ٹیچر رہ چکی تھیں۔ انہوں نے ایک دن کہا دیکھو تھامس! تمہارا جسم تمہیں کامیاب کسان نہیں بننے دے گا۔ تعلیم حاصل کرو صرف تعلیم ہی تمہارے جسمانی نقائص کی پردہ پوشی کرے گی۔ میں نے تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ رقم کا انتظام کرنا اب میری ذمہ داری تھی۔ میں نے سور پالے اور انہیں فروخت کر کے فیس، ہوسٹل میں رہائش اور کھانے کا انتظام کر لیا۔ اسکول کیلئے نئے کپڑوں کا کوئی انتظام نہ تھا، میرے والد نے مجھے ایک خاکی قمیض، ایک بے ڈھنگا سا کوٹ اور پرانا بوٹ دیا۔

میں یہ سامان لے کر اسکول میں داخل ہو گیا۔ جسم بے ڈھنگا اور لباس بے تکا۔ میں احساسِ کمتری میں مبتلا ہو گیا اور لڑکوں کے مذاق کا نشانہ بنتا رہا لیکن ان خامیوں نے مجھ میں آگے بڑھنے کی امنگ پیدا کر دی تا کہ امتحان میں کامیابی حاصل ہو اور مذاق سے نجات ملے۔ میں نے نارمل اسکول اچھے نمبروں سے پاس کر لیا اور ایک گاؤں میں دیہی مدرس کی جگہ مل گئی۔ جب مجھے پہلی تنخواہ ملی تو میری مسرتوں کا ٹھکانہ نہ تھا۔

تقریری مقابلہ

An election contest

ایک دفعہ چند دیہاتوں پر مشتمل تقریری مقابلہ کرایا گیا۔ میری بڑھتی ہوئی خود اعتمادی نے مجھے اکسایا اور میں نے مناسب تیاری کے بعد مقابلے میں میں شرکت کی۔ میرے ہم جماعت، میرے خاندان کے لوگ اور ملنے والے حیران رہ گئے جب ججوں نے یہ فیصلہ دیا کہ میں نے پہلی پوزیشن حاصل کی ہے۔ اس مقابلے کا انعام مرکزی نارمل اسکول میں ایک سال کا وظیفہ تھا۔ جب یہ سال ختم ہوا تو میں نے واپس دیہی اسکول میں جانے کی بجائے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ اخراجات کا مسئلہ میں نے فالتو اوقات میں کام بلکہ محنتِ شاقہ کر کے حاصل کر لیا۔ میں نے فالتو اوقات میں سڑکوں پر پتھر کوٹے، باغوں میں گھاس کاٹی اور طویل تعطیلات میں زرعی فارموں میں کام کیا آخر یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔

میں نے اوکلاہاما میں وکالت کا آغاز کیا۔ تھوڑے وقفے میں کامیاب وکیل بن چکا تھا۔ جب اوکلاہاما کو الگ ریاست قرار دیا گیا تو میں نے سیاست کی وادی میں قدم رکھا۔ عوام نے مجھ پر اعتماد کیا اور اب تک تین مرتبہ میں نے مختلف ایوانوں میں ممبری حاصل کی ہے۔ تاحال میں قومی سینٹ کا ممبر ہوں۔

نوجوانوں کیلئے پیغام

Message for the young

نوجوانوں کیلئے میرا پیغام یہ ہے کہ احساسِ کمتری کا ایک ہی مداوا ہے "خود اعتمادی"۔بار بار کوشش کیجئے، جس دن آپ کو خود اعتمادی کی دولت مل گئی۔ آپ کی بنیاد ٹھوس ہو گئی۔ جس پر جلد یا بادیر اچھی عمارت بن جائے گی۔

عورتوں کی خوبصورتی کا اہم راز

The secret of women's beauty

اسلام سادگی کا مذہب ہے۔ سادگی کی تعلیم دیتا ہے۔ عورتیں اگر سادہ رہیں گی اور گھریلو کام کاج میں مصروف رہیں گی، ایک تو وہ بہت سی بیماریوں سے بچی رہیں گی، نفسیاتی مریض نہیں بنیں گی۔ زیادہ فیشن کیلئے زیادہ رقم کی ضرورت پڑے گی اس طرح مالی پریشانیاں پیدا ہوں گی، جس سے نہ صرف بیماریاں لاحق ہوں گی بلکہ ان کا حسن بھی متأثر ہو گا۔

صحابہ کرامؓ کی مستورات گھر کے کام کاج خود انجام دیتی تھیں۔ حضرت فاطمہؓ اپنے ہاتھ سے چکی پیستیں، پانی بھر کر لاتی، جھاڑو دیتی، کپڑے اور جسم میلا رہتا، سینۂ مبارک پر نشان پڑ گئے۔ (مشکیزہ بھرنے کی وجہ سے)

اسلام تحمل، بردباری اور برداشت کی تعلیم دیتا ہے۔ برداشت نہ کرنے سے غم پیدا ہوتا ہے اور پریشانی کا سامان کرنا پڑتا ہے۔ عورتوں میں یہ صفات ہونگی اور برداشت کا مادہ ان میں ہو گا تو وہ امراض سے بھی محفوظ رہیں گی اور ان کا حسن بھی باقی رہے گا۔

چہرے پر جھریاں بھی نہیں آئیں گی اور سارا دن سخت کام کرنے سے ان کو نیند بھی خوب آئے گی۔ ڈیل کارنیگی نے عورتوں کی خوبصورتی کا اہم راز مضمون میں اسلامی اصولوں کو دہرایا.. مثلاً دوسری کی کمی پر نظر نہ ہو.. اپنی غلطی پر نظر ہو۔

ہمسایوں سے میل جول بڑھائیں۔ یعنی ہمسایوں کا اکرام اور خیال رکھیں اور ان کا حق ادا کریں۔ یہ تمام اصول عورتوں کو بیشمار نسوانی اور چہرے کے امراض سے محفوظ رکھتے ہیں۔

عورتوں کی خوبصورتی کا اہم راز

The secret of womien's beauty

عورتیں زیادہ سے زیادہ خوبصورت نظر آنے کیلئے شب و روز کوئی نہ کوئی ترکیب استعمال کرتی رہتی ہیں اور مزید ترکیبوں کی جستجو میں لگی رہتی ہیں۔ مغربی اور ترقی پسند ممالک کی بات چھوڑیئے۔ پاکستان میں ہزاروں بیوٹی کلینک کام کر رہے ہیں اور سینکڑوں نئے کلینک کھل رہے ہیں۔ عورتوں کے رسائل اور اخبارات کے بعض کالم عورتوں کی راہنمائی کیلئے مخصوص کر رکھے ہیں۔

ڈاکٹر اور حکیم اچھی غذا اور ورزش کو خوبصورتی اور صحت کی بنیاد قرار دیتے ہیں لیکن ایک اہم گوشہ اور ایک بڑی وجہ عورتوں کی نظر سے پوشیدہ ہے اور وہ ہے "خوبصورتی پر پریشانیوں کے برے اثرات"۔ مزید یہ کہ اثرات کو دور کرنے کے طریقے بھی توجہ کے قابل نہیں سمجھے جاتے۔

ہم نے اس کتاب میں بار بار لکھا ہے کہ خوبصورتی پر تفکرات کے برے اثرات ایک طرف رہے، پریشانیاں عورتوں میں کئی امراض پیدا کرنے کا باعث بنتی ہیں۔ مثلاً جوڑوں کا درد، معدے کا السر، اختلاجِ قلب وغیرہ۔ ترقی یافتہ ممالک میں نفسیاتی امراض کے ایسے کلینک ہزاروں کی تعداد میں ہیں جہاں اس قسم کی مریض عورتوں کا علاج کیا جاتا ہے۔ بلکہ اب کلینک کی بجائے نہیں عملی نفسیات کی کلاس کا نام دیا جاتا ہے۔ جہاں تعلیم و ترغیب سے عورتوں کی پریشانیاں دور کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد جوڑوں کا درد، معدے کا السر، اختلاجِ قلب اور خون کا بڑھا ہوا دباؤ دور ہونے لگتے ہیں۔

اس طریقِ علاج کی طبّی مشیر ڈاکٹر روزہل فرڈنگ کا قول ہے کہ ایسے مریض اپنی پریشانی کو اپنے ذہن میں پالتے ہیں بلکہ دماغ کی کڑاہی میں ابالتے رہتے ہیں۔ پریشانی سے پیچھا چھڑانے کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ اسے بھروسہ کے قابل کسی شخص کے سامنے بیان کر دیں۔ غم کے اظہار سے پریشانی نصف یا تین چوتھائی رہ جاتی ہے۔ کیونکہ مریض نفسیاتی طور پر یہ سمجھتا ہے کہ یہ صرف اس کا غم نہیں بلکہ ایک دوسرا فرد بھی بار اٹھانے میں حصہ دار بن گیا ہے۔

انجمنِ تحفظِ حیات

Association for protection of life

نیویارک میں انجمنِ تحفظِ حیات کا صدر دفتر ہے۔ جہاں عورتیں اعتماد کے ساتھ اپنی الجھنیں بھیجتی ہیں[1]۔

انہیں صیغۂ راز میں رکھا جاتا ہے اور پوری ذمہ داری سے ان کا حل بتایا جاتا ہے۔ یہ انجمن امریکہ کے شہریوں کے علاوہ دوسرے ممالک کی عورتوں میں بھی راہنمائی فراہم کرتی ہے۔ پاکستانی عورتیں اس سے رجوع کر سکتی ہیں۔

نفسیاتی امراض کے کلینک اور انجمنِ تحفظِ حیات بڑے بڑے ادارے ہیں۔ اخبارات و رسائل کے نفسیاتی ماہرین کی خدمت میں اپنا مسئلہ بھیجنا اور حل منگوانا بذاتِ خود ایک کام ہے اور عام لوگ اس وقت یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں جب مسئلہ گھمبیر صورت اختیار کر جاتا ہے۔ عام حالات میں کچھ اصول ایسے ہیں جن پر گھریلو عورتیں اپنے گھر پر خود عمل کر سکتی ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

مؤثر مطالعہ کیلئے نوٹ بک رکھئے

Have a notebook handy

آپ کو مطالعے کے دوران اکثر ایسی چیزیں ملتی ہیں جو آپ میں ولولہ پیدا کرتی ہیں اور آپ کو متأثر کر کے نیا انسان بنا سکتی ہیں۔ مثلاً دعائیں۔ اقوال وغیرہ۔ ان کو نوٹ کرتے رہیں جب کبھی آپ مغموم بیٹھے ہوں نوٹ بک نکال کر پڑھئے۔ ایسے اقتباسات نہ صرف آپ کا غم بھلا دیں گے بلکہ آپ میں حوصلہ پیدا کریں گے۔

دوسروں کی کمزوریوں پر توجہ نہ دیں

Do not look at other people's weaknesses

اکثر عورتوں میں یہ کمی ہوتی ہے کہ دوسروں میں نہ صرف کیڑے نکالتی رہتی ہیں بلکہ ان کی گردان کرتی ہیں۔ بے چارہ خاوند روزانہ ایسی عورتوں کا تختۂ مشق بنتا ہے۔

1: پاکستان میں متعدد رسائل اور ہفتہ وار اخبارات کو ایسے الجھنے بھیجی جاتی ہیں اور وہ اپنے علم اور تجربے کے مطابق ان کا حل پیش کرتے ہیں۔ انگریزی میں امریکی کلب کا نام و پتہ یہ ہے:
"سیوا ے لائف لیگ، ففتھ ایونیو، نیویارک سٹی U.S.A"

بدھو، بے وقوف، غریب اور بد تمیز ایسے خطابات ہیں جن کی روزانہ بارش کی جاتی ہے۔
اس بری عادت کو چھوڑنے کا صرف ایک طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک منٹ کیلئے سوچیں کہ اگر خاوند انتقال کر جائے تو وہ بہتر رہے گا یا خاوند اپنی موجودہ کمزوریوں کے ساتھ آپ کا ہم سفر رہے۔

ہمسایوں سے میل جول بڑھائیں

Keep close relations with neighbours

اگر آپ گھر میں تنہا ہیں یا عزیز رشتہ دار ہوتے ہوئے بھی گھر میں تنہائی محسوس کرتی ہیں تو ہمسایوں سے میل جول بڑھائیں، ان کے مسائل پر بحث کریں اور اگر ان کے کام آسکتی ہوں تو ضرور آئیں۔

دوسرے دن کا پروگرام تجویز کریں

Draw up next days routine

بہت سی خانہ دار خواتین کسی منصوبے کے بغیر الل ٹپ کاموں میں مصروف نظر آتی ہیں اور رات سونے تک ختم ہونے کا نام نہیں لیتے۔ کبھی انہوں نے سوچا کہ حقیقی طور پر شاید اتنے کام نہ ہوں اور عدم منصوبہ بندی کی وجہ سے وہی کام بار بار کرنا پڑتا ہو۔ اسلئے کل کی منصوبہ بندی کریں۔ کام جلد نپٹ جائیں گے۔ آپ کو آرام کے مواقع بھی منصوبہ کے اندر رکھنے ہوں گے۔ انہیں اوقات میں خواتین حسن افزا چیزیں استعمال کریں۔ میک اپ کریں۔ جب شیشہ انہیں حسین چہرہ قرار دے گا تو غم خود بخود بھاگ جائے گا۔

عضلاتی تناؤ پیدا نہ کریں...... بلکہ آرام کریں

Do not straim your muscles, but relax

آرام کے متعلق کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ خانہ دار خاتون جب چاہے اور جہاں چاہے۔ لیٹ سکتی ہے۔ فرش بھی موزوں ہے۔ ریڑھ کی ہڈی کو درست رکھتا ہے۔ خانہ دار خواتین کو چاہئے کہ ورزش بھی کریں۔ چند ورزشیں تحریر کی جاتی ہیں۔

۱: فرش پر لیٹ جائیں اور اپنے جسم کو دراز سے دراز تر کریں۔ اپنے جسم کو الٹ پلٹ کریں۔

۲ : آنکھیں بند کرلیں۔ سہانے سے سہانا منظر دھیان میں لائیں یا دعا کریں۔
۳ : اگر آپ کے پاس لیٹنے کا وقت نہیں ہے، چولھے پر بہت کچھ پک رہا ہے تو کرسی پر بیٹھے بیٹھے آرام کریں۔
۴ : اگر آرام کرسی اور وقت میسر ہوں تو اسی سے فرش یا پلنگ پر لیٹنے کا فائدہ حاصل ہو جاتا ہے۔بالخصوص اگر آنکھیں بند کرلی جائیں۔
۵ : آہستہ آہستہ سانس کھینچیں۔ یہ طریقہ آپ کے اعصاب کو سکون دے گا۔ یوگا کی بہت سی ورزشیں مفید ہیں، گہرا سانس لے کر ہوا خارج کریں۔
۶ : چہرے کی جھریاں دور کرنے کا طریقہ یہ ہے "سکون اور چہرے کو ڈھیلا چھوڑنا" دوسرے غم، پریشانی اور اضطراب کو دور کرنا۔

مالی پریشانیاں
Financial worries

ایک سچا مسلمان اپنی زندگی میں اللہ پر توکل کر کے چلتا ہے۔ جتنی اس کو ضرورت ہوتی ہے اس کے مطابق اپنی آمدنی حاصل کرتا ہے اور خرچ کرنے میں اپنی آمدنی کے مطابق خرچ کرتا ہے اور اسی کوشش میں لگا رہتا ہے کہ اپنے خرچ کو کم سے کم سطح پر لے آئے۔ صحابۂ کرام اور اولیاء کرام کی زندگی ایسے بے شمار واقعات سے لبریز ہے۔ تھوڑی سی آمدنی سے اپنے سارے اخراجات مسلمان پورے کرتا ہے۔ خرچ کرنے کا صحیح استعمال اسے آتا ہے، قرض کی حقیقت کو بھی پہچانتا ہے۔ اس سے بچتا ہے۔

قرض کے متعلق کچھ تعلیمات لے لیں :-

صبر، شکر، قناعت کی وجہ سے ہمیشہ اپنے اخراجات اپنی آمدنی سے کم ہی رکھتا ہے۔ اسلئے سکون اور آرام میں رہتا ہے۔ صحابۂ کرامؓ کی زندگی میں سکون کا جو معیار ملتا ہے وہ شہنشاہوں اور کروڑ پتیوں کی زندگی میں بھی نظر نہیں آتا۔ جن صحابہؓ کے پاس مال و دولت تھی وہ بھی پر سکون تھے اور جو غربت میں تھے وہ بھی پر سکون تھے۔

اسلام نے قرض اور اسراف کی مذمت کی ہے۔ اسلام نے قرض کو وبال اور بوجھ قرار دیا ہے اور اخراجات میں افراط و تفریط کے اصول کو پیشِ نظر رکھ کر چلنے کی ہدایت کی ہے۔ ہم جب بھی اسراف اور تبذیر کے غیر اسلامی اصول اپنائیں گے، اس وقت مالی مسائل اور پریشانیاں گھیر لیں گی۔

مالی پریشانیاں
Financial worries

اس کتاب میں پریشانیوں کی جتنی وجوہات پیش کی گئی ہیں وہ زیادہ سے زیادہ تیس فیصد پریشانیاں پیدا کرتی ہیں۔ ستر فیصد پریشانیوں کی بنیاد غربت کم آمدنی اور افلاس ہوتا

ہے۔ غربت اور افلاس کا ایک حصہ تو حقیقی ہوتا ہے یعنی کسی فرد کی تنخواہ یا ماہانہ آمدنی کم ہوتی ہے۔ مگر نام نہاد غربت کی ایک قسم وہ ہے جہاں اچھی اور معقول آمدنی والے لوگ آمدنی اور خرچ میں توازن نہیں رکھتے۔ اپنی چادر سے زیادہ پاؤں پھیلاتے ہیں۔ مہینے کے آخری دنوں میں وہ تنخواہ ختم کر کے ادھار مانگتے پھرتے ہیں۔

پریشانی، غم اور تفکرات کا انبار سر پر لادے ہر کسی کے سامنے اپنی قسمت کا رونا روتے ہیں۔ مگر جوا کھیلنے چلے جاتے ہیں اور سگریٹ کے بعد سگریٹ لگا کر اس کا دھواں فضا میں چھوڑتے ہوئے ان لوگوں کو حسد بھری نگاہ سے دیکھتے ہیں جنہوں نے کم آمدنی کے باوجود اپنے اخراجات کو سنبھالا ہے اور مسلسل رقوم بچا کر جائیداد خرید لی۔

یہ صرف ایک مثال ہے۔ دراصل آمدنی اور خرچ کی اتنی داستانیں ہیں جتنے دنیا میں کنبے اور گھرانے ہیں۔ دو داستانیں بھی ایک دوسرے سے مماثلت نہیں رکھتیں۔ آمدنی اور خرچ اتنا بڑا موضوع ہے اور اچھے سے اچھا ناصح بھی تمام وجوہات، حالات اور امداد کے طریقوں کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ تاہم اس عنوان کے تحت چند راہنما اصول پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اپنے اخراجات کو تحریر میں لائیے

Put down your expenses in counting

حکومتیں اپنا میزانیہ بناتی ہیں۔ آئندہ سال کی آمد اور خرچ کا تخمینہ لگایا جاتا ہے اور سال شروع ہونے کے ساتھ ہی خرچ کی ایک ایک پائی دائرۂ تحریر میں لائی جاتی ہے۔ آپ کا کنبہ بھی ایک ننھی سی حکومت ہے۔ روزانہ خرچ تحریر کیجئے۔ ہفتے کی شام کو سات دن کے خرچ پر نگاہ ڈالیئے اور مہینے کے آخر میں اعداد و شمار کا تجزیہ کیجئے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون سے سوراخ ہیں جہاں سے آپ کا روپیہ ضرورت سے زیادہ باہر کو جا رہا ہے۔ آپ ان سوراخوں کو مکمل یا ادھورے طور پر بند کر سکتے ہیں۔ بڑے بڑے لوگ اس اصول پر عمل کرتے ہیں۔ مشہور کروڑ پتی جان ڈی۔ راک فیلر آمدنی اور اخراجات کا کھاتہ بناتے تھے اور سونے سے قبل اس پر گہری نظر ڈالتے تھے۔

میزانیہ بناتے وقت درزی کی نقل کیجئے

Cut your coat according to your cloth

درزی کسی گاہک کی قمیض، کوٹ یا پتلون بناتے وقت دو باتوں کا دھیان رکھتا ہے۔ کپڑے کی لمبائی چوڑائی اور گاہک کا جسم۔ وہ ایک میٹر اور دو تین میٹر طول والے کپڑے کو نظر میں رکھتا ہے اور گاہک کے جسم کی تفصیلات کے مطابق کمی بیشی کرتا جاتا ہے۔ یہی طریقہ آپ نے استعمال کرنا ہے۔ آپ کی آمدنی کی بنیاد ہے جس میں کمی بیشی ممکن نہیں۔ آپ کے کنبہ کا کل خرچ گاہک کے جسم کی مانند ہے اب یہ آپ کا کام ہے کہ کس حصے پر کتنا خرچ کرنا ہے۔ اسے پورا کیجئے۔ اگر آپ عاجز آجائیں تو کسی مخلص دوست سے مشورہ کریں۔ امریکہ میں ایسی ویلفیئر سوسائٹیاں ہیں جو گھریلو اخراجات کی تفصیل بنانے میں مدد دیتی ہیں۔

عقلمندی سے خرچ کرنا سیکھئے

Spend wisely

امریکہ میں بڑی بڑی فرموں نے ایسے پیشہ ور منیجر مقرر کر رکھے ہیں۔ جو مقررہ رقوم میں اچھا سے اچھا مال خریدتے ہیں۔ آپ اپنے کنبہ کے سربراہ کی حیثیت سے مندرجہ ذیل اقدامات پر عمل کر کے وہی عمل دہرائیے۔

الف : اخبارات کا باقاعدہ مطالعہ کیجئے۔ ان میں بعض فرموں کے اشتہارات ہوتے ہیں۔ جو کم قیمت اور بعض شرائط کے تحت سامان فروخت کرتی ہیں۔ مثلاً رسائل، ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ۔ آپ سیل سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

ب : گھریلو ضروریات تھوک منڈی سے خریدیئے اور پورے مہینے کی ضروریات ایک بار خرید لائیے۔ یوٹیلٹی سٹوروں کا فائدہ اٹھایئے، کواپریٹو اسٹوروں سے استفادہ کیجئے۔

ج : مارکیٹ پر نظر رکھئے بعض گھریلو ضروریات کچھ وجوہ کی بنا پر عارضی طور پر ارزاں ہو جاتی ہیں۔ ضرورت کے مطابق انہیں خرچ کیجئے۔

مندرجہ بالا تینوں اقدامات سے آپ اخراجات میں بیس فیصد کمی کر سکتے ہیں۔

مقررہ آمدنی والے افراد تجارتی بکھیڑوں سے دور رہیں

Those with fixed income should shun business

بعض مقررہ آمدنی والے لوگ جب دیکھتے ہیں کہ ان کی آمدنی کا کچھ حصہ اخراجات سے زیادہ ہے تو وہ تجارتی بکھیڑوں میں قدم رکھنے لگتے ہیں۔ تجارت میں کمی بیشی، نفع اور نقصان ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ تاجر میں تجارتی ذہن، مخصوص عادات اور خاص نظر ہوتی ہے جو حالات سے نپٹتی رہتی ہے۔

مقررہ آمدنی کے اکثر لوگ ان عادات، ذہن اور نظر سے خالی ہوتے ہیں۔ جب وہ مقررہ آمدنی کے ساتھ ساتھ تجارت کے پھٹے میں ٹانگ اڑاتے ہیں تو ان کیلئے پریشانیوں کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ اول تو انہیں نقصان سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اگر منافع ملتا بھی ہے تو کس قیمت پر۔ شب و روز کی ذہنی پریشانی.. کہیں خریدی ہوئی یہ چیز ارزاں نہ ہو جائے جس تاجر کے اشتراک سے یہ کام کیا ہے وہ رقم نہ دبا بیٹھے وغیرہ وغیرہ۔

جہاں تک ممکن ہو قرضہ نہ لیجئے

Avoid borrowing money

قرضہ لعنت ہے جہاں تک ممکن ہو سکے اس سے دور رہیے۔ امریکہ میں بینک بھی قرضہ فراہم کرتے ہیں اور کمپنیاں بھی۔ اول الذکر حکومت کے بنائے ہوئے قوانین کے پابند ہوتے ہیں لیکن ان کمپنیوں کا باوا آدم ہی نرالا ہوتا ہے۔ اگر ان کے اشتہارات دیکھے جائیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ حاتم کی قبر پر لات مار رہی ہے۔ لیکن جب رقوم کی وصولی کر رہی ہوتی ہیں تو اس یہودی کا کردار ادا کرتی ہیں جو قرض کی واپسی گوشت کی شکل میں چاہتا تھا[1]۔

ا: پاکستان سود خور پٹھان اور گلی کوچوں میں بیٹھے بظاہر مؤمن مگر کرتوت شیطان قسم کے لوگ پچیس روپیہ ماہوار کے حساب سے قرضہ دیتے ہیں اور سود پہلے دن اصل زر سے کاٹ لیتے ہیں۔

بیمہ کی سہولتوں سے مشکلات پر قابو پائیے

Let insurance solve your problems

امریکہ میں بہت سی ناگہانی مشکلات، مصائب اور حادثات کے خلاف بیمہ کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بیماری کے خلاف بھی بیمہ تحفظ کے انتظامات کرتا ہے اور اکثر شہری ان سہولتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ تمام شہری ان سے مکمل طور پر استفادہ کریں۔

بیوہ کیلئے بیمہ ماہوار رقم کا انتظام کیجئے

Apportion monthly allowances

for a widow

بہت سے ایسے واقعات ہیں دیکھنے میں آئے کہ ادھر بیوہ کو یک مشت رقم ملی اُدھر اس کے بیٹے، دور ونزدیک کے رشتے دار اور تجارتی ایجنٹ اپنی سکیمیں لے کر پہنچ گئے۔ ایسے ایسے سبز باغ دکھلائے گئے کہ بیچاری نام نہاد تجارتی سکیموں میں اپنا روپیہ لگا بیٹھی مگر چند ماہ بعد اصل رقم کھو بیٹھی۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ بیوہ اپنی زندگی کے آخری دن آرام سے بسر کرے تو یہ رقم ماہوار دلوانے کا انتظام کر جائیں۔

بچوں کو مالی ذمہ داریاں سکھائیے

Let children be financially responsible

شروع ہی سے بچوں پر تھوڑی مالی ذمہ داری ڈالیئے۔ ایک خاتون اپنی بچی کیلئے بنک کا کردار ادا کرتی تھی۔ وہ مہینے کے شروع میں گھر کے بجٹ کی کل رقم اپنے پاس رکھ لیتی اور گھریلو چیک بک بچی کو دے دیتی۔ بچی گھر کے خرچ کیلئے پورا مہینہ اصل رقم کو ذہن میں رکھتے ہوئے چیک کاٹتی رہتی۔ جب اسکی شادی کی گئی تو وہ سگھڑ خاتون ثابت ہوئی۔ آپ اس مثال سے فائدہ اٹھائیں۔

باورچی خانے کے ذریعے مزید آمدنی پیدا کریں

Your kitchen can earn for you

جن گھروں میں افرادِ کنبہ کم ہیں، مالکہ کی صحت اچھی ہے اور وہ باورچی خانہ میں

ہاتھ سے کام کرنا پسند کرتی ہیں۔ وہ امریکہ میں ایسی چیزیں باورچی خانہ میں تیار کرتی رہتی ہیں جو بازار میں اچھے داموں فروخت ہو جاتی ہیں۔ اس مشغلہ سے ان کا وقت بھی مسرت اور شادمانی سے گزر جاتا ہے اور گزر اوقات کے لائق اچھی بھلی آمدنی بھی ہو جاتی ہے[1]۔

جوانہ کھیلئے

Do not gamble

براہِ راست جوا، قماربازی، سٹے بازی، گھوڑوں پر داؤ لگانا، سلائی مشینوں میں سکے ڈالنا جوئے کی بڑی بڑی اقسام ہیں۔ لوگ جواخانوں میں اپنی قسمت آزماتے ہیں اور خالی جیب ہو کر واپس چلے جتے ہیں۔ راقم الحروف نے بعض ایسے افراد سے انٹرویو کیا جن کے متعلق مشہور تھا کہ انہوں نے جوئے، گھوڑدوڑ اور سٹے بازی سے بڑی رقم کمائی لیکن ان کا جواب تھا: اگر میں کسی فرد سے دشمنی کروں گا تو اسے جوئے کی لت ڈال دوں گا۔ بعض نے کہا: کہاں کی کمائی اور کہاں کا منافع.. یہ محض خالی خولی داستانیں ہیں۔

لہٰذا نہ اپنی قسمت آزمائیں اور نہ جوئے کی چکاچوند سے مرعوب ہوں۔ اپنی کمائی کے مطابق اپنے اخراجات کی فہرست بنائیں یعنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلائیں۔

اگر مسرت وشادمانی برقرار رکھتے ہوئے آمدنی میں اضافہ نہیں ہوتا تو موجودہ آمدنی پر قناعت کیجئے۔

آمدنی بڑھانا ایک فطری جذبہ ہے.. ضرور کیجئے آپ کا حق ہے دراصل وہ آپ کو محنت اور علم میں اضافہ کی دعوت دیتا ہے۔ آپ کو دنیاوی نعمتوں سے مالا مال کرتا ہے لیکن کسطرح؟ بشرطیکہ آپ ان کوشش میں ذہنی پریشانیوں، اضطراب اور تفکرات کی بھاری گٹھ اپنے سر پر نہ لاد لیں۔ اگر پوری محنت، تندہی اور کوششوں کے باوجود آپ اپنی آمدنی میں اضافہ نہ کر سکیں تو اپنی آمدنی میں رہنا سیکھئے۔ قناعت سیکھئے۔ اس مادی دور میں قناعت کی تعلیم آپ کو اچنبھا معلوم ہو گی لیکن آپ کو ذہنی سکون اسی طرح مل سکتا ہے...... آزما دیکھیں[2]۔

۱: پاکستان میں گھریلو ہی کام سرانجام دیتی ہے جو عورتیں باقی فالتو اوقات میں گھریلو دستکاری کا کام کرتی ہیں ان کے کنبے مالی مشکلات میں مبتلا نہیں ہوتے۔

۲: اولیاءِ کرام اور صوفیائے عظام اپنی آمدنیاں بڑھانے پر قادر تھے لیکن انہوں نے قناعت کا شیوہ اختیار کیا، اپنے اخراجات کو کم سے کم سطح پر لے آئے۔ ہمیں سکون کا جو معیار ان کی زندگی میں ملتا ہے وہ شہنشاہوں اور کروڑپتیوں کی زندگیوں میں نظر نہیں آتا۔

تفکرات اور پریشانیاں دور کرنے کے چند طریقے

Ways to keep away anxieties

پروفیسر ولیم۔ٹی۔اون فلپس...... سنتِ نبوی ﷺ اور جدید سائنس

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جفاکش تھے، محنتی تھے۔ اپنی جفاکشی کیوجہ سے معمولی تکلیف کو تکلیف نہیں سمجھتے تھے۔ اور ہمیشہ اپنی قوت سے بڑھ کر عمل کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے اپنے جسم کی تکلیف کو نظر انداز کرتے رہتے۔ دراصل ان کی جفاکشی مسلسل محنت اور کام والی زندگی کیوجہ سے مسائل یا پریشانیاں بالکل قریب نہیں آتی تھیں۔ ان کی قربانیوں کی بناء پر اللہ نے ان کو اپنا محبوب بنایا۔ مسلسل جدوجہد اور سخت محنت اسلامی زندگی کا زرّیں اصول ہے۔

پروفیسر ولیم ٹی۔اون۔ فلپس نے اسلامی زندگی کے اس اصول پر عمل کر کے نہ صرف اپنے مسائل پر قابو کیا بلکہ اپنی جسمانی خامیوں پر قابو پالیا۔ ولولہ انگیز زندگی، ایک مقصد والی زندگی...... اس میں اپنی جان قربان کر دینے کا جذبہ ہو، ایسا ولولہ اور جذبہ جو تمام جسمانی خامیوں پر قابو پائے۔ ایسا جذبہ صرف صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں میں ملتا ہے۔ کیا مذکورہ پروفیسر نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی پر عمل کر کے اپنے علاج نہیں کیے؟...... سوچیں۔

تفکرات اور پریشانیاں دور کرنے کے چند طریقے

Ways to keep away anxieties

از ــــــ پروفیسر ولیم۔ بی۔ اون فلپس

میں چوبیس سال کی عمر میں لیکچرار تھا اور اپنے فرائض کامیابی سے نبھار ہا تھا کہ اچانک میری آنکھوں میں نقص واقع ہو گیا، میں روشنی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اگر میں دیکھنے کی کوشش کرتا تو یوں محسوس ہوتا جیسے آنکھوں میں ننھی ننھی سوئیاں چبھ رہی ہیں، میں نے ماہرینِ امراضِ چشم سے علاج کرایا لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ مجھے یہ فکر کھائے جاتا تھا کہ کسی دن اندھا ہو جاؤں گا۔

انہیں تفکرات میں مبتلا تھا کہ ایک واقعہ نے معجزہ کر دکھایا۔ مجھے مختلف کالجوں کے طلباء کی طرف سے دعوت دی گئی کہ میں ایک خاص موضوع پر ان سے خطاب کروں۔ لیکچر کا موضوع بہت اہم تھا۔ شہر بھر کے طلباء نے میری ہمّت افزائی کی تھی۔ میرا دل چاہتا تھا کہ ان کی توقعات سے بڑھ کر انہیں درس دوں۔

میں ہال میں پہنچا تو حاضرین مجھے سننے کیلئے بیقرار تھے، میں نے جذبہ کے تحت لیکچر کا آغاز کیا اور بجلی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پورے تیس منٹ تقریر کی۔ گھر واپسی کے بعد کچھ تکلیف ہوئی لیکن مجھے ایک ترکیب معلوم ہو چکی تھی۔ جب بھی مجھے طلبہ کا مطالبہ ہوتا میں لیکچر کی اچھی تیاری کرتا اور بجلی کے قمقموں کی پروانہ کرتے ہوئے تقریر جاری رکھتا...... اور آخر میں نے بیماری پر قابو لیا۔

سمندر میں تیراکی

Swimming

میں ایک دفعہ سمندر میں تیر رہا تھا کہ کمر میں درد محسوس ہوا، میں ساحل پر آگیا لیکن درد میں افاقہ ہونے کی بجائے اضافہ ہوتا گیا۔ میں کھڑا ہونے کے قابل نہ رہا۔ بستر پر لیٹا رہتا۔۔ اس دوران میں ایک بحری جہاز کے عملہ کی طرف سے مجھے دعوت دی گئی کہ میں ایک خاص موضوع پر ان سے خطاب کروں۔ یہ بڑی عزت افزائی تھی اور موضوع بھی ایسا تھا جو جہاز کے عملہ کی پیشہ ورانہ زندگی کے لیے مفید

تھا۔ میں نے حامی بھر لی۔ مقررہ دن جب میں گھر سے روانہ ہوا۔ تو درد میں کمی کا احساس ہوا۔ بحری جہاز تک پہنچتے وقت درد میں خاصی کمی ہو چکی تھی۔ جب میں لیکچر دینے کھڑا ہوا تو درد محسوس نہ ہوتا تھا۔ گو یہ افاقہ عارضی تھا مگر مجھے ایک سبق دے گیا اور یہ درس وہی تھا جو میں نے آنکھوں کی سوزش اور زود حسی کے دوران آزمایا تھا۔ یعنی ولولہ انگیز زندگی آہستہ آہستہ جسمانی خامیوں پر قابو پالیتی ہے۔

مایوسی کا علاج

Remedy for despondency

کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ میں قنوطی اور مایوس سا ہو گیا میں نے اسکا مداوا سوچ لیا۔ اب میں اتھلیٹ کی طرح ورزش کرتا.. دوڑ لگاتا.. نہاتا اور گولف کھیلتا۔ یہ تمام چیزیں مایوسی کو بہا کر لے گئیں۔

مجھے ریاست کنٹکی کے گورنر ولراس نے بتایا کہ وہ اپنا سرکاری کام ایک خاص قرینے سے کرتے تھے۔ مقررہ اوقات میں کام ختم ہو جاتا تھا، اگر کبھی میز فائلوں سے بھر جاتی تو وہ جلدبازی اور تناؤ کی حالت میں کاغذات پڑھنے اور ان پر احکام لکھنے کی بجائے اپنی آرام کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے۔ سگریٹ یا سگار کا کش لگاتے اور جب ایک گھنٹے تک آرام کر چکتے تو بڑے سکون سے یکے بعد دیگرے فائلیں پڑھتے اور احکام لکھتے جاتے ۔ تناؤ اور جلدبازی کے مقابلے میں سکون کے دوران زیادہ کام نمٹایا جاتا۔

ہر فرد کی زندگی میں ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن میں کوئی نقصان ہو جاتا ہے۔ میری زندگی میں بھی ایسے دن آتے ہیں جن میں نقصان فوری نہیں ہوتا۔ میں اپنے آپ کو اسی دن پریشانی میں مبتلا نہیں ہوتا۔ میں اپنے آپ کو اسی دن پریشانی میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ خود کو تسلی دیتا ہوں کہ یہ ایسے معمولی نقصانات ایک ماہ بعد شروع ہوں گے۔ اسطرح مجھے نقصان پر قابو پانے کا موقع بھی مل جاتا ہے اور میرا ذہن بھی پر سکون رہتا ہے۔

باغِ بہشت.. آر۔ سی۔ سی۔ بوڈلی

Pa radise...R.C.C.Dolly

مسلمانوں کا ہمیشہ سے یہ یمان واعتقاد رہا ہے کہ نفع و نقصان اللہ کی طرف سے ہے۔ اگر خدانخواستہ کوئی ایسی بات ان کو پیش آجاتی جس میں پریشانی میں مبتلا ہو سکتے تھے.. لیکن وہ فوراً اپنے آپ کو سمجھاتے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہوا ہے اس پر صبر کرنے سے ہمیں اسکی ذات سے انعام ملے گا۔ اسی طرح کامیابی کو بھی اللہ کی طرف سے سمجھتے تھے۔

آدمی کے تفکرات اور پریشانی کا اس وقت آغاز ہوتا ہے جب اس کا اعتقاد اللہ کی ذات پر نہیں ہوتا۔ زندگی اس کو تنگ لگتی ہے اس کی مدد اور طاقت کا یقین ان کی زندگی میں سکون دیتا رہتا۔ وہ پریشانیوں کو اللہ کی ذات کے ذریعے سے دور کرتے تھے۔

صحابۂ کرامؓ کے دلوں میں اللہ کی مدد اور طاقت کا زبردست یقین تھا۔ ان کو دنیا بھی بہشت معلوم ہوتی تھی۔

.. آر۔ سی۔ سی۔ بوڈلی جب مسلمانوں کے ماحول میں ٹھہرا اور اس نے اللہ کے ہونے کے بول بار بار سنے کہ ہر کام اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔ لہٰذا جب بھی اس کو پریشانی یا کڑھن کا سامنا کرنا پڑتا وہ اس بول کو بولتا، اسکو سکون ملتا۔ جب یورپ کی زندگی اس کو سکون فراہم کرنے میں ناکام ہو گئی تھی۔ واضح رہے کہ مذکورہ شخص افریقہ جاکر مسلمانوں کے قبیلہ میں رہا۔

مذکورہ بالا روشنی میں یہ بات ظاہر ہے کہ اللہ پر توکل کرنے سے زندگی کے کتنے مسائل حل ہوتے ہیں اور کتنی پریشانیوں سے اپنے آپ کو محفوظ کر سکتے ہیں۔

باغِ بہشت

از.....آر۔ سی۔ سی۔ بوڈلی

Paradise R.C.C.Dolly

میں ایک ایسا انگریز ہوں جس نے سکول اور کالج کی زندگی پیرس میں گزاری، فوجی تعلیم سنڈھیرسٹ سے حاصل کی۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران ہندوستان میں فوجی خدمات ادا کیں اور پہاڑی اور نیم پہاڑی روح افزا مناظر اور قابلِ دید عمارات سے لطف اندوز ہوا۔ میری رسائی مسٹر لائیڈ جارج سابق وزیرِ اعظم برطانیہ تک تھی لیکن جب ذہنی پریشانیوں اور تفکرات نے گھیرا تو مجھے یورپ کی کسی شبینہ کلب گرجے، پُر رونق بازاروں، رقص و موسیقی کی محفلوں اور سیاستدانوں کے ایوانوں میں سکون نہ ملا تو شمالی افریقہ کے صحراؤں کے خانہ بدوش مسلم قبائل کے خیموں میں۔

میری داستان آپ کو عجیب معلوم ہوئی ہو گی مگر یہ حقیقت ہے۔ ذرا آپ بھی ملاحظہ کیجئے۔ پہلی جنگِ عظیم ختم ہوئی تو مجھے اسسٹنٹ ملٹری اتاشی کی حیثیت سے برطانوی ٹیم کے ساتھ صلح کانفرنس میں بھیجا گیا۔ جنگ کے دنوں میں میرے ذہن میں یہ بٹھایا گیا تھا کہ ہم انسانیت، تہذیب و تمدن اور انصاف کی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں لیکن یہاں کانفرنس کی باگ ڈور سیاست دانوں کے ہاتھ میں تھی۔ میں نے اس دوران میں سیاست دانوں کا اصلی چہرہ دیکھا۔ جھوٹ، لالچ، مکاری جعلسازی، خفیہ ڈپلومیسی اور قومی تعصبات کو ہوا دینا۔

الغرض کونسا کریہہ منظر ہتھیار جو استعمال میں نہ لایا گیا۔ یہ دیکھ کر میرے ذہن میں انقلاب آ گیا۔ مجھے سیاست دانوں، اس کے دعاوی، نام نہاد سماج، فوج بلکہ اپنے آپ سے نفرت ہو گئی۔ میں اتنا پریشان ہوا کہ میری راتوں کی نیند اڑ گئی۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ جلد ہی مجھے فوج کی اس عارضی ملازمت سے فارغ کر دیا گیا۔

میں سابق وزیرِ اعظم مسٹر لائیڈ جارج سے ملا اور اپنی پریشانیاں اور مسائل بیان کیئے۔ ان کا مشورہ یہ تھا کہ میں سیاست میں حصہ لینا شروع کر دوں۔ میرا دماغ گرم پانی کی طرح کھول رہا تھا، مگر ان کا ارشاد تھا کہ میں سرخ دہکتے انگاروں میں چھلانگ لگا دوں۔ میں مزید پریشان ہو گیا۔ خوش قسمتی سے میری ملاقات مشہور عرب جاسوس لارنس آف عریبیا سے ہوئی۔ میرے تفکرات معلوم کر کے انہوں نے سفارش کی کہ

میں کسی عرب خانہ بدوش قبیلہ میں جا کر رہوں۔

شمالی افریقہ کا سفر

A travel to north —— Africa

میں شمالی افریقہ پہنچا اور عربوں کے ایک قبیلہ میں ان کی اجازت سے رہنے لگا۔ میں نے ان کی زبان، لباس اور معاشرت اختیار کر لی اور ان کے ساتھ مل کر رہنے لگا اور انہی کی خوراک کھانے لگا۔ میں نے کچھ بھیڑیں خرید لیں اور انہیں چرانے لگا میں نے محسوس کیا کہ میرا اضطراب اور پریشانیاں دور ہونے لگیں۔ جن باتوں نے مجھے نئی دنیا دی اور متأثر کیا، ان کا تذکرہ ملاحظہ کیجئے :۔

۱ : مجھے مذہبِ اسلام کو نزدیک سے دیکھنے اور اس کی تفصیلات معلوم کرنے کا موقع ملا۔

۲ : مجھے معلوم ہوا کہ قرآنِ مجید کلامِ ربانی ہے گو الفاظ رسولِ مقبول ﷺ کی زبان سے مختلف مواقع پر ادا ہوتے تھے اور حضور ﷺ لکھوا دیتے یا حفاظ کو یاد کرا دیتے۔

۳ : مجھے بتایا گیا کہ ہر شخص کی تقدیر اور قسمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی لکھ دی جاتی ہے۔ لہٰذا جب ان کا بڑے سے بڑا کام بگڑتا تو وہ قطعاً پریشان نہ ہوتے اور صرف اس قدر کہتے : ”اللہ کی طرف سے ایسا ہی لکھا تھا“۔

۴ : ایک دفعہ تین روز متواتر اتنی سخت آندھی چلی کہ کروڑوں من ریت افریقہ کے ساحل سے اڑ کر سپین اور فرانس کی وادیوں میں گرنے لگی۔ میں پریشان ہو گیا لیکن جب عرب دوستوں کی طرف نگاہ کی تو وہاں اضطراب کا نام و نشان نہ تھا۔ انہوں نے کہا : ”اللہ کی یہی مرضی تھی“۔

۵ : طوفان تھما تو گھاس کا ایک تنکا نہ رہا۔ عربوں نے بھیڑوں کے تمام دودھ پیتے بچے فروخت یا ذبح کر دیئے اور اپنی بھیڑیں جوانوں کو دے کر انہیں پانی کے چشموں اور گھاس کے میدانوں تک لے جانے کا حکم دیا۔ ہر گھر کی تقریباً ساٹھ فیصد دولت تباہ ہو گئی تھی یا چشموں تک پہنچنے تک ختم ہونے والی تھی۔ لیکن ان کے چہروں پر کوئی پریشانی نہ تھی۔ ”اللہ کی یہی مرضی تھی“۔ گھر کا ہر بزرگ یہی کہتا تھا۔

۶ : ایک دن میں عرب دوستوں کو موٹر ٹرک میں بٹھائے جارہا تھا کہ ایک پہیہ پنکچر ہو گیا۔ فالتو پہیہ پاس نہ تھا۔ ہم تین پہیوں پر چلے تو پٹرول ختم ہو گیا۔ میں ڈرائیور پر برس پڑا لیکن عرب بزرگ کہنے لگے بیٹا گھبراؤ نہیں "اللہ کی یہی مرضی تھی"۔

میں نے اسی حالت میں سات سال بسر کیے۔ سکون فراہم کرنے والا مذہب اور عقیدہ پُر سکون اور خوشگوار زندگی میں جب کبھی نقصان پر کڑھنے لگتا تو بزرگوں کا ایک فقرہ "بیٹا اللہ کی یہی مرضی تھی"۔ مجھے وہ سکون دیتا جو موجودہ تہذیب کی رقص و موسیقی، شبینہ کلبیں، پُر رونق سڑکیں اور بازار اور نئی تعلیم سے کہیں باہر نہ دے سکتے تھے۔

یومیہ آب بند خانہ کی زندگی... قناعت
Daily life contentment

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :
انسان کو ایک سووادی مل جائے تو وہ پھر بھی خواہش کرے گا کہ ایک کے بجائے دو سووادیاں ہوتیں اور آدمیوں کے حرص کے منہ کو قبر کی مٹی ہی بھرے گی سوائے اللہ کے نیک بندوں کے۔ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :
حضورِ اقدس ﷺ دوسرے دن کے واسطے کسی چیز کا ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت ابنِ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا :
مجھے اپنی امت سب سے زیادہ اندیشہ خواہشاتِ نفسانی اور لمبی لمبی امیدیں باندھنے سے ہے۔ خواہشات نفسانی انسان کو حق سے روکتی ہیں اور لمبی امیدیں باندھنا آخرت کو بھلا دیا تیا ہے۔ یہ دنیا کوچ کر کے جارہی ہے اور یہ آخرت کوچ کر کے آرہی ہے اور انسان میں کچھ لوگ دنیا کی اولاد ہیں اور کچھ آخرت کی پس اگر تم یہ کر سکو کہ دنیا کے بیٹے نہ ہو تو ایسا ضرور کرو اس لئے کہ آج تم دار العمل میں ہو جب کہ کوئی حساب نہیں ہو رہا ہے اور کل تم دار الآخرت میں ہو گے جب کہ کوئی عمل نہیں ہو گا۔ (مشکوۃ)

زیرِ نظر مضمون مکمل اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ آج کا عمل کل کا پتہ نہیں۔ دینِ مبین بار بار اس بات کی طرف بلاتا ہے کہ آج کو قیمتی بنا لو ، کل کا کون جانے۔ مسلمان دراصل دین کے حکم اور عمل کے مطابق دنیا بھی، چلاتا ہے اور دین کے مطابق دنیا کو ہی ساتھ لیکر چلتا ہے۔ اس مضمون میں بائبل کے حوالہ جات ہیں ، ہمارے لئے قرآن و سنت اور اہلِ ایمان کے واقعات سے بڑھ کر کوئی حجت نہیں۔

یومیہ آب بند خانہ زندگی اور یورپ

Daily life

یہ ۱۸۷۱ء کی ایک سچی داستان ہے جب مانٹریال جنرل ہسپتال کے ایک گوشے میں طبّی کالج کا ایک طالب علم اپنے دماغ میں ہزاروں وسوسے، پریشانیاں اور تفکرات لئے نہ اپنے لئے بلکہ ملنے جلنے والوں کیلئے اضطراب کا موجب بنا بیٹھا تھا۔ وہ بری طرح بڑ بڑا رہا تھا "آخری امتحان کیسے پاس ہو سکے گا، وہ کہاں جائے گا، کون سے مقام پر پریکٹس کریگا، کیا پریکٹس چل بھی سکے گی......"۔ اس وقت نادانستہ طور پر اس کی نگاہیں ایک غیر طبّی کتاب پر مرکوز ہو گئیں اس نے وقت گزاری کیلئے چند صفحات الٹ پلٹ کر ڈالے، اچانک اس کی نظریں اکیس الفاظ کے ایک فقرے پر پڑیں اور دوسرے لمحے یہ الفاظ اس کے دل میں اتر چکے تھے اور دماغ میں سما چکے تھے۔

اب وہ امنگوں بھرا نوجوان تھا جس نے نہ صرف اپنا آخری امتحان اعزاز کے ساتھ پاس کیا بلکہ اپنی طویل فنی زندگی میں اس نے طبّی میدان میں قلمرو برطانیہ کا سب سے اعلیٰ مقام حاصل کیا، اسے "سر" کے خطاب سے نوازا گیا اور اس کی وفات پر جو سوانح عمری تحریر کی گئی وہ ۱۴۶۶ صفحات پر مشتمل تھی۔

آپ اس کامیاب ترین ڈاکٹر کا نام اور وہ اکیس جادو بھرے الفاظ جاننے کو بے قرار ہوں گے، یہ مشہور شخصیت تھی "پروفیسر سر ولیم آسلر" اور ان الفاظ کا اردو ترجمہ یوں ہو سکتا ہے:

"ہمارا طریقۂ کار یہ نہ ہونا چاہیے کہ ہم دور دھندلکوں میں دیکھتے رہیں بلکہ اسی پر عمل کریں جو اپنی گرفت میں ہو"

یہی سر ولیم آسلر ایک مقبولِ خلائق کتاب کا مصنف تھا اور چار یونیورسٹیوں میں پروفیسر رہ چکا تھا۔ ایک دن طلباء سے یوں خطاب کر رہا تھا: آپ پوچھتے ہیں میری کامیابی کا راز کیا ہے؟، کیا میں اعلیٰ دماغ کا مالک ہوں؟ نہیں! میرے جاننے والوں سے پوچھیے، میں درمیانی ذہانت کا انسان ہوں ...... آخر میری کامیابی کا راز کیا ہے...؟ سینکڑوں نگاہیں اس کی طرف اٹھیں اور ذہن متوجہ ہو گئے۔ سر ولیم نے کہا: "میں اس لئے کامیاب ہوں کہ میں یومیہ آب بند کمرے تک محدود رہتا ہوں"۔

اب سینکڑوں نگاہیں حیرت سے ایک دوسرے کی طرف گڑی تھیں..... یومیہ اب

بند کمرہ اور اس کی حدود میں رہنا لیکن بہت جلد سر موصوف ان الفاظ کی وضاحت کر رہے تھے، انہوں نے ایک بحری سفر میں دخانی جہاز (اسٹیم شِپ) دیکھا، وہ اس کے کپتان سے محو گفتگو تھے کہ کپتان نے بٹن دبایا۔۔ مشینوں کی آواز سنائی دی اور جہاز چار آب بند خانوں میں تقسیم ہو گیا۔۔۔ ہر حصہ اپنی جگہ ایک چھوٹا سا جہاز تھا۔۔۔ مکمل اور آزاد۔ طلباء یہ تفصیل سن کر حیران ہو رہے تھے۔ اب سر ولیم کی نگاہیں طلباء پر گڑی تھیں، ان کے لب ہلے:

یہ لیکچر روم ایک بڑا دخانی جہاز ہے اور تم میں سے ہر ایک فرد ایک، چلتا پھرتا، مجسم اور زندہ آب بند خانہ ہے۔ طالبعلموں کی حیرت سکون میں بدل گئی۔ لیکچر جاری رہا۔ دماغی سکون اب جذباتِ خودی میں تبدیل ہو رہا تھا۔ ہر طالبعلم محسوس کر رہا تھا کہ وہ اپنے اندر ایک مکمل ذات ہے۔ وہ ایسی شخصیت ہے جو اپنے آپ پر اعتماد کر سکتی ہے۔

پروفیسر ولیم کی تقریر کا یہ مطلب تھا: اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو مستقبل کے مفروضہ مناظر کی دید پر ضائع نہ کرو۔ اپنے اندر جھانکو۔۔ ارد گرد نگاہ ڈالو۔۔ یہاں ٹھوس حقائق موجود ہیں۔ ان سے جت جاؤ۔ آج ہی انہیں گرفت میں لے لو۔ بلکہ ان پر قابو پالو۔ یہی اپنے آپ کو یومیہ آب بند کمروں میں محدود کرنا ہے۔ اور آپ ایسا کر سکیں تو اضطراب کہاں ہو گا اور پریشانی کیسی ہو گی۔

پروفیسر ولیم کا مطلب قطعاً یہ نہ تھا کہ مستقبل سے بے نیاز ہو جاؤ۔ مستقبل ایک حقیقت ہے۔ آج کے بعد کل ضرور آنا ہے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ آج اتنا اہم ہے کہ تمام دانائی، صلاحیت، خوبیاں اور توانائیاں اس پر مرکوز کر دو۔ مستقبل کے متعلق فی الحال سوچنا بند کر دو۔

سر ولیم نے ایک بار ہیل یونیورسٹی کے طلباء کو ہدایت کی کہ وہ صبح اپنے کام کا آغاز دعا سے کریں جو حضرت یسوع مسیح مانگا کرتے تھے۔۔۔ یعنی[1]

"اے خدا معمول کے مطابق ہمیں آج روٹی دے"

غور کیجئے کہ حضرت مسیح نے دعا کے دوران نہ زمانہ ماضی کی روٹی کا ذکر کیا اور نہ مستقبل کی روٹی کا فکر کیا یعنی اس اندیشہ میں نہیں پڑے کہ اگر کل کلاں قحط پڑ گیا تو ان کی قوم کا کیا بنے گا۔ دعا صرف آج کیلئے محدود ہے، یہ دعا آج بھی قائم و دائم ہے اور ہمیشہ

1: علی الصبح کئی دعائیں مانگی جا سکتی ہیں۔ نمونہ کے طور پر ایک پیش کی جاتی ہے:
"اے اللہ تو آج کے دن پہلے حصے کو میرے حق میں بہتری کا ذریعہ، درمیانی حصہ کو فلاح و کامیابی کا ذریعہ بنا دے۔

کیلئے ہمیں زندگی کا درس دیتی رہے گی۔

مشہور فلسفی کسی پتھریلے ملک کی سیر کر رہا تھا۔ جہاں ہزاروں لوگ کدالیں ہاتھ میں لیئے زمین کی تیاری کرنے میں اپنا خون پسینہ ایک کرتے ہوئے نڈھال ہوتے جا رہے تھے۔ اس نے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

"کل کی فکر نہ کرو، آج کی فکر کافی ہے"۔

یسوع نے یہی الفاظ کہے لیکن آج کروڑوں افراد نے انہیں فراموش کر دیا ہے۔ یہ منصوبہ بندیوں کا دور دورہ ہے۔ انہی منصوبہ بندیوں نے ہمارے شب و روز میں لاکھوں پریشانیاں اور ہزاروں تفکرات بھر دیئے ہیں۔ لوگ مستقبل میں امارت حاصل کرنے اور ڈھیروں روپے کمانے کیلئے دیوانہ وار پریشان کن منصوبہ بندیوں کے طفیل اگر دولت آ بھی جائے تو وہ اکیلی نہ آئے گی بلکہ اپنی بہن پریشانی اور بھائیوں تفکرات کو بھی ساتھ لائے گی۔ مستقبل کے متعلق سوچنا بری بات نہیں ہے۔ سوچیئے مگر پریشانی کے بغیر میدانِ جنگ میں امریکہ کی بحری فوجوں کے امیر البحر ایسٹ کنگ کو کہا گیا کہ وہ مستقبل کے متعلق اپنا منصوبہ تیار کر کے روانہ کریں۔ ان کا جواب تھا۔ میں نے بہترین افرادی قوت اور سامانِ جنگ فراہم کر دیا ہے (جو وقت آنے پر دغا نہ دیں گے) میں یہی کچھ کر سکتا ہوں۔ ان مادی اور انسانی وسائل کے ہوتے ہوئے منصوبہ بندی کی ضرورت نہیں ہے۔ میں سوچ بچار کا مخالف نہیں لیکن سوچ بچار اور غور و خوض کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔

اچھی سوچ بچار تعمیری منصوبوں کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ لیکن ناقص سوچ بچار اعصابی پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ میں ایک واقعہ پیش کرتا ہوں۔

جب یورپ دوسری جنگِ عظیم کی لپیٹ میں تھا، انسانیت ہزار مصائب سے دوچار تھی تو نیویارک ٹائمز کے ناشر ہنر سلز برگ اتنے پریشان ہوئے کہ ان کی راتوں کی نیند اڑ گئی۔ وہ ہڑابڑا کر اٹھتے اور غم دور کرنے کیلئے الٹی سیدھی تصاویر بنانے لگتے۔ یہ صورت حال بڑی دیر تک قائم رہی حتی کہ انہوں نے ایک دن گرجے میں یہ دعا سنی.. اس نے ان کی زندگی پر گہرا اثر ڈالا۔

"اے مقدس روشنی میری راہنمائی کرو، میرے پاؤں میں استقلال پیدا ہو میں ان مناظر کو نہیں دیکھنا چاہتا جو دور فاصلے پر ہیں.. بلکہ صرف وہی منظر جو ایک قدم تک ہے"

ٹیڈ بنگر مینو

A soldier's story

دوسری جنگِ عظیم کے دوران ٹیڈ بنگر مینو نامی ایک نوجوان فوج میں ملازم تھا۔ اس کی ذمہ داری یہ تھی کہ مردہ سپاہیوں کو دفن کرائے اور ان کے سامان اور ملبوسات میں سے جو قیمتی اشیاء بر آمد ہوں۔ انہیں ان کے لواحقین تک پہنچادے۔ جنگِ عظیم کا اعصاب شکن ماحول، روحانی طبع کے خلاف کام اور روزانہ سینکڑوں مردوں سے دوچار ہونا، ان تمام نے مل کر اس کے اعصاب جھنجھوڑ ڈالے۔ وہ اعصابی مریض بن گیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ اس کی آنتوں میں بھی درد رہنے لگا۔ وہ حیران رہ گیا جب ڈاکٹروں نے بتایا کہ اس کی بڑی آنت متاثر ہو چکی ہے۔ اس خبر کے اثر سے وہ جسمانی لحاظ سے بھی کمزور ہونے لگا۔ اچھا بھلا نوجوان ایک آدھ ماہ میں ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا۔ وہ اپنے مستقبل اور محبت بھری گھریلو زندگی کے حصول سے مایوس ہو گیا اور خیال کرنے لگا کہ جلد ہی اس کا آخری مقام بھی انہی گڑھوں میں سے ایک ہو گا جس میں وہ کئی مردوں کو ڈال کر اوپر سے مٹی ڈلوایا دیا کرتا تھا۔

وہ ایک بار پھر فوجی ہسپتال میں برائے علاج پہنچا۔ ڈاکٹر صاحب گو نئے تھے گو ہمدرد اور عمیق نگاہ نکلے۔ کہنے لگے: مسٹر ٹیڈ! تمہیں کوئی جسمانی بیماری نہیں ہے۔ محض ذہنی اور نفسیاتی عارضہ ہے۔ بے کار کا وہم اور پریشانی ہے مزید فرمایا! واقعات کی اپنی رفتار ہوتی ہے۔ آپ سے متعلق واقعات اپنی رفتار سے گزر رہے ہیں۔ انہوں نے اسی رفتار سے گزرنا ہے۔ آپ کے پریشان ہونے سے ان کی رفتار تیز نہ ہو گی اور جنگ کا یہ ڈرامہ آپ کی خواہش کے مطابق جلد ختم نہ ہو گا۔ انہوں نے فرمایا کہ ریت گھڑی کو سامنے رکھ کر اگر آپ یہ خواہش کریں کہ اس کے ذرے آپ کی مرضی سے تھوڑے سے وقفے میں نچلے حصے میں گر جائیں گے تو یہ ممکن نہیں اگر آپ ایسی خواہش کو دماغ کے اندر بٹھالیں گے تو وہ خلش پیدا کرے گی۔ اسلئے بہتر ہے کہ اپنے ذہن کی لہروں کو ریت گھڑی کے ذروں کی رفتار سے منطبق کریں۔ ریت کے ذرے گرتے رہیں گے۔ واقعات اپنی رفتار سے گزرتے رہیں گے اور آپ کا ذہنی نظام صدمات سے پاک رہے گا۔

مسٹر ٹیڈ نے عملی زندگی کا راز پالیا۔ اب وہ اسی دن کا فرد تھا جس روز کی وہ ذمہ داری نبھاتا تھا یعنی یومیہ آب ہند بن گیا۔ جنگِ عظیم ختم ہوئی تو مسٹر ٹیڈ ایک کمرشل کمپنی

میں سٹاک کنٹرول کلرک کے طور پر ملازم ہو گیا۔ یہاں روزانہ اسے بیسیوں کام سر انجام دینے تھے لیکن اس کے پاس زندگی کا درس تھا۔

ایک وقت میں ایک کام جس کے متعلق اسے تسلی تھی کہ اپنے وقت پر ختم ہو جائے گا۔ وہ اسی اصول پر عمل کرنے لگا۔ یکے بعد دیگرے تمام کام ختم ہو جاتے۔ ذہنی پریشانیاں اس کے نزدیک نہ پھٹکتیں اور وہ سارا دن مسرور و شادماں رہتا۔ آج کے جدید ہسپتالوں میں ذہنی مریضوں کی تعداد پچاس فیصد ہو چکی ہے۔ کاش وہ مریض ان دو اقوال پر غور کریں۔

کل کی فکر نہ کرو۔ (حضرت یسوع مسیح)

یومیہ آب بند خانوں میں رہو۔ (سر ایم آسلر)

زمانہ ماضی پر کڑھنا بیکار ہے اور مستقبل کی غلط سوچ ہمیں گہرے غار میں دھکیل سکتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ بقول رابرٹ یوئیس سٹیفن ہم وہی کریں جس پر قادر ہیں یعنی آمد شب تک اپنا بوجھ خود اٹھائیں۔ گویا یومیہ آب بند خانوں کی مثال پوری کریں۔

مسز ای۔ کے۔ شیلڈ

Mrs. E. K. Shield

مسز ای۔ کے۔ شیلڈز جو ۵۱۸ کورٹ سٹریٹ نامپگن میں مقیم مسرت و شادماں ازدواجی زندگی کے دن گزار رہی تھیں پر اچانک بلا ٹوٹ پڑی۔ ۱۹۲۷ء میں ان کے شوہر کا انتقال ہوا تو گھر میں پھوٹی کوڑی نہ تھی۔ کار سمیت گھر میں جو اثاثہ تھا شوہر کی بیماری پر خرچ ہو چکا تھا۔ وہ شادی سے قبل دیہی اسکولوں میں جا کر کتب فروشی کا کام کیا کرتی تھیں۔ انہوں نے ایک پرانی کار کرایہ پر لی اور پھر وہی دھندا شروع کر دیا۔

ذہنی پریشانیاں، غموں سے کھوکھلا جسم۔ دیہی علاقوں کی کچی اور غیر ہموار سڑکیں، پرانی اور ہر گام پر بگڑتی ہوئی کار، کتب کی ناقدری اور سب پر متضاد تنہائی نے ستم ڈھانا شروع کیا۔ وہ بیمار رہنے لگیں انہیں یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ اگر وہ بیمار رہنے لگیں تو طویل علالت اور خوراک کے اخراجات کہاں سے ادا ہوں گے اگر وہ مر گئیں تو کفن دفن کی ذمہ داری کون لے گا۔ جسمانی عوارض پر جب یہ ذہنی پریشانیاں سوار ہوئیں تو نیند اڑ گئی۔ راتیں جاگتے گزرتیں۔ انہوں نے خودکشی کی کوشش کی مگر ناکام ہوئی۔

غم و اندوہ کی انہی گہرائیوں میں گھری وہ ایک مضمون پڑھ رہی تھیں کہ ان کی

نظریں ایک فقرے پر گڑی رہ گئیں۔ جس نے اس کی دنیا بدل دی۔ فقرہ جسے فوراً ٹائپ کر لیا گیا یوں تھا۔

"عقلمند انسان کیلئے ہر دن ایک نیا دن ہوتا ہے"۔

اس فقرہ نے بوڑھی خاتون کے دل کو امروز کے نئے ولولے کی آمد کا پیغامبر بنادیا۔ انہیں یقین ہو گیا، وہ اس ایک دن تو مسرور و شادماں رہ سکتی ہیں۔ مسیح کی پیدائش سے تیس سال قبل ایک رومی شاعر ہوریس نے یوں کہا تھا۔

"صرف اور صرف وہی فرد مسرور و شادماں ہوتا ہے جو امروز کو اپنا دن کہہ سکے"۔

جس کی شخصیت اتنی مضبوط ہو کہ آنے والے دن کو کہہ سکے "تف تم پر کہ میں نے تو آج رات تک زندہ رہنا ہے"۔

سٹیفن لاک لکھتا ہے

Stephen Lock writes

سٹیفن لاک لکھتا ہے کہ بچہ اس انداز میں سوچتا ہے کہ وہ جب جوان ہو گا تو حالات کیسے ہوں گے؟ جوان سوچتا ہے.. شادی ہو گی بچے پیدا ہوں گے تو کتنی مسرت بھری زندگی ہو گی لیکن واقعات اسے بڑھاپے کی منزل تک پہنچا دیتے ہیں جہاں وہ سب کچھ کھو بیٹھتا ہے۔

"زندگی ہر لمحے اور ہر گھنٹے کے ریشے میں موجود ہوتی ہے"۔ اس سبق نے مالی اور جسمانی طور پر تباہ حال ایڈورڈ ایونز کو ایک مشہور تجارتی کمپنی کا سربراہ بنا کر چھوڑا۔ آج کمپنی کے علاوہ ایک طیارہ گاہ بھی اس کے نام سے مشہور ہے۔

ایڈورڈ آنجہانی اس قدر مفلس تھا کہ پیٹ کا دوزخ بھرنے کیلئے اسے اخبار فروشی کرنا پڑی۔ شادی ہوئی تو کنبے کا بار اس پر پڑا جو اس کے اسسٹنٹ لائبریرین مقرر ہو جانے کی وجہ سے ایک حد تک مگر بمشکل اٹھایا جا سکا۔ یہ آسامی چھوڑ کر اس نے معمولی سا کاروبار شروع کر دیا جو چل نکلا۔ رفتہ رفتہ اس کی آمدنی بیس ہزار ڈالر سالانہ ہو گئی لیکن کاروبار ایک عظیم نقصان سے دوچار ہو گیا۔ وہ دیوالیہ ہو کر نہ صرف کوڑی کوڑی کا محتاج ہو گیا بلکہ اپنی صحت گنوا کر ہسپتال میں صاحبِ فراش ہو گیا۔ وہ اضطراب اور پریشانی کا مجسمہ ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا۔

آخر اسے ڈاکٹروں نے بتایا کہ وہ دو ہفتے سے زیادہ زندہ نہ رہے گا۔ اس خبر نے اسے موت کے ڈر سے آزاد کر دیا۔ اب وہ موت کیلئے تیار تھا اور اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ کر بڑے سکون سے ہسپتال کے بستر پر لیٹا رہا چودہ دن گزرے بیس دن گزرے، مہینہ گزر گیا اسے موت نہ آئی مگر اس کی اور ڈاکٹروں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس کے جسم کا وزن بڑھنے لگا، بھوک عود کر آئی، چہرے پر سرخی آنے لگی اور آخر وہ ادویات کے بغیر تندرست و توانا ہو کر ہسپتال سے باہر آ گیا۔

اس نے پہلے معمولی سی ملازمت کی پھر ایک کاروبار کیا، اس کاروبار نے اتنی ترقی کی کہ ۱۹۴۵ء میں وہ بہت بڑا کاروباری اور اپنی کمپنی کا صدر تھا۔ اس حقیقی داستان میں دو نکتے پوشیدہ ہیں :-

۱ : جب تفکرات اور پریشانی کو چھوڑا تو اسے بغیر ادویات ہی پوری صحت حاصل ہو گئی۔

۲ : جب ہر منٹ اور ہر گھنٹے کو آب بند خانہ قرار دیا تو کاروبار چمک اٹھا۔

زندگی دریا کی مانند ہے جس کی گزرگاہ ہر گام تغیر پذیر رہتی ہے۔ آپ جہاں آج قدم رکھ رہے ہیں وہاں کل پانی ہو گا۔ پرانے رومی ان حالات سے واقف تھے ان کی سفید ملکہ نے کہا تھا :- [۱]

"دن کا لطف اٹھایئے یا دن کو اپنی گرفت میں لے لیجئے اور اس سے زیادہ مفاد حاصل کرنے کی کوشش کیجئے"۔

مشہور شاعر دانتے نے کہا تھا :-

"امروز ہمارا سب سے بڑا سرمایہ ہے یہی اور صرف یہی ہمارا زمانہ حال ہے جسے ہم حقیقی کہہ سکتے ہیں"۔

لاول تھامس کا فلسفہ بھی یہی تھا۔ اس نے اپنے فارم کی دیوار پر لگی تختی پر لکھ رکھا تھا :-

"یہی وہ دن ہے جسے خدا نے ہمارے لئے بنایا، ہم اسی دن مسرور و شادماں ہوں گے اور اس کا لطف اٹھائیں گے"۔

جان رسکن کی میز پر ایک سادہ سے پتھر کا ٹکڑا رکھا رہتا تھا جس پر صرف ایک لفظ

---

۱ : شہنشاہ بابر کا قول تھا : "بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" مگر محمد شاہ رنگیلا جس کی زندگی کا مقصد عیش و آرام، خود فریبی، لہو و لعب تھا، کہتا رہا : "ہنوز دلی دور است"۔

کنندہ تھا...... "امروز"۔

سر ولیم آسلر جن کا ذکر اسی باب میں تفصیل سے کیا گیا ہے کی میز پر مشہور بھارتی ڈرامہ نگار کالیداس کی نظم رکھی رہتی تھی جس کے چند اشعار یہ ہیں :-

"آج پر نظر ڈالو[1]
آج ہی زندگی ہے... زندگی جو روحِ حیات ہے
اس تھوڑے سے وقفے میں
آپ کی ہستی کی تمام تفصیلات اور حقائق معلوم ہیں"

اگر آپ فکر اور پریشانی کو دور رکھنا چاہتے ہیں تو پروفیسر سر ولیم آسلر کے اس سنہری اصول پر عمل کیجئے جس کا ذکر بار بار اسی باب میں کیا گیا یعنی "یومیہ آب بند کمروں میں رہیے"۔

دوسرے اپنے آپ سے مندرجہ ذیل سوالات کریں اور ان کے جوابات تحریر کریں :-

۱ : کیا میں مستقبل کی پریشانی اپنانے کیلئے زمانۂ حال کی دل چسپیوں کو دور رکھنے کا خواہشمند ہوں یا میں اُفق پر کسی طلسمی باغیچۂ گلاب کی تمنا کرتا ہوں ؟

۲ : کیا میں گزرے ہوئے واقعات اور نپٹائے ہوئے مسائل کی رٹ لگا کر آج کا سکون برباد کرتا ہوں ؟

۳ : کیا میں صبح اس عزم وارادہ سے بیزار ہوتا ہوں کہ امروز کو گرفت میں لوں گا اور آئندہ کے چوبیس گھنٹوں سے زائد از زائد استفادہ کروں گا ؟

۴ : کیا میں یومیہ آب بند کمروں میں رہ کر زندگی کو بہتر سے بہتر بنا سکتا ہوں ؟

۵ : میں مندرجہ بالا اقدامات پر کب عمل کروں گا ؟...... آج... کل.. یا آئندہ ہفتہ میں ؟

---

۱ : مشہور اسلامی مفکر علامہ اقبال نے فرمایا :

زمانے کی یہ گردش خاردانہ
حقیقت اک تو، باقی فسانہ
کسی نے روشن دیکھا نہ فردا
فقط امروز ہے تیرا زمانہ

جادو کا فارمولا

The Majic formula

کیا آپ باقی ماندہ کتاب پڑھنے کی بجائے اسی وقت ایسا زود اثر اور تیر بہدف نسخہ معلوم کرنا چاہتے ہیں جو آپ کو تفکرات، پریشانیوں کے مصائب سے بچا سکے۔ یقین کیجئے مجھے ایسا نسخہ اور ترکیب معلوم ہے، یہ ایک ایسے شخص نے استعمال کی جو ایک معمولی ملازم تھا۔ اسی ترکیب نے اسے مشہورِ زمانہ کیریر کارپوریشن نیویارک کا چیئر مین بنادیا۔

مسٹر کیریر کو شروع میں ملازمت ایک گلاس کمپنی میں گیس صاف کرنے والی مشین پر لگایا گیا۔ گو مشین بیس ہزار ڈالر میں خریدی گئی تھی تاہم ابھی تجرباتی مراحل سے گزر رہی تھی۔ مسٹر کیریر کی پوری کوشش کے باوجود مشین سے مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہو سکے۔ کامیابی ہو رہی تھی مگر اس کا تناسب بہت کم تھا اور کمپنی نقصان میں جا رہی تھی۔ مسٹر کیریر کی یہ ناکامی ان کی کھوپڑی پر پتھر کی طرح لگی اور وہ بھنا کر رہ گئے لیکن انہوں نے پریشانی کو اپنے اعصاب پر سوار نہ ہونے دیا۔ انہوں نے حالات کا سائنسی تجزیہ کیا جس کے تین مراحل تھے :۔

۱ : بُرے سے برے نتائج کیا ہوں گے ؟ :

مالک مشین اکھاڑ لیں گے اور ان کی ملازمت اس فرم میں ختم ہو جائیگی۔

۲ : نتائج کو تسلیم کرنا ہوگا :

انہوں نے ان نتائج کا مقابلہ کرنے کیلئے اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کر لیا۔ بیس ہزار ڈالر کی رقم مالکوں کیلئے کوئی بڑی بات نہ تھی، وہ تحقیق اور تجربے کے نام پر اسے برداشت کر سکتے تھے۔ مسٹر کیریر کی پیشانی پر نااہلی کا نشان نہ لگے گا اور انہیں دوسری جگہ ملازمت مل جائے گی۔ جب یہ صورت تسلیم کر لی گئی تو پریشانیاں ختم ہو گئیں، اعصاب پُرسکون ہو گئے اور انہوں نے اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

۳ : پُرسکون اعصاب کا بہترین استعمال :

انہوں نے مشین پر مزید تجربات کئے، معلوم ہوا کہ اگر مشین میں پانچ ہزار ڈالر کے نئے پرزے ڈال دیئے جائیں تو نقائص دور ہو سکتے ہیں...... اور یہی ہوا۔ مشین صحیح معانی میں کام کرنے لگی۔ یہ تینوں اصول ان کی زندگی میں مشعلِ راہ ثابت ہوئے اور وہ بڑے آدمی بن گئے۔

عملی نفسیات کے بانی پروفیسر ولیم جیم کا مشہور فارمولا یہ تھا:

"ماضی میں جو کچھ ہو چکا اس پر صبر کرو، بدنصیبیوں کو برداشت کرنے طریقِ کار یہی ہے کہ جو کچھ بیت چکا ہے اس پر رضامند ہو جاؤ"

یہ فارمولا قائم ودائم ہے۔ جو لوگ اس پر عمل کرتے ہیں وہ حقائق کو تسلیم کر کے اپنا حال اور مستقبل متأثر نہیں ہونے دیتے۔ چینی فلسفی لن یو تانگ نے یہی نظریہ پیش کرتے ہوئے لکھا:-

"صحیح ذہنی سکون تبھی حاصل ہوتا ہے جب بد سے بدتر صورتحال کو حقیقی معانی میں تسلیم کر لیا جائے۔ نفسیاتی طور پر اسکا مطلب ہے "اخراجِ قوت" لیکن عام لوگ ان اقوال پر عمل کرنے کے بجائے نتائج کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ نتائج کو ایک عبوری مرحلہ سمجھ کر اس سے گتھم گتھا ہو جاتے ہیں، حقائق کا رخ اپنی خواہشات کی طرف موڑنا چاہتے ہیں جو ناممکنات میں سے ہوتا ہے لہٰذا وہ ذہنی اضطراب، تفکرات، ہیجان بلکہ مالی خولیا میں مبتلا ہو جاتے ہیں"۔

میرے مرکزِ تعلیم بالغاں کا ایک طالبعلم کا پٹرولیم کی مصنوعات کا کاروبار تھا جو گزشتہ چوبیس سال سے بڑی نیک نامی سے چل رہا تھا۔ جنگِ عظیم کے دوران انہیں ہدایات ملیں کہ صرف ان حضرات کے پاس پٹرول فروخت کیا جائے جن کے پاس سرکاری کوپن ہوں۔ یہ سلسلہ چل رہا تھا کہ انہیں خفیہ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ ان کے کئی ملازم کوپن والوں کو پورا پٹرول نہیں دیتے اور جو کچھ بچ رہتا ہے اسے بلیک مارکیٹ میں دوسروں کے پاس فروخت کر دیتے ہیں۔

وہ ابھی اپنے سٹاف کو تنبیہ کرنے نہ پائے تھے کہ ایک شخص خلوت میں ان کے پاس آیا اور اپنے آپ کو متعلقہ محکمے کا انسپکٹر ظاہر کر کے کہا کہ اس کے پاس متعدد دستاویزی ثبوت ہیں کہ ان کے کارکنان بلیک مارکیٹنگ کے مرتکب ہو چکے ہیں۔ اگر یہ کیس عدالت میں بھیج دیا جائے تو نہ صرف فرم کا لائسنس منسوخ ہو گا بلکہ کارکنان اور ہو سکتا ہے کہ مالک کو بھی جرمانہ اور قید کی سزا ملے۔ البتہ اگر پانچ ہزار ڈالر دے کر اس کی مٹھی گرم کر دی جائے تو وہ کیس کو رفع دفع کر سکتا ہے۔ وہ تین دن کی مہلت دے کر چلا گیا۔

میرے طالبعلم پر پریشانیوں اور تفکرات کا بادل برس پڑا۔ اس کی نیند اڑ گئی۔ . انہی دنوں اسے کلاس میں مسٹر کریر کے تجربات سے روشناس کرایا گیا اس نے تین مراحل پر مشتمل فارمولے پر عمل کیا۔ . اب اس کا ردِ عمل یہ تھا:

۱: برے سے برے نتائج کیا ہوں گے ؟
فرم کا لائسنس منسوخ کر دیا جائے تو فرم دیوالیہ ہو جائے گی۔ . جرمانہ ہو گا۔

۲: نتائج کو تسلیم کرنا:
اس نے انجام کو تسلیم کر لیا اور اس بات کیلئے تیار ہو گیا کہ اگر کچھ بھی باقی نہ رہا تو وہ اپنے سابقہ تجربات کی بنیاد پر ملازمت حاصل کرے گا۔ . اس طرح اس کا ذہن پُر سکون ہو گیا۔

۳: پُر سکون اعصاب کا بہترین استعمال:
اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے وکیل سے ملے گا۔ وکیل نے رائے دی کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو فوراً اطلاع دے دی جائے۔ مجسٹریٹ نے فوراً انسپکٹر کی آمد پر چھاپہ مارا تو وہ انسپکٹر ایک چھٹا ہوا بدمعاش تھا جو پولیس کو متعدد مقدمات میں مطلوب تھا۔ بلیک میلنگ کا نشانہ ناکام ہو گیا۔ اس دن سے میرا طالب علم مسٹر کیریر کا تین مراحل پر مبنی کلیہ استعمال کرتا ہے۔

ایک اور کہانی ملاحظہ کریں، یہ ایک ایسے شخص کی کہانی ہے جسے مسٹر کیریر کے اصول معلوم نہ تھے لیکن نادانستہ طور پر ان پر عمل کیا اور ڈاکٹروں کے الفاظ میں قبر سے زندہ باہر نکل آیا۔

۱۹۲۰ء کے لگ بھگ کا زمانہ تھا جب مسٹر ارل ۔ پی۔ ہنری کو تفکرات اور پریشانیوں نے اس قدر گھیرا کہ ان کا وزن ۱۷۵ سے گر کر صرف ۹۰ پونڈ رہ گیا۔ ڈاکٹروں نے آنتوں کا السر تشخیص کیا۔ ایک دن ان کی آنتوں سے اس قدر خون آیا کہ انہیں ہسپتال میں داخل ہونا پڑا۔ مرض طویل ہوتا گیا، ڈاکٹر ان مستقبل کے متعلق مایوس ہو گئے اور انہیں بتایا کہ ان کی زندگی چند ماہ سے زائد نہیں اور یہ بھی قلیل مدت اس طرح میسّر آسکتی تھی کہ مسٹر موصوف کوئی کام نہ کریں اور پرہیزی کھانا کھائیں۔ ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق مسٹر ہنری نے بڑی اچھی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اب وہ ذہنی طور پر بد سے بدتر کے لیئے تیار تھا یعنی ذہنی طور پر موت کی آمد کا منتظر تھا۔
مسٹر ہنری کے دل میں کبھی کبھار خواہش پیدا ہوتی کہ وہ دنیا کا چکر لگائیں لیکن

ملازمت کی پابندیاں ہر دفعہ آڑے آئیں اور انہیں اپنی خواہش کو دبانا پڑا۔ اب وہ آزاد تھے، ایک دن انہوں نے اس طویل سفر کا فیصلہ کر کے اپنے ڈاکٹروں کو اطلاع دے دی۔ ڈاکٹر اس فیصلے سے اتنے پریشان ہوئے کہ انہوں نے کہہ دیا کہ اگر انہوں نے چند دن کے اندر موت کے منہ میں جانا ہے تو بیشک یہ سفر اختیار کر سکتے ہیں لیکن مسٹر ہنری فیصلہ کر چکے تھے۔

انہوں نے بحری سفر کیلئے ایک مشہور جہازراں کمپنی کا انتخاب کیا۔ کرائے کی شرائط میں یہ بھی تحریر کرالیا کہ اگر وہ سفر کے دوران مر جائیں تو کمپنی کو ان کی لاش ان کے آبائی شہر کے قبرستان میں پہنچانی ہوگی۔

جملہ شرائط طے کر کے وہ سفر پر روانہ ہوئے تو ان سامنے مسرتوں رنگینیوں کا نیا دور تھا۔ مختلف ممالک، طرح طرح کے شہر، رنگارنگ دلچسپیاں اور انواع واقسام کے کھانے، انہوں نے ہر چیز کا لطف اٹھایا اور ڈاکٹروں کی اصطلاح میں خوراک کے سلسلے میں ہر طرح کی اور خوب تر بد پرہیزی کی۔ خاص طور پر مشرقی ثقیل کھانوں سے خوب لطف اندوز ہوئے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ کھانا خوب ہضم ہونے لگا، جسم میں پھرتی آگئی، چہرے پر سرخی آنے لگی اور سفر کے آخر میں جب وہ وطن پہنچے تو ان کا وزن ۹۰ پونڈ سے بڑھ چکا تھا۔ انہیں دوبارہ ملازمت دے دی گئی اور وہ دفتر کے صحتمند افسروں میں شمار ہونے لگے۔

وہ لکھتے ہیں کہ واپسی پر مسٹر کیریر کے تین شہرۂ آفاق اصول معلوم ہوئے لیکن وہ تو پہلے ہی ان پر عمل کر چکے تھے یعنی :-

ا : ڈاکٹروں نے انہیں برے سے برے نتائج یعنی موت سے آگاہ کر دیا تھا۔

۲ : انہوں نے موت کو تسلیم کر لیا، اپنا تابوت بنوالیا اور پُرسکون ہو گئے۔

۳ : جب انہیں پرسکون اعصاب کی نعمت میسّر آئی تو انہوں نے سیر و تفریح کا پروگرام بنایا، اس پر عمل کیا اور اس بنیاد پر جو عمارت تعمیر ہوئی وہ ماضی سے بالکل مختلف تھی، وہ مکمل طور پر تندرست لوٹے۔

پیکرِ اضطراب
Rest lessness

دین محمدی ﷺ منقول ہے معقول نہیں، اس میں یقین کرنا اور اپنے اندر ماننے کی صفت پیدا کرنا چاہیے۔ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ ہمیں ہماری ہر بات اور پریشانی کا حل دینِ محمدی ﷺ میں نظر آئے گا اس لئے کہ اس دینِ مبارک میں کوئی بات ایسی نہیں رہ گئی جس کا حل اس میں موجود نہ ہو۔ اپنے آپ کو محتاج سمجھنا اور پریشانی یا مصیبت کے حل کیلئے دینِ محمدی ﷺ کو اختیار کرنا چاہیے۔ ہمیں اپنے مسائل معلوم ہوں، ان کی وجہ معلوم ہو۔ یہ مسائل کیسے پیدا ہوئے ؟...... اس سب کو سوچ کر ان کے حل کے لیئے قدم اٹھایا جائے۔

ڈاکٹر برڈسال نے اپنے احساسِ محرومی کو ختم کرنے کیلئے اپنے مسائل خود سمجھے اور اپنی راہ متعین کی اور کامیاب ہوا۔ کیونکہ مومن باتدبیر اور عقلمند ہوتا ہے، وہ جس طرح آخرت کے مسائل اور معاملات کو سلجھانے کیلئے کوشاں وساعی رہتا ہے اسی طرح دنیا کے معاملات کو حُسن وخوبی نمٹا سکتا ہے۔

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے ان کی اتنی کثیر دولت کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمانے لگے : "کم منافع"۔ پھر خود ہی فرمایا کہ ایک دفعہ میرے پاس اونٹوں کی ایک لمبی قطار آئی تو میں نے ان سب کو انہی داموں فروخت کر دیا اور منافع میں صرف ان کے گلے میں پڑی ہوئی رسیاں لے لیں۔

پیکرِ اضطراب
Rest lessness

یہ ان دنوں کی داستان ہے جب میں ورجینا کے ملٹری کالج کا طالبعلم تھا۔ گو میں ایک ذہین نوجوان تھا اور کالج کے رسالے کا چیف ایڈیٹر تھا تاہم میرے اضطراب اور پریشانیوں کی کوئی حد نہ تھی۔ مجھے کوئی نہ کوئی عارضہ لاحق رہتا تھا حتیٰ کہ میری حالت اتنی بگڑی کہ کالج کے ہسپتال کے ایک گوشے میں بستر لگا دیا گیا۔ جب بھی مجھے تکلیف ہوتی مجھے وہاں لٹا دیا جاتا اور بطور انڈر مریض میرا علاج شروع کر دیا جاتا۔ میں

ہسپتال کے عملے میں اتنا مشہور ہو گیا کہ ایک دفعہ ویسے ہی کسی کام کیلئے ڈاکٹر سے ملنے گیا تو نرس مجھے دیکھتے ہی بھاگی آئی اور کہا: مسٹر برڈسل تمہارا بستر تیار ہے.. سیدھے چلے آؤ۔

آپ یہ جاننا چاہیں گے کہ میں اتنا پریشان اور بیمار کیوں تھا؟ دراصل مجھے خود اس کی علت معلوم نہ ہوتی تھی۔ بظاہر صرف ایک بات میری مرضی کے خلاف ہوئی تھی۔ یعنی میں طبیعات میں فیل ہو گیا تھا۔ لیکن میں اپنے آپ کو حق پر سمجھتا تھا اور ہمیشہ یہ رائے قائم کیئے رہتا تھا کہ اس کالج کے مضامین میں طبیعات کی چنداں ضرورت نہ تھی۔

تاہم مجھے کوئی غم اندر ہی اندر سے کھائے جا رہا تھا۔ میں نہ صرف پریشان بلکہ کمزور ہونے لگا۔ میں ایک لڑکی سے محبت کرتا تھا.. مگر ذہنی تکلیف اور مالی حالات کی وجہ سے اس قابل نہ تھا کہ محبوبہ کو رقص گاہوں میں لے جاؤں بلکہ میرے پاس اتنی رقم نہ تھی کہ ملاقات کے دوران اسے کینڈی ہی پیش کروں.. میں مزید غمزدہ ہو گیا۔ کیا یہ لڑکی مجھے چھوڑ دے گی؟ کیا میں اپنی محبوبہ سے محروم ہو جاؤں گا؟ مجھے ان مسائل کا حل معلوم نہ تھا بلکہ صحیح یہ کہ مسائل کی علت کو پوری طرح نہ سمجھ سکا تھا۔ میں نے پروفیسر بیرڈ سے مشورہ کیا.. اس نے کہا: دیکھو! برڈسال تم اپنے مسائل پر غور کرو۔ تمہارے سامنے تین راہیں ہیں:-

۱: صاف اور واضح طور پر معلوم کرو کہ تمہیں کیا پریشانی ہے؟

۲: اپنے مسئلے کی علت معلوم کرو؟

۳: مسئلے کو حل کرنے کی خاطر کوئی تعمیری کام کرو۔

عِلّت

Cause

میں نے مسئلے کی علت معلوم کی.. میری پریشانی اس دن سے شروع ہوئی تھی جس روز میں طبیعات کے مضمون میں فیل ہو گیا تھا۔ میں نے حقائق سے گریز کا مصنوعی غلاف چڑھا رکھا تھا کہ اس مضمون کی ضرورت ہی نہ تھی۔ میں نے اپنے آپ کو سمجھایا کہ یہ حقیقت ہے کہ طبیعات اس کورس کا حصہ ہے اور ڈگری صرف اس صورت میں مل سکتی ہے کہ میں طبیعات کے پرچے میں پاس ہو جاؤں۔ چنانچہ میں نے سال بھر طبیعات کو تندہی سے پڑھا اور اچھے نمبروں سے پاس ہو گیا۔

مالی پریشانیاں
Financial problems

اب مسئلہ مالی پریشانیوں کا تھا۔۔ میں نے کچھ رقم اپنے والد سے ادھار منگوالی۔۔ اور فالتو اوقات کے دوران کام بھی مل گیا جس سے مجھے ہر ہفتے معقول رقم ملنے لگی۔ اب میں اپنی محبوبہ کو رقص گاہوں میں لے جاتا اور کینڈی اور مشروبات سے اس کی خدمت کرتا۔۔ وقت گزرنے کے ساتھ میری پریشانیاں دور ہو گئیں۔ میں نے اچھے نمبروں پر ڈگری حاصل کی اور اپنی محبوبہ کو شادی کا پیغام دے دیا جو قبول کر لیا گیا۔

کہانی کا خلاصہ یہ ہے کہ برڈسال نے اپنی پریشانیوں کا تجزیہ کیا علت معلوم کی اور تعمیری پروگرام پر عمل شروع کر دیا۔ کامیابی نے اس کے قدم چومے۔

ذہنی پریشانیوں کا اہم مداوا

Remedy for mental worries

حضور پاک ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے ہمیشہ سخت جدوجہد کی زندگی کو اختیار فرمایا۔ رات ودِن، ایمان ویقین کی محنت کو پھیلانے میں لگے ہوئے تھے۔ اس کیلئے ہر قسم کی جانی ومالی قربانی بھی دے رہے تھے۔ ان کو اپنی پریشانیوں کا حل اسی محنت میں نظر آ گیا تھا اور وہ اس میں اس درجہ تک مصروف تھے کہ پریشانی نام کی کوئی چیز ان کو محسوس نہیں ہوتی تھی۔

کرنل ایڈی ایگن نے سخت محنت کا اصول اپنا کر اپنے آپ کو پریشانیوں سے محفوظ رکھا اور بے خوابی سے بھی محفوظ رہے۔

ذہنی پریشانیوں کا اہم مداوا

از ـــــ کرنل ایڈی ایگن

Remedy for mental worries

اللہ نے مجھے کئی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ میں اولمپک کا سابق ہیوی ویٹ چمپئن ہوں۔ نیویارک میں اٹارنی اور روڈس کا سکالر ہوں۔۔ یہ بڑا اعزاز ہے۔ میرے مالی اور خاندانی حالات بڑے حوصلہ افزا ہیں۔ تاہم کبھی کبھار ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ میں پریشان اور مضطرب ہو جاتا ہوں۔

لیکن میں کبھی پریشانیوں کی آمد سے نہیں گھبراتا۔ میں سیدھا کھیل کے میدان کا رُخ کرتا ہوں اور ورزش اور کھیلوں کا ایسا پروگرام بناتا ہوں جو مجھے جسمانی طور پر تھکا دے۔۔ میں اپنے فرائضِ منصبی جاری رکھتے ہوئے تھکا دینے والی ورزشیں جاری رکھتا ہوں۔ واپسی پر بمشکل کھانا کھا چکتا ہوں کہ مجھے نیند آجاتی ہے۔ صبح اٹھتا ہوں تو پریشانی نام کی کوئی چیز میرے ذہن میں نہیں ہوتی۔ دن کے وقت جو پریشانی کی ذرا سی چبھن محسوس ہوتی ہے۔ وہ شام ورزش کے بوجھ سے دب جاتی ہے۔ چند دن کا یہ پروگرام پریشانیوں کو بہا کر لے جاتا ہے۔

مسائل کا بڑا حل۔ وقت

Major solution of issues ____ time

تحمل، بردباری، رداشت، معاف کرنا، عفوودرگزر، دوسروں کی غلطیوں کو دیکھ کر اپنے عیبوں پر نگاہ کرنا اسلامی اصولِ معاشرت ہیں آپ ﷺ اور صحابۂ کرامؓ کو تکلیفیں دینے والے اور ظلم کے پہاڑ ڈھانے والے، جب ان کے سامنے آئے تو انہوں نے معاف کر دیا۔ فتحِ مکہ میں کتنے ظالموں کو معاف کیا جو کہ جہنمی سے جنتی بن گئے جو محض آپ ﷺ کا عمل، برداشت اور بردباری کا نتیجہ تھا اور اسی طرح صحابہ کرامؓ نے اپنے دشمنوں کو معاف کر دیا اور پھر ان کو جواب میں وہ الفاظ نہیں کہے جو انہوں نے کہے تھے بلکہ "جو تجھ سے توڑے تو اس سے جوڑ" والی حدیث ان کے کانوں میں گونجتی تھی۔ صحابہ کرامؓ کی معافی میں جہاں رسول پاک ﷺ کی تربیت کا اثر تھا۔ وہاں دکھ سہتے سہتے اتنی مدت گزر چکی تھی کہ دشمنوں کو معاف کرنا ان کو آسان ہو گیا تھا۔

مسائل کا بڑا حل۔ وقت

از...... لوئیس۔ ٹی۔ ماٹنٹ جونیئر

Major solution of issues ____ time

Louis T. Matent Junior

اس کتاب کا مقصد پریشانیاں دور کرنا ہے۔ اس موضوع پر کئی ابواب سپردِ قلم کیئے گئے ہیں۔ پہلے حصے میں مختلف ترکیبیں بیان کی گئی ہیں اور اس حصے میں ایسی کہانیاں بیان کی جارہی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب کسی پریشان فرد نے کوئی مجوزہ ترکیب اختیار کی تو اس کی پریشانی جاتی رہی اور وہ اس قابل بھی ہو گیا کہ وہ دوسروں کو اپنے تجربات سے مستفید کرے۔ ایک ترکیب اس اصول پر مبنی ہے کہ "وقت زخموں کا مرہم ہے"۔ اس

داستان کا بنیادی نکتہ یہی ہے۔

میں سکول اور کالج کی زندگی میں بڑا شرمیلا لڑکا تھا۔ میں نے ترقی کے بہت سے مواقع اس خامی کی بنا پر ضائع کیئے۔ آخر میں اس نقص پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا۔ ہوا یوں کہ ایک دن میں ایسے شخص کے پاس بیٹھا تھا جس کو طرح طرح کے مصائب در پیش تھے۔ اس نے کسی زمانہ میں لاکھوں روپے کمائے تھے لیکن اب وہ دیوالیہ تھا۔ اس پر خدا کی زمین تنگ ہو گئی تھی۔ چھوٹے چھوٹے تاجر جو اس کی فرم میں آ کر جناب جناب کہتے نہ تھکتے تھے۔ اب اس سے کنی کترا کر گزر جاتے تھے۔ اسکو خطوط وصول ہوتے لا محالہ وہ قرض خواہوں کے ہوتے تھے جو اس کا دماغ چاٹ جاتے تھے۔

اس نے ایک خط کھولا.. پڑھا اور مسکرا دیا.. میں نے سوالیہ نشان بن کر اس کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ اس نے خط میری طرف بڑھا دیا۔ وہ نامہ بڑا تلخ تھا.. اس میں تلخ تر سوال اٹھائے گئے تھے۔ کوئی اور ہوتا تو نہ صرف خط لکھنے والے سے چڑ جاتا بلکہ جواب میں سخت لہجہ اختیار کرتا۔ میں نے سوال کیا کہ آپ اس خط کا جواب کن الفاظ میں دیں گے؟ خود پریشان ہو چلا تھا۔ مگر وہ مسرور و شادماں تھا۔ میرے اس سوال پر کہ ایسے لمحات میں کیا کرنا چاہیئے۔

اس نے جواب دیا کہ جب کبھی مجھے ایسی صورتحال سے دوچار ہونا پڑتا ہے تو خط کا جواب ترکی بہ ترکی دینے کی بجائے ان الفاظ کو الگ کاغذ پر لکھ دیتا ہوں۔ جن کی وجہ سے مجھے رنجش پہنچی۔ میرے خیال میں بہتر یہ ہے کہ پریشانی کی علت لکھ دی جائے اور کاغذ کو دراز میں ڈال کر چودہ دن وہیں پڑا رہنے دیا جائے۔

پندرہ دن میں پورا واقعہ اپنی شدت ختم کر بیٹھے گا اور پریشانی کا زخم خود بخود مندمل ہو جائے گا۔ اب ترکی بہ ترکی جواب دینا بے وقوفی اور حماقت معلوم ہو گی۔

قوت بخش فقرہ

Encouraging words

از ــــ ڈاکٹر جوزف آر

اللہ بڑی طاقت والا ہے، قدرت والا ہے، اس کا یقین بننا بہت ضروری ہے۔ یہ یقین انسان کو مسلسل طاقت اور قوت دیتا رہتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کی زندگی کا خلاصہ یہی ہے کہ ان کو اللہ کی قدرتوں کا یقین تھا۔ اس یقین کی بنا پر تکالیف والی زندگی بھی نہایت خوشی سے گزار دی۔

ڈاکٹر جوزف آر کے دل میں بھی اللہ کی طاقت اور قدرت کا یقین ایسا اترا کہ ان کی پریشانی ہی ختم ہو گئی بلکہ وہ دوسرے پریشان لوگوں کو بھی یہی بتاتے رہے۔

قوت بخش فقرہ

Encouraging words

از ــــ ڈاکٹر جوزف آر

کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ میں پریشان اور مضطرب ہو گیا۔ نہ صرف یہ بلکہ میرے سامنے کوئی واضح منزل نہ تھی اور نہ ہی ایسا پروگرام پیشِ نظر تھا جو میری پریشانیوں پر غالب آتا یا مجھے پریشانیوں کی گہرائیوں سے نکال لیتا۔ ایک دن میں انجیلِ مقدس لیئے بیٹھا تھا۔ میں نے نیا عہد نامہ کھولا۔ میری نظریں اس آیت پر گڑی رہ گئیں:

"جس ذات (باری تعالیٰ) نے مجھے بھیجا ہے۔ وہ میرے ساتھ ہے۔ باپ نے مجھے اکیلا نہیں چھوڑ دیا ہے"۔

انجیل کا یہ فقرہ میرے دل بلکہ ذہن میں اتر گیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرتیں اور قوتیں میرے ساتھ ہیں میں اکیلا نہیں۔ مجھے ڈرنے یا پریشان

ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہی میری مدد کرے گا اور مجھے تکلیف کی گہرائی سے نکال کر مسرت و شادمانی سے ہمکنار کرے گا۔

اس دن کے بعد نہ صرف میری زندگی بدل گئی بلکہ جس کسی نے اپنی پریشانیوں کے دوران مجھ سے مشورہ کیا۔ میں نے یہی فقرہ اسے پڑھ کر سنایا اور تلقین کی کہ **وہ** ادبار کے دوران اپنے آپ کو اکیلا نہ سمجھے۔

ای سٹینلے جوفتر اور ہومر کرائے کی آپ بیتی

Autobiographies of homer & stanley

ای۔ سٹینلے جوفتر

E. Stanley

مسلمان مومن کی زندگی کی بنیاد اس کا اللہ کے ساتھ تعلق کا ہونا ہے۔ اگر وہ تعلق میں مضبوطی کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور اپنے حالات اور پریشانیوں کو اس کے سامنے پیش کرتا ہے چونکہ وہ طاقت والی ذات ہے۔ تمام پریشانیاں اور مصیبتیں اس کے ارادے سے ختم ہو جاتی ہیں اور اس کی زندگی کا ہر لمحہ مطمئن گزرتا ہے اگر مصیبت دور نہ ہو تو اللہ سے اجر کا متمنی رہتا ہے۔ اس پر بھی وہ مطمئن اور شادمان ہوتا ہے۔

ایسے ہی پریشانی کی حالت میں ای۔ سٹینلے جوفتر نے اسلامی اصولِ زندگی کے اس اصول پر عمل کیا جس کی بنا پر اس کی خوشیاں اور مسرتیں واپس لوٹ آئیں۔ مایوسی ختم ہو گئی، اس کو ہر طرف محبت نظر آنے لگی، دنیا اس کو بھلی لگنے لگی اور اس کی بے سکونی اور بے خوابی جیسی پریشانیوں کا بھی خاتمہ ہو گیا اور اس کی ذہنی قوت میں اضافہ ہو گیا۔ اس کا ایسا کرنا درست تھا۔ کیا اس نے اپنی پریشانیوں اور مصائب کا علاج اسلامی اصولِ زندگی سے نہیں کیا۔

یہ بات مسلّم ہے کہ اس کو اس بات کا قطعی ادراک نہیں تھا کہ میں جو اصول اپنا رہا ہوں۔ دراصل یہ تمام اصول اسلامی ہیں لیکن ہم مسلمان ہونے کے ناطے اس مضمون سے یہ نتیجہ بخوبی اخذ کر سکتے ہیں کہ ای۔ سٹینلے۔ جوفتر کا تمام عمل اسلامی اصولوں کی پیروی ہے۔

ہومر کرائے

Homer

قناعت اور شکر دو ایسے اسلامی اصول ہیں جن کو اختیار کر کے انسان بے شمار حادثات اور ناکامیوں سے بچ سکتا ہے۔ قناعت اور شکر سے آدمی کے اندر صبر جیسی قوت پیدا ہوتی ہے۔ اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ جب آدمی کا ذہن سکون واطمینان میں ہوتا ہے تو وہ صحیح سوچتا ہے اللہ کی طرف سے مدد بھی ہوتی ہے اور جو نعمتیں اس کو حاصل ہوتی ہیں ان کو کام میں لا کر ان سے اچھے نتائج حاصل کرتا ہے قناعت اور شکر سے خود اعتمادی کی قوت نصیب ہوتی ہے ان حاصل کردہ قوتوں کی بنا پر وہ اپنے وسائل کام میں لاتا ہے جس سے کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔

ہومر کرائے نے انتہائی غربت اور پریشانی میں اسلامی اصولِ زندگی کے ان دو زریں اصولوں پر عمل کر کے اپنی مصیبتوں اور پریشانیوں کو قابو کیا۔ حالانکہ ان اصولوں پر عمل کرتے ہوئے اس کے ذہن میں نہ ہوگا کہ میں اسلامی زندگی کے اصولوں کو اپنا رہا ہوں۔

غیبی آواز

Hidden voice

از ——— ای۔ سٹینلے جوفتر

میں نے عملی زندگی کا آغاز ہندوستان میں ایک مشنری کی حیثیت سے کیا۔ آج اس دن کو چالیس سال گزر چکے ہیں۔ میں درجن بھر کتابوں کا مصنف بن چکا ہوں اور پورے ہندوستان بلکہ مشرق میں بطورِ مشنری میری گرانقدر شہرت ہے۔ آپ یہ نہ سمجھئے کہ میں اتنے سالوں میں مسلسل ترقی کی منازل طے کرتا رہا، صحت مند رہا، مسرور وشادماں رہا اور میرا دورِ زندگی خوشگوار رہا۔ ایسی بات نہیں ان چالیس سالوں میں ایسے دن بھی آئے جب میں ذہنی اور جسمانی طور پر ختم ہو چکا تھا اور صرف ایک صورت باقی رہ گئی تھی کہ مشن مجھے واپس وطن پہنچا دیں۔ جہاں میں کئی سالوں تک بستر پر پڑا اپنی گزاری ہوئی صحت کو حاصل کرتا رہا ہوں اور جب صحت حاصل ہو جائے تو مشنری کاموں کو چھوڑ کوئی محنت مزدوری کرلوں۔

سخت تھکاوٹ اور پریشانی

Extreme uneasiness & anxiety

ابھی میں نے ہندوستان میں چند سال کام کیا تھا کہ میری صحت نے جواب دے دیا۔ میں ذہنی اور جسمانی طور پر سخت تھکاوٹ اور پریشانی محسوس کرنے لگا۔ حتیٰ کہ یہ نوبت پہنچ گئی کہ ڈاکٹروں نے سفارش کر دی کہ مجھے واپس امریکہ بھیج دیا جائے۔ تاکہ میں ایک سال وہاں آرام کروں وطن آکر ایک سال بعد طبیعت قدرے سنبھل گئی۔ میں پھر ہندوستان روانہ ہوا۔ راستے میں منیلا یونیورسٹی میں خطاب کیا۔ میری طبیعت دوبارہ بگڑ گئی۔ ڈاکٹروں نے واپس امریکہ جانے کا مشورہ دیا لیکن میں نے ہندوستان کی طرف روانگی کا فیصلہ کیا۔

میں بمبئی پہنچا تو طبیعت بہت بگڑ چکی تھی۔ میں سیدھا پہاڑ پر چلا گیا۔ جب ذرا طبیعت سنبھلی تو مجھے لکھنؤ بھیج دیا گیا جہاں مشنری کے طور پر لیکچروں کا دراز سلسلہ میرا منتظر تھا۔ مجھے کم و بیش ایک لیکچر روزانہ دینا پڑتا تھا۔ ادھر طبیعت مکدر ہو رہی تھی ادھر تقاریر اور لیکچروں کی بڑھتی ہوئی ذمہ داریاں میری صحت کو نڈھال کر رہی تھیں۔ میں نے دعا کہ۔ "اے اللہ میری صحت جواب دے چکی ہے۔ اپنا فضل کر"۔ مجھے غیبی آواز آئی: "تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ اپنے حالات میرے سپرد کر دو۔ میں ان کا خیال رکھوں گا۔

مجھے سکون میسر آگیا۔ ذہنی سکون سے جسمانی قوت میں اضافہ ہوتا گیا۔ اب ہندوستان کی آب و ہوا میرے لیئے امریکہ کی آب و ہوا سے کم نہ تھی۔ دوسرا جذبہ یہ پیدا ہوا کہ ہندوستان کی سرزمین سے مجھے انس ہو گیا اور میں اس کے ایک ایک انچ سے محبت کرنے لگا۔ شروع شروع میں میں نے اس تبدیلی کو کسی پر آشکار نہ کیا لیکن دوسرے امریکی مشنری مجھ سے ذہن کی تبدیلی اور صحت کا راز پوچھنے لگے۔ میں نے انہیں اپنے الہام سے روشناس کر دیا اور انہیں تلقین کی کہ :-

"اپنی پریشانیاں، مسائل اور حالات اللہ کے سپرد کر دو ان کو حل کرنا اس کا کام ہے۔ تم اللہ کا پیغام دور دور تک پھیلانے میں مصروف ہو جاؤ"۔

کامیابی کی آخری بنیاد

The true root of success

از ـــــ ہومر کرائے

میں ایک کامیاب ناول نگار تھا۔ مجھے اللہ نے خوبصورت بیوی بچوں سے نوازا تھا۔ اپنا مکان تھا، جس میں ہم مسرت و شادمانی سے زندگی بسر کرتے تھے ہالی وُڈ نے اپنی ایک فلم بنانے کیلئے میرے ناول "آہنی مینار" کے حقوق اس قدر قیمت پر خریدے کہ ہمارا طرزِ زندگی ہی بدل گیا۔ میں بیوی بچوں سمیت چھ ماہ فرانس اور چھ مہینے سوئٹزرلینڈ میں گزارتا اور نکمّے امیروں کی طرح کوئی کام نہ کرتا۔ ابھی ہم یہ رقم خرچ نہ کرنے پائے تھے کہ میرا ایک اور ناول "انہیں پیرس دیکھنا پڑا" بھی ہالی وُڈ نے مزید گراں قیمت پر خرید لیا۔ فلم بندی کا آغاز ہوا تو ایک اہم کردار وِل راجرس کو دیا گیا۔ اس نے میری صلاحیتوں کے پیشِ نظر مجھے مشورہ دیا کہ میں ہالی وُڈ میں کسی کمپنی کی ملازمت کرلوں۔

مجھے وہاں بڑا معقول مشاہرہ پیش کیا جائے گا لیکن میرا ذہن ایک اور طرف چل نکلا۔ دراصل میں نے چند ایسے لوگوں کو دیکھا تھا جنھوں نے شہر کے غیر اہم حصے میں معمولی قیمت پر سکنی پلاٹ خریدے اور دیکھتے دیکھتے ان کی قیمت آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ انہیں بڑا معقول منافع ہوا۔ میری رائے میں ہالی وُڈ کے فلمی اداروں کی نیم جاہل ایکٹرسوں اور ایکٹروں پر مغز کھپائی کرنے کے مقابلے میں یہ بہتر تھا کہ منافع کا روپیہ از خود معاش کا مسئلہ حل کرتا رہے۔

میرے خیال میں دو ناولوں کی فروخت کی رقم سے ہم نے زندگی کا جو وقفہ نکمّے امیروں کی طرح بسر کیا تھا اس نے مجھ میں کام کرنے کی صلاحیت اور امنگ ختم کردی تھی۔ بنک میں میری کوئی رقم موجود نہ تھی۔ میں نے اپنا مکان رھن رکھا اور خود رھن رکھنے والے کا کرایہ دار بن گیا۔ اس رقم سے میں نے پہاڑی پر تین پلاٹ خرید کرے اور شیخ چلّی کی طرح ذہنی نقشہ بنانے لگا کہ ایک سال میں تینوں پلاٹ اتنی رقم پر فروخت ہو جائیں گے کہ سارے سال کا خرچ نکل آئے گا۔

رہن شدہ مکان کا کرایہ ادا ہوتا رہے گا اور اتنی رقم پس انداز ہو جائی گی کہ مزید تین پلاٹ کسی اور آبادی میں خریدے جاسکیں۔ میں یہ ہوائی قلعے بنا رہا تھا اور قدرت مجھ پر مسکرا رہی تھی۔ عالمگیر مالی بحران آگیا اور تینوں پلاٹوں کی قیمت اصل قیمت سے گر

گئی۔ سارے پروگرام ملیامیٹ ہو گئے۔ میں نے روزانہ خرچ کم سے کم تر کرنے کا فیصلہ کیا خرچ کم کرنا کوئی حل نہ تھا آخر خرچ تو کرنا تھا۔ میں مکان کا کرایہ ادا کرنے کے قابل بھی نہ رہا اور ایک دن شیرف نے مجھے سامان سمیت آبائی مکان سے نکال دیا۔ مجھے اور میرے بیوی بچوں کو ایک چھوٹے سے کوارٹر میں پناہ ملی۔

میں، میری بیوی اور بچے سخت پریشان تھے لیکن اب پچھتائے کیا ہوتا جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ میرے لئے اب تین راہیں تھیں۔

۱: گزشتہ را صلواۃ، آئندہ را احتیاط

۲: ناگزیر حالات سے تعاون کرنا۔

۳: موجود قوتوں اور سہولتوں پر نئی منزل تعمیر کرنا۔

میں نے پہلی دو صورتوں پر غور کرنا شروع کیا۔ میرے وسائل مندرجہ ذیل تھے۔

۱: اچھی صحت

۲: ناول نگاری کی شہرت

میں نے انہیں استعمال کرنا شروع کیا اور آہستہ آہستہ حالات بدلنے شروع ہوئے۔

کیمرون شپ
Cameron Ship

ایک مشہورِ عالم وُڈ کی جنگی کمپنی کا فلمی سربراہ زندگی گزارنے کے اصول اپنی آپ بیتی کی شکل میں اپنی قوم کے سامنے پیش کیئے دیکھنا یہ اصول و ضوابط اور قوانین جو کیمرون شپ نے اختیار کیئے یا ان اصولوں کی پاسداری کی۔ کہیں یہ اصول اسلامی تو نہیں ؟

اسلام زندگی کا مطالعہ اور کیمرون شپ کے تائثرات کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک آدمی کی سوچ کیا ہو سکتی ہے...... ؟ بالکل واضح ہے کہ کیمرون نے جو اخلاقی اور معاشرت خوبیاں اور اچھائیاں بیان کی ہیں ان سب میں مندرجہ ذیل اسلامی اصول کار فرما ہیں۔

واضح رہے کہ کیمرون شپ مسلمان نہیں اور ظاہر ہے اس کے کام مسلمانوں جیسے نہیں ہوں گے۔ وہ ہالی وڈ کا مشہور اداکار ہے لیکن ہمارا مطلوب اس کا عقیدہ و کردار نہیں بلکہ وہ اصول ہیں جو دین اسلام کو نہ ماننے والے ایک کافر نے اپنائے ہیں جو صدیوں قبل حضور پاک ﷺ کی حیات طیبہ میں ملتے ہیں۔

تکبر، غرور اور بناوٹ سے اجتناب یہ اسلامی زندگی کے بلند پایہ اصول ہیں۔ کیا اس مضمون میں ان باتوں سے اجتناب کرنے کو روکا گیا ہے ماتحتوں سے نرمی کا معاملہ کرنا، غلاموں کو آزاد کرنا ان پر سختی نہ کرنا اور سختی سے روکنا حتی کہ خود پیدل چلنا اور انہیں سواری پر بٹھانا اور غلام کو ستر بار روزانہ معاف کرنا کیا یہ اسلامی اصولِ زندگی نہیں ؟

کیمرون شپ کی باتوں سے دیگر اسلامی اصول بھی واضح ہوتے ہیں جن میں توکل، نفع اور نقصان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، میری تمام کاوشیں کوششیں اس وقت بار آور ثابت ہو سکتی ہیں جب اللہ جلَّ شانہ چاہیں گے۔

اسلام مسلسل امید کی زندگی سکھاتا ہے، ناامیدی، مایوسی اسلامی اصولِ زندگی نہیں اور پھر جب یہی مسلمان مل بیٹھتے ہیں تو تفریح اور مزاح بھی کبھی کبھی ان کی محفل کا حصہ ہوتے ہیں۔ حضور پاک ﷺ کی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کے اکثر

واقعات تفریح اور مزاح سے پر ہیں۔ الغرض اسلامی اصولِ زندگی جہاں ہمیں آخرت کی کرن دکھاتی ہیں وہاں ہمیں دنیا میں بیشمار مصائب و تکالیف اور مرضوں سے بچاتی ہے۔

السر یا وہم

Ulcer or imagination

از کیمرون شپ

جس دن مجھے ہالی ووڈ کی مشہور فلمساز کمپنی وارنر برادرز نے گراں قدر مشاہرہ پر نشر و اشاعت کا ایڈمنسٹریٹو افسر بنا کر پچھتر ادیبوں، اپنے اخبارات و رسائل کے کارکنوں اور دیگر متعلقہ افراد پر مشتمل سٹاف کو میرے زیرِ انتظام کر دیا۔ مجھے بیسیوں مبارکبادیں ملیں۔ دوسری جنگِ عظیم شروع ہوئی تو مجھے ہالی ووڈ کی فلمی جنگی کمیٹی کا سربراہ بھی بنادیا گیا۔ آپ سمجھتے ہوں گے کہ مجھے ہزاروں ڈالروں کے معاوضہ نے دنیا بھر کی مسرتوں کا حامل بنادیا ہو گا۔ نہیں! میری صحت گرنے لگی، پریشانیوں نے میرے گرد گھیرا ڈال دیا اور میرے معدے میں السر پیدا ہو گیا۔ آپ ضرور حیران ہوئے ہوں گے لیکن میری حقیقی داستان کی تفصیلات یہیں ختم نہیں ہو جاتیں۔ آگے حالات ایک اور رُخ اختیار کرتے ہیں۔ اسلیئے مجھے آپ کو پوری داستان سنانی ہو گی۔

سٹوڈیو

Studio

میں وارنر برادرز کے سٹوڈیو میں معمولی فیچر نگار تھا۔ فلم سٹاروں کی زندگی پر رسالوں اور اخبارات میں مضمون لکھنا میری ذمہ داری تھی۔ یہ دلچسپ اور ہلکا پھلکا کام تھا۔ گو معاوضہ واجبی تھا تاہم مجھے اپنی پیشے سے محبت تھی اور مسرور و شادماں رہا کرتا تھا۔

ظاہری رکھ رکھاؤ

Cosmetics

وارنر برادرز نے مجھے شعبہ نشر و اشاعت کا ایڈمنسٹریٹو افسر بنادیا۔ میں نے سب سے پہلے اپنے لباس، طرزِ گفتگو اور رکھ رکھاؤ میں مصنوعی تبدیلی پیدا کی۔ میں نے اپنی غیر رسمی باتیں، لطائف اور قہقہے دبا دیئے۔ ان کی بجائے ماتحتوں کے سامنے ایک فرضی مدبر وقار اور سپاٹ چہرے کو اپنا لیا۔ میں نے قیمتی سوٹ خریدے اور ان کی کریز صحیح رکھنے

کیلئے اتنی تگ ودو کرتا کہ لباس کا مسئلہ میرے لیئے دردِ سر بن گیا۔
میں نے دفتر کے انتظام میں متعدد تبدیلیاں کیں۔ ہر فرد کو ذمہ داریاں سونپیں اور ان کا ریکارڈ اپنے دفتر کی بڑی میز کے نیچے رکھا۔ دفتری کام میں جس فرد سے ذرا سی غفلت ہو جاتی میں اسے دفتر کی انا کا مسئلہ بنا کر سخت سست کہتا۔ خود بھی تناؤ کا شکار ہوتا اور فردِ متعلقہ کو پریشان کرتا۔ وارنر برادرز میں اس وقت متعدد چوٹی کے اداکار کام کرتے تھے۔ میری تعیناتی سے قبل بھی ان کی تشہیر رسائل، اخبارات اور اشتہاروں کے ذریعہ کی جاتی تھی۔ اب یہ کام میرے سپرد ہوا۔ مجھے اخلاص کے جذبہ کے تحت یوں معلوم ہوتا تھا کہ اگر میں ان کی تشہیر کروں تو بے چارے چند دن میں اپنی مقبولیت کھو بیٹھیں گے۔

پبلسٹی مہم کے اثرات

Effects of Publicity

میں نے پبلسٹی مہم پر بہت زیادہ کام شروع کر دیا بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں کام سے زیادہ اس کی فکر کرنے لگا، یہاں تک تو خیر رہی.. جنگِ عظیم دوم شروع ہوئی تو حکومت کے ایماء پر ہالی وُڈ کے اداکاروں کی ایک جنگی کمیٹی بنا دی گئی اور مجھے اس کا صدر بنا دیا گیا۔ یہ بہت عظیم ذمہ داری اور بہت بڑا اعزاز تھا۔ تمام ہالی وُڈ مجھے رشک بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔ میرا اثر ورسوخ اب ہالی وُڈ کے علاوہ حکومت کے ایوانوں میں بھی محسوس کیا جانے لگا۔ میں دن بھر کام کرتا.. بلکہ کام سے زیادہ فکر کرتا.. میری یہ حالت ہو گئی گویا "سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے"۔
آرام کے اوقات تقریباً ناپید ہو گئے، ذہنی جھنجھلاہٹ کے بعد صحت گرنی شروع ہوئی، وزن کم ہونے لگا، نیند اڑ گئی، سر چکراتا رہتا، دفتر سے واپس کار پر گھر جاتا تو دو تین جگہ پر ٹھہرنا پڑتا۔ میرے معدے میں السر محسوس ہوا۔ ایک مشہور ڈاکٹر سے تفصیلی معائنہ کرایا اس نے ٹیسٹ کرنے میں دو ہفتے صرف کیئے اور ایکسرے فوٹو، خون کے معائنہ کی تفصیلات، کئی قسم کے چارٹ میری فائل میں لگاتا گیا۔ آخر اس نے مجھے اپنے دفتر طلب کیا۔ تقریباً چالیس صفحات پر مشتمل میری فائل اس کی میز پر رکھی تھی۔ ڈاکٹر نے مجھے ایک سگریٹ پیش کیا دوسرا خود سلگا کر کہا: "مسٹر شپ! میں نے آپ کی بیماری تشخیص کرلی ہے"۔
میں ہمہ تن متوجہ ہو گیا تو اس نے کہا: "آپ السر کے مریض نہیں ہیں تاہم

آپ کو علاج کی ضرورت ہے۔ میں دوبارہ متوجہ ہوا۔ میرا خیال تھا کہ ڈاکٹر ایک طویل و عریض نسخہ میرے ہاتھ میں تھمادے گا لیکن ڈاکٹر نے کہا: "آپ کا علاج صرف دو چیزوں سے ہو سکتا ہے.. پریشانی چھوڑ یئے اور بیلاڈونا کی دو گولیاں روزانہ کھایئے"۔ اگر ڈاکٹر کی اتنی زیادہ شہرت نہ ہوتی اور اس نے گرانقدر رقم کے عوض میرے متعدد لیبارٹری و دیگر ٹیسٹ نہ کیئے ہوتے تو میں سمجھتا کہ ڈاکٹر میرے مرض کی تشخیص نہیں کر سکا لیکن اس کی تشخیص اور اس کا طرزِ علاج میرے ذہن میں اتر گیا۔

اپنا تجزیہ
Self - Analysis

میں خیال کرنے لگا کہ آخر میری آمد سے قبل بھی ایک فرد اس آسامی پر کام کرتا تھا، فلم سٹاروں کو شہرت ملتی تھی، دفتر کا کام سرانجام پاتا تھا، ماتحت وقت پر آتے تھے اور اپنے فرائضِ منصبی سرانجام دیتے تھے۔ صرف فلمی جنگی کمیٹی کی سربراہی نیا کام تھا مگر وہ جز وقتی تھا اور کام سے زیادہ اعزاز کا ذریعہ تھا۔ میں نے اپنے آپ کو سمجھایا.. خود بخود میرے مصنوعی طویل دفتری اوقات سے وقت پس انداز ہونے لگا۔ اب میں اٹھارہ گھنٹے کی بجائے بارہ گھنٹوں میں کام ختم کرنے پر قادر ہو گیا۔ چھ گھنٹوں میں میں آرام اور ہلکی پھلکی تفریح کرتا۔ میں نے ایک حلقۂ احباب بنالیا جس میں قہقہے بلند ہوتے اور خوش گپیوں کی پھلجڑیاں چھوٹتیں۔

آہستہ آہستہ میں نے محسوس کیا کہ جب کبھی گولیاں نہیں کھاتا تو طبعیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں نے گولیاں ترک کرنے کا ارادہ کیا۔ ڈاکٹر سے مشورہ کیا تو اس نے بتایا کہ ان گولیوں کی چنداں اہمیت نہ تھی، یہ محض میری ذہنی تسلی کیلئے دی گئی تھیں۔ میں نے گولیاں کھانا بھی ترک کر دیں اب میں آرام کا وقت ضرور نکال لیتا ہوں اور صرف اتنا کام کرتا ہوں جس سے مجھے ذہنی کوفت اور پریشانی نہ ہو بلکہ کام مجھے ایک طرح کی ذہنی دلچسپی فراہم کرے۔ گولیاں کھانے کے عادی کارکنوں کو میرا پیغام یہ ہے کہ ذہنی طور پر قوت پکڑیئے، آرام کیجئے اور ڈاکٹر کے مشورہ سے گولیاں ترک کر دیجئے۔

پرسی۔ ایچ وٹنگ اور جین آٹرائی کی آپ بیتی

Autobiographies of Percy H. Vitting & Jane Arai

پرسی۔ ایچ وٹنگ

Percy H. Vitting

مومن یقینِ کامل کے ساتھ زندگی کے ادوار واطوار گزارتا ہے۔ اسکے شب وروز ساری مخلوق کی نفی، خالق کا اقرار وہ دنیا کے نظر آنے والے تمام خدشات، حادثات اور امراض سے بے پرواہ ہو کر لیکن خالق کی طرف متوجہ رہتا ہے۔

اسلام وہ یقین سکھاتا ہے جس یقین کے بعد کوئی دوسرا باطل یقین اس کے کامل یقین کو متزلزل نہ کر سکے پرسی۔ ایچ وٹنگ کمزور یقین کے ساتھ اپنے والد کے ساتھ بیٹھتا تھا اور ہر قسم مرض کو اپنے اندر محسوس کرنے لگتا تھا لیکن پھر یہی شخص یقینِ کامل اور ایمانِ محکم کے ساتھ اٹھا تو پھر تندرست تھا۔

جدید ماہرینِ نفسیات بار بار اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ اللہ جل شانہ سے ہونے کا یقین اپنے دل میں بٹھالو۔ خدا کے سوا باقی سب مخلوق ہے۔ یہ مخلوق تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

جین آٹرائی

Jane Arai

اسلام دینِ فطرت ہے اور زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی اور قادر ہے۔ جہاں یہ

اپنے پیروکاروں کو آخرت کا سبق دیتا ہے وہاں وہ اس بات کی تعلیم بھی دیتا ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کی سوچ و فکر اور دنیا میں بھی بہتر سے بہتر کی تلاش میں رہو۔

اسلام مسلمان کو دولت کے ساتھ اچھے لباس کی، تعمیرِ مکان کی، سواری کی اور غلام کی اجازت دیتا ہے۔ وہ اسے کاروبارِ زندگی کو بڑھانے کی بھی اجازت دیتا ہے۔ کاروبارِ زندگی بڑھانے کیلئے ہر کاروباری بہتر سے بہتر کی تلاش میں رہتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کی زندگی اور انکے اصولِ تجارت میں یہ بات واضح ملتی ہے کہ انہوں نے جس ملک میں بہتر تجارت کو سنا وہاں تجارت کی لیکن ایک بات جو صحابۂ کرامؓ کی زندگی کا اصول رہی کہ رزق میں رازق کو نہیں بھولے۔ کیا جین آٹرائی بہتر سے بہتر کی تلاش میں نہیں رہا؟ اگر اس نے ایسا کیا ہے تو غلط نہیں کیا۔ اسبابِ دنیا میں، جدوجہدِ زندگی میں اقدامِ زیست کیلئے ایسا کرنا درست ہے۔

حقائق یا اوہام

Facts or fiction

آپ یہ پڑھ کر حیران ہونگے کہ میری دو اموات ہو چکی ہیں۔ پہلی بار میں مرض ٹیٹنس سے مرا اور دوسری بار باؤلے کتے کے کاٹنے کی علامات سے۔ اس کے بعد میں مرا تو نہیں البتہ بعض امراض سے باقاعدہ بیمار رہا.. مثلاً تپدق اور کینسر۔

آپ کیلئے یہ ساری باتیں معمہ ہوں گی۔ آپ میری اموات کے قصہ کا سرے سے یقین نہ کریں گے۔ میں بھی اپنا مقام سے ذرا سا کھسک کر نیچے آجاتا ہوں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں مرا نہیں تھا لیکن میرا ذہن کہتا تھا کہ میں مر گیا تھا اور اس کے بعد جی اٹھا۔ یہ حقیقت تھی یا وہم؟ آج مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ محض وہم تھا۔ میں آپ کو زیادہ دیر حیران نہیں دیکھنا چاہتا اور آپ کو ساری داستان سنا دیتا ہوں۔

پہلے یہ دیکھئے...... دنیا بھر کی امراض میں دائمی طور پر مبتلا رہنے کے باوجود میں ہٹا کٹا کیوں نظر آتا ہوں؟ دراصل میں مراقی ہوں۔ میں ایک ڈاکٹر کا بیٹا ہوں جو شہر کے بارونق حصے میں پریکٹس کرتے تھے۔ یہاں نہ صرف مریضوں کی بھر مار رہتی تھی بلکہ ڈاکٹر اور نرسیں بڑی تعداد میں میرے باپ سے ملنے آتیں اور امراض کا نام لے لے کر مشورے کرتیں۔ میں بڑے شوق سے ایسی گفتگو سنتا جس میں بیماریوں کی علامت تفصیل سے بیان کی جاتی تھیں۔

یہاں تک تو خیریت تھی کہ چھوٹے سے بچے کو مختلف امراض کی علامات معلوم ہو چکی تھیں۔ اب ایک نئی صورتحال نے جنم لیا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ مجھے کوئی نہ کوئی مرض لاحق ہو گیا ہے۔ شروع شروع میں یہ احساس صرف بد ہضمی، سردرد وغیرہ تک محدود تھا۔ میں اپنے والد سے ذکر کرتا مگر وہ اسے وہم پر محمول کرتے۔ میں مطمئن نہ ہوتا اور اپنے طور پر دکان سے ادویات اٹھا کر اپنا علاج شروع کر دیتا۔

خناق کی وبا

Epidemics of quinsy

ایک دفعہ خناق کی وبا پھیل گئی۔ کئی بچے اس متعدی مرض سے بیمار ہو گئے۔ ایک دن میرے گلے میں خراش شروع ہوئی اور چند گھنٹوں بعد بخار چڑھتا معلوم ہوا۔ گلا بند ہو گیا اور میں بستر پر جا لیٹا۔ میں نے اس بار والد کے بجائے ایک اور ڈاکٹر سے ملاحظہ کرایا۔ اس کی تشخیص اس جواب میں موجود تھی: ”پرسی! تم خناق میں مبتلا ہو“۔ ڈاکٹر کی تشخیص کے بعد مجھے خوف اور پریشانی کی بجائے سکون محسوس ہوا اور میں صحت مند ہو گیا۔ جوں جوں بیماریوں کے متعلق میرے علم میں اضافہ ہونے لگا میں ان بیماریوں میں مبتلا ہونے لگا۔ حتیٰ کہ مجھے معلوم ہوا کہ بعض بیماریوں کا کوئی علاج نہیں ہے اور وہ جان لیوا ہیں۔ مثلاً ٹیٹنس اور باؤلے کتے کے کاٹنے سے پیدا شدہ پاگل پن۔ باری باری مجھ پر دونوں کی علامات طاری ہوئیں اور مجھے دونوں بار یہ محسوس ہوا کہ میری جان نکل گئی۔ تاہم علامات کے خاتمے پر میں زندہ محسوس کرنے لگا۔

دق اور کینسر پر تحقیق

Research on tuberaulosis & cancer

دق اور کینسر پر تحقیق ہوئی تو یہ دونوں بیماریاں ڈاکٹروں اور نرسوں کی زبان پر چڑھ گئیں۔ والد صاحب کے کلینک میں ان پر گھنٹوں بحث ہوتی اور سیدھی میرے دماغ میں اتر جاتی۔ چنانچہ میں دق اور کینسر میں مبتلا رہا لیکن میری زندگی میں ایک دن ایسا بھی آیا جب اوہام کے بادل چھٹ گئے اور وہم حرفِ غلط کی طرح مٹ گیا۔ جب بیماری کا ذکر ہوتا تو میرے ذہن کا ایک حصہ متاثر ہوتا، جسم میں ذرا سی تبدیلی محسوس ہوتی مگر دوسرے لمحے میرے ذہن کا دوسرا حصہ حکم دیتا: ”پرسی! اس خیال کو جھٹک دو..

قہقہہ لگا کر ایک طرف بڑھ جاؤ"۔

اب میں کلی طور پر صحتمند ہوں۔ میرا جسم پہلے بھی صحتمند تھا لیکن ذہن میں ہر وہ بیماری سما جاتی تھی جس کی مجھے واقفیت حاصل ہوتی۔ میں ماضی پر مسکرا دیتا ہوں۔

مستقل آسامی

Permanent employment

از ـــــ جین آٹرائی

سرکاری ملازمت کے قواعد میں ایک دستور یہ ہے کہ جو ملازم کسی آسامی پر مستقل ہو جاتا ہے اسے یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ اگر وہ کسی محکمہ، کارپوریشن یا نجی ادارہ میں عارضی مگر بہتر ملازمت کرنا چاہے تو اس کو اجازت دے دی جاتی ہے اور اسے حق دے دیا جاتا ہے کہ اگر وہ پانچ سال کے اندر اندر واپس آجائے تو اس کی آسامی خالی رہے گی۔ انگریزی الفاظ میں اس حق کو لیون کہتے ہیں۔ وہ ملازم جو دوسرے محکمہ میں اچھی مگر عارضی آسامی پر چلے جاتے ہیں۔ ان کیلئے لیون نعمت سے کم نہیں ہوتا۔

اگر عارضی آسامی پر حالات اچھے ثابت نہ ہوں تو ان کی مستقل ملازمت موجود ہونے کی وجہ سے وہ مطمئن رہتے ہیں۔ جین آٹرائی ایسے انتظام کو بہت پسند کرتا تھا اور دوسروں کا تلقین کرتا تھا کہ پریشانیوں اور اضطراب سے بچنے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ عارضی آسامیوں یا تجرباتی ملازمتوں پر جانے سے قبل لیون رکھ لیا جائے اس کی داستان ملاحظہ کریں......وہ لکھتے ہیں :-

داستان

Story

میرا والد لوکلاہاما کا کسان تھا۔ ایک دفعہ قحط پڑا کہ والد کو تھان سے گھوڑے بھی فروخت کرنے پڑے۔ میں نے ریلوے میں ملازمت حاصل کرلی اور فالتو وقت میں تار برقی کا کام سیکھنے لگا۔ جلد ہی میں ڈیڑھ سو ڈالر ماہوار پر چیف اپریٹر کے عہدے پر ترقی پا گیا اور مجھے مستقل کر دیا گیا۔ ان دنوں میں ایک تار بجا کر اپنے دوستوں کا دل بہلایا کرتا تھا۔ ایک دن ایک شخص نے مجھے یک تارہ بجاتے دیکھا اور اسے میری یہ صلاحیت اور فن پسند آگیا۔

اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں نیویارک کے ریڈیو اسٹیشن پر اپنی صلاحیتوں اور فن کا

مظاہرہ کروں۔ اگر کامیابی حاصل ہو گئی تو تقدیر بدل جائے گی۔ میں مستقل تھا اور میری آسامی پکی تھی۔ میں نے نوے دن کی رخصت لی۔ . نیویارک پہنچا۔ . ریڈیو اسٹیشن پر بار بار پھیرے ڈالے۔ اربابِ بست و کشاد کو اکتارہ سنایا۔ . مگر مجھے کوئی پروگرام نہ ملا۔ نوے دن کے بعد میں اپنی آسامی پر واپس آگیا۔ گو میں ناکام ہوا تھا پھر بھی مسرور و شادماں تھا۔

ڈیڑھ سو ڈالر ماہوار کی پکی ملازمت میرے لیئے آغوشِ مادر ثابت ہوئی اور میں پھر ریلوے میں چیف آپریٹر کے عہدے پر کام کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد پھر رخصت لی اور قسمت آزمانے کا فیصلہ کیا۔ اس بار میں ریڈیو اسٹیشن پر ایک گیت سنا رہا تھا کہ گیت کا مصنف مسٹر فیٹ شیلڈ کرافٹ آنکلا۔ اس نے مجھے ایک ریکارڈنگ کمپنی کے نام ایک خط دیا کہ اس نوجوان گلوکار کی آواز میں سوز ہے اور یہ کہ اچھے معاوضے پر اس کے ریکارڈ بھرے جائیں لیکن میں ریکارڈنگ کے دوران گھبرا گیا۔ میری آواز میں سختی آگئی اور ریکارڈ غیر تسلی بخش رہا۔ میں وکٹر ریکارڈنگ کمپنی کی رائے میں موزوں گلوکار نہ تھا۔ یہاں رکنا بے کار تھا۔ میں ایک دفعہ پھر مستقل آسامی پر واپس چلا گیا جو میرے لیئے آغوشِ مادر کی طرح کھلی تھی۔ مجھے ڈیڑھ سو ڈالر ماہوار تنخواہ ملنے لگی۔

اب میں نے مستقل آسامی کی سہولتوں اور ریڈیو اسٹیشن پر گیت گانے کے فوائد سے ایک ہی وقت فائدہ اٹھانے کا منصوبہ بنایا۔ نو مہینے تک دونوں کام اکٹھے چلتے رہے اور میری شہرت، عزت اور مالی حالت میں بہتری ہو گئی لیکن میں ریلوے کی ملازمت کو مستقل آسامی کا درجہ دیتا رہا اور ریڈیو اسٹیشن کی گرانقدر آمدنی کو عارضی تصور کرتا رہا۔ میرا ایک گیت بہت مشہور ہوا اور ریڈیو اسٹیشن سے مجھے نوے ڈالر فی ہفتہ ملنے لگے۔

فلموں میں کام

Performance in films

۱۹۳۴ء میں مجھے فلموں میں کام کرنے کا موقعہ ملا ریڈیو اسٹیشن پر میرے پروگراموں کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ ایک فلم میں گوالوں کا گیت پیش کیا جانا مطلوب تھا۔ ایک ایسے نوجوان کی ضرورت تھی جو گوالوں کا گیت گا سکے۔ مجھے سو ڈالر فی ہفتہ کی پیشکش کی گئی۔ میں نے فوراً قبول کر لی کیونکہ مجھے یقین تھا کہ اگر میں پردۂ فلم پر ناکام بھی ہو گیا تو ڈیڑھ سو ڈالر کی ملازمت جو محکمۂ ریلوے میں لیون کے طور پر موجود تھی، مجھے معاشی مسائل سے دوچار نہ کرے گی اور میں ریلوے میں از سرِ نو کام

شروع کر دوں گا۔

میں فلم میں بہت کامیاب گلوکار واداکار ثابت ہوا۔ اب میری ذاتی آمدنی ایک لاکھ ڈالر سالانہ ہے۔ فلمیں عارضی سلسلہ ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے آج کا چوٹی کا اداکار اور نقرئی آواز والا گلوکار اپنی شہرت کھو بیٹھے اور اسے کوئی کردار نہ ملے۔ اسی طرح میں بھی ناکام ہو سکتا ہوں لیکن میرا سلسلہ دوسرے لوگوں سے مختلف ہے۔ میں جب کبھی ناکام ہوا تو اپنی اصلی آسامی پر واپس چلا جاؤں گا۔ "گوشت نہ سہی دال ملنے کی گارنٹی ہے"۔

پرانے دکھڑے بھول جاؤ

Forget past sorrows

کامیابی یاناکامی انسانی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ یہ ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور ماضی کا حصہ بنتے رہتے ہیں۔ دونوں میں ایک چیز ضرور ملتی ہے، کامیابی بھی ماضی سے ہو کر مستقبل میں ملتی ہے۔ ناکامی کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ کامیابی کی صورت میں خوشی ملتی ہے، ناکامی کی صورت میں انسان کڑھتا ہے اور کامیابی کو حاصل کرنے والے اقدامات کو غلطیوں کا نام دیتا ہے۔ بار بار ان غلطیوں کو سوچتا ہے، پریشانی اور اضطراب میں مبتلا ہوتا ہے۔

اگر انسان اس بات پر غور کرے کہ اس کی ذات نامکمل ذات ہے۔ اس کی صلاحیتیں محدود ہیں لامحدود نہیں۔ اسے ہر حال میں چاہے ناکامی ہو یا کامیابی مدد کی ضرورت ہے اور انسان اس دنیا میں بڑا ہے، سردار ہے، اکمل ہے، اپنے سے چھوٹی چیزوں سے مدد حاصل نہیں کر سکتا۔ اسلئے مدد کی ایک صورت اور شکل ہے کہ اللہ رب العزت کے احکامات کو سامنے رکھ کر زندگی گزارے۔ ناکامی آئے یا کامیابی ہو دونوں صورت میں اللہ کے حکم پورا کرے اور ناکامی کی صورت میں اپنی سابقہ زندگی کا احتساب کرے، توبہ کرے، غلطیوں کو سامنے رکھ کر آئندہ زندگی پر عزم گزارنے کا تہیہ کرے۔ گویا مستقبل میں اپنا ماضی رکھ دے۔ غلطی کو ذہنی طور ر تسلیم کر کے اس میں سے کامیابی کا پہلو نکالے۔ اسلام ایک مکمل اور جامع مذہب ہے۔ ایسی حالت میں بار بار توبہ کی حقیقت اور فضائل کو سامنے لاتا ہے۔

ایسے لوگ جو اپنے ماضی کو ساتھ لیکر چلتے ہیں اور اس میں سے کامیابی کا پہلو نکالتے ہیں۔ وہ بہت کچھ حاصل کرتے ہیں۔ اس کے برعکس جو اپنے ماضی پر صرف کڑھتے ہیں۔ وہ اضطراب اور پریشانی کو جمع کرتے رہتے ہیں۔ اپنے آپ کو سمجھایا جائے کہ غلطی کس سے نہیں ہوتی۔ بڑوں سے ہی غلطی ہو جاتی ہے حتیٰ کہ سرحدیں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اپنی غلطی کو اپنی بھول سمجھ کر فراموش کر دیں اور آئندہ نہ کرنے کا

نیا عزم لے کر نئی زندگی شروع کریں۔ ذیل میں کچھ واقعات ایسے لوگوں کے ہیں جنہوں نے اسلامی زندگی کے اس اصول پر نہایت سختی سے عمل کیا اور کامیاب ہوئے۔ ہم اپنے مذہب کی اقتداء میں چل کر کامیابی اور مسرت کے باغوں میں پہنچ سکتے ہیں۔ دنیا اور آخرت کی کامیابیوں کے دریچے کھل سکتے ہیں۔

اعتقاد اور یقین ضروری ہے اور سنتِ نبوی ﷺ کی اطاعت کی نیت ضروری ہے۔ اگر حضورِ پاک ﷺ ماضی کے مصائب اور تکالیف کو یاد فرماتے اور دہراتے تو کبھی مکہ والوں کیلئے عام معافی کا اعلان نہ فرماتے۔ بے شمار غزوات میں دشمنوں نے تکالیف اور دشنام نوازی میں کوئی کسر باقی نہ رکھی لیکن جب وہی لوگ مفتوح بن کر سامنے آئے تو آپ ﷺ نے ماضی کے مصائب اور تکالیف کو بھولتے ہوئے انہیں معاف کر دیا۔

پرانے دکھڑے بھول جاؤ

Forget past sorrows

میں نے میل یونیورسٹی سے زمانہ قدیم کے جانور فرینڈ سار کے پیروں کے نشانات جو ایک پتھر پر موجود تھے خریدے۔ مجھے ایک سرٹیفکیٹ دیا گیا کہ نشانات اٹھارہ کروڑ سال پرانے ہیں اور یہ کہ منگولیا سے یہ نشانات حاصل کیئے گئے، اتنی قدیم مدت نشانات کیسے مٹائے جاسکتے ہیں بلکہ وہ چیز جو ایک سواسی سیکنڈ پہلے اختتام پذیر ہو چکی ہے اس کو بھی واپس نہیں لایا جاسکتا۔ حقائق یہ ہیں مگر ہم میں سے اکثر افراد غیر ارادی طور پر ماضی کے ان واقعات کے واپس لانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں جو ہماری مرضی کے مطابق اختتام پذیر نہیں ہوئے اسے کہتے ہیں دیوار سے سر پھوڑنا۔ ایسے لوگ پریشان اور مضطرب رہتے ہیں یا دماغ میں خواہش دبائے رکھتے ہیں کہ ماضی میں یوں ہوتا تو میں یہ کرتا۔

میں دوسروں کی بات کیوں کروں۔ میں صفحہ قرطاس پر پندونصائح کے متعدد واقعات لکھتا ہوں لیکن وقت آنے پر سب کچھ دھرا رہ جاتا ہے۔ میں نے تعلیم بالغاں کے کام کو وسعت دی۔ کئی شاخیں کھولیں لٹریچر چھپوایا اور کسی قسم کا نگران مقرر کیئے بغیر تین لاکھ ڈالر صرف کر ڈالے۔ اتنا بڑا کاروبار دیکھ کر میں پھولا نہ سماتا تھا۔ فرصت کے چند دن میسر آئے تو میں نے آمد و اخراجات کے رجسٹر مکمل کیئے۔ معلوم ہوا کہ نہ صرف منافع ناپید تھا بلکہ صورتحال اس سے بھی بدتر تھی۔ اس وقت مجھے دو اقدامات کرنا لازمی تھے۔

نقصان کو بھول جانا

Forget the losses

غلطیوں کا تجزیہ کر کے مستقبل کیلئے نئی پالیسی تیار کرنا

Forget losses, future policy

لیکن میں نے کچھ نہ کیا اور پریشانیوں کی گٹھڑی سر پر لاد کر اسے ادھر ادھر گھماتا رہا ۔ میرا کاروبار اپنی تمام خامیوں سمیت اسی طرح چلتا رہا۔ ۔ اور میں ذہنی پریشانیوں اور مالی تفکرات کا مجموعہ بنا رہا۔ اس کا جو نجام ہو سکتا تھا ظاہر ہے۔

"قیاس کن ز گلستان من بہار مرا"

پھر مجھے ایک تجربہ ضرور ہوا۔ یعنی آپ اپنے اقوال بیس افراد کو پڑھا سکتے ہیں لیکن ان بیس افراد میں وہ نہیں ہو سکتے جو آپ کی تعلیم پر عمل کریں گے۔ یعنی آپ دوسروں کو پند و نصائح کر سکتے ہیں لیکن جب کسی واقعہ سے دوچار ہوں گے یا کسی مصیبت میں گرفتار ہوں گے تو آپ کے اصول دھرے رہ جائیں گے۔

ڈاکٹر برنیڈوائن کا سبق

Dr. Bernard Lesson

ڈاکٹر برنیڈوائن کا سبق بلکہ مظاہرہ ان خطوط پر ایک نادر مثال قرار دی جا سکتی ہے۔ وہ سائنس کے استاد تھے۔ وہ لیبارٹری میں کلاس کے سامنے پہلے خود تجربہ کرتے اور پھر کلاس کو موقع دیتے تھے۔ ایک دن کلاس اپنی نشستوں پر بیٹھی تو طلباء نے دیکھا کہ تجربہ کے ساز و سامان کے بجائے دودھ کی ایک بوتل رکھی تھی۔ طلباء نے آپس میں کھسر پھسر کی کہ اس تجربہ گاہ میں دودھ کا کیا کام ؟ مسٹر برنیڈوائن نے بوتل اٹھا کر ہوا میں لہرائی جو دوسرے لمحے فرش پر گری اور سارا دودھ ضائع ہو گیا۔ ایک دو لڑکے لپکے لیکن مسٹر برنیڈوائن نے کہا: "دودھ واپس نہیں آسکتا۔ ۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہم اسے نالی تک پہنچا کر کمرے کا فرش دھو ڈالیں"۔

طلباء ایک بار پھر کھسر پھسر میں مصروف ہونے کو تھے کہ مسٹر برنیڈن نے کہا کہ اس دن کا تجربہ یہی تھا۔ بوتل ارادتاً گرائی گئی تھی۔ دودھ ضائع ہو گیا۔ دراصل یہ دکھانا مقصود تھا کہ گراہوا دودھ واپس نہیں آتا اور گزرا ہوا وقت واپس نہیں آسکتا[1]۔

بعض لوگ کسی گزرے ہوئے واقعہ کو بار بار دہراتے رہتے ہیں۔ نہ صرف ایک ذہنی خلش ان کے دماغ کی تہوں میں پریشانی کا باعث بنی رہتی ہے بلکہ ان کے مخاطب اخلاقی طور پر ایک آدھ بار اس بے ربط داستان کو سن لیتے ہیں لیکن جب بار بار اعادہ کیا جاتا ہے تو جان چھڑانے لگتے ہیں۔

مسٹر فریڈ فلر شیڈ

Mr. Fred Filler

مسٹر فریڈ فلر شیڈ فلاڈلفیا بلٹن کے ایڈیٹر تھے۔ انہیں مقامی کالج کے طلباء سے خطاب کرنے کی دعوت دی گئی۔ اپنے مختصر خطاب کے دوران انہوں نے طلباء سے پوچھا کہ کون سے طلباء کو لکڑی چیرنے کا تجربہ ہے؟ بعض لڑکوں نے ہاتھ کھڑے کیئے۔ مسٹر شیڈ نے ایک اور سوال پوچھا: آپ میں سے کتنے لڑکوں کو برادہ چیرنے کا تجربہ ہے؟ طلباء نے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھا۔ وہ اس سوال پر حیران تھے۔ شاید سوال غلط تھا؟ انہوں نے مسٹر شیڈ کی طرف حیرت سے دیکھا۔ یہ سوال درست ہے۔ میں فی الحقیقت یہی کچھ پوچھ رہا ہوں.. مسٹر شیڈ نے کہا:

اب کوئی ہاتھ بلند نہیں ہوا۔

آپ برادہ نہیں چیر سکتے کیونکہ یہ تو پہلے ہی چیرا جا چکا ہے۔ مسٹر شیڈ نے کہا: برادہ کو آپ زمانہ ماضی لکھ سکتے ہیں۔ اگر آپ زمانہ ماضی پر بار بار آرا چلانے کی کوشش کریں تو کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ البتہ آپ کا دماغ پریشانیوں کا مرقع بنا رہے گا اور ہو سکتا ہے کہ یہ پریشانیاں آپ کے چہرے پر وقت سے پیشتر جھریاں پیدا کر دیں بلکہ آپ کے معدے میں السر پیدا ہو جائے۔

باکسنگ کے ہیوی ویٹ چمپئن جیک۔ ڈیمپ۔ سی کی داستان ملاحظہ کریں۔

۱: اردو کہاوت ہے "اب پچھتاوے کیا ہو جب چڑیا چگ گئیں کھیت"۔ ایک اور اردو شعر ہے:-

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

سدا دور دوراں دکھاتا نہیں

وہ باکسنگ کا بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ لوگ اسے سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے، اخبارات کے رپورٹر اس کا انٹرویو لینے کیلئے بے قرار رہتے تھے، اخبارات کے صفحات اس کی تصاویر کو نمایاں جگہ پر چھاپتے۔ خوبصورت لڑکیاں اس کے آٹوگراف لینے کیلئے ایک دوسری کو دھکیلتی ہوئی آگے کی طرف بڑھتیں لیکن "ہر کمالے را زوال"۔

ایک دن وہ مقابلہ میں پٹ گیا۔ اس نے ذہنی طور پر اسے تسلیم نہ کیا اور چھ مہینے بعد دوبارہ رِنگ میں تھا لیکن اس بار اسے اپنی بیچارگی تسلیم کرنا پڑی۔ وہ بطور باکسر ختم ہو گیا لیکن اس بار اس نے ذہنی طور پر حقیقت کو تسلیم کر کے اپنی شخصیت کیلئے نئے دروازے کھول لیے۔

اس نے گریٹ ناردرن ہوٹل کھول کر اسے کامیابی سے چلایا۔ اب وہ شہر کا اہم کاروباری تھا۔ اسے نئی زندگی کی تمام خوشیاں میسر آگئیں اور وہ اپنے عظیم ماضی کو بھول گیا۔

کامیابی کی وجہ

Reason of success

میں نے بہت سی کتب کا مطالعہ کیا ہے۔ میں نے ایسے اشخاص کی بابت پڑھا ہے جو اپنی کسی غلطی کے بہت برے نتیجے کو ذہنی طور پر تسلیم نہ کر سکے۔ وہ دن بھر کے بعد کبیدہ خاطر رہتے، ملنے والوں سے الجھتے اور دل کی بھڑاس نکالتے۔ زندگی بھر وہ گزرے ہوئے وقت کو واپس نہ لا سکے۔ اس مقابلے میں کامیاب انسانوں کی طویل فہرست ہے۔ جنہوں نے غلطی کی، نقصان ہوا اور انہوں نے ذہنی طور پر تسلیم کر لیا، اسے بھول کر انہوں نے نئی منزل تعمیر کی اور نئی منزل میں وہ اس مقام سے بھی بازی لے گئے جو پہلی زندگی میں ان کا انتہائے مقصود تھا۔ سرکاری ملازمتوں اور تجارت میں اس کی مثالیں عام ملتی ہیں۔

جیل کا دورہ

A visit to a Jail

میں ایک دفعہ سنگ سنگ کا جیل خانہ دیکھنے گیا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ تقریباً سارے قیدی بڑے مسرور و شادماں تھے اور جو کام انہیں تفویض کیئے گئے تھے۔ انہیں اطمینان سے سر انجام دیتے تھے۔ میں نے جیل کے سپرنٹنڈنٹ سے اس کی وجہ پوچھی۔ اس کا جواب تھا کہ ذہین قیدیوں کی بہت بڑی تعداد

حقائق کو تسلیم کر لیتی ہے یعنی ان سے جرم سرزد ہوا.. اسکے باعث انہیں سزا ملی اور وہ جیل خانے میں پہنچا دیئے گئے۔ جس کی دیواریں اتنی اونچی ہیں کہ وہ باہر جانے کا تصور نہیں کر سکتے۔ آخر وہ حقائق کو تسلیم کر لیتے ہیں اور یہیں سے مطمئن بلکہ مسرورو شاداں جیل کی زندگی شروع ہوتی ہے۔

میں اکثر کہا کرتا ہوں۔ غلطی کس سے نہیں ہوتی اور غلطیوں کی سزا کسے نہیں ملتی۔ دنیا کے لائق ترین افراد سے غلطیاں سرزد ہوئیں اور انہیں غلطیوں کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ نپولین اتنا بڑا جرنیل تھا۔ پھر بھی محض غلطیوں کی بنا پر ایک تہائی لڑائیاں ہار گیا۔ اس لیئے یہ اصول یاد رکھیں :-

"ماضی لوٹ کر نہیں آئے گا.. ماضی کی ناکامیوں پر کڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں.. حقائق کو تسلیم کیجئے اور نئی زندگی کا آغاز کیجئے"۔

ریورمنڈ ولیم وڈ کی آپ بیتی

Autobiography of Reverend William Wood

توکل، قناعت، شکر زندگی کے وہ زریں اصول ہیں۔ جو انسان کو بے شمار ذہنی اور نفسیاتی امراض سے محفوظ رکھتے ہیں۔ حرص، طمع، لالچ اور دولت کی زیادتی بالکل اس کے برعکس امراض کا پیش خیمہ ہے۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی تمام حالات میں اور خود رسولِ پاک ﷺ کی سیرت کے تمام اوراق میں علاج معالجہ بہت کم رہا۔ یعنی آپ ﷺ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کبھی کبھار مرض سے سامنا ہوتا تھا۔ اس کی وجوہات صرف اور صرف یہی ہیں کہ انہوں آج کو سامنے رکھ کر زندگی گزاری۔

اسی آج کے عنوان نے انہیں توکل، **قناعت**، بے فکری عطا کی اور یوں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی میں متعدد واقعات اس طرح کے ملتے ہیں کہ وہ اپنے مستقبل کے متعلق اپنے آپ کو فکر میں مبتلا نہیں رکھتے تھے، اپنی آئندہ زندگی کے متعلق ان کا اللہ کی ذات پر مکمل یقین تھا کہ اس نے ہمیں پیدا کیا ہے اور وہ ہماری مستقبل کی ضروریات بھی پوری فرمائے گا۔ اس یقینِ کامل کی بنا پر ان کے ذہن مختلف تفکرات سے خالی بالکل سکون میں رہتے تھے۔

ان کا یقین تھا کہ ہم جس کو سرانجام دیں گے اللہ کی مدد ہمارے ساتھ ہے۔ اس بنا پر اس کام میں دلچسپی اور امنگ بڑھ جاتی۔ جہاں دلچسپی اور امنگ بڑھ جائے وہاں تفکرات اور پریشانی کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اسلام نے لمبی لمبی امیدیں اور منصوبے بنانے سے منع فرمایا ہے۔ انسانی زندگی آج جن مصیبتوں اور مسائل کا شکار ہے اگر وہ اپنی زندگی اس مذکورہ بنیاد پر لے آئیں تو وہ راحت پائیں۔

ریورمنڈ ولیم وڈ بھی مستقبل کے متعلق سوچ سوچ کر ذہنی مریض بن گیا تھا جس کی

بنا پر ہر وقت ذہنی دباؤ کا شکار رہتا تھا۔ اس نے اپنا علاج اس اسلامی زندگی کے زرّیں اصول کو اپنا کر کیا کہ جو فی الوقت مسئلہ در پیش ہے، اس کو سرانجام دو، مستقبل آئیگا تو تو وہ دیکھا جائے۔ اس اصول پر عمل کرنے سے اس کی زندگی میں راحت اور سکون آ گیا۔

فکرِ فردا مکن

Donot think of your future

از...... ریورمنڈ ولیم وڈ

میرے والد صاحب کی وفات معدے کے سرطان کی وجہ سے ہوئی تھی، میں پادری تھا، اللہ تعالیٰ سے دعامانگنا میرے لیے روزانہ کا عمل تھا۔ میں اپنی طویل دعاؤں کے دوران اللہ تعالیٰ سے استدعا کیا کرتا تھا کہ مجھے سرطان سے محفوظ رکھے۔ مگر ایسا ہوا کہ میرے معدے میں درد ہونے لگا۔ خاص طور پر کھانا کھانے کے بعد درد کی ٹیسیں پڑنے لگتیں۔ میں نے خیال کیا کہ اول میرے معدے میں سرطان کی آمد آمد تھی۔ اگر بفرضِ محال سرطان نہیں تو السر ضرور تھا۔ میں نے ایک قابل ڈاکٹر سے معائنہ اور متعلقہ ٹیسٹ کرائے۔ . نتیجہ تیار ہو گیا۔ ڈاکٹر نے کہا کہ : معدے میں کوئی بیماری نہیں۔
مگر یہ علامت...... ؟ میں نے پوچھا۔ ڈاکٹر کچھ دیر کیلئے خاموش ہو گیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہے۔ آخر اس نے پوچھا : تمہارے گرجے میں کوئی مراقی بوڑھا تو نہیں ہے ؟ میں نے نفی میں سر ہلا دیا مگر میں نے ڈاکٹر کو وہ تمام حالات بتا دیئے جن کی موجودگی مراقی بوڑھے سے کم نہ تھی۔ میں مختلف ذمہ داریاں ادا کرتا تھا اور ہر قسم کے لوگوں سے پالا پڑتا تھا۔ جن کے طرح طرح کے سوالات میرا ذہن چاٹ جاتے تھے۔ میرا ذہن مسلسل دباؤ کے نیچے رہتا اور میں روحانی اور جسمانی دباؤ محسوس کرتا تھا۔ ڈاکٹر نے مشورہ دیا : صرف اس کام کی فکر کرو جو تم نے اسی روز سرانجام دینا ہے۔ میں کچھ سمجھا اور زیادہ تر نہ سمجھے بغیر واپس آگیا۔ میری پریشانیاں بدستور رہیں اور پیٹ کے درد میں پورا افاقہ نہ ہوا۔ اتنے میں دو واقعات پیش آئے جنہوں نے میرا ذہن بدل ڈالا اور درد خود بخود جاتا رہا۔ واقعات مندرجہ ذیل ہیں۔

الف : ایک دن میں اپنی میز صاف کر رہا تھا۔ گزرے ہوئے واقعات کے متعلق معمولی تحریریں، تراشے، نوٹس اور ایسے ہی کاغذات کا انبار تھا۔ میں انہیں مسل مسل کر ردی کی ٹوکری میں ڈالتا جاتا تھا۔ یکدم مجھے خیال آیا کہ میرے مستقبل کے پروگرام بھی انہی سے ملتے جلتے ہیں۔ پھر یہ سر

دردی، پریشان کن منصوبہ بندی، مستقبل کے متعلق تفکرات کیا معنی؟ کیوں نہ ضرورت سے زائد پریشانیاں پیدا کرنے والے منصوبوں کو مسل ڈالوں۔ میں نے ایسا ہی کیا۔

ب: ایک دن میں نے دیکھا کہ میری بیوی باورچی خانہ میں پلیٹیں دھو رہی ہے اور ساتھ ساتھ کوئی گیت گنگنا رہی ہے۔ اس کی آنکھوں میں چمک اور چہرے پر مسکراہٹ ہے۔ میں نے سوچنا شروع کیا کہ اس نے مستقبل میں ہزاروں دفعہ ان پلیٹوں کو دھونا ہے لیکن وہ کبھی ان خطوط پر نہیں سوچتی۔ وہ اس طرح یہ کام سر انجام دے رہی ہے کہ اسے یہ پلیٹیں صرف آج ہی دھونی ہیں۔ آخر میں کیوں مستقبل کے متعلق پریشان رہتا ہوں۔ جب کام آئے دیکھا جائے گا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا: ”فکرِ فردا مکن“۔

ڈل ہگس، ٹڈ ایرک سن کی آپ بیتی

Autobiography of Dill Higgs & Ted Ericson

تفاسیر اور اسلامی تاریخ کی کتب کا مطالعہ کیا جائے۔ حجاز کی زندگی چونکہ صحرائی زندگی اور مشکل زندگی تھی۔ جہاں غربت عام اور امیر وہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔
ان حالات میں جو شب و روز دین کی محنت کے لیئے کوشاں رہتے تھے۔، جنہوں نے اپنا تن، من اور دھن حتی کہ قریش قبیلہ کو دین کے لیئے قربان کر دیا۔
ایسے حالات میں جہاں صحابہ کرامؓ کیلیئے گھر کے اندر اور باہر معاشی مسائل میں فقر و فاقہ، غربت و تنگدستی، قرض اور آمدنی کی کمی معاشی مسائل میں پورا عرب ایک طرف، ان کا ظلم و ستم ایک طرف، ان کی یہودیوں کے ساتھ مل کر سازشیں ایک طرف اور پھر بار بار کے غزوات ایک طرف اور دوسری طرف مہاجرین و انصار کی وہ جماعت جو اسبابِ زندگی اور راہ سے بالکل تہی دست ہے۔
لیکن ان مہاجرین وانصار کے ساتھ مددِ خداوندی اور ان کی بہت ہی زیادہ مصروف زندگی نے (یعنی رات دن کی مصروفیت) ان حالات سے نمٹنے کیلیئے انہیں بہت زیادہ سامان مہیا کیا۔ اسلیئے ان کے اندر صبر و شکر، قناعت و توکل اور عفو و درگزر نے جگہ لی۔

زخمی پھیپھڑے کا اندمال

Recovery of injured lungs

از ـــــ ڈل ہگس

ٹوٹی ہوئی پسلیوں اور زخمی پھیپھڑے والا مریض ایک مشہور ہسپتال کے جراحی کے وارڈ میں پورے تین ماہ ماہر سرجنوں کے زیرِ علاج رہا۔ اس طویل وقفہ کے بعد ڈاکٹروں کا جواب تھا: ”کوئی افاقہ نہیں ہوا“۔ اس پر مریض ایک ایسے وارڈ میں

داخل ہو گیا جہاں ذہنی علاج کی بجائے مریض کو اس کی خواہش کے مطابق ماحول مہیا کرنے پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ ایک ماہ کے اندر مریض کی پسلیاں جڑ گئیں۔ پھیپھڑہ مندمل ہو گیا۔ وہ اچھی بھلی خوراک ہضم کرنے لگا اور اس کا وزن نارمل ہو گیا آپ ضرور حیران ہوئے ہوں گے اور شاید تسلیم نہ کریں گے کہ جب ماہر سرجن اپنی تمام تر کوشش کے باوجود ناکام ہو گئے تو محض ماحول کس طرح شفا کن ثابت ہوا؟...... میں آپ کو بتاتا ہوں کیونکہ میں ہی وہ سابق مریض ہوں۔

مرض کی وجہ

Cause of diseases

میں ایک چھوٹی سی کشتی سے ساحل پر چھلانگ لگانے کے لیئے تیار ہو رہا تھا کہ ایک بڑی لہر نے کشتی کو سمندر کی طرف دھکیلا لیکن اتنے میں میں چھلانگ لگا چکا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میرا جسم ہوا میں زیادہ اونچائی پر پہنچا۔ میں بری طرح ساحل پر گرا۔ میری تین پسلیاں ٹوٹ گئیں اور پھیپھڑہ زخمی ہو گیا۔ میں ولولہ انگیز زندگی گزارنے کا عادی تھا۔ بستر پر دراز رہنا میرے بس کی بات نہ تھی۔ میں بہت پریشان رہنے لگا۔ تین ماہ گزر گئے لیکن مجھے کوئی افاقہ نہ ہوا۔

دراصل میری ذہنی حالت میرے زخموں کے اندمال کے راہ میں حائل تھی۔ میرے فریکچر اور پھیپھڑے کے زخم بدستور اسی حالت میں رہے اور ادویات نے کوئی کام نہ کیا۔ اسی ہسپتال میں ایک ایسا وارڈ تھا جس میں مریضوں کو انڈور کھیلیں فراہم کی جاتی تھیں۔ پڑھنے کے لیئے کتابیں مہیا کی جاتی تھیں اور من پسند فن سکھائے جاتے تھے۔ میں نے ڈاکٹروں سے استدعا کی مجھے اس وارڈ میں داخلہ دے دیا جائے۔ ڈاکٹر بمشکل رضامند ہوئے۔

میں نے طرح طرح کے انڈور کھیل کھیلے، متعدد کتابیں پڑھ ڈالیں، روغنی مصوری، صابن بنانا اور لکڑی پر نقش و نگار کرنا سیکھا۔ اتنی مدت میں رسمی علاج کی طرف چنداں توجہ نہ دی گئی۔ البتہ موزوں وقفوں بعد میری صحت کا امتحان کیا جاتا رہا۔ مجھے انہیں ڈاکٹروں نے بتایا کہ میری ٹوٹی ہوئی ہڈیاں جڑ رہی تھیں اور پھیپھڑے کا زخم مندمل ہو رہا تھا۔ ایک دن میں کلی طور پر صحت یاب ہو گیا۔

اندمال کی وجہ

Cause of recovery

میں نے اپنی مصروفیات بھری زندگی میں کوئی خلا ایسا نہ رکھا جس میں پریشانیاں داخل ہو سکیں۔ پریشانیاں دور ہوئیں تو میرے جسم کے افعال نارمل طور پر کام کرنے لگے اور میرے زخم مندمل ہو گئے۔

مشکلات کی انتہا کے بعد

After extreme difficulties

از ـــــ ڈ ایرک سن

میرے ساتھی اور ہم عصر کارکن جب مجھے کوئی کام خندہ پیشانی سے کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں۔ ایک دن میرے ایک ساتھی نے پوچھا:

ایرک سن تم ہر کام خندہ پیشانی سے کس طرح سرانجام دے لیتے ہو؟ یہ بھی ایک راز ہے۔۔ میں نے کہا۔

آخر کیا راز ہے؟ میں نے مشکلات کی انتہاؤں میں کام کیا ہے اگر ان مصائب کا ان کاموں کی کوفت سے مقابلہ کیا جائے تو کوئی تناسب معلوم ہی نہیں ہوتا۔ اس لیئے یہ کام میرے لیئے قطعاً مشکل معلوم نہیں ہوتے۔ میں آپ کو اپنی داستان سناتا ہوں:-

مجھے ایلاسکا میں ساحلِ مچھلی پکڑنے والے چھوٹے سے بجرے پر ملازمت کرنا پڑی۔ اس بجرے میں صرف تین ملازم تھے۔ اسکپر یعنی نگران، ایک عام کارکن جس کی ذمہ داریاں معمولی تھیں اور تیسرا میں جو اس بجرے کا ملاح، مزدور، باورچی، ماہی گیر اور مکینک سب کچھ تھا۔ باورچی کی حیثیت میں بجرے کے ایک گوشے میں گیلی لکڑیوں کی مدد سے کھانا پکاتا۔ جب سیاہ دھواں میرے نتھنوں میں گھستا تو بے قرار ہو کر کھانسنے لگتا۔

سب سے مشکل کام ماہی گیری تھا۔ مجھے بہت بڑا جال سمندر میں ڈال کر اسے واپس کھینچنا پڑتا۔ جب میں جال کو پوری قوت سے کھینچتا تو سارا بوجھ میری کمر پر پڑتا۔ شدید ٹیس اٹھتی۔ میں اپنے جسم کو سہارا دینے کیلئے کبھی آگے جھکتا اور کبھی پیچھے لیکن درد دور ہونے کا نام نہ لیتا۔

بجرے میں پلنگ یا چارپائی نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ ایک مقفل الماری پڑی تھی۔ میں

اپنی رضائی کا ایک حصہ اس پر بچھا دیتا اور دوسرا اوپر لے لیتا۔ جب سونے کی کوشش کرتا تو پورے جسم کی اکڑاہٹ سمٹ کر کمر کے ایک حصے میں آجاتی۔ میں درد سے بلبلا اٹھتا اور خیال کرتا کہ دوسرے دن ملازمت ترک کر دوں گا۔ مگر اگلے دن پھر وہی کام کرنا پڑتا۔ دراصل میرا دل چاہتا تھا کہ میں اسکپر کو بتائے بغیر کسی طرف بھاگ جاؤں۔ مگر پیٹ کے دوزخ کو بھرنے کا کوئی دوسرا طریقہ سامنے نہ تھا۔ آخر ۱۹۴۲ء میں مجھے ایک اور کام مل گیا۔ گو یہ بھی محنت طلب کام تھا لیکن مجھے بڑا آسان معلوم ہوا۔ اس کے بعد کئی دوسرے کام ملتے رہے مگر مجھے کوئی کوفت نہ ہوئی۔ اب میں کبھی پریشان نہیں ہوتا اور ہر کام خندہ پیشانی سے سرانجام دیتا ہوں۔

کیتھلین ہالٹر

Catheleen Halter

اسلامی زندگی میں شکر بہت اہمیت رکھتا ہے۔ جو شکر کرتا ہے اللہ اپنی نعمتیں اس پر بڑھا دیتے ہیں اور جب آدمی شکر کرتا ہے اور صبر کا مادہ اس میں پروان چڑھتا ہے تو اس کی توجہ پریشانی، غم اور تفکرات کی طرف بالکل نہیں جاتی۔ اگرچہ یہ ساتھ بھی ہوں۔ اگر آدمی دین کا کام بھی کر رہا ہو تو وہ اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کو محسوس کرتا ہے۔ کیتھلین ہالٹر نے بھی انہیں اسلامی اصولوں پر عمل کر کے اپنے مصائب اور پریشانیوں پر قابو پایا۔

مصروفیت و دعا

Occupation & prayer

از ــــــ کیتھلین ہالٹر

میں جب اپنی پریشانیوں اور اس طویل مدت کا تذکرہ کروں گی جب وہ میرے گرد منڈلاتی رہیں تو آپ حیران ہوں گے کہ اس ماحول میں میرے غم و اضطراب نے مجھے پاگل کیوں نہ کر دیا۔ میں آپ کو بتادوں کہ نہ صرف میں نے پریشانیوں سے نجات پائی بلکہ طویل مدت تک اپنے عزیزوں کے کام آتی رہی۔ کیسے؟...... میری داستان ملاحظہ کریں:

میں نے شعور کی آنکھیں کھولیں تو میرے چاروں طرف غم کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہمارا کنبہ تین افراد پر مشتمل تھا۔ ماں، بھائی اور میں۔ میری ماں کو دل کے دورے پڑتے تھے۔ جب اسے دل کا دورہ پڑتا تو وہ دھڑام سے فرش پر آرہتی اور فرش پر بری طرح لوٹ پوٹ ہونے لگتی۔ میں بمشکل چھ سال کی بچی تھی مجھے ماں کے سایہ کی ضرورت تھی۔ میں اس کے سوا اور کیا کر سکتی تھی کہ اللہ سے دعا کروں کہ اللہ تعالیٰ میری ماں کا سایہ میرے سر پر سلامت رکھے۔ میں جانتی تھی کہ جن بچوں کے والدین مر جاتے ہیں انہیں یتیم خانہ میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ مجھے یتیم ہونے اور یتیم خانہ میں

داخلے سے بڑا خوف محسوس ہوتا تھا۔

یتیم خانہ کی خشک زندگی میرے لیئے سوہانِ روح تھی۔ میں جوان ہوئی.. کالج میں موسیقی کی کلاسوں میں داخلہ لیا تو ایک اور بلائے ناگہانی ٹوٹ پڑی۔ میرے بھائی کو حادثہ پیش آگیا۔ ہسپتال میں داخلہ دلوانے کی رقم کہاں تھی۔ اسے گھر پر رکھا گیا۔ زخم شدید تھے اور پُر درد۔ بیچارے کو دن میں تین مرتبہ مارفیا کا ٹیکہ لگایا جاتا تھا۔ ان اوقات کے علاوہ جب کبھی وہ درد سے چلانے لگتا تو محلّہ کے لوگ مجھے کالج سے بلوا کر لے جاتے اور میں ٹیکہ لگا دیتی۔ دو سال مسلسل علاج اور تیمار داری کے باوجود بھائی اللہ کو پیارا ہو گیا۔ ماں پہلے ہی مر چکی تھی۔ اب میں تھی میری تنہائیاں اور پریشانیاں.. لیکن میں نے دو اقدامات کیئے۔

۱: روزانہ بارہ سے چودہ گھنٹے موسیقی پڑھانے پر صرف کرنے لگی۔ اس طرح میرے پاس اپنی پریشانیوں، غم اور تفکرات کی طرف دھیان دینے کا وقت نہ رہا۔

۲: مجھے احساس ہوا کہ ان حالات میں بھی اللہ تعالیٰ کی بعض برکتیں میرے شاملِ حال تھیں۔ میری صحت اچھی تھی.. مالی لحاظ سے مجھے کوئی تکلیف نہ رہی۔

میں ہر روز صبح کے وقت اللہ کی جناب میں اس کی نوازشات کا شکریہ ادا کرتی اور رب العزت کی خدمت میں دعا کرتی کہ مجھ سے کمتر سہولتوں اور صلاحیتوں کے افراد کی مدد کرے۔ میں نے پُر سکون زندگی کی چاشنی محسوس کی۔

اپنا محاسبہ

Accountability of oneself

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانو! اپنے دلوں کو سوچنے کی عادت ڈالو اور خدا کی نعمتوں پر غور کیا کرو مگر خدا کی ہستی پر غور نہ کرو۔

(اسوۂ رسولِ اکرمؐ)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اپنے نفس سے محاسبہ کرو۔ پہلے اس سے کہ تم سے محاسبہ کیا جائے اور اس کو وزن کرو پیشتر اس کے کہ وزن کیئے جاؤ اور عرضِ اکبر کیلئے مستعد رہو۔ (احیا العلوم جلد چہارم)

حضرت ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ اپنے نفس سے سختی کے حساب سے پیستر راحت کے وقت میں حساب لو۔ (احیا العلوم)

دین مکمل ایماناً و حساباً ہی کا نام ہے۔ ہر عمل کے درمیان اور بعد محاسبہ ہی اخلاص کہلاتا ہے۔

شریعتِ محمدی ﷺ میں جگہ جگہ محاسبہ ملتا ہے۔ کہیں نفس کا محاسبہ، مال کا محاسبہ، اوقات کا محاسبہ حتیٰ کہ جسم کے ہر ایک عضو کا محاسبہ دینِ اسلام ہے۔

اپنا محاسبہ

Accountability of oneself

میں نے ایک پرائیویٹ فائل بنا رکھی ہے۔ جس کے ٹائٹل پر جلی حروف میں لکھا ہے۔ م۔غ۔ یعنی میری غلطیاں۔ اس کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ میں اپنے سیکرٹری سے لکھوانے میں عار نہیں سمجھتا۔ مگر تحریر فائل میں خود لگاتا ہوں۔ دوسرا حصہ۔ م۔ح۔ یعنی میر حماقتیں پر مشتمل ہے۔ یہ ایسی ہوتی ہیں جو میں سیکرٹری سے پوشیدہ رکھنے کیلئے خود ٹائپ کر کے فائل میں لگاتا ہوں۔ میں ہفتے بعد ایک الگ گوشے میں بیٹھ کر

فائل کا مطالعہ کرتا ہوں۔ یہ گویا ہفتے کی پوری کارگزاریوں کا جائزہ ہوتا ہے اور مجھے اس قابل بناتا ہے کہ میں آئندہ زندگی میں ان غلطیوں کا مرتکب نہ ہوں۔

ڈکٹیٹر بڑی بڑی غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اگر وہ اپنا احتساب کرنے کا دل گردہ رکھتے تو نہ خود ناکام ہوتے اور نہ اپنی قوم کو تباہی کے گڑھے میں دھکا دیتے۔ ڈکٹیٹروں میں صرف نپولین نے اپنی غلطیوں کا اقرار کیا جب اس نے کہا: میری شکست اور زوال کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ میں زمانہ ماضی میں اپنا سب سے بڑا دشمن تھا۔ بہت سے افراد جنہوں نے ترقی کی منازل طے کر کے کامیابیوں کے جھنڈے گاڑے وہ "اپنے احتساب" کے کسی نہ کسی طریقے پر عمل کرتے تھے۔ چند حقیقی داستانیں ملاحظہ کریں۔

مسٹر پی۔ ایچ۔ ہوول

Mr. P. H. Howell

مسٹر پی۔ ایچ۔ ہوول امریکی مالیات میں بڑا اہم مقام رکھتا تھا۔ وہ ایک وقت میں کئی کمپنیوں کا ڈائرکٹر اور بڑی فرم کا چیئر مین تھا۔ اس کا دستور تھا کہ اپنی روزانہ اغلاط کا تحریری ریکارڈ رکھتا۔ ہفتے کے روز وہ گھر کا کوئی کام نہ کرتا اور اس فائل کا گہری نظر سے مطالعہ کرتا۔ غلطیاں کس سے سرزد نہیں ہوتی وہ ان غلطیوں کا تجزیہ کرتا اور کوشش کرتا کہ دوسرے ہفتے ان کا اعادہ نہ ہو۔

بن فرینکلن امریکہ کے محبوب اور بااثر افراد میں سے ایک تھا۔ اسے بااثر شخصیت بننے میں کئی سال صرف کرنے پڑے۔ اس نے اپنے محاسبہ کے دوران تیرہ خامیاں قلمبند کیں۔ مثلاً وقت ضائع کرنے والا، جھگڑالو وغیرہ۔ وہ اپنی ایک ایک خامی پر قابو پاتا گیا۔ حتیٰ کہ کامیابی نے اس کے قدم چوم لیے۔

محاسبہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان خود اپنا نقّاد بن جائے۔ وہ اپنے طرزِ عمل پر گہری نظر ڈالے اور پیشتر اس کے کہ لوگ اس کی خامیوں کو زبان زدِعام کریں یا اس پر رُو نکتہ چینی کریں۔ وہ اپنی عاداتِ مکروہ یہ بدل ڈالے۔ چارلس ڈارون کی مثال اس ضمن میں پیش کی جاتی ہے۔ اس نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "حیاتیاتی انواع کا آغاز" کا مسودہ مکمل کیا تو اسے احساس ہوا کہ اس کی کتاب دنیا میں تہلکہ مچا دے گی۔ اس پر تنقید کے انبار لگ جائیں گے اور نکتہ چینی کرنے والوں کی بڑی تعداد اس پر پل پڑے گی۔ وہ اپنے مسودہ کا خود نقاد بن گیا۔ ایک ایک سطر کا جائزہ لیا ہر نظریہ کے ثبوت میں مثالیں شامل

کیں۔ اس کام میں پندرہ سال صرف ہو گئے لیکن جب تک اس کی اپنی تسلی نہ ہوئی مسودہ کی کتابت نہ کرائی گئی۔

بڑے آدمی نہ صرف اپنا محاسبہ خود کرتے ہیں بلکہ اگر کوئی مخلص آدمی ان کی حکمتِ عملی یا ان کی ذات کے متعلق تنقیدی بات کر ڈالے تو جذباتی ردِ عمل کا مظاہرہ کرنے کی بجائے اس کی رائے کا تجزیہ کرتے ہیں اور پھر اپنے طرزِ عمل سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ وہ بڑے آرام اور سکون سے کرتے ہیں اور اس دوران میں وہ کبھی یہ خیال دل میں نہیں لاتے کہ جس کی رائے کاموں میں ڈال رہے ہیں وہ تعلیم و تجربہ میں ان سے کم ہے۔

ابراہم لنکن

Abraham Lincoln

ابراہم لنکن امریکہ کا بڑا مشہور صدر گزرا ہے۔ ایک دفعہ چند خود غرض سیاست دانوں کو خوش کرنے کیلئے اس نے بعض فوجی دستوں کا تبادلہ کر دیا۔ جب یہ حکم وزیرِ دفاع کے پاس پہنچا تو نہ صرف اس نے حکم ماننے سے انکار کر دیا بلکہ ابراہم لنکن کی شان میں خطابات بھی پیش کر دیئے۔ "الو کا پٹھا اور گدھا"۔ یاروں نے نمک مرچ لگا کر ابراہم لنکن تک خبر پہنچائی تو گرم ہونے کی بجائے ابراہم لنکن نے کہا کہ :وزیرِ دفاع کھرا آدمی ہے۔ ضرور میرے حکم میں کوئی خرابی ہو گی۔ مزید کہا کہ وہ وزیرِ دفاع کے پاس جا کر حکم پر بحث کرے گا۔ وہ وزیرِ دفاع سے ملا۔ اپنے حکم کا پس منظر بتایا۔ وزیرِ فاع نے اس کی تعمیل کی صورت میں ردِ عمل، کی اطلاع دی۔ ابراہم لنکن نے تسلیم کیا کہ وزیرِ دفاع کی رائے درست تھی اور تبادلے کے احکام واپس لے لیئے۔

ڈاکٹر آئن سٹائی جدید طبیعات کا بانی

Dr. Einstein

ڈاکٹر آئن سٹائی جدید طبیعات کا بانی ہے لیکن وہ اپنے تجربات کی سختی سے پڑتال کرتا تھا۔ اس نے ایک بار صاف اور واضح الفاظ میں کہا کہ جب بھی اس نے محض اندازے سے کوئی چیز مقرر کرنا چاہی، نوے فیصد صورتوں میں غلط ہو گئی۔ عام لوگوں کی بات کیجئے، ان کی بہت بڑی تعداد خود احتساب کی عادت نہیں رکھتی۔ لہٰذا جب ان پر کوئی فرد تنقید کرتا ہے تو وہ سیخ پا ہو جاتے ہیں۔ ان کا خون کھول اٹھتا ہے، وہ تنقید کرنے والے کو اپنا ذاتی

دشمن سمجھتے ہیں اور بڑے جذباتی انداز میں اس کا جواب دیتے ہیں۔ بعض تجارتی کمپنیاں ان لوگوں کی مشکور ہوتی ہیں جو ان کے مال اور طریق کار پر تنقید کریں۔ ایسے تنقید نگاروں کی بڑی تعداد تعمیری انداز اختیار کرتی ہے۔ مگر ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں تو تنقید برائے تنقید کے خوگر ہوتے ہیں۔ کمپنیاں ان کی رائے کو بھی برداشت کرتی ہیں۔

مسٹر ای۔ ایچ۔ لٹل

Mr. E. H. Little

مسٹر ای۔ ایچ۔ لٹل امریکہ کی صابن بنانے والی سب سے بڑی کمپنی کے صدر ہیں۔ ان کی ذاتی آمدنی دولاکھ چالیس ہزار ایک سو اکتالیس ڈالر سالانہ ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ مسٹر لٹل نے اپنی کاروباری زندگی کا آغاز صابن کے سیلز مین کی حیثیت سے کیا مگر وہ پہلا سیلز مین تھا جو ہر مقام پر اپنا محاسبہ کرتا تھا۔ وہ صابن کے آرڈر لینے جاتا۔ اگر کوئی دکاندار اسے آرڈر نہ دیتا تو وہ اسی شام ایک بار پھر اس کی دکان پر جاتا اور دکاندار سے پوچھتا کہ آیا ان کو صابن کی ضرورت نہ تھی یا اس کے طریقۂ ترغیب میں کوئی نقص تھا۔ وہ دکاندار کو بتا دیتا کہ اسے اپنے خامیاں سننے پر کوئی افسوس نہ وہ گا اور نہ یہ وہ اس کی بات کا برا منائے گا۔

دکاندار پہلے تو اس نرالے نمائندے کے طرزِ عمل پر حیران ہوئے لیکن جب انہیں مسٹر لٹل کے خلوص کے متعلق اطمینان ہو گیا تو وہ اس سے گھل مل گئے اور دل کھول کر آرڈر دینے لگے۔ مسٹر لٹل نے کثیر تعداد میں دوست بنائے اور ان میں سے اکثر اس کی کامیابیوں کیلئے زینہ کا کام دے گئے۔

اس باب کا خلاصہ کچھ یوں ہو سکتا ہے۔ اپنا محاسبہ کرنے والے مشہور افراد یہ ہیں۔

ہفتہ وار محاسبہ کرنے والے...... مسٹر پی۔ ایچ۔ ہوول
روزانہ محاسبہ کرنے والے............ بن فرینکلن
ہر مقام پر محاسبہ کرنے والے...... مسٹر ای۔ ایچ۔ لٹل

نکتہ چینی سے بے پروائی.. عفوو درگزر

Ignore Critiusm _ forget & forgive

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نہ طبعاً فحش گو تھے اور نہ تکلف سے فحش کہنے والے تھے، نہ بازاروں میں بآوازِ بلند گفتگو کرتے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے بلکہ معاف فرماتے اور درگذر فرماتے تھے۔ (ترمذی)

آپ ﷺ نے فرمایا عفو کرنے سے اللہ تعالیٰ آدمی کی عزت بڑھاتا ہے۔

آپ ﷺ لوگوں کو ایذا دینے پر سب سے زیادہ صابر تھے اور سب سے بڑھ کر حلیم تھے۔ (اسوۂ رسول اکرم ﷺ)

آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ (شمائل ترمذی)

دینِ اسلام عفوو درگزر کا نام ہے۔ کفار مکہ نے حضورِ اقدس ﷺ کی تبلیغ اور کام میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے طرح طرح کی افواہیں اور بہتان لگائے حتیٰ کہ بے شمار تکالیف دیں لیکن آپ ﷺ سب چیزوں سے بے پرواہ اپنے کام میں مگن رہے۔

آیئے! یورپی مفکر سے اس سوال کا جواب پوچھتے ہیں۔

نکتہ چینی سے بے پروائی

جنرل سیڈلے

General Sedly

جنرل سیڈلے امریکہ کا پہلا حبشی جنرل ہے۔ میں نے اس سے انٹرویو کیا اس نے بتایا کہ نوجوانی سے اسکی خواہش تھی کہ ہردلعزیزی حاصل کرے لیکن لوگوں کا ردِ عمل برعکس تھا۔ اس کی توہین اور بے عزتی کی جاتی تھی، اسے طرح طرح کے ناموں سے یاد کیا جاتا تھا، یہ سب کچھ سن کر بھی وہ اپنے کام میں مگن رہتا اور کسی کی نکتہ چینی سے متأثر

نہ ہوتا۔ میری تعلیمِ بالغاں کی کلاس میں طریقِ کار کا مظاہرہ ہو رہا تھا۔ پریس کے نمائندوں میں نیویارک سن کا نمائندہ بھی شامل تھا۔

میں نے دوسرے دن اخبارات میں اپنے متعلق رپورٹیں دیکھیں۔ نیویارک سن نے میرے خلاف لکھا تھا بلکہ اس نے میرے کام کا مذاق اڑایا تھا۔ میں نے اسے توہین سمجھا اور اخبار کے صدر کو فون کیا کہ وہ حقائق شائع کرے۔ میں آج محسوس کرتا ہوں کہ مجھے اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہ تھی۔ نیویارک سن کی رپورٹ اتنی نمایاں اور اہم نہ تھی کہ لوگ اس میں دلچسپی لیتے۔ وہ اپنی موت آپ مر گئی۔

الینور روزویلٹ

Eleanor Roosevelt

الینور روزویلٹ پر بڑی تنقید کی جاتی تھی۔ ایک دفعہ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ تنقید کو کس رنگ میں لیتی ہیں۔ وہ بولیں کہ میں نے بچپن میں اپنی بڑی ہمشیرہ یعنی تھیوڈ روزویلٹ سے اس ضمن میں نصیحت کی استدعا کی تو انہوں نے فرمایا تھا۔ دیکھو الینور! جب تم کوئی بڑا مقام حاصل کرو گی تو تم پر تنقید ضرور ہو گی خواہ تم بڑے سے بڑا معرکہ سر انجام دو، بڑے سے بڑا کارنامہ کر دکھاؤ دوسروں سے نیکی کرو تو اپنا گھر لٹا دو، پھر بھی تنقید کرنے والے ایسا کر کے رہیں گے، لہٰذا اپنی حکمتِ عملی کے مطابق قدم اٹھاتی جائیں اور یہ خیال نہ کریں کہ دوسرے آپ کے متعلق کیا کہتے ہیں۔

آنجہانی میتھو۔ سی۔ برش

Late Matthew C. Brush

آنجہانی میتھو۔ سی۔ برش ایک بڑی کمپنی کے صدر تھے۔ اس کے سینکڑوں ملازم تھے۔ میں نے ان سے نکتہ چینی کے متعلق پوچھا کہنے لگے کہ وہ شروع شروع میں بڑے حساس تھے۔ جس فرد کی طرف سے نکتہ چینی ہوتی اسے نہ صرف خوش کرتے بلکہ نوازنے کی کوشش کرتے۔ مگر انجام یہ ہوتا کہ ایک خوش ہوتا تو دو ناراض ہو جاتے۔ دو کو مناتا تو چار مزید ملازم ناراضگی کے دائرے میں شامل ہو جاتے۔ آخر انہیں یہ سبق مل گیا کہ: "راہِ راست پر چلتے جاؤ، اور تنقید کرنے والوں کی پرواہ نہ کرو"۔

ڈیمز ٹیلر

Deems Taylor

ڈیمز ٹیلر نشری نغموں پر تبصرہ کیا کرتا تھا۔ تبصرہ اور تنقید نگار کی ذات مخالفت بلکہ دشمنی کے تھپیڑوں سے محفوظ نہیں رہتی۔ ڈیمز ٹیلر کے ساتھ بھی یہی ہوتا تھا۔ اسے خطوط ملتے کہ وہ تنقید میں اپنی حدود سے تجاوز کرتا ہے۔ بعض نشریات کو پسند اور بعض کو بلاوجہ ناپسند کرتا ہے حالانکہ صورتحال ایسی نہیں ہوتی تھی۔ یہاں تک تو غنیمت تھا لیکن ایک خاتون تمام اخلاقی حدود سے تجاوز کر گئی۔

اس نے اپنے خط میں ڈیمز ٹیلر کو ان خطابات سے نوازا: ''جھوٹا، فریبی، جعلساز، سانپ اور گیدڑ''۔ ڈیمز ٹیلر نے ریڈیو پر مزاحیہ انداز میں یہ خط سنادیا اس کا خیال تھا کہ محترمہ اپنے کیئے پر نادم ہو جائیں گی۔ مگر چند دن بعد اسے ایک خط میں انہی خطابوں سے سرفراز کیا گیا۔ ڈیمز ٹیلر کا خیال ہے کہ پہلے خط نشر کرنے کے دوران جو لطف بھری باتیں انہوں نے کہی تھیں۔ محترمہ بخوبی نہ سن پائیں تھیں کیونکہ جو شخص اپنے خلاف تنقید کو مزاحیہ رنگ میں بیان کرتا ہے، لوگ اس کے قائل ہو جاتے ہیں۔

چارلس شیب

Charles Shabe

چارلس شیب نے پرنسٹن یونیورسٹی کے طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے واقعہ سنایا کہ فولاد کی ایک مل میں چند نوجوان کاریگر باتیں کر رہے تھے۔ ایک بوڑھا بھی وہیں موجود تھا۔ نوجوانوں کے دل میں کیا بات آئی کہ انہوں نے بوڑھے کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا۔ بوڑھا بھیگے ہوئے کپڑوں سے واپس آیا تو مسٹر پرنسٹن نے اس سے پوچھا کہ اس نے نوجوانوں کو کیا بات کہہ دی تھی جس پر وہ اتنے سیخ پا ہو گئے۔ بوڑھے نے کہا کہ: میں صرف ہنس دیا تھا۔ مسٹر پرنسٹن کہتے ہیں کہ انہیں یہ فقرہ اتنا پسند آیا پلے باندھ لیا۔ وہ کہتے ہیں کہ تنقید، نکتہ چینی اور پگڑی اچھالنے کا صرف ایک جواب یعنی سن کر صرف ہنس دیا جائے اور بس۔

نامناسب نکتہ چینی.. حسد

Unreasonable criticism — jealousy

☆ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی مسلمان کو ایسے موقع پر ذلیل کرائے گا جہاں اس کی ھتک ہو یا اس کی عزت میں کچھ کمی آئے تو اللہ تعالیٰ ایسے مقام میں ذلیل کرائے گا جہاں وہ اللہ کی مدد کا طلب گار ہو گا اور جو شخص کسی ایسی جگہ کسی مسلمان کی مدد کرے گا جہاں اس کی ھتک اور بے عزتی ہوتی ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے مقام پر مدد کرے جہاں اس کو اللہ تعالیٰ کی مدد درکار ہو گی۔ (ابو داؤد، اسوہ)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسولِ کریم ﷺ سے رلویت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ تم حسد کے مرض سے بہت بچو، حسد آدمی کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ (ابو داؤد)

☆ حضرت محمد ﷺ فرماتے ہیں کہ مسلمانو! تمہارے درمیان بھی وہ بیماری آہستہ آہستہ پھیل گئی ہے جو تم سے پہلے لوگوں میں تھی اور اس سے میری مراد بُغض و حسد ہے یہ بیماری مونڈ دینے والی ہے سر کے بالوں کو نہیں بلکہ دینِ ایمان کو۔ (مسندِ احمد، جامع ترمذی، معارف الحدیث)

حسد اور مغربی مفکرین

نامناسب نکتہ چینی

Unreasonable criticism — jealousy

آپ نے زمانہ ماضی کی بعض حقیقی داستانوں میں پڑھا ہو گا کہ کس طرح بڑے بڑے آدمیوں کی پگڑی اچھالی گئی، ان پر الزامات تراشے گئے، اخبارات میں ان کو تختہ مشق بنایا گیا، جلسوں اور جلوسوں میں ان پر رقیق حملے کیئے گئے۔ سیاسی ایوانوں میں لوگ ذاتیات پر اتر آئے لیکن بڑے آدمیوں کی یہ شان رہی کہ انہوں نے سب کچھ سنا، دیکھا اور پڑھا مگر ان کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ ذیل میں چند حقیقی واقعات کا ایک حوالہ دیا جائے گا اور ایک نئے نقطے کی نشاندہی کی جائے گی۔

۱۹۲۹ء میں جب شکاگو یونیورسٹی میں ایک شخص کو صدر مقرر کیا گیا تو گویا بھونچال آ گیا۔ اخبارات نے زہریلے اداریے لکھے، سینئر پروفیسروں نے ناک بھوں چڑھائی، اس کے فرضی نقائص کی تشہیر کی گئی، کیوں؟ اسلیئے کی اس کی عمر صرف تیس برس تھی۔ گویا یہ مقام حاصل کرنے کیلیئے اس نے ہر وہ محنت کی جس سے وہ اپنے جسم و جاں کو یکجا رکھتے ہوئے اپنی تعلیم جاری رکھ سکتا تھا۔ اس نے بیر اگیری، لکڑ تراشی کے علاوہ پارچہ بافی کی اور ٹیوشن پڑھائی۔

ایڈورڈ ہشتم

Edward the Eighth

ایڈورڈ ہشتم جب چودہ سال کا تھا تو فوجی سکول میں بعض دوستوں نے اسے بے قصور اور بلاوجہ ٹھوکریں لگائیں۔ پرنسپل کے استفسار کرنے پر لڑکوں نے کہا کہ شہزادہ کا کوئی قصور نہ تھا، دراصل ہم یہ چاہتے تھے کہ جب شہزادہ صاحب تخت پر جلوہ افراز ہوں تو ہم یہ شیخی بھگار سکیں کہ: "یہ ہے شہنشاہ، اسے تو ہم نے بچپن میں مارا تھا"۔

ایک دفعہ میں نے اپنی نشری تقریر میں مکتی فوج کے بانی جنرل بوتھ کی بڑی تعریف کی۔ چند دن بعد مجھے ایک ایسی محترمہ کا خط موصول ہوا جو مجھ سے شادی کی طلب گار تھیں اور اکثر محبت نامے لکھا کرتی تھیں۔

انہوں نے مجھے ان الفاظ میں ڈانٹا تھا۔ "ہوش کے ناخن لو کارنیگی.. تمہارے نام نہاد جنرل بو تھ نے اسی لاکھ ڈالر غبن کیئے ہیں"۔ میں نے خدا کا شکریہ ادا کیا کہ اول مکتی فوج کی اصل آمدنی اتنی نہ تھی اور دوسرے میں ان محترمہ سے شادی نہ کر بیٹھا تھا ورنہ محترمہ عمر بھر میرے سر میں خاک ڈالنے سے نہ چوکتیں۔

امریکہ میں ایک صدارتی مہم شروع ہوئی۔ ایک ریاست کے پریذیڈنٹ۔ نہ ان پر جو نکتہ چینی کی ذرا اس کا انداز ملاحظہ کریں۔

"اگر یہ شخص صدر منتخب ہو گیا تو ہماری بہو بیٹیاں قانونی بدکاری کا شکار ہو جائیں گی۔ بدی اور بدکاری کا دور دورہ ہو گا اور خدا سے نفرت کی جائے گی"۔

ذرا غور سے پڑھیئے ایک اور شخص پر یہ الزامات لگائے گئے، منافق، ریاکار، مکار، عیار، ڈاکو، گرہ کٹ، قاتلوں کا سردار۔ بتائیے یہ کون تھا؟ آپ حیران ہوں گے یہ تمام خطابات جارج واشنگٹن کو دیئے گئے تھے۔ یہ وہی جارج واشنگٹن تھا جس نے امریکہ کو آزادی دلائی تھی۔ کافی مثالیں دی جا چکی ہیں۔ اس کتاب میں میں نے وہ قصیدے بھی لکھے ہیں جو ابراہم لنکن کی شان میں پڑھے گئے۔ انہیں متعلقہ باب میں دیکھ لیجئے۔ یہ زمانہ ماضی کے واقعات ہیں اور ان لوگوں کی حقیقی داستانیں ہیں جنہوں نے محنت کی مگر قسمت کی دیوی بھی ان پر مہربان ہو گئی لیکن کرنل پیری کی داستان ملاحظہ کیجئے وہی کرنل پیری جس نے قطب شمالی معلوم کیا اور وہاں قومی جھنڈا گاڑا۔

جس کی بعض انگلیاں سردی سے مردہ ہو گئیں۔ اور کاٹنی پڑیں جس کو شدید سردی میں کئی دن بھوک اور پیاس سے گزارنے پڑے۔ آپ حیران ہوں گے کہ جس وقت کرنل پیری یخ بستہ ہواؤں میں برف کے اوپر اپنی گاڑی کھینچتے ہوئے قطب شمالی تک پہنچ چکا تھا۔ واشنگٹن میں اعلیٰ فوجی افسر اس مہم کو سستی شہرت حاصل کرنے اور روپیہ ضائع کرنے کا طریقہ بتا رہے تھے اور پیری کو طرح طرح سے بدنام کر رہے تھے۔

جنرل گرانٹ کی سرکردگی

Supervision of General Grant

امریکہ کی عظیم خانہ جنگی تاریخ کا اہم حصہ ہے۔ اس میں شمالی ریاستوں کی فوج نے جنرل گرانٹ کی سرکردگی میں جنوبی ریاستوں کی فوج کو شکست فاش دی۔ نتیجتاً غلامی

منسوخ ہوئی اور امریکہ از سرِ نو متحد ہو گیا۔ ہر فرد کی زبان پر جنرل گرانٹ کا نام تھا وہ قومی ہیرو بن چکا تھا مگر ہوا کیا؟ اس عظیم فتح کے چھ ہفتوں کے اندر اندر فوج کی کمان اس سے لے لی گئی اور اسے گرفتار کر لیا گیا۔ وجہ؟ اس کے افسروں کے پیٹ میں رشک اور حسد کا مروڑ اٹھا تھا۔ ایسی باتیں زمانہ ماضی اور کل کے قصوں تک محدود نہیں۔ آج بھی یہی کچھ ہو رہا ہے۔ انسانی فطرت ایسی ہے۔ آخر ایسا کیوں کیا گیا۔ ذرا غور سے دیکھیں۔ ان واقعات میں ایک چیز مشترک ہے لوگوں کی طرف سے نامناسب نکتہ چینی اور نامعلوم طور پر پگڑی اچھالنا، لیکن سوال جواب بھی موجود ہے آپ نے نامناسب اور غیر معقول رویہ کیوں اختیار کیا ۔ ماہرینِ نفسیات کا کہنا ہے کہ :-

"نامناسب اور غیر معقول نکتہ چینی فی الحقیقت ڈھکی ہوئی تعریف ہوتی ہے"۔

لیکن عمل کی دنیا میں یہ دونوں کے درمیان نفرت کا ایسا بیج بوتی ہے کہ اس شگاف کو پر کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ تلوار کا زخم بھر جاتا ہے مگر زبان کا پیدا کردہ زخم نہیں بھرتا۔ ڈھکی ہوئی تعریف کا یہ طریقہ اختیار نہ کریں۔ گو یہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ بلاوجہ خود پریشان نہ ہوں اور نامناسب نکتہ چینی کر کے دوسروں کو پریشان نہ کریں۔

پریشانیاں اور مذہب
یورپی مفکر کے قلم سے

Worries & religion in the eyes of European thinkers

زیرِ نظر مضمون ایک یورپی ماہر کی ماہرانہ اور عالمانہ تحقیق ہے کہ ہم ہر طرف سے مایوس ہو کر مذہب کی طرف لوٹتے ہیں تو مذہب ہمیں اپنے سینے سے لگا کر ہمارا سینہ ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ فاضل مضمون نگار نے جگہ جگہ بائبل اور عیسائیت کے حوالے دیئے لیکن ہمارے لیئے اسلام، قرآن اور سُنّتِ نبوی ﷺ سے بڑھ کر کائنات کی کوئی چیز عظیم نہیں۔ ہمیں تو ہر مسئلے کی طرف قرآن اور سنتِ نبوی ﷺ کی طرف دیکھنا پڑے گا۔

آیئے پڑھیں مغربی مفکر مادے کی دوڑ کے بعد روحانیت کی طرف چلے آرہے ہیں۔ آخر کیوں؟

پریشانیاں اور مذہب

Worries & religion

میں نے اس کتاب میں کئی جگہ لکھا ہے کہ میں مسوری کے ایک کسان کا بیٹا ہوں۔ میرے باپ نے چالیس سال کی عمر تک انتھک محنت کی، ہل چلائے، مویشی پالے، سور، گھوڑے اور خچر پال کر فروخت کیئے لیکن غریبی کا روگ نہ کٹا۔ دراصل ہمارا فارم ایک نشیب میں تھا۔ اسلیئے اکثر سیلاب کی تباہ کاریوں کا شکار رہتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ سیلاب نہ آیا غلہ بے انداز پیدا ہوا۔ مگر بازار میں اس کی قیمت گر گئی۔ ہم نے وہ غلہ سوروں اور مویشیوں کو کھلا کر انہیں خوب موٹا کیا۔ جب میرا باپ جانوروں کو بازار میں لے کر گیا تو ان کی قیمتِ فروخت اتنی کم ملی کہ ہمیں پورے سال کی محنت کا معاوضہ اڑتیس ڈالر ملا۔ میری ماں دیہی اسکول میں استانی تھی۔ ملازمت کے اوقات کے بعد وہ

بری طرح گھریلو کاموں میں جتی رہتی۔ گھر کے افراد کے کپڑے سیتی بلکہ صابن تک خود بناتی تاکہ بازار سے گراں قیمت پر صابن نہ خریدنا پڑے۔ خود میری یہ حالت تھی کہ میں سکول تک پہنچنے کیلئے میل بھر فاصلہ پیدل طے کرتا۔

موسمِ سرما میں جب راستہ برف سے ڈھکا ہوتا تھا، مجھے جوتے میسر نہ ہوتے تھے۔ میرے باپ کے لبوں پر اکثر شکوہ کے الفاظ ہوتے لیکن میری ماں اپنی قسمت پر قانع تھی۔ وہ مذہبی خیالات کی عورت تھی۔ اس کے لبوں پر کبھی گلے شکوہ کے الفاظ نہ آئے بلکہ وہ کام کرنے کے دوران یہ الفاظ گنگناتی رہتی :

"امن امن.. پُر سکون و دلفریب امن
جو اوپر باپ کی طرف سے نیچے کی طرف اس وقت
میری روح کی طرف بہتا ہے
جب میں محبت کی عمیق گہرائیوں میں ہوتی ہوں"۔

میں نے کالج میں داخلہ لیا اور جن مضامین کا انتخاب کیا ان میں حیاتیات، سائنس، فلسفہ اور مقابلہ مذاہب شامل تھے۔ اس تعلیم نے میرے خیالات کو متأثر کرنا شروع کیا۔ سائنس صرف مادی نتائج پر یقین رکھتی ہے۔ جن دنوں کی میں بات کر رہا ہوں۔ اس دور میں سائنسدان مذہب کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔[1]

سائنسدانوں اور مذہب پرستوں میں بحث جاری رہتی تھی۔ میں بھی اس ڈگر پر چلتا رہا۔ میں سوچتا کہ آخر مذہب نے ہمیں کیا دیا؟ بلکہ میں انجیل مقدس، اس کے مصنفین، اس کے واقعات کو تحریر میں لانے کیلئے طریقوں اور ایسی ہی باتوں پر غور کرتا۔ مجھے مذہب بالخصوص اس مذہب سے چڑ ہوگئی جس کو دیہاتی پادری پیش کرتے تھے۔ میں نے گرجا جانا چھوڑ دیا اور اس کے بجائے مذہنی رسومات کی فضلیت کے خلاف بحث و مناظرہ کرنے لگا۔

دوسری طرف سائنس بھی مجھے تسلی نہ کرا سکی۔ میں نے ڈارون کے نظریہ کا مطالعہ کیا مجھے معلوم ہوا کہ زمانہ قدیم میں عظیم الجثہ جانور موجود تھے جو مناسب ماحول نہ ملنے کی وجہ سے آہستہ آہستہ مر گئے اور ان کی نسل ختم ہوگئی۔ میں نے پڑھا کہ زمین پر زندگی کا انحصار سورج کا رہینِ منت ہے۔ جو آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ اگر سورج ٹھنڈا ہو گیا تو پھر کیا ہوگا؟ کیا یہ دنیا فانی ہے اور ٹھنڈی ہو جائے گی؟ زمانہ گزرا۔ میرے

۱: بلکہ لینن نے تو مذہب کو افیون قرار دیا تھا۔

خیال و دماغ میں کچھ توازن قائم ہوا میں نے آج تک مذہب اور سائنس کے اس تقابل کو نہیں سمجھ سکا۔ تاہم ایک قول نے میرا مسئلہ حل کر دیا۔

"انسان زندگی کو سمجھنے کیلئے نہیں بنایا گیا بلکہ اسے نبھانے کیلئے"۔

مذہب کے اندر فرقہ بندی بھی میرے لیئے نفرت کا باعث تھی۔ میں نے فرقہ بندی کو الگ رکھ دیا۔ میں مذہب کو صرف ان خطوط پر تسلیم کرتا ہوں جو میرے لیئے روحانی قدریں فراہم کرتے ہیں۔ ولیم جونز کے الفاظ ہیں :

"مذہب زندگی میں ایک نیا ولولہ اور جوش پیدا کرتا ہے، وسیع تر، پُر بہار اور مطمئن و مسرور زندگی"۔

آہستہ آہستہ سائنسدانوں نے مذہب کے مقابلہ میں سائنس کو متوازی لکیر کے طور پر پیٹنا بند کر دیا۔ آج سائنس نے قدیم ڈگر کو چھوڑ دیا سائی کیٹری جدید ترین سائنسدان ہے۔ ذرا اس کی تفصلات پڑھیے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ وہی کچھ پڑھا رہی ہے جس کی تعلیم آج سے دو ہزار سال قبل یسوع مسیح نے دی تھی۔ یعنی یہ کہ "عبادت کرنے نماز پڑھنے اور اللہ کی طرف لو لگانے سے ذہنی پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں"۔[1]

ماہرین سائی کیٹری مذہب کے مبلغ نہیں ہیں۔ دراصل انہیں مذہب میں بعض بیماریوں کی شفا معلوم ہوئی ہے۔ یہ بیماریاں اعصابی تناؤ، ذہنی خلش، معدے کا السر، سینے کی سوزش اور اختلاجِ قلب ہیں۔

مذہب کی طرف واپسی

A return to religion

ڈاکٹر ہنری سی لنک نے ایک کتاب تحریر کی جس کا عنوان ہے۔ "مذہب کی طرف واپسی" اس میں ڈاکٹر صاحب نے عیسائیت اور حضرت یسوع کی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت یسوع نے حسین تر، خوش تر اور بلند تر زندگی کا پرچار کیا۔ یسوع نے دو چیزوں پر زور دیا اول خدا سے محبت اور دوسرے ہمسایوں[2] کو اپنے جیسا سمجھنا جو ان پر عمل کرتا ہے وہ مذہب کا پابند ہے۔ کتاب زیرِ نظر میں ایک انعام یافتہ کہانی پہلے

۱: سائیکیٹری کے جدید ترین تحقیقی رسالوں میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ نمازِ تہجد پڑھنے والوں میں ذہنی پریشانیوں کی شرح کم ہوتی ہے۔

۲: ا: اسلام نے اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ تلقین کی ہے کہ تمام مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ: ایک مومن کا خون دوسرے پر حرام ہے۔ اقبال نے اپنے کلام میں جگہ جگہ "اخوت" کی تشریح کی ہے۔

تحریر کی ہے۔ دوسری اب پیش کی جاتی ہے۔ یہ ایک حقیقی داستان ہے چونکہ یہ کہانی اس شرط پر لکھی گئی کہ اصل نام شائع نہ کیا جائے گا۔ لہٰذا میری کش مین کا فرضی نام استعمال کیا جاتا ہے۔

اس کا کنبہ ایک غریب خاوند، پانچ بچوں اور میری پر مشتمل تھا۔ اس کے خاوند کی ہفتہ وار آمدنی صرف اٹھارہ ڈالر تھی۔ خاوند کی صحت اچھی نہ تھی۔ جب کبھی وہ بیمار ہوتا تو دو مسائل نازل ہوتے۔ اول یہ کہ بیماری کے دنوں کے تنخواہ کٹ جاتی اور دوسرے گھر میں جو کچھ ہوتا علالت پر خرچ ہو جاتا۔ گو میری فالتو وقت میں بعض گھروں میں کام کرتی پھر بھی آمدنی کم اور خرچ زیادہ ہونے کے باعث کنبہ مقروض ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ انہیں قرض چکانے کیلئے انہیں مکان رہن رکھنا پڑا۔ اپنا مکان کھو کر انہیں ایک اسکول میں پانچ ڈالر ماہوار کرائے پر دو کمرے اور باورچی خانہ مل گیا لیکن آمدنی اور خرچ عدم توازن بدستور قائم رہا۔ وہ بار بار اس پر غور کرتی لیکن کوئی راستہ نظر نہ آتا تھا۔ وہ ذہنی طور پر پریشان رہنے لگی۔

تاہم کسی نہ کسی طرح زندگی کی گاڑی کھینچے جا رہی تھی کہ ایک دن محلے کا دکاندار اس کے لڑکے کو پیٹتا ہوا لے آیا۔ پوچھنے پر اس نے بتایا کہ: اس لڑکے نے پینسلیں چرا لی ہیں۔ گو یہ قصہ سراسر جھوٹا ثابت ہوا پھر بھی خاندان کی بے عزتی ہو کر رہی اور میری کیلئے اونٹ کی پشت پر آخری تنکا ثابت ہوئی۔

میری نے خودکشی کا فیصلہ کیا۔ وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں جا لیٹی۔ جس میں کوئی کھڑکی اور روشندان نہ تھا۔ اس نے سٹوو جلایا اور اس کی گندی بو کے بھبکے اس کے نتھنوں میں گھسنے لگے۔ اگر سٹوو دس منٹ تک جلتا رہتا تو اس کے پھیپھڑوں میں اتنی زہریلی گیس جمع ہو جاتی کہ وہ جانبر نہ ہو سکتی۔ لیکن اسی وقت باہر برآمدے میں رکھے ہوئے ریڈیو نے یہ نغمہ چھیڑا:

"یسوع مسیح کی ذات میں ہمیں کتنا عظیم دوست ملا ہے
جس نے ہمارے تمام غم خود اٹھا لیئے
دعا کے ذریعے خدا تک ہر عرض پہنچا دینا
کتنی بڑی نعمت ہے
ہم امن کی کتنی بڑی نعمت سے محروم رہتے ہیں
کتنی تکالیف کا درد محسوس کرتے ہیں

صرف اسلئے کہ :

ہم دعا کے ذریعہ اپنی عرض باری تعالیٰ تک نہیں پہنچاتے"۔

میری کے دل پر دعا کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ اس نے اٹھ کر سٹوو بجھا دیا اور کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ چند دن تک وہ با قاعدہ دعا مانگتی رہی۔ اُسکے دن پھرنے شروع ہوئے۔ میری کو دیہاتی کلب میں ٹوپیاں پڑتال کرنے کی ملازمت مل گئی۔ اس کے لڑکے کو ایک زرعی فارم میں کام مل گیا اس مالی امداد کی بنا پر وہ کالج میں داخلہ لے سکا۔ خاوند کی صحت بھی بحال ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ کنبے نے اپنی مالی مصائب پر قابو پالیا۔ دعا کام کر گئی۔

امریکہ میں اوسط طور ہر دو منٹ بعد ایک شخص پاگل ہو جاتا ہے اور پینتیس منٹ بعد ایک شخص خود کشی کر لیتا ہے۔ اس صورتحال کا مداوا کیا ہے؟ یقیناً مذہبی اصولوں پر عمل کرنا۔ رب العزت کی خدمت میں دعائیں بڑا اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔

ڈاکٹر کارل جنگ جو نفسیاتی امراض کے ماہر ہیں

Dr. Carl Gustav Jung who is expert in phsychological diseases

ڈاکٹر کارل جنگ جو نفسیاتی امراض کے ماہر ہیں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے :۔

ان کے وہ مریض جنکی عمر پینتیس سال سے زائد تھی۔ خاص قسم کے نفسیاتی امراض میں مبتلا تھے۔ دراصل وہ مذہب سے دور ہو گئے تھے۔ ان کی بیماری کا صرف ایک علاج تھا۔ "مذہب کی طرف واپسی"۔

میں نے کتاب لکھی ہے : "پریشان ہونا چھوڑیئے"

اس میں پریشانی اور تفکرات سے پیچھا چھڑانے کے سینکڑوں طریقے تحریر کیئے ہیں۔ اس موضوع پر سو سے زائد کتابیں تحریر کر ڈالی ہیں۔ جو اپنے اپنے مقام پر خود ہیں لیکن میری اپنی حالت ملاحظہ کیجئے۔ میں ہفتے کی شام کو گرجے جاتا ہوں۔ گرجے میں مجھے جو سکون میسر آتا ہے وہ میں کسی ترکیب یا کسی کہانی سے استفادہ کر کے حاصل نہیں کر سکا۔

جان۔ آر۔ انتھونی کی داستان ملاحظہ کریں :۔

وہ درمیانہ درجہ کا وکیل تھا بیٹھے بٹھائے اسے کیا سوجھی۔ اس نے وکالت ترک کر دی اور ایک مشہور پبلشر کا نمائندہ بن کر قانون کی کتابیں وکلاء کے پاس فروخت کرنے لگا۔ ہر چند کہ وہ خود وکیل تھا اور اسے

وکیلوں کے پاس جاکر کتابیں فروخت کرنے کی تربیت بھی دی گئی تھی پھر بھی وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ وجہ وکلا کو کتب کی افادیت کے متعلق قائل نہ کر سکتا اسلیئے اسے بہت کم آرڈر ملتے تھے۔ اس کا کمیشن اتنا کم رہ گیا کہ بال بچوں کا گزارہ مشکل ہو گیا اس کے پاس اتنی رقم نہ تھی کہ وہ ٹیکسی کا کرایہ ادا کر سکے اور کسی اچھے ہوٹل میں کھانا کھا سکے۔ ایکدن اس کی مالی حالت اتنی پتلی ہو گئی کہ وہ ہوٹل میں کھانا نہ کھا سکا اور صرف ایک گلاس دودھ پر اکتفا کرنا پڑا۔

اس طرح کمیشن کی بنیاد پر کتب فروشی بظاہر اپنے اختتام پر پہنچ گئی تھی اسکا دفتر بند ہو چکا تھا۔ مؤکل دوسرے وکیلوں کے پاس جا چکے تھے۔ اسے کسی اور کام کا تجربہ نہ تھا۔ وہ سخت گھبرایا اس کے سامنے مایوسیوں کی کالی رات تھی۔ اس وقت ہوٹل میں کوئی آدمی نہ تھا۔ اسنے گڑگڑا کر خدا سے دعا مانگی کہ اے اللہ! اسے ناامیدیوں سے نکال کر روشنی دکھا دے اور کہ اسے اتنے آرڈر ملیں کہ وہ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکے۔ [1]

ہوٹل کے کسی گوشے میں انجیلِ مقدس رکھی تھی۔ وہ اسے اٹھا کر خشوع و خضوع سے پڑھنے لگا۔ انجیلِ مقدس میں یوں تحریر تھا:

"فضا کے پرندوں کو دیکھو وہ نہ بولتے ہیں نہ کاٹتے ہیں اور نہ اپنے ذخیرے جمع کرتے ہیں، پھر بھی آسمانی باپ انہیں روزی دیتا ہے"۔

وہ بستر پر لیٹ گیا۔ دوسری صبح اٹھا تو وہ ایک نیا انسان تھا اس کے اندر نئی قوت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ نئے ولولے سے اٹھا اور وکلاء کے پاس روانہ ہو گیا وکلاء پر اس کی ترغیب کا اتنا اثر ہوا اور اسے ایک دن اتنے آرڈر ملے کہ گزشتہ ایک ماہ میں نہ ملے تھے۔ اب اس کا قول ہے:

"خدا سے طلب کیجئے آپ کو ملے گا۔ ذرا کھٹکھٹایئے کئی دروازے کھل جائیں گے"۔

ایک اور واقعہ ملاحظہ کریں: مسز ایل۔ جی۔ ہیارڈ کے اکلوتے لڑکے کو گردن توڑ بخار ہو گیا۔ لڑکے کو ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ علاج جاری تھا اور مسٹر و مسز ہیارڈ کو بذریعہ ٹیلیفون گھر پر اطلاع دی جارہی تھی۔ چودھویں پیغام کے ذریعے ڈاکٹر نے انہیں ہسپتال بلوایا اور کہا کہ جو کچھ ان کے علم اور تجربہ میں تھا وہ آزما چکے ہیں۔ کامیابی کی امید صرف پچیس فیصد ہے۔ اگر وہ کسی ماہر ڈاکٹر کو دکھانا چاہیں تو اس کی اجازت ہے میاں بیوی کو بخوبی معلوم تھا کہ

ا: آپ یہ دعا مانگ سکتے ہیں:۔
اے اللہ میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں اور تیری ہی طرف متوجہ ہوں۔ تیرے نبی ﷺ کی رحمت کے وسیلے سے، اے محمد ﷺ آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت کے بارے میں متوجہ ہوں اور دعا کرتا ہوں تا کہ وہ پوری ہو جائے۔ اے اللہ تو میرے بارے میں آپ ﷺ کی سفارش قبول فرمالے۔

اس سے بہتر کوئی علاج موجود نہ تھا۔
انہوں نے ڈاکٹر پر پورے اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے علاج جاری رکھنے کی استدعا کی اور خود گھر روانہ ہو گئے۔ وہ پریشانی اور تفکرات میں گھر جا رہے تھے کہ راستے میں ایک گرجا نظر آیا۔ دونوں اندر چلے گے اور دعا کی کہ "اے اللہ! یہ ننھی سی جان تم نے عطا کی ہے۔ اگر تم اسے واپس لینا چاہتے ہو تو ہم راضی بہ رضا ہیں۔[1]
مسز بیارڈ لکھتی ہیں کہ دعا کے بعد انہیں سکون مل گیا اور گھر آکر خوب سوئیں۔
تیسرے دن ڈاکٹر نے اطلاع دی کہ بچے نے بحران کا وقفہ کامیابی سے گزار لیا ہے اور یہ کہ وہ اب خطرے سے باہر ہے۔ شاید یہ تھا اس دعا کا اثر جو گرجے میں گڑگڑا کر مانگی گئی تھی۔[2]
اسی کتاب میں امیر البحر بیارڈ کا ذکر ایک اور عنوان کے تحت کیا گیا ہے اس میں کہانی کا حصہ پیش کرنا مقصود ہے جب امیر البحر نے خدا کی ذات سے استدعا کی کہ اس کی مصیبت ختم ہو جائے۔ امیر البحر کی جھونپڑی قطب کے قریب تھی۔ اتنی برف باری ہوئی کہ جھونپڑی برف تلے دب گئی۔ سانس لینے کو سوراخ نہ تھا۔ اس پر یہ ہوا کہ سٹوو سے کاربن مونو آکسائیڈ (CO) نکلنی شروع ہو گئی۔ یہ گیس اتنی زہریلی ہوتی ہے کہ دہکتے ہوئے کوئلوں سے خرج ہوتی ہوئی گیس سے اکثر اموات واقع ہوتی ہیں۔ چہ جائیکہ سٹوو سے خارج ہونے والی گیس سے امیر البحر کو اپنی موت کا یقین ہو گیا۔
اب سوائے اس کے کوئی صورت نہ رہی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی خدمت میں التجا کی جائے اور گڑگڑا کر دعا کی جائے۔ یہی التجا زندگی بچانے کا موجب بن گئی۔ برف ذرا کھسکی اور ایک سوراخ پیدا ہو گیا۔ زہریلی گیس خارج ہونے لگی اور اس جس سے تازہ ہوا اندر آنے لگی۔ اس قسم کی داستان پیش کی جا چکی ہیں۔ ایک اور داستان انہی خطوط کے اندر آئی ہے یعنی جب کسی فرد کی کوششوں کی انتہا ہو گئی، سب کچھ آزما لیا گیا، پھر بھی تباہی و بربادی کا بھیانک گڑھا سامنے موجود رہا۔ اس وقت فردِ متعلقہ نے اللہ کی مدد کو پکارا اور مدد آگئی[3]۔

۱: مرض کی انتہا اور زندگی سے بیزاری کے وقت یہ دعا مانگی جا سکتی ہے۔ "اے اللہ تو مجھے زندہ رکھ جب تک کہ زندگی میرے لیے بہتر ہو اور موت دے دے جب مرنا میرے لیے بہتر ہو۔

۲: بابر نے گڑگڑا کر یہ دعا مانگی تھی کہ ہمایوں کی بیماری اسے لگ جائے اور ہمایوں صحت یاب ہو جائے، اور اللہ نے اپنے بندے بابر کی دعا قبول فرمالی۔

۳: محمود غزنوی نے سومنات کی جنگ میں اللہ کو پکارا اور مدد آ پہنچی۔ بابر نے کھواہہ کی جنگ میں رانا سانگا کے خلاف اللہ کو پکارنے سے قبل شراب سے توبہ کی اور داڑھی بڑھالی، پھر اللہ کو پکارا اور اللہ کی مدد آ پہنچی اور بابر کی چند ہزار فوج نے رانا سانگا کی لاکھ سے زائد فوج کو شکستِ فاش دی۔

گلین۔اے۔آرنلڈ

Glenn A Arnold

گلین۔اے۔آرنلڈ بجلی کا کاروبار کرتا تھا۔جنگِ عظیم کی وجہ سے یہ کاروبار بری طرح متاثر ہوا۔دکان کا مال فروخت کر کے قرض اتارنے کی کوشش کی گئی۔پھر بھی قرض موجود رہا۔گلین نے بیمہ کی پالیسیوں پر قرض لینا شروع کیا لیکن اس کی مستقل طور پر بیماریاں، حاملہ بیوی کے اخراجات اور گھر کا دوسرا خرچ منہ پھاڑے کھڑا تھا۔ناداری، بے مائیگی کا عالم تھا۔کسی طرف سے امداد کی امید نہ رہی تو گلین نے فیصلہ کر لیا کہ وہ دنیا کو چھوڑ دے گا اور خودکشی کرے گا۔اس نے گیراج سے کار نکالی، کوٹھی پر الوداعی نظر ڈالی اور دریا کا راستہ لیا۔اس کا خیال تھا کہ تاریکی چھا جانے کے بعد دریا میں کود پڑے گا لیکن وہ ذرا جلدی پہنچ گیا تھا۔اس نے اپنے ماضی کی طرف نگاہ دوڑائی۔واقعات فلم کے منظر کی طرح اس کی آنکھوں میں پھر گئے۔وہ تمام ممکن تدابیر اختیار کر چکا تھا۔اسے احساس ہو کہ اس نے ہنوز اللہ کی طرف توجہ نہ دی تھی۔اس نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور خضوع و خشوع سے اپنے رزق میں اضافہ کیلئے دعا مانگنے لگا۔دعا مانگنے کے ساتھ ساتھ آنسو اس کے رخساروں پر بہنے لگے۔جب دعا ختم ہوئی تو وہ جی بھر کر رو چکا تھا۔اس کی طبیعت ہلکی ہو چکی تھی۔وہ دریا میں کودنے کی بجائے گھر آ گیا اور خوب سویا۔

دوسرے دن صبح اٹھا تو نئے ولولوں اور امیدوں بھرا جوان تھا۔اس نے ایک جگہ ملازمت کی درخواست دی۔انٹرویو دینے والوں کی کافی تعداد تھی لیکن اسے یوں محسوس ہوا کہ اس میں خود اعتمادی کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے... اس کا انتخاب کر لیا گیا۔آہستہ آہستہ اس کا قرض ادا ہوتا گیا۔اب وہ ایک مسرور و شادماں فرد ہے۔اس کا قول ہے کہ جو کچھ مانگنا ہو اپنے اللہ سے مانگو۔

ہم اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں۔بطورِ مسلمان، عیسائی یا کسی ایسے مذہب کے پابند ہونے کی وجہ سے جو خدا کی وحدانیت پر یقین رکھتا ہے۔اللہ تبارک و تعالیٰ کی حاکمیت ہمارا اجزو ایمان ہے۔ہو سکتا ہے کہ کوئی دہریہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت خدا پر میرا یقین ہی نہیں تو اس کی ذات کی خدمت میں دعا مانگنا کیا معنی؟ اس سے کیا فائدہ؟ میں ان سے کہوں گا کہ حضرت توبہ فرمایئے پھر دیکھئے آپ کی طبیعت میں جو خلاء ہے اس کا کیا حل نکلتا ہے۔اگر آپ توبہ کی طرف نہیں آتے، پھر بھی دعا میں تین فائدے ہیں۔

۱ : آپ واضح طور پر متعین کرتے ہیں کہ آپ مضطرب و پریشان کیوں ہیں ؟
۲ : دعا کے وقت یہ احساس ہوتا ہے کہ پریشانیوں ور تفکرات کی وادی میں آپ اکیلے نہیں ہیں۔
۳ : دعا اپنی بگڑی بنانے کی طرف پہلا قدم ہے۔

الغرض پریشانی اور تفکرات کو دور کرنے جتنی ترکیبیں بیان کی گئی ہیں یا بیان کی جائیں گی اگر ایک پلڑے پر ڈال دیں اور دوسرے پلڑے میں مذہب کا کردار ڈال دیں تو آخر الذکر پلڑا بھاری ہوگا۔

مثبت طرزِ فکر.. صبر و شکر

Definite philosophy— patience & gratitude

حضرت صہیبؓ سے روایت ہے کہ حضورِ کریم ﷺ نے فرمایا کہ مومن کے تمام کام عجیب ہی ہوتے ہیں اور یہ امر صرف مومن ہی کو حاصل ہے کہ اس کو آرام پہنچے تو شکر کرتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں خیر ہی خیر ہے اور اگر مصیبت پہنچے تو صبر کرتا ہے اور اس کا نتیجہ بھی بھلا ہوتا ہے۔ (ریاض الصالحین)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اپنے آپ کو بدگمانیوں سے بچاؤ اسلئے کہ بدگمانی کے ساتھ جو بات کی جائے گی وہ سب سے زیادہ جھوٹی بات ہوگی اور دوسرے کے معاملات میں معلومات کرتے مت پھرو اور نہ ٹوہ میں لگو اور نہ آپس میں تناجش کرو آپس میں بھائی بھائی بن کر زندگی گزارو۔ (بخاری مسلم)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ: ارشاد فرمایا آپ نے چار چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص کو مل گئیں۔ اس کو دنیا و آخرت کی بھلائیاں مل گئیں۔ دل شکر کرنے والا اور زبان ذکر کرنے والی اور بدن جو جلد پر صابر ہو اور بیوی جو اپنی جان اور شوہر کے مال میں اس سے خیانت نہیں کرنا چاہتی۔ (حیاۃ المسلمین)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ کسی جانی یا مالی مصیبت میں مبتلا ہو اور وہ کسی سے اس کا اظہار نہ کرے اور لوگوں سے شکوہ اور شکایت نہ کرنے تو اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے کہ وہ اس کو بخش دیں۔

رسولِ پاک ﷺ اور ان کے احباب کی زندگی بالکل اسی بات کا نمونہ تھی کہ دنیا کی ہر مصیبت اور مشقت میں ثابت قدم رہے تمام حالات و واقعات ان کے سامنے آئے۔ شعب ابی طالب کی سالہا سال کی بھوک، پیاس، فاقہ کش بچوں کا ماؤں کی چھاتیوں پر جان دے دینا لیکن مقصدِ نبوت کو نہیں چھوڑا ایک لگنِ خالص فکر کے ساتھ گامزن رہے حتیٰ کہ

کامیاب ہو گئے۔
لیکن یہ واقعات مجھے آپ کو ایک فکر دیتے ہیں۔ درج ذیل واقعات پڑھ کر خود ہی نتیجہ اخذ کریں۔

مثبت طرزِ فکر اپنایئے

Adopt firm way of thinkilg

میں ایک دفعہ شکاگو یونیورسٹی گیا۔ پروگرام کے مطابق میں نے چانسلر صاحب سے استفسار کیا کہ وہ پریشانیوں کو کس طرح دور رکھتے ہیں۔ انہوں نے ایک بڑی کمپنی کے صدر کی نصیحت کا حوالہ دیا: "اگر تمہیں لیموں دیا جائے تو گھبرانے کی بجائے اس کا شربت بنالو"۔ (امریکہ میں لیموں کو ایک حقیر، بے کار اور پریشانی پیدا کرنے والی چیز کہا جاتا ہے۔ مترجم)
عقلمند اور بے وقوف آدمی میں یہی فرق ہے۔ ایک ماہرِ تعلیم لیموں سے فوری طور پر شربت بنالینے کی تلقین کرتا ہے جبکہ بے وقوف لوگ لیموں ملتے ہی گھبرا جاتے ہیں، مایوس ہو جاتے ہیں اور ساری دنیا کے خلاف شکایت کا دفتر کھول دیتے ہیں۔ منفی اور مثبت صورتیں ذہن کے دو رجحان ہیں۔ وہ لوگ کامیاب، مسرور اور شادماں ہوتے ہیں جو منفی رجحان یا منفی فکری جھکاؤ کو مثبت رجحان میں تبدیل کرنے پر قادر ہوتے ہیں یا قادر ہو جاتے ہیں۔

مسز تھامسن ایک ایسے فوجی کی بیوی ہیں جسے جنگِ عظیم کے دوران کیلئے فورنیا کے صحرائے موجیو میں تعنیات کیا گیا۔ وہاں کوارٹر تعمیر شدہ نہ تھے۔ اسکا خاوند ایک جھونپڑی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور مسز موجیو اس کے پاس جا رہیں۔ تھوڑی مدت گزری تھی کہ اس کے خاوند کو دوسری جگہ تبدیل کر دیا گیا۔ یہ جگہ پہلے ہی رہنے کے قابل نہ تھی۔ موسمِ گرما میں درجۂ حرارت ۱۲۵ تک جا پہنچتا تھا۔ مقامی آبادی حبشیوں اور مسکین لوگوں پر مشتمل تھی۔ جن کی عورتیں انگریزی زبان سے قطعاً نابلد تھیں۔ بس خاوند کا قرب حاصل تھا۔ اس تبادلے کی وجہ سے وہ بھی نہ رہا تو مسز تھامسن پریشان ہو گئیں۔ اب وہ ایک لمحہ کیلئے موجیو میں رہنے کو تیار نہ تھیں۔ انہوں نے اپنے والد کو خط لکھا کہ وہ واپس آنا چاہتی ہیں۔ ان کے والد نے جواب میں لکھا:
"دو قیدیوں نے جیل کی سلاخوں سے باہر جھانکا۔ ایک کو ستارے نظر آئے مگر

دوسرے کو کیچڑ اور گندگی"۔

مسز تھامسن اس پیغام کو سمجھ گئیں۔ جو ان کے والد نے دیا تھا۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ تصویر کا سنہرا اور سیاہ رخ وہیں تھا اور یہ مسز تھامسن کا طرز عمل تھا کہ وہ تصویر کے سنہری رخ کو دیکھے یا سیاہ رُخ کو۔ اس خط نے مسز تھامسن کی دنیا بدل دی۔ انہوں نے اس آبادی کے جغرافیائی حالات اور لوگوں کو مثبت شیشے سے دیکھنا شروع کیا۔ بیسیوں چیزیں ایسی تھی جن کی طرف مسز تھامسن نے توجہ ہی نہ دی تھی۔ حسین ساحل اور سمندر کے کنارے پڑی متعدد قسم کی سیپیوں میں انہیں یہ حسن دکھائی دینے لگا۔ وہ گھنٹوں نادر اور کمیاب سیپیوں کو ملاحظہ کرنے اور اکٹھا کرنے میں مصروف رہتیں۔

انہوں نے ریگستانی پودوں مثلاً ناگ پھنی، صحرائی سوسن اور جو شوا کی مختلف اقسام کا مطالعہ شروع کیا۔ مقامی آبادی کی عورتیں اب پُر خلوص معلوم ہوئیں۔ وہ گھریلو صنعت میں ایک خاص مقام رکھتی تھیں۔ ظروف سازی اور پارچہ بانی کے نادر نمونے اٹھائے جب وہ ان کے پاس آتیں اور تحفہ دینے پر اصرار کرتیں تو وہ بھی ان میں گھل مل جاتیں اور گھنٹوں ان کے خیموں میں ان کے بچوں کی نگہداشت کرنے میں صرف کرتیں۔

یہاں کئی سوال پیدا ہوتے ہیں۔ کیا صحرا بدل گیا تھا؟ کیا ساحل پر کوئی تبدیلی رونما ہوئی تھی؟ آیا درجہ حرارت میں کمی آگئی تھی؟ کیا حبشی بدل گئے تھے؟...... نہیں، بالکل نہیں۔ مسز تھامسن کا رجحانِ طبع بدل گیا تھا۔ میں فلوریڈا کے ایسے کسان کو جانتا ہوں جس نے پریشانیوں کی سیاہی کو مسرت وشادمانی کے نور سے بدل دیا۔ اسے بڑی ناقص قسم کی زمین کا ایک قطعہ عطا ہوا تھا۔ اس میں شاہ بلوط کی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں اور وہاں مار زنگی کی افراط تھی۔ کوئی اور ہوتا تو بھاگ کھڑا ہوتا لیکن اس نے ناگوں کی منفی صورت کو مثبت رخ سے بدل دیا۔ وہ ناگ پکڑتا اور ان کے گوشت کو ڈبوں میں بند کر کے دساور بھجواتا۔ بہت جلد اس فارم کے زندہ ناگوں کی مانگ لیبارٹریوں میں بڑھ گئی۔ جہاں ان سے تریاق بنایا جاتا۔ تھوڑی مدت گزری تھی کہ زمین کا یہ ناقص قطعہ ناگوں کا فارم بن گیا۔ جسے دیکھنے کیلئے لوگ دور دور سے آتے تھے۔

بن فورٹسان ریاست جارجیا کا وزیرِ خارجہ

Ben Fortison, the foreign minister of the state of Georgia

بن فورٹسان ریاست جارجیا کا وزیرِ خارجہ ہے مگر دونوں ٹانگوں سے محروم ہونے کی وجہ سے پہیوں والی کرسی پر دفتر آتا ہے۔ اجلاس منعقد کرتا ہے اور ضرورت پڑے تو اسی حالت میں عوام سے خطاب کرتا ہے۔ ایک دن میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کو ٹانگیں ضائع ہو جانے کا افسوس تو نہیں۔ کیسا افسوس۔ اگر میری نہ کٹتیں تو میں اس مقام پر نہ ہوتا۔ میں زیادہ سے زیادہ اوسط درجے کا کسان رہتا۔ انہوں نے اپنی داستان سناتے ہوئے فرمایا کہ ان کی عمر ستائیس سال تھی۔ وہ فارم سے گھر سڑک پر آرہے تھے کہ ٹرک درخت سے ٹکرا گیا اور ان کی ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ ڈاکٹروں نے زندگی بچانے کیلئے ٹانگیں کاٹ دیں۔ اب دنیا ان کے سامنے اندھیر تھی۔ وہ پہیوں والی کرسی پر ادھر جانے لگے۔

اس دوران انہوں نے محسوس کیا کہ لوگ اس دوران ان سے عزت سے پیش آنے لگے۔ وہ اپنا زیادہ وقت لائبریریوں میں بسر کرنے لگا۔ جہاں انہوں نے تاریخ و سیاست پر ہزاروں کتابیں پڑھ ڈالیں۔ دنیا یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہ اپنے جسمانی نقائص کی پرواہ نہ کرتے ہوئے خارزارِ سیاست میں قدم رکھ چکے تھے۔ یہاں کامیابی نے ان کے قدم چومے اور وہ ترقی کرتے کرتے ریاستی وزیر کے رتبے تک پہنچ گئے۔

اس حقیقی داستان کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ اگر وہ حالت کو منفی شیشے سے دیکھتے رہتے تو زیادہ سے زیادہ معذور افراد کے اداروں میں گزر بسر کر رہے ہوتے۔ جب انہوں نے مثبت پہلو اپنایا تو زندگی روشن ہو گئی۔

جن لوگوں کو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملتا ان میں عمر بھر اس چیز کی حسرت رہ جاتی ہے بلکہ ان میں سے اکثر ایک طرح کے احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں مزید یہ کہ وہ ذہنی طور پر اس حد تک پریشان ہو جاتے ہیں کہ جہاں بیٹھتے ہیں اپنے باپ کے مالی حالات کا ذکر لے بیٹھتے ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ کالج یا یونیورسٹی تک نہ پہنچ سکے۔ میرے مرکز تعلیم بالغاں میں ایسے لوگوں کی کثرت رہتی ہے۔ ان کے ذہنی سکون کی خاطر ایک حقیقی داستان سنایا کرتا ہوں جو یہاں پیش کی جاتی ہے۔

یتیم آل ستھ

Orphan Allsith

آل ستھ نے ایک ایسے گھر میں آنکھ کھولی جہاں غریبی ڈیرے ڈالے ہوئے تھی۔ ابھی وہ اسکول میں داخلہ لینے کی عمر کو نہ پہنچا تھا کہ اس کا باپ چل بسا۔ ماں بیچاری نے چھتریاں بنانے والے کارخانے میں ملازمت کر کے اس کا اور اپنا پیٹ بھرا۔ وہ بمشکل پرائمری پاس کر سکا۔ اپنے مستقبل کی خاطر وہ گرجے کی ڈرامیٹک کلب میں شامل ہو گیا۔ جہاں معمولی اجرت پر اداکاری کرنے لگا۔ اس کلب میں اس کو مالی فارغ البالی تو حاصل نہ ہو سکی لیکن یہ معلوم ہو گیا کہ اس میں مقرر بننے کی صلاحیتیں موجود ہے۔ جوانی کی منزل میں قدم رکھنے تک وہ مقرر اور سیاستدان بن چکا تھا۔

لوگوں نے اسے نیویارک کی مجلس قانون ساز کا ممبر بنا دیا۔ ممبر بن جانے کے بعد اسے معلوم ہوا کہ اس کی ذمہ داریاں کتنی بڑھ چکی ہیں۔ وہ ووٹ دینے سے پیشتر جملہ قانونی بلوں کا مطالعہ کرتا ایک ایک فقرہ کے قانونی معانی پر غور کرتا اور جب اسے تسلی ہو جاتی تو ووٹ دیتا۔ اس ہونہار کم عمر ممبر کی صلاحیتیں محنت کا جذبہ دیکھ کر اسے مجلس کی مختلف کمیٹیوں میں نامزد کیا گیا۔

یہاں اسے دن رات محنت کرنا پڑی۔ جنگلات کمیٹی، بنکاری کے ممبر کی ذمہ داری نبھانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ ان کمیٹیوں کے دوسرے ممبر اعلیٰ تعلیم یافتہ اور پیشوں سے تعلق رکھتے تھے لیکن آل ستھ نے مسلسل مطالعہ اور محنت سے اپنی کم علمی پر قابو پا لیا اور کمیٹیوں میں ایسی سفارشات پیش کیں کہ لوگ اس کی محنت، خلوص اور معلوماتِ عامہ کا سکہ مان گئے۔

دس سال بعد آل ستھ نے خود آمیزی کا منصوبہ پیش کیا اب وہ نیویارک کی حکومت اور ریاست کا اہم فرد تھا۔ اسے چار دفعہ ریاست نیویارک کا گورنر منتخب کیا گیا اور ۱۹۲۷ء میں وہ ڈیموکریٹ پارٹی کی طرف سے صدارت کا امیدوار تھا۔ اسے امریکہ کی چھ یونیورسٹیوں نے ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگریاں دیں۔

پتلے حالات سے دنیاوی ترقی کی انتہاؤں تک پہنچنے کی مثالیں اور بھی ہیں۔ ملٹن کی مشہورِ عالم شاعری، بیتھوون کی موسیقی، ہیلن کیلر کی درخشاں زندگی، چیکووسکی کے نغموں کے پیچھے انکے جسمانی نقائص پوشیدہ ہیں۔ جن کا منفی رخ اس طرح ختم کیا گیا کہ

روشن پہلو سامنے لائے گئے۔ چارلس ڈارون مریض تھا لیکن اس منفی پہلو کی تلخی بھول جانے کیلئے اس نے انتھک کام کیا مشہورِ عالم نظریۂ ڈارون پیش کیا۔ ابراہم لنکن کی پیدائش غربت و افلاس کے سایوں تلے ایک جھونپڑی میں ہوئی لیکن اس نے مسلسل محنت سے اپنا ماضی مٹا ڈالا اور امریکہ کا صدر بن گیا۔

ٹالسٹائی کی ازدواجی زندگی دردناک تھی لیکن اس نے منفی پہلو چھپانے کیلئے ایسا ادب تحریر کیا کہ نہ صرف دنیا بھر میں مشہور بلکہ زندگی کے آخری دس سالوں میں کم از کم بیس لوگ روزانہ آکر اس کے ہاتھ چومتے تھے۔ آپ کہیں گے کہ مندرجہ بالا لوگ صرف چند مثالیں ہیں۔

شاید ان کی قسمت میں کامیابی لکھی تھی۔ لوگ زندگی بھر غریبی اور افلاس سے نبرد آزما رہتے ہیں، محنت کرتے ہیں، خلوص سے کام کرتے ہیں خون پسینے ایک کرتے ہیں پھر بھی غریبی جونک کی طرح ان سے چمٹی رہتی ہے۔ آپ درست کہتے ہیں لیکن آپ نے دو باتوں پر غور نہیں کیا۔

ا: کامیابی کا امکان موجود ہے۔

۲: محنت کی تگ و دو صرف اس وقت شروع ہوتی ہے، جب فرد منفی جذبہ پر قابو پالے اور مثبت راستہ پر قدم رکھ دے۔

میں پوچھتا ہوں کہ آیا مثبت اندازِ فکر اختیار کر لینا اتنی بڑی دولت نہیں کہ اسے نظر انداز کر دیا جائے۔ اگر مثبت انداز فکر مل گیا تو پریشانی دور ہو گئی۔ ایک مثال دیتا ہوں۔

ایک مشہور وائلن نواز پیرس کے اہم اجتماع میں وائلن بجا رہے تھے لوگ مسحور ہو چکے تھے کہ اچانک وائلن کا تار نمبر اے ٹوٹ گیا لیکن وہ پریشان نہ ہوئے انہوں نے باقی ماندہ تین تاروں کا بہترین استعمال اور اپنا نغمہ جاری رکھا۔ ہیری ایمرس فوسڈک تحریر کرتے ہیں کہ مزا تو اسی میں ہے کہ زندگی کی وائلن کا A تار ٹوٹ جائے پھر بھی زندگی رواں دواں رکھی جائے۔

اس باب میں آپ نے بہت سی مثالیں دیکھیں جن افراد پر مصائب کے طوفان آئے، بجلیاں گریں، مستقل طور پر جسمانی نقائص نے حلیہ اور جسم کی ہیئت بدل ڈالی لیکن ان افراد نے منفی رجحانات کی بجائے مثبت رویّہ اختیار کیا اور وہ ایک ایسی منازل تک پہنچے کہ اگر ان پر مصیبت کا بار نہ پڑتا تو شاید ان مقامات کو حاصل نہ کر سکتے[1]۔

ا: حاشیہ صفحہ نمبر ۲۴۵ پر۔

حاصلِ کلام یہ کہ امریکن اصطلاح میں اگر لیموں میسّر آئے تو اس کا شربت بنا ڈالیں یعنی حقیر مقام سے بامِ ثریا کی طرف بڑھنے کا پروگرام بنا کر عمل شروع کریں۔

ناگزیر سے تعاون کرنا[1]

Compromise with the inenitasle

فرض کریں کہ ایک نوجون کی انگلی کٹ جائے وہ عملِ جراحی سے درست نہ ہو سکے اور نوجوان اسے اپنے اعصاب پر سوار کر لے تو اس کی پوری زندگی پریشانی اور غم کا شکار رہے گی، حالانکہ بات اتنی اہم نہیں تھی۔ اگر ایک انگلی کم ہو تو بھی ہاتھ بخوبی کام کر سکتا ہے، زندگی آرام و سکون سے بسر کی جاسکتی ہے، تعلیم کے حصول میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور سول ملازمتوں میں یہ کوئی نقص نہیں سمجھا جاتا۔

آپ اپنے ارد گرد دیکھیں تو آپکو بیسیوں مثالیں ایسی ملیں گی جن میں جذباتی قسم کے لوگ اپنے کسی معمولی سے جسمانی نقص کو دکھاد کھا کر نہ صرف خود پریشان ہوتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی پریشان کرتے ہیں۔

اس کے برعکس ہزاروں مثالیں ایسی ہیں کہ جہاں لوگوں نے کٹی ہوئی ٹانگوں، فالج زدہ بازوؤں اور ٹانگوں کے اثرات کو تسلیم کر لیا اور باقی ماندہ زندگی نہایت صبر و سکون بلکہ مسرت و شادمانی سے گزار دی۔ انہوں نے ناگزیر صورت حال سے نہ صرف سمجھوتہ کیا بلکہ تعاون کیا۔ چند مثالیں ملاحظہ کریں :۔

ایک شخص کا بایاں بازو کٹ گیا، عملِ جرّاحی اس کی مدد کو نہ پہنچ سکی اس نے عمر بھر صرف دائیں ہاتھ کی مدد سے ٹھیلہ کھینچ کر روزی کمائی اور اسے کوئی پریشانی لاحق نہ ہوئی۔

حاشیہ از صفحہ نمبر ۲۴۴ :۔
قائد اعظمؒ کی زندگی میں اس قسم کا موڑ ملتا ہے۔ بیرسٹری پاس کرنے کے بعد جب انہوں نے کراچی کے ساحل پر قدم رکھا تو ان کے والد دیوالیہ ہو چکے تھے۔ پورے خاندان کی مرضی یہ تھی کہ وہ کوئی چھوٹی موٹی ملازمت کر لیں لیکن انہوں نے مثبت رویہ اختیار کیا، انہیں مبلغ پندرہ سو روپے کی عارضی ملازمت ملی۔ جب حکومت کی طرف سے اسے مستقل کرنے کا اشارہ کیا گیا تو فرمانے لگے کہ "میری منزل پندرہ سو روپے روز کمانے کی ہے" فی الواقع انہوں نے اس سے زائد کمایا۔ مسلمانوں کو انہوں نے علیحدہ وطن لے کر دیا اور ہمیشہ کیلئے اپنا نام زندۂ جاوید کر گئے۔

۱ : صوفیاء کرام تلقین کرتے ہیں کہ خدا جس حال میں رکھے صبر و سکون سے رہنا چاہئیے۔

الزبتھ کونلے پورٹ لینڈ

Elizabeth portland

الزبتھ کونلے پورٹ لینڈ (اور گن) کو اپنے بھتیجے سے اتنی محبت تھی کہ اگر اس کا کوئی بیٹا ہوتا تو شاید اس سے اتنی محبت نہ ہوتی۔ وہ فوج میں بھرتی ہوا اور ایک دن اس کی موت کا تار مل گیا۔ الزبتھ کونلے کا دنیا میں کوئی رشتہ دار تھا تو وہی اس کا بھتیجا تھا اس لئے اس پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ وہ غم کی گہرائیوں میں اس قدر ڈوب گئی کہ زندگی اب اس کیلئے بے معنی تھی، وہ اسے ختم کرنے کے متعلق سوچنے لگی۔ اس نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔

وہ ایک دن میز کی دراز صاف کر رہی تھی کہ اسے بھتیجے کا پرانا خط ملا جو کسی وقت پڑھے بغیر رکھ کر بھول گئی تھی۔ لکھا تھا کہ جب وہ فوج میں آیا تھا تو اس کی (چچی سے) دوری کے باعث زندگی بے معنی اور عبث محسوس ہوتی تھی لیکن اس دوران اسے کونلے چچی کی نصیحت یاد آئی کہ "جہاں بھی رہو مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرو اور بد سے بدتر حالات سے سمجھوتہ کر لو بلکہ ان سے تعاون کرو"۔

الزبتھ کونلے کو محسوس ہوا کہ وہ جس چیز کی تلقین بھتیجے کو کرتی رہی ہیں اپنی باری آنے پر اسے بھلا بیٹھیں اور سارے غم دماغ میں سمالئے۔ انہوں نے اپنا وہ درس یاد کیا جو بھتیجے کو دیا تھا، یعنی ناگزیر سے تعاون کرنا۔ الزبتھ کونلے کا ذہن بدل گیا۔ انہوں نے اپنا استعفیٰ واپس لے لیا اور زندگی کی دلچسپیوں بلکہ مسرتوں میں واپس چلی گئیں۔

دوسری مثال بوتھ ٹارکنگٹن کی ہے۔ وہ بڑی اچھی صحت اور تسلی بخش بینائی کے مالک تھے۔ وہ آنے والے بڑھاپے کو یاد کر کے کہتے: "بھائی میں سب کچھ برداشت کر لوں گا لیکن اگر میری بینائی چلی گئی تو برداشت نہیں کر سکوں گا"۔

قدرت ان کی باتوں پر مسکرا رہی تھی۔ جب ان کی عمر ساٹھ سال سے تجاوز کر گئی تو معلوم ہوا کہ ان کی بینائی کمزور پڑ رہی ہے لیکن ان کی طبیعت میں تبدیلی آگئی۔ ان میں حسِ ظرافت جاگ اٹھی۔ وہ ہر بد قسمت میں ظرافت کا پہلو نکال لیتے مثلاً جب ان کی آنکھوں کے سامنے پہلا بڑا دھبہ آیا تو کہنے لگے "آؤ میاں آگئے"۔ وہ اسی طرح دھبوں کا استقبال مسرت و مزاح سے کرتے رہے حتیٰ کہ ان کی آنکھیں دیکھنے کے قابل نہ رہیں۔ ڈاکٹروں نے آپریشن تجویز کیا۔ اعلیٰ مقام اور مالی حالت کی بنیاد پر انہیں ہسپتال میں

علیحدہ کمرہ دیا گیا لیکن وہ عام وارڈ میں جا لیٹے۔

وہ نہ صرف خود مسرور و شادماں رہتے بلکہ اپنے وارڈ کے تمام مریضوں کو لطائف سناتے، ہنسی اور مزاح سے بھرپور داستانیں چھیڑ دیتے اور ان کا مورال بلند رکھنے میں کوئی دقیقہ سوانہ رکھتے۔ بارہ مرتبہ ان کا آپریشن ہوا۔ آخری بار انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ ان کی بینائی واپس آنے کے امکانات معدوم ہو گئے ہیں مگر وہ اپنے ماحول اور ڈاکٹروں کے مورال کو متأثر کرنا نہ چاہتے تھے وہ ہنستے ہوئے آپریشن روم میں چلے جاتے الغرض جب وہ فرد جو ادھیڑ عمر میں اندھے پن کے امکان پر رنجیدہ خاطر نظر ہو جاتا تھا، جب اس پر حقیقی وقت آیا تو اس نے نہ صرف حقائق سے سمجھوتہ کیا بلکہ دوسروں کو رنج و غم کی گہری گھٹن سے نکالنے کی مسلسل کوشش کرتا رہا۔

مشہور خاتون مارگریٹ فلر اور ٹامسکار لائل کے نظریات کم و بیش یہی تھے۔ یہ کتاب لکھنے سے پیشتر خود میں نے ایک دفعہ ناگزیر صورتحال کو تسلیم نہ کیا اور اس کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی جو حقائق کی دیوار سے سر پھوڑنے کے مترادف ثابت ہوئی۔ میں سال بھر الجھتا رہا، جب میرے دماغ کے پردوں کہ دھجیاں ہوا میں بکھرنے لگیں۔ راتوں کی نیند حرام ہو گئی اپنے اور بیگانے مجھے خبطی کہنے لگے تو مجھے ہوش آیا اور میں نے حقائق کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر بری صورتحال کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا جائے۔ نہیں! یہ قنوطی لوگوں کا طریقِ کار ہوتا ہے۔ آپ صورتحال کا گہری نظر سے جائزہ لیں۔ حالات اور اپنی قوت کا اندازہ لگائیں۔ اگر آپ کو یقین ہو جائے کہ آپ کے وسائل، قوتیں اور صلاحیتیں اور صورتحال کا مقابلہ نہیں کر سکتیں تو ناگزیر سے تعاون کیجئے۔

بڑے بڑے تاجر اور صنعتکار جن میں مسٹر جے۔ سی۔ پینی، کے۔ ٹی کیلر اور ہنری فورڈ شامل ہیں سے سوال کئے گئے جب انہیں ایسے حالات پیش آئے جن پر انکا کنٹرول نہ تھا لیکن انہیں نقصان پہنچا گیا تو ان کا ردعمل کیا تھا؟ کیا وہ پریشان ہوئے؟ کیا وہ غمزدہ ہوئے؟ تو جواب کچھ اس قسم کا تھا کہ جب حالات پر کنٹرول نہیں تھا جب ان کے نتیجے میں نقصان پہنچا تو غم کس بات کا تھا؟، انجام سے سمجھوتا کر لیا گیا اور سب کچھ بھلا دیا گیا۔

اس ضمن میں ایک نادر مثال مشہور سٹیج ایکٹرس سارہ برن ہرڈٹ کی ہے جو اپنے دور میں ملکوتی کے نام سے مشہور تھی۔ چار برِاعظموں میں اس کا ڈنکا بجتا تھا۔ سٹیج پر اس کی رگ رگ تھرکتی تھی۔ وفودِ جذبات سے اس کا رُواں رُواں پھڑکتا تھا۔ "ہر کمالِ را

زوال" عمر کے ساتھ ساتھ اس کی مقبولیت میں بھی کمی آتی گئی، تاہم وہ اسٹیج کی اہم ترین کردار تھی۔ جب وہ اکہتر سال کی عمر کو پہنچی تو کچھ نہ کچھ رول پھر بھی ادا کر دیتی تھی۔ ان دنوں وہ بحری جہاز پر اتفاقاً اس طرح گری کہ اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی فریکچر مرکب تھا۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ ڈاکٹروں نے فیصلہ دے دیا کہ اس کی ٹانگ کاٹنی پڑے گی۔ اسٹیج کی دنیا سے وابستہ لوگوں کا خیال تھا کہ سارہ یہ اطلاع ملتے ہی وفورِ جذبات سے نا معلوم کیا کر بیٹھے گی لیکن اس نے نہ صرف خبر سن کر صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا بلکہ ڈاکٹروں کو اجازت دے دی۔ جب اسے آپریشن تھیٹر لے جا رہے تھے تو وہ اپنے مشہور ڈراموں کے مکالمے بول رہی تھی۔ اپنے آپ کیلئے نہیں بلکہ ڈاکٹروں اور اسٹاف کا مورال بلند رکھنے کیلئے۔

آپریشن کامیاب ہوا وہ شاداں و فرحاں ہسپتال کے بستر سے اٹھی اور مزید سات سال تک اسٹیج پر تماشائیوں کو اپنے فن کی گہرائیوں سے لطف اندوز کرتی رہی۔

صنوبر اور انناس

Pine & pineapple

آیئے! درختوں کی دنیا کی بات کریں۔ برف و باراں کی وجہ سے صنوبر اور انناس کے پودے کینیڈا میں نہیں ٹوٹتے کیونکہ یہ درخت طوفان اور برف کے دوران اپنی شاخیں جھکا دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف پھل دار درخت معمولی برف باری بھی برداشت نہیں کر سکتے اور ٹوٹ جاتے ہیں۔ جنگِ عظیم دوم فوجیوں کیلئے بڑا کڑا اور بھاری وقت تھا۔ اس وقت فوجیوں کے سامنے دو راستے تھے۔ اول راضی بہ رضا ہو جائیں یعنی ناگزیر سے سمجھوتہ کر لیں، دوسرے غیر ارادی طور پر اعصابی کشمکش کا شکار ہو جائیں۔ ایک مثال ملاحظہ کریں:۔

ولیم۔ ایچ۔ کاسلیٹس امریکہ میں بسکٹ فروشی کیا کرتا تھا کہ اسے فوج میں بھرتی ہونا پڑا۔ اس کا عہدہ سپروائزر کا تھا اس کے ماتحت پانچ ملاح تھے۔ جن کی ڈیوٹی یہ تھی کہ جہاز کے گودام سے ایک ٹن وزنی کنستر بحری جہاز پر لاد دیں۔ ظاہر ہے اتنا بڑا وزن صرف رسوں کی مدد سے گودام سے اٹھا کر جہاز کے عرشہ پر رکھا جا سکتا تھا۔ مسٹر ولیم کو بتایا گیا کہ ان میں بم بھرے ہیں۔ مسٹر ولیم یہ ذمہ داری سنبھالنے سے پیشتر ایک معمولی بسکٹ فروش تھا جس کو میدانِ جنگ سے کوئی واسطہ نہ پڑا تھا۔

جب ایک ٹن وزنی کنستر رسوں کی مدد سے اوپر اٹھایا جا رہا تھا تو اس نے سوچا خدانخواستہ اگر رسہ ٹوٹ جائے تو کیا ہوگا۔ کتنا بڑا دھماکہ ہوگا۔ جس میں اس کے اور پانچ ملاحوں کے پرخچے اڑ جائیں گے یہ خیال آتے ہی وہ خوف سے پسینہ پسینہ ہو گیا کیا وہ بھاگ جائے ؟ اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ یہ آسان نہ تھا اگر پکڑا جاتا تو اسے گولی ماردی جاتی۔ اب اس نے تصور میں تصویر کا دوسرا رخ دیکھنا شروع کیا۔ . زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ٹن بھر بم پھٹ جائیں گے، اس کے جسم کے پرخچے اڑ جائیں گے . . مگر وہ دماغ کہاں ہوگا جو کسی مسلسل و متواتر اذیت سے دوچار ہو اچانک موت آجائے گی۔ نہ جسم رہے گا، نہ جان اور نہ دماغ گویا نہ بانس رہے گا اور نہ بجے گی بانسری۔ اس کے بر خلاف سول زندگی میں عین ممکن تھا اسے سرطان ہو جاتا اور وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتا۔ اس نے بدترین صورتحال سے سمجھوتہ کر لیا اور پھر نہ رسہ ٹوٹا اور نہ بم گرے۔ جنگ ختم ہو گئی اور وہ اپنی سول زندگی میں واپس آگیا مگر اس کے پاس بہت بڑا خزانہ تھا، ایک نادر اصول "ناگزیر سے تعاون"۔

مشہور فلسفی اور حکیم سقراط کی موت تاریخ کا ایک ایسا باب ہے جو کوئی نہیں بھول سکتا۔ حاسدوں کی وجہ سے اس پر مقدمہ چلا اور موت کی سزا ہو گئی۔ داروغہ جیل اس کا دوست تھا، مگر اپنے فرض سے مجبور۔ جب وہ زہر کا بھرا ہوا پیالہ سقراط کے پاس لایا تو داروغہ نے کہا:

"جو کچھ ہو کر رہنا ہے اسے سکون سے برداشت کرو"

یہ الفاظ حضرت مسیحؑ کی پیدائش سے ۳۹۹ سال قبل کہے گئے تھے لیکن آج بھی ان کی اہمیت قائم و دائم ہے۔

میں نے پریشانیاں اور غم دور کرنے کے متعلق ہزاروں تحریریں پڑھی ہیں لیکن ایک دعا نے مجھے اتنا متاثر کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس دعا کو غسل خانوں کے آئینوں کے اوپر لکھوا دیا جائے تاکہ ہم علی الصبح ہاتھ منہ دھو کر آئینہ دیکھیں تو یہ دعا ہماری پریشانیاں اور تفکرات بھی دھو ڈالے۔ دعا یہ ہے:

"اے اللہ! مجھے استقامت عطا کر تاکہ میں ان چیزوں کو تسلیم کر سکوں جنہیں میں حسبِ منشا تبدیل کرنے پر قادر نہیں ہوں۔ مگر جہاں تبدیلی میرے بس میں ہے وہاں مجھے تبدیلی لانے کا حوصلہ عطا کر اور مجھے اتنی عقل عطا کر کہ میں دونوں میں تمیز کر سکوں"۔

خلاصہ :-

اس باب میں ایک اصول پیش کیا گیا ہے "ناگزیر سے تعاون کرنا"۔ اس پر عمل کرنے سے اضطراب اور پریشانیوں پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

احساسِ برتری، بناوٹ

Supiorority complex , an illusion

ابو د جانہؓ سے روایت ہے رسولِ کریم ﷺ کی مجلس میں آپ ﷺ کے صحابہؓ نے دنیا کا ذکر کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ سن رکھو کہ سادگی سے بسر کرنا بھی ایمانداری ہے۔
(معمولاتِ نبویؐ)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز تم میں مجھے سب سے زیادہ پیارا اور میری مجلس میں سب سے زیادہ مقرب وہ شخص ہو گا جو تم میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہو گا۔ اور تم میں قیامت کے روز سب سے زیادہ ناپسند اور میری مجلس میں سب سے زیادہ بے ہودہ اور فضول بناوٹ سے کام کرنے والے متکبر ہوں گے۔(ترمذی)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے شہرت کے خیال سے کوئی کپڑا پہنا قیامت کے دن اللہ اس کو ذلت اور رسوائی کا لباس پہنائے گا۔(اخلاقِ رسولؐ)

ایک دفعہ ایک شخص حضور ﷺ سے ملاقات کرنے کیلئے آیا لیکن آپ ﷺ کو دیکھ کر رعب نبوت سے کانپنے لگا۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا:۔

گھبراؤ نہیں میں بادشاہ نہیں، ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی۔(اخلاقِ رسولؐ)

یعنی حضورِ اقدس ﷺ نے ظاہری نقل، بناوٹ اور غیر حقیقی حیثیت کو پسند نہ فرمایا بلکہ آپ ﷺ اپنی حقیقت پر کاربند رہے۔

شریعتِ محمدی ﷺ کے اصول اور آداب میں حقیقیت ہی کاربند اور نمایاں ہے نفع، بناوٹ، ظاہرداری، تکبر، حب جاہ، احساسِ برتری دین کے کسی بھی حکم سے عیاں اور صادر نہیں بلکہ دینِ اسلام سادگی، حقیقت، حیاء اور اپنی اہلیت کو فراموش نہ کرنا سکھاتا ہے۔

زیرِ نظر مضمون میں یورپی مصنف نے جابجا غیر اسلامی حوالہ جات دیئے ہیں واضح رہے ہمیں ان کی زندگی اور کردار سے مطلب نہیں بلکہ یہ مثالیں ہیں اور مقصد ایک مثال سے سبق اخذ کرنا ہے۔ ورنہ اس مضمون میں بعض چیزیں غیر شرعی ہیں لیکن ہمارا مقصد کسی چیز سے سبق حاصل کرنا ہے۔ چاہے وہ بات کوئی کافر کر رہا ہو یا مسلمان۔

اگر عمیق نگاہ سے دیکھا جائے تو مضمون کو پڑھتے ہی ہر واقعہ کا رزلٹ دینِ اسلام کی طرف گامزن کرتا ہے۔ یعنی واقعہ اصل نہیں بلکہ اصل اس کا رزلٹ ہے۔

فرضی احساسِ برتری اپنانے کی بجائے حقیقت پر عمل کرنا

Instead fo superiority complex, be practical

آج معاشرہ میں متعدد افراد احساسِ کمتری کا شکار ہیں۔ وہ دل میں محسوس کرتے ہیں کہ مالی، معاشرتی، فنی، علمی اور ذہنی اعتبار سے وہ لاکھوں سے کمتر ہیں لیکن اپنا ایک مصنوعی اعلیٰ مقام پیش کرنے کیلئے بیسیوں حرکات کرتے ہیں۔ جھوٹ بولتے ہیں فالتو اور فرضی باتیں کرتے ہیں۔ اپنے خاندان اور کنبے کو بڑا ثابت کرنے کیلئے فرضی رشتہ داروں کی فہرست ان کی زبان پر رہتی ہے۔ اعلیٰ گھریلو سامان ظاہر کرنے کیلئے اگر انہیں ہمسایوں اور دوستوں سے مستعار لینا پڑے تو اس کی پروا نہیں کرتے۔

پدرم سلطان بود کی رٹ لگائی جاتی ہے اور ہر ممکن حفاظت کی جاتی ہے کہ مخاطب کو صحیح صورتحال کا علم نہ ہونے پائے لیکن پھر بھی بھانڈا پھوٹ کر رہتا ہے۔ اس وقت جو کرا کری ہوتی ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ جو صحیح مقام ظاہر کرتے وقت ہوتی ہے اسلئے بہتر ہے کہ "اگر آپ احساسِ کمتری کا شکار ہیں اور اپنے آپ پر احساسِ برتری کا یہ خول چڑھائے ہوئے ہیں تو آج ہی اس خول کو اتار پھینکیں۔" اس ضمن میں ایک داستان ملاحظہ کریں۔

مسز ایڈتھ آکریڈ بچپن سے قدرے موٹی تھی۔ اس کی ماں پرانے خیالات کی مالک تھی۔ وہ اسے سادہ اور ڈھیلا لباس پہناتی۔ اول تو بچپن سے شوخ رنگ لباس کا شوق نہ تھا۔ کبھی کبھار اس کا دل کسی خاص لباس پر آتا یا وہ تنگ لباس کو پسند کرتی تو ماں کی ڈانٹ پڑتی۔ لباس کے متعلق ماں کا مقولہ تھا: "تنگ پھٹے گا، کھلا چلے گا"۔

وہ اسکول میں دوسرے بچوں سے الگ تھلگ رہتی اسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس کی طبیعت اور رکھ رکھاؤ میں قدرے خامیاں ہیں اور کہ اسکول کی لڑکیاں اس کا مذاق اڑائیں گی۔

ان حالات میں وہ جوان ہوئی۔ خوش قسمتی سے اس ی شادی اچھے گھرانے میں ہو گئی۔ اس کی نندیں فیشن ایبل تھیں اور اس کی ساس ایک باوقار خاتون تھیں۔ مسز ایڈ تھ آکریڈ احساسِ کمتری کے عمیق گڑھوں میں جاگری۔ وہ چھپ کر سنتی کہ اس کے گھر والے اس کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔ خاندان کے دوستوں کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔ اسے یہ غم کھائے جاتا تھا کہ کنبہ کے افراد اس کے خاوند کو اس کے پھوہڑپن کی کون کونسی داستان سناتے ہوں گے۔ جب کبھی دراوازے کی گھنٹی بجتی وہ دروازہ کھولنے کے بجائے گھر کے آخری کمروں میں جاکر چھپ جاتی۔ وہ لکھتی ہے کہ اس نے از خود احساسِ کمتری کا حل نکالا اور وہ یہ تھا احساسِ برتری کا فرضی خول یا نقاب۔

اب وہ اپنے خاوند اور نندوں کے ساتھ دوسرے گھرانوں میں جاتی اور فرضی اظہارِ مسرت و شادمانی کرتی لیکن جب واپس اپنے گھر میں آتی تو فرضی احساسِ برتری کی خلاف سرد عمل شروع ہو جاتا۔ ایکٹنگ کا ردِ عمل اور نمائشی و فرضی باتوں کی اصلیت معلوم ہو جانے کا خوف۔

رات پژمردگی اور پریشانی میں گزر جاتی۔ اسے ہر دوسرے تیسرے روز پھر ظاہر داری کا خول چڑھانا پڑتا اور آنے والی شب میں ردّ عمل اپنا اثر دکھاتا وہ اس ظاہر داری اور اس کے ردِّعمل سے تنگ آگئی اور اتنی پریشان ہوئی کہ اس نے خودکشی کا فیصلہ کر لیا۔ خودکشی کا فیصلہ کرنا جتنا آسان ہوتا ہے اس پر عمل کرنا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے۔ اگر تاریخِ فیصلہ اور اس پر عمل کے درمیان کچھ مدت ہو تو اتنے دن کانٹوں کی سیج بن جاتے ہیں۔ یہی حال مسز ایڈتھ آکریڈ کا تھا۔

ایک دن اس کی ساس اپنے تجربات بیان کر رہی تھی۔ وہ بولی اس کے وسائل محدود تھے اور بچے زیادہ۔ لہٰذا ان کی خوراک اور پوشش امیر بچوں کے مقابلہ میں کہیں کم تر تھی۔ اس کی ساس نے مزید کہا کہ انہوں نے صورتحال پر کوئی ملمع کرنے کی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے اپنی بے مائیگی کی کوئی پرواہ نہ کی اور بچوں کو انہی حالت میں پیش کیا جو ان کے مالی اور معاشی تقاضوں کے مطابق تھے۔ اسکا فائدہ یہ ہوا کہ بچوں میں بھی احساسِ کمتری پیدا نہ ہوا اور نہ ہی فرضی احساسِ برتری پیدا ہوا کہ وہ اپنی حقیقت سے سوا

بن کر اپنے آپ کو پیش کریں۔
مسز آلریڈ کا کہنا ہے کہ انہوں نے زندگی بھر کا درس لے لیا۔ "آخر ان میں کون سے کیڑے پڑے ہیں؟ کون سا پھوہڑ پن ہے؟ اگر ایک آدھ خامی ہے تو بیسیوں خوبیاں بھی ہیں۔ چند خامیوں کو دور بھی کیا جا سکتا ہے۔" انہوں نے ایک منٹ میں کئی سوال کر کے اپنے ذہن سے ان کے جواب حاصل کر لیئے۔ انہوں نے فالتو وزن گھٹانا شروع کیا۔ وہ کپڑوں میں شوخی، ڈیزائن اور سٹائل کا خیال رکھنے لگیں۔ انہوں نے مخلص اور صاف گو سہیلیوں کا انتخاب کیا اور اپنے دوستوں کا ایک ایسا حلقہ قائم کر لیا جو ان کی قدر کرتے تھے اور حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے صحیح رائے دیتے تھے۔

آج وہ بے حد مسرور ہیں خاوند انہیں پسند کرتا ہے۔ خاندان والے ان کی عزت کرتے ہیں اور وہ اپنے بچوں کو یہی درس دیتی ہیں کہ اپنے طرزِ عمل میں حقیقت پیش کرو، اپنی شخصیت پر احساسِ برتری کا فرضی خول نہ چڑھاؤ، اپنی خودی پہچانو اور اس کی حفاظت کرو۔

مگر اس دور میں جو کچھ آپ نہیں ہیں وہ بن کر پیش ہونے کی عادت متعدی مرض کی طرح پھیل رہی ہے۔ اخبارات اور رسائل ایسے قصوں اور واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ ایسے ڈراموں کا المناک سین وہ ہوتا ہے جب ملمع اتر جاتا ہے، خول اتر جاتا ہے اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا ہے۔ پریشانی، باہمی ناچاقی، مقدمہ بازی، جگ ہنسائی، تعلقات کا انقطاع بلکہ جرمانے اور قیدیں ایک ایسا باب کھولتی ہیں کہ دنیا بھی خراب ہو جاتی ہے اور عاقبت بھی۔

اس بیماری کا سب سے بڑا اڈا ہالی وُڈ ہے۔ جہاں نو آموز لڑکے بزعم خویش کلارک گیبل بنتے اور لڑکیاں لانا ٹرنر۔ مسٹر سام وُڈ ہالی وُڈ کے آزمودہ ڈائرکٹر ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہدایت کاری پر بہت وقت صرف ہوتا ہے لیکن اس سے زائد وقت نوجوان ایکٹروں اور ایکٹرسوں کو یہ سمجھانے پر خرچ ہوتا ہے کہ وہ در حقیقت وہ نہیں ہیں جو اپنے آپ کے متعلق خیال کرتے ہیں۔

مسٹر پال بوائن ٹائن

Mr. Paul Boventine

ایک کمپنی میں ڈائرکٹر روزگار ہیں۔ ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ کمپنی کیلئے موزوں

نوجوانوں کا انتخاب کریں۔ وہ اس وقت تک ساٹھ ہزار نوجوانوں کا انٹرویو کر چکے ہیں ان کا تجربہ ہے کہ نوجوانوں کو دو جماعتوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

ایک مختصر سی جماعت ان نوجوانوں پر مشتمل ہوتی ہے جو انٹرویو میں حقیقت بیانی سے کام لیتی ہے مگر بہت بڑی تعداد ان نوجوانوں کی ہوتی ہے جو انٹرویو بورڈ کو بے وقوف بنانے کی کوشش میں نہ صرف خود بے وقوف بنتے ہیں بلکہ منتخب ہونے کا موقع گنوا بیٹھتے ہیں۔

مسٹر پال بوائن ٹان کہتے ہیں آخر کمپنی ایک ایسے فرد کو اپنی صفوں میں کیوں شامل کرے جو ارباب بست و کشاد کو صحیح حقائق سے آگاہ نہ کرے۔ ایسا فرد اگر ملازمت میں لے لیا جائے تو وہ اپنے افسروں کو دھوکے میں رکھنے کی کوشش کرے گا اور یہ خامی کسی بڑی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہے۔

کاس ڈیلی بڑی سریلی آواز کی مالک تھی

Casdele was the mistress of melodious voice

کاس ڈیلی بڑی سریلی آواز کی مالک تھی لیکن جہاں قدرت نے اسے سوز بھری آواز سے نوازا تھا وہاں اس کے سامنے کے دانت ضرورت سے زیادہ بڑے تھے اور کاس کو اس خامی کا بڑا احساس تھا۔ ایک دفعہ شبینہ کلب میں اسے اپنی آواز کا جادو جگانے کا موقع ملا لیکن پورے پروگرام میں وہ آواز صحیح نکالنے کے بجائے دانت چھپانے کی کوشش کرتی رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس پر ہوٹنگ ہوئی آوازے کسے گئے اور وہ اس سنہری موقعہ سے فائدہ نہ اٹھاسکی اور مایوس ہو کر لوٹنے والی تھی کہ ایک ماہر موسیقی نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا: "دیکھو کاس! آج تمہاری سوز بھری موسیقی کا امتحان تھا۔ یاد رکھو دانتوں کا عیب تمہاری آواز کو دبا نہیں سکتا تم خوب گاؤ اور دانتوں کے عیب سے بے نیاز ہو جاؤ"۔ اس نے یہ نصیحت پلے باندھ لی، اب وہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی کامیاب گلوکارہ ہے۔

احساسِ برتری کا خول چڑھانے کی بجائے آپ کو چاہیے کہ آپ اپنی خودی پہچانیں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ اللہ نے آپ کو کن خوبیوں سے نوازا ہے عام طور پر لوگ اپنا موازنہ بہن بھائیوں یا چچا زاد بہن بھائیوں سے کر کے اپنے آپ کو یہ تسلی دے لیتے ہیں کہ ان کی صلاحیتیں نزدیکی رشتہ داروں کی صلاحیتوں کے اوسط برابر ہونی چاہئیں اور فی الواقع اس مقام پر ہیں۔ ایسا خیال نہ کیجئے۔ یہ مثال عام دی جاتی ہے

کہ خدا نے پانچوں انگلیاں ایک سی نہیں بنائیں۔ اگر آپ کو سائنس سے ذرا سی دلچسپی ہے تو میں بنیادی سائنسی اصول پیش کرتا ہوں۔

کسی فرد کی پیدائش باپ کے چوبیس کروموسوم اور ماں کے چوبیس کروموسوم کے باہم ملنے سے ہوتی ہے۔ ان کروموسومز پر کروڑوں جین ہوتی ہیں۔ جو افراد میں مختلف صلاحیتیں پیدا کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہیں۔ اسلئے ہر بچے کی پیدائش میں مختلف صلاحیتوں والی جین کو دخل ہوتا ہے۔ گویا نزدیکی رشتہ داروں کی صلاحیتوں کی اوسط والا نظریہ غلط ہو سکتا ہے کہ کسی گھرانے میں بہت ہی اعلیٰ صلاحیتوں والا بچہ پیدا ہو چکا ہو اور وہ آپ ہوں۔ مگر یہ بات آپ کو معلوم ہی نہ ہو اور آپ نے اپنی صلاحیتوں سے پورا فائدہ نہ اٹھایا ہو۔ اسلئے اپنی صلاحیتوں پر غور کریں۔ انہیں آزمائیں اور فرضی احساسِ برتری کا خول چڑھانے کا نزدیکی راستہ اختیار نہ کریں۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کسی بڑے آدمی کی نقالی کر کے عروسِ کامیابی سے ہمکنار ہو جائیں گے یعنی بڑے آدمیوں کی نقالی انہیں کامیابی کی منزل پر پہنچادے گی لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا ایک نوجوان اور اداکاری کے خواہشمند فرد کے دل میں یہ سودا سما گیا کہ وہ کامیاب ایکٹروں کی نقل کرے گا۔ نہ صرف یہ بلکہ ان تمام سے انٹرویو کر کے ان امور کو یکجا کر دے گا۔ جو ان کی کامیابی کا باعث بنے۔ مگر اسے کیا حاصل ہوا؟ گڈمڈ واقعات کا بے سروپا مجموعہ، اور جب ان پر عمل کیا گیا تو وہ لڑکا ایسا مجموعہ اضداد بن گیا کہ لوگوں نے اسٹیج پر گندے انڈے اور ٹماٹر پھینکے اور ڈائرکٹروں نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

اب اس نے فن تقریر کی طرف توجہ دی۔ اس نے بہترین مقرروں کے طریقہ کار کو ایک کتاب میں یکجا کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ مختلف عنوانوں کے تحت بہترین مقررین کی آراء لکھتا گیا۔ مسودہ تیار ہو گیا تو اس نے ٹھنڈے دل سے پڑھنا شروع کیا۔ یہ کیا؟ پورا مسودہ خیالات اور تکنیک کی بھول بھلیاں تھی۔ اس نے خود ہی مسودہ کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ وہ لکھتا ہے کہ اس نے مقرر کی حیثیت سے کام جاری رکھا آخر اپنے تجربات پر مشتمل ایک درسی کتاب لکھ دی۔

اس کتاب کو تسلیم کر لیا گیا اور یہی مختصر سی کتاب اسے بامِ شہرت پر پہنچانے کا ذریعہ بن گئی۔ کس لیئے؟ اس کتاب میں جو کچھ تھا وہ اس کے حقیقی تجربات کا نچوڑ تھا۔ اس کتاب میں اس کی شخصیت جھلکتی تھی۔ اس کی حقیقت اور اصلیت نمایاں ہوتی تھی۔

وہ اس کا اپنا کام تھا۔

میں ایک دفعہ پھر اس موضوع کی طرف آتا ہوں کہ احساسِ برتری کا خول چڑھانے کا سب سے بڑا اڈا ہالی وُڈ ہے۔ تجربات کے نتائج بتاتے ہیں کہ فرضی خول نے کسی اداکار کو کچھ نہیں دیا بلکہ ایک فرضی شخصیت کا مظاہرہ کرنے میں جتنی مدت صرف ہوئی وہ اکارت گئی اور اس اداکار کو اول تو ہالی وُڈ اور اداکاری کو خیرباد کہنا پڑا یا وہیں سے آغاز کرنا پڑا جہاں اس نے اداکاری کی وادی میں قدم رکھا تھا۔ اس ضمن میں بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

کوا چلا ہنس کی چال

Do not imitate anyone

مشہور مزاحیہ اداکار چارلی چپلن نے جب ہالی وُڈ میں اداکاری کا آغاز کیا تو ڈائریکٹر نے ہدایت کی کہ وہ ایک ہر دلعزیز جرمن مزاحیہ اداکار کی نقل کرے لیکن مشہور کہاوت کے مصداق "کوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا"۔ چارلی چپلن ناکام ہو گیا۔ آخر جب اس نے اپنا رنگ اپنایا تو شہرت اور دولت نے اس کے قدم چومے۔ بوب ہوپ نے بالآخر اپنے مزاحیہ اداکاری کا سکہ منوالیا۔ آپ حیران ہوں گے کہ اس نے دوسروں کے کہنے پر گانے اور ناچنے پر کئی سال صرف کیئے مگر ناکامی کے سوا کچھ نہ ملا۔ جب وہ اپنی راہ پر لوٹ آیا تو کامیابی اس کی منتظر تھی۔

میری مارگریٹ ریاست مسوری کی سادہ سی لڑکی تھی۔ اسے ریڈیو پر سادہ دیہاتی کرداروں کیلئے مختص کر دیا گیا لیکن اس کے دماغ میں تعلیم یافتہ شہری کرداروں کا سودا سمایا ہوا تھا۔ اس نے زبان پر فرضی شہری خول چڑھایا لیکن اس کا لہجہ ہمیشہ اس کی ٹانگ کھینچ لیتا۔ ناکامی کے بعد وہ دوبارہ دیہاتی لڑکیوں کا کردار کرنے لگی اور اسٹار بن گئی۔ جین آٹری ٹیکساس کا دیہاتی تھا۔ وہ چرواہوں کے گیت کامیابی سے گاتا تھا۔ نیویارک پہنچ کر اس نے اپنی زبان، موسیقی، لباس اور بود و باش پر فرضی اور شہری خول چڑھایا لیکن اس کا لہجہ اس کے دیہاتی پن کی غمازی کرتا تھا اور اس کا پروگرام ناکام ہو جاتا۔ آخر اسے اپنے اصلی مقام پر لوٹ کر آنا پڑا، اس مقام پر مزید تجربہ حاصل کرنے کے بعد وہ ایک عظیم دیہی موسیقار بن گیا۔

مشہور ادیب ایمرسن کے ایک مضمون کا عنوان ہے "خود اعتمادی"۔ اس میں وہ

شخصیتوں، اسپن کی تعلیم وتربیت، زندگی گزارنے کے طریقے اور نشیب وفراز پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ہر انسان براہِ راست یا گھوم پھر کر اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ حسد کرنا جہالت ہے۔ نقالی خودکشی ہے اور اسی مقام پر قناعت ضروری ہے۔ جس مقام پر انسان کے وسائل، سہولتیں اور صلاحیتیں اسے لا کھڑا کرتی ہیں۔ تقریباً یہی کچھ ایک شاعر ڈوگلس میلوچ نے اپنی نظم میں کہا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

"اگر تم صنوبر نہیں بن سکتے تو جھاڑی بن جاؤ۔ مگر مضبوط اور حقیقی، اگر جھاڑی نہیں بن سکتے تو گھاس کا تنکا بن کر اس پر اکتفا کرو"۔

فوج میں سب امیدوار کپتان نہیں بن سکتے کپتانی کی اہلیت نہ ہو تو ملاحی کو سکون سے قبول کرو۔ اگر شاہراہ نہیں بن سکتے تو پگڈنڈی بن جاؤ۔ اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

"وسائل، سہولتوں اور تعلیم کی بنا پر تم جو کچھ ہو اس کو تسلیم کر لو اور فرضی احساسِ برتری کا خول چہرے پر نہ چڑھاؤ"۔

اپنے سے کمتر کو دیکھنا

Look at one in ferior to you

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے سے کم درجہ والوں کی حالت کا مشاہدہ کیا کرو اور اپنے سے بڑے مرتبہ والوں کی حالت زیادہ مت دیکھو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو انعامات تم پر اللہ کے ہیں ان کی قدر نہ کر سکو گے۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص ایسے شخص کی طرف نظر کرے جو اس سے مال میں جسمانی قویٰ میں زیادہ ہے تو اسے چاہئے کہ اس شخص کو بھی دیکھے جو مال و جسم میں اس سے کم ہے۔ (بخاری)

ماہرینِ نفسیات کے مطابق اگر انسان اپنے سے بالا، اعلیٰ و برتر لوگوں کی طرف نگاہ کرے تو کچھ بعد ایسا انسان مستقل ذہنی، اعصابی اور دماغی ڈپریشن کا شکار ہو جائیگا۔ اس بات کی وضاحت غیر مسلم ماہرین نے کچھ اس انداز میں کی ہے :-

اپنے سے کمتر کو دیکھئے

Look at one in ferior to you

آپ کو بڑے بڑے صنعت کاروں اور نو دولتوں سے ملنے اور بات کرنے کا موقع ملا ہوگا، ان میں آپ ایک چیز پائیں گے، یہ الفاظ کہ "میرے پاس کیا ہے...... ؟ صرف ایک مل" صاحب فلاں کو دیکھئے ! کل تک یہ ٹوٹی ہوئی کار میں پھرتا تھا آج اس کی دو ملیں ہیں۔" ذرا آگے بڑھیئے، ایک صاحب کی زبان پر ہے، "صاحب میرے پاس تو صرف دس لاکھ کا بینک بیلنس ہے... اسے دیکھئے... کل تک ایک ایک پیسے کو ترستا تھا آج کروڑوں کا بینک اکاؤنٹ ہے۔"

نو دولتوں اور اس قماش کے لوگوں میں دوسروں کی دولت ذہنی پریشانی کا موجب بنی رہتی ہے مگر ہیرلڈ ایبٹ کی داستان اس کے برعکس ہے۔ میں ہیرلڈ ایبٹ کو کئی سالوں سے جانتا ہوں، وہ پرچون فروش تھا اچھی بھلی دکان تھی لیکن تجارت کے ڈھنگ نرالے ہوتے ہیں، ارزانی کی وجہ سے اسے گھاٹا پڑا۔ دکان کا سامان بیچ ڈالا گیا پھر بھی نقصان کی تلافی نہ ہوئی۔ وہ مغموم و پریشان رہنے لگا۔ موقع ہی کچھ ایسا تھا کہ میں بھی اس کی کوئی مدد نہ کر سکا، ایک دن معلوم ہوا کہ وہ شہر چلا گیا، کچھ مدت بعد واپس آیا تو ہشاش بشاش تھا، اس کے رنگ ڈھنگ سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کے دن پھر چکے تھے۔

میں نے استفسار کیا: سناؤ کیسے گزر رہی ہے؟ جواب ملا.. خوب بلکہ خوب تر۔ میں نے پوچھا: پریشانیوں کا چکر کیسے ختم ہوا؟ کہنے لگا "صرف ایک واقعہ سے اور وہ بھی صرف ایک منٹ میں"۔

میں نے تفصیل پوچھی تو جواب دیا کہ دکان کا مال فروخت کرنے بعد بھی وہ مقروض رہا، قرض خواہوں سے چھٹکارا ضروری تھا۔ دوسری چیز ملازمت کی تلاش تھی۔ وہ اسی ادھیڑ بُن میں پریشان حال شہر کی طرف سدھارا۔ جیب خالی، پریشان حال، مقروض اور بے روزگار............ کون سا غم تھا جو اس کو نہ ستا رہا تھا۔ وہ اپنے آپ کو شہر کا مظلوم ترین فرد سمجھ رہا تھا۔ چلتے چلتے وہ اچانک ایک گلی میں مڑا، اس چھوٹی سی گلی سے دو پہیئے والی گاڑی پر بیٹھا ہوا ایسا فرد سامنے آیا جو ٹانگوں محروم تھا اور گاڑی کو ایک لکڑی کی مدد سے چلا تا تھا۔ اچانک آمنا سامنا ہوا تو لنگڑے چہرے پر رونق آگئی، آنکھوں میں امید وبیم کی روشنی تھی۔ وہ عزم وارادہ کا پتلا محسوس ہوا۔ "صبح کا سلام" کہتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھایا... ہیرلڈ ایبٹ نے سلام کا جواب دیا............ مگر زندگی بھر کا درس ایک لمحے میں لے لیا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جب پورس کو سکندر اعظم کے سامنے پیش کیا گیا تو سکندر اعظم کو کہنا پڑا کہ پورس نے جنگ ہاری ہے حوصلہ نہیں ہارا، کچھ ایسی ہی کیفیت ٹانگوں سے محروم اس فرد کی تھی۔ وہ ٹانگوں کے بغیر بھی حوصلے اور عزم سے اپنی زندگی کی گاڑی کھینچ رہا تھا ہیرلڈ ایبٹ کے اعضاء تو سلامت ہیں اور وہ میلوں تک تلاشِ روزگار اور دوسرے کاموں کے لیے جا سکتا ہے۔ اسطرح اس کا حوصلہ سہ چند ہو گیا، اس نے قرض لیکر ادھار چکا دیا اور اتنے ولولے اور جذبے سے ملازمت کی تلاش کی کہ چند دن میں اسے معقول روزگار مل گیا۔ اب وہ ایک نیا انسان تھا اس نے اپنے سے کمتر کی طرف

دیکھا اور اپنے سلامت اعضاء سے کام کرنے کا درس لے لیا۔

ایڈی رکن بیکر

Eddy Baker

ایڈی رکن بیکر ان خوش قسمت انسانوں میں سے تھا جو بحر الکاہل میں اکیس دنِ معمولی سی کشتی میں تڑپتے رہے اور آخری چند دنوں میں تو میٹھے پانی کے ایک گھونٹ کو ترس گئے۔ ایڈی رکن بیکر کی زندگی بچ گئی لیکن اکیس دن کی زندگی کی جملہ تکالیف اس کے ذہن پر نقش ہو گئیں۔ اس سے پوچھا گیا "باقی ماندہ زندگی میں تمہیں کیا مطلوب ہے؟" کہا: "تازہ پانی اور جی بھر کر سادہ کھانا"۔

ایک سارجنٹ کو شیل کا گولا گردن پر لگا اسے کون کی سات بوتلیں دی گئی۔ جب اسے ہوش آیا تو معلوم ہوا کہ اس کی جان زندگی اور موت کے درمیان لٹک رہی تھی نہ معلوم کس کا پلڑا بھاری ہو جائے۔ اگر بفرضِ محال اس کی جان بچ بھی جائے تو نا معلوم کون کون سا عضو بے کار ہو جائے گا اور کون کون سا عمل متأثر ہو گا۔ وہ بول نہیں سکتا تھا، اس نے لکھ کر ڈاکٹر سے دو سوال پوچھے "کیا وہ زندہ رہے گا؟ کیا اس کے بولنے کی قوت بر قرار رہے گی؟" ڈاکٹر کا جواب تھا: "دونوں صورتیں بر قرار رہیں گی"۔ اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی، اس نے کاغذ پہ لکھا کہ مجھے اس سے زائد کسی چیز کی ضرورت نہیں۔[1]

مندرجہ بالا دو واقعات ایک قدر مشترک ہے "کمتر زندگی سے موازنہ اور احساس نعمتِ موجودہ"۔ ایڈی رکن بیکر نے کمتر زندگی کی تلخیوں کا پہلے تجربہ کر لیا تھا، اس کیلئے باقی ماندہ نارمل زندگی میں اگر روٹی اور پانی ملتا رہتا تو اس کے لئے غنیمت تھا۔ سارجنٹ نے اپنے آپ کو زندگی اور موت کے درمیان معلق محسوس کیا بلکہ اسے زندگی کا بھروسہ نہ

1: شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "گلستانِ سعدی" میں ایسا ہی ایک واقعہ تحریر کیا ہے کہ کشتی میں چند آدمی سفر کر رہے تھے، جب کشتی دریا کے درمیان میں پہنچی تو ایک سوار نے شور مچانا شروع کر دیا جس سے تمام مسافر پریشان ہوئے۔ کشتی پر ایک سمجھدار نے دیگر مسافروں سے اجازت لیکر اسے اٹھایا اور دریا کے حوالے کر دیا۔ جب اس نے ایک آدھ غوطہ کھا لیا تو اسے زیرک آدمی نے ملاح کو اشارہ کیا کہ کشتی اس کے قریب لے جاؤ چنانچہ جو نہی کشتی اس کے قریب کی گئی وہ اسے چمٹ گیا اور بقیہ سارا سفر خاموشی سے گزارا۔ لوگوں نے اس دانا سے اس کاروائی کا پس منظر معلوم کیا تو اس نے بتایا:
"یہ بے وقوف پہلے یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ کشتی مجھے ڈبو دے گی مگر اب اسے پتہ چل گیا ہے کہ یہ ڈبوتی نہیں بلکہ ڈوبنے والوں کو بچاتی ہے"

رہا۔ جب اسے زندگی اور بولنے کی صلاحیت درست رہنے کی ضمانت دی گئی تو اس نے اس ضمانت کو موت سے بہتر سمجھ کر غنیمت جانا۔

جوناتھن سوفٹ

Jonathan swift

ایک مشہور مصنف جوناتھن سوفٹ اپنی تمام تر شہرت اور مالی مقام کے باوجود قنوطی تھا۔ تاہم جب اس سے پوچھا گیا کہ اس کی نظر میں بہترین طریقۂ علاج کون سا ہے اور بہترین معالج کون سے ہیں؟ تو اس کا جواب تھا "ڈاکٹر غذا، ڈاکٹر سکون اور ڈاکٹر مسرت"۔

آپ ایک قنوطی فرد یا غریب آدمی کی دماغی سوچ کا اندازہ کریں۔ ان میں سے اکثر ہر وقت اپنی بے مائیگی اور غریبی کا گلہ کرتے رہتے ہیں۔ وہ ذرا ایک منٹ کیلئے سوچیں کہ ان کو اللہ نے دو آنکھیں دی ہیں جب کہ لاکھوں انسان اس نعمت سے محروم ہیں۔ ان کو دو ہاتھ اور دو ٹانگیں عطا کی ہیں جب کہ ہزاروں افراد ان سے بھی محروم ہو چکے ہیں۔ اگر وہ اس گوشے میں نگاہ ڈالیں تو ان کو معلوم ہوگا کہ لاکھوں افراد ان سے کم تر جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کے مالک ہیں، ذرا ان کی طرف نگاہ کریں۔ ایک شاعر نے شائد ایسے موقع کیلئے کہا ہے۔

پسِ دیوار ذرا جھانک کے تم دیکھ تو لو
ناتواں کرتے ہیں دل تھام کے آہیں کیونکر

یہی تانک جھانک اور یہی نظر بازی آپ کی دنیا بدل دے گی اور آپ کو ذہنی سکون کی دولت میسر آجائیگی۔

حقیقی داستان

True story

ایک اور حقیقی داستان ملاحظہ کریں :-

مسٹر پامر نے جنگِ عظیم کے بعد موٹر گاڑیاں مرمت کرنے کی ورکشاپ قائم کی۔ پہلے پہل کام خوب چلا، فاضل پرزے ارزاں اور بکثرت ملتے تھے اس لئے گاڑیوں کی مرمت میں خاصی بچت ہو جاتی۔ زمانہ بدلا، پرزے گراں بلکہ کمیاب ہوتے گئے، اتنی

بچت نہ رہی۔ پامر نہ صرف ذہنی بلکہ جسمانی طور پر متأثر ہوا۔ ہر وقت بڑبڑاتا، حکومت کی پالیسیوں پر تنقید کرتا، تھوک فروشوں کو نشانہ بناتا اور سب سے زائد اپنی قسمت کو کوستا۔ وہ ان لوگوں سے اپنا مقابلہ کرتا جنہوں نے ورکشاپ کا پیچیدہ کھڑاگ کرنے کے بجائے سہل سے کام کیئے تھے مگر ہزاروں ڈالر کما رہے تھے۔ ذہنی خلش یہاں تک پہنچی کہ وہ لوگ جن کی ہمدردی حاصل کرنے کیلئے پامر اپنی پریشانیوں کی داستانیں سناتا تھا اس سے دور رہنے لگے۔ وہ پریشان تو تھا ہی اب اسے غم کا اظہار کرنے اور اپنا دکھڑا سنانے کو آدمی نہ ملتے، اس طرح وہ مزید پریشان رہنے لگا۔ ورکشاپ میں مستریوں سے الجھتا، گاہکوں سے بحث کرتا اور دفاتر میں جاکر ہنگامہ کھڑا کر دیتا۔

ایک دن وہ بہت ہی پریشان تھا، اس کی ورکشاپ میں ایک ملازم تھا ایک بازو سے محروم، نصف چہرہ جھلسا ہوا اور کمزور جسم کا مالک۔ اس نے مسٹر پامر کو کطاب کرتے ہوئے کہا:

"دیکھئے صاحب! آپ صحت مند ہیں روپے پیسے کی آپ کو کوئی فکر نہیں، ہنر آپ کے ہاتھ میں ہے۔ دوسری طرف مجھے دیکھئے... ایک ہاتھ سے محروم ہوں، چہرہ جھلسا ہوا، کمزوری اور خون کی کمی کا شکار.. پھر بھی میں اپنی قسمت پہ شاکر ہوں کہ اللہ نے میرا ایک ہاتھ تو سلامت رکھا، میرا دماغ درست کام کر رہا ہے، میں جسمانی کام کر سکتا ہوں اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالتا ہوں۔ ایک آپ ہیں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہنگامہ کھڑا کیئے رکھتے ہیں۔ یہ تسلیم ہے کہ ان دنوں پرزے کمیاب اور گراں ہیں.. کچھ دیر بعد یہ حالت درست ہو جائیگی۔ بفرضِ محال ایسا نہ بھی ہوا تو آپ ورکشاپ کا سامان فروخت کر کے کوئی اور کام کر سکتے ہیں، ملازمت کر سکتے ہیں...... آپ کے جسم کا ایک ایک عضو صحیح کام کرتا ہے۔ مجھے دیکھئے یا ان لوگوں کو دیکھئے جو آپ سے کمتر وسائل اور صحت کے مالک ہیں اور کسی نہ کسی طرح زندگی کی گاڑی کھینچ رہے ہیں"۔

پامر کو زندگی کا درس مل گیا، زندگی بھر اس نے نہ صرف سکون اور صبر سے کام کیا بلکہ جہاں تک بن پڑا غرباء کی مدد کی۔

میری ایک دوست ہے "لو سائل بلیک"۔ اللہ نے اسے تمام نعمتوں سے نوازا ہے۔ صحت مند اور جان چھڑکنے والا صاحبِ روزگار خاوند، اپنا مکان، خوبصورت بچے اور سب سے سوا ہشاش بشاش زندگی۔ شائد آپ یہ سمجھے ہوں گے کہ وہ چاندی کا چمچہ منہ میں لیکر پیدا ہوئی تھی؟ نہیں... نہ وہ بچپن سے صحت مند اور مسرور و شادماں تھی اور نہ یہ سلسلہ آج تک رواں دواں ہے۔

اس نے اپنی زندگی میں اچانک ایسا دن بھی دیکھا جب ڈاکٹروں نے رائے دی کہ اس کی زندگی کی کوئی گارنٹی نہیں دی جاسکتی اور اگر وہ زندہ رہنا چاہتی ہے تو اسے سال بھر ہسپتال کے بستر پر لیٹنا ہوگا۔ گویا ڈاکٹروں نے اسے موت کا پیغام دے دیا۔ (کمتر زندگی) اور پھر جو کچھ اسے میسر آیا وہ موت کے پیغام سے بدرجہا بہتر تھا اور یہ نقطہ اس کو زندگی بھر مسرور و شادماں اور ہشاش بشاش رکھنے کا باعث ہوا۔

ذرا اس کی حقیقی داستان ملاحظہ کیجئے :-

وہ میرے ساتھ جرنلزم کی کلاس میں پڑھتی تھی مگر اپنے اندر بذاتِ خود ایک انجمن تھی۔ وہ ہر فن مولا تھی اور کالج کے اوقات سے باہر ہر منٹ مختلف پروگراموں پر خرچ کرتی۔ کالج جانے سے پیشتر گھوڑ سواری کرتی، شام کے وقت ایک کلینک میں کام کرتی، اپنی رہائش گاہ میں آکر موسیقی کی تعلیم دیتی اور رات کے وقت پارٹیوں اور دعوتوں میں رقص کرتی۔ ایک دن اچانک اسے دل کا دورہ پڑا، ڈاکٹروں کی رائے میں ضرورت سے زائد دماغی کوفت دورے کا باعث ہوئی تھی۔

ان کی رائے میں دوسرا دورہ اسے موت کی سیاہ وادی میں دھکیل سکتا تھا، اگر جان بچانی مطلوب تھی تو صرف ایک راستہ تھا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ایک سال ہسپتال کے بستر پر لیٹا جائے جہاں صرف ایک ملاقاتی کو چند منٹ کیلئے ملنے کی اجازت ہوگی۔ ایک ایسی لڑکی جس کی بوٹی بوٹی پھڑکتی تھی، جو شمعِ محفل تھی، جس کی صبح.. دوپہر.. شام اور رات الگ الگ مصروفیات کیلئے وقف تھی۔

ڈاکٹروں کی اس رائے نے کون سی پریشانی پیدا نہ کی ہوگی؟ مگر ڈاکٹروں کی رائے کا ایک اور حصہ بھی تھا...... یعنی موت کا خدشہ۔ اس نے ابھی زندگی میں کتنی خوشیاں دیکھی تھیں کہ اسے موت کا امکان سنا دیا گیا جو سرخ انگاروں کی طرح اس کے دماغ پر لگا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ موت کے منہ میں نہیں جائے گی۔ دوسرا راستہ سال بھر کیلئے بستر پر لیٹنا تھا۔ کمتر حالات یعنی موت کے احساس کے بعد وہ بستر پر لیٹنے کو تیار تھی اور لیٹ گئی۔

دن گزر رہے تھے کہ ایک دن اس نے موت اور اس زندگی کا موازنہ کیا جو وہ بستر پر گزار رہی تھی۔ اچھی اور ہلکی پھلکی خوراک، صاف ماحول، اعلیٰ طبّی توجہ، روز نیا ملاقاتی، سکون اور یکسوئی۔ موازنہ کرنے کے بعد وہ ایک نیا فرد تھی۔ اس کی صحت تیزی سے ترقی کرنی لگی۔ ای سی جی برابر کہہ رہا تھا کہ دل کی حالت بہتر ہو رہی ہے۔ آخر وہ مکمل طور پر صحتیاب ہو گئی، دل کے نامیاتی نقائص درست ہو گئے۔

ڈاکٹروں کی رائے میں اب وہ ایک فرد جتنی کوفت بخوبی برداشت کر سکتی تھی، یہ بہت بڑی نعمت تھی لیکن سب سے بڑی نعمت یہ حاصل ہوئی کہ اسے اپنے سے کمتر مقام سے موازنہ کرنے درس کامل گیا۔ یہ وہ درس تھا جسے اس نے اپنی باقی ماندہ زندگی میں مشعل راہ بنائے رکھا۔ اس کے ملنے والوں میں بھی اگر کوئی حالاتِ زمانہ کا گلہ کرتا۔ اپنی بے مائیگی پر آنسو بہاتا یا حسد یا رشک کے جذبہ سے امیر پڑوسیوں اور دوستوں کا ذکر کرتا تو وہ انہیں سمجھاتی کہ یہ درست ہے کہ آپ کے ملنے والوں میں سے چند کا رتبہ اور مالی حالت آپ سے بہتر ہے لیکن سینکڑوں ایسے بھی ہیں جو آپ کے مقام تک نہیں پہنچ سکے یا طبّی نقطۂ نگاہ سے نیم ناکارہ ہو گئے۔ وہ کہتی ہے کہ ”ابدی سکون حاصل کرنا ہے تو اپنے سے کمتر مقام والے دوستوں کو دیکھو“۔

میں دیکھنا چاہتی ہوں

I want to see

مس بور گھیلڈ ڈاہل سابق پروفیسر صحافت وادب نے اپنی کتاب ”میں دکھنا چاہتی ہوں“ میں اپنی سوانح عمری لکھی ہے۔ اس کتاب کے آخری باب میں اس نے تحریر کیا ہے کہ جو سکون اسے اپنے باورچی خانہ میں پلیٹیں دھونے سے ملتا ہے اتنی طویل زندگی میں کسی مقام، کسی آسامی اور کسی رتبہ پر حاصل نہیں ہوا۔

اپنی داستان تحریر کرتے ہوئے مس بور گھیلڈ نے لکھا ہے کہ جب اس نے ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو نیم اندھا پایا۔ ایک آنکھ سراسر سپاٹ تھی، دیوار کی دیوار۔ دوسری کے سامنے دھند اور اجالے کا وسیع غبار چھایا رہتا تھا۔ البتہ ایک کونے سے کچھ نظر آتا تھا۔ زندگی کی گاڑی کھینچنے کیلئے اسے اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کی پلیٹیں دھونے کو ملیں اور پھر بھی دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کب پلیٹ ٹوٹی اور عزیزہ کا پارہ گرم ہوا۔

دوسرا اوہم یہ تھا کہ اگر معمولی سا روزینہ بھی بند ہو گیا تو کیا ہو گا...... مکمل تاریکی،

یکسر اندھا پن مس بور گھیلڈ نے یہ خیال آتے ہی اپنے آپ کو خوش و خرم محسوس کیا۔ اس کے دل میں ولولہ پیدا ہوا کہ کیوں نہ وہ اس روزینے سے فائدہ اٹھائے اور تعلیم حاصل کرے۔ اس کے پاس بہت سا فالتو وقت تھا۔ اس نے پڑھنا شروع کیا حتیٰ کہ صحافت اور ادب میں ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کرلی۔ اسے کالج میں لیکچرار لے لیا گیا۔

جب وہ باون سال کی ہوئیں تو ایک ماہر امراضِ چشم نے ان کی آنکھ کا معائنہ کیا اور کیس امید افزا پاکر آپریشن کر دیا۔ ماہرین کی رائے میں ان کی بصارت میں چالیس گنا اضافہ ہو گیا۔ جس کے بل بوتے پر پروفیسر کے عہدے تک ترقی پا گئیں۔ ریٹائرمنٹ ملتے ہی وہ گھر لوٹیں اور سیدھی اس باورچی خانے میں گئیں جہاں وہ کسی زمانہ میں برتن دھویا کرتی تھیں۔ انہوں نے صابن کا جھاگ بنایا اس میں برتن رکھے تو سینکڑوں گیند نما سفید سفید بلبلے پیدا ہوئے جن میں قوس و قزح کے رنگ بھی نظر آتے تھے۔ وہ بچوں کی طرح بار بار بلبلوں سے کھیلتیں اور چھینٹے اڑاتیں۔ پھر انہوں نے نہایت سکون سے سارے برتن دھوئے اور عزیزوں، رشتہ داروں کے روکنے کے باوجود انہیں شیلف میں سجادیا۔ برتن سجانے کے بعد انہوں نے باورچی خانے کی کھڑکی کھولی تو ہلکی ہلکی برفباری شروع ہو چکی تھی۔ خاکستری پروں والے پرندے اپنی پناہ گاہوں کی طرف پرواز کر رہے تھے۔

انہوں نے خدا کا شکریہ ادا کیا کہ کس طرح وہ ان تمام چیزوں کو دیکھنے پر قادر ہو گئیں۔ جن کو وہ ایک روزینہ سے دیکھا کرتی تھیں اور اس پر بھی یہ خوف کھائے جاتا تھا کہ کہیں یہ روزینہ بھی بند نہ ہو جائے وہ یہ سبق حاصل کر چکی تھیں کہ نیم اندھا پن اور بصارت سے مکمل محرومی کے ڈر سے یہ کہیں بہتر ہے کہ مکمل بصارت کے ساتھ جو کام میسر آئے کیا جائے۔

اس باب سے ہمیں دو سبق ملتے ہیں :

۱ : اپنے سے کمتر کی طرف دیکھو تا کہ تمہیں اپنی بہتر حالت کا احساس ہو اور یہ چیز تمہیں سکون مہیا کرنے کا باعث بنے۔

۲ : اپنی تکالیف اور پریشانیوں کی بجائے ان رحمتوں کا اندازہ کیجئے جو آپ پر بفضلِ ایزدی مرحمت ہوئی ہیں۔

تفکرات کے متوقع اسباب

Expected causes of ideas

دنیا حالات، تفکرات غم پریشانی، مزاج کے خلاف معاملات کا نام ہے لیکن ان تمام امور کو باحسن و خوبی نمٹانے کیلئے ایک الٰہی نظام ہے کہ ہر چیز ان کے اختیار میں نہیں ان کا کام مکمل کوشش اور سر توڑ محنت پھر نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا۔ یہ عقیدہ مسلمان کا ہے۔

کیونکہ مسلمان کو جب کوئی پریشانی یا تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اس کو اعتدال اور میانہ روی (جو کہ اسلام کے بہترین اصولوں میں سے ہیں) سے حل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اگر اسے ان امور میں مسلسل ناکامی ہو گی تو پھر اسلام ایک عظیم سہارا دیتا ہے جس کا نام صبر و شکر، تحمل و بردباری، اور ذاتِ الٰہی پر توکل ہی کا سہارا ایک عظیم قوت بن کر اسے بے شمار امراض سے نجات دیتا ہے۔

ماہرینِ نفسیات کے مطابق اگر کوئی تفکراتی امراض سے بچنا چاہتا ہے تو ان میں دینِ اسلام کا عقیدہ تقدیر مضبوط کرنا بہت ضروری ہے کہ میرا کام محنت اور جستجو کرنا پھر کرنا بار بار کرنا لیکن اگر پھر ناکامی ہوتی ہے تو صبر و شکر کر کے اسے اللہ کی طرف سے سمجھنا اور اس مسئلے کا دین سے حل لے کر پھر نئی کوشش میں لگنا۔

لیکن غیر اسلامی زندگی جب ناممکن کو ممکن کرنا چاہتی ہے اور ناممکن ممکن نہیں ہوتا تو وہ پھر کوشش کرتی ہے لیکن اگر بار بار کوشش کے باوجود پھر بھی وہ مسئلہ حل نہیں ہوتا تو وہ اس غم میں گھل کر بے شمار امراض کا مجموعہ بن جاتی ہے۔

یا پھر ایسے لوگ خودکشی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں ورنہ پیچیدہ اور خطرناک امراض ان کا مقدر ہوتا ہے۔

اسلئے اگر ان خطرناک امراض سے بچنا ہے تو توکل، صبر و شکر اور رضائے الٰہی یا صابر و شاکر ہونے کا فن صرف اسلامی زندگی ہی دے سکتی ہے۔ آیئے سنت کی زندگی کو

اپنائیں۔ حضور ﷺ پر غموں کے پہاڑ ٹوٹے لیکن پائے استقلال واستقامت میں جنبش نہ ہوئی۔

تفکرات کے متوقع اسباب

Expected causes of ideas

''وہ تاجر جنہیں تفکرات کا مقابلہ کرنے کا ڈھنگ نہیں آتا، تھوڑی عمر میں انتقال کر جاتے ہیں''۔ (ڈاکٹر الیکس کیرل)

ایک دفعہ نیویارک میں چیچک سے صرف دو فوتگیاں ہوئیں لیکن حکومت کی مشینری اس تیزی سے حرکت میں آئی کہ ہسپتالوں، آگ بجھانے والے انجنوں کے دفتروں، پولیس چوکیوں اور بڑے صنعتی اداروں میں چیچک کا ٹیکہ لگانے کے مراکز قائم کر دیئے گئے۔ دو ہزار سے زائد ڈاکٹر اور نرسیں شب وروز مصروف ہو گئیں۔ ہزاروں رضاکار دروازے پر آکر گھنٹی دیتے کہ ٹیکہ لگوا لیجئے۔ ایک رضاکار نے جب میرے دروازے پر گھنٹی بجائی تو میں حیران رہ گیا کہ اسی لاکھ کی آبادی میں صرف دو اموات اور یہ بھاگ دوڑ لیکن اعصابی امراض جو دس ہزار گنا افراد کو ذہنی طور پر متأثر کیئے ہوئے ہیں کی طرف حکومت کوئی توجہ نہیں دیتی۔

تفکرات اور پریشانیاں کون سے امراض پر منتج ہوتی ہیں؟ ذرا ان کی فہرست ملاحظہ کریں:۔

اعصابی بدہضمی، معدے اور انتڑیوں کا السر، سر درد، بے خوابی، اختلاج قلب اور فالج۔ معدے اور انتڑیوں کا السر ظاہری طور پر مخاطی جھلی، بافتوں اور تشنج کے امراض ہیں۔ انہیں معدہ کی رطوبت کی زیادتی کے اثرات شمار کیا جاتا ہے۔ مگر ڈاکٹر او۔ ایف گوہر، ڈاکٹر جوزف نائیگو، ڈاکٹر ڈبلیو۔ سی۔ ایلوریز... تینوں کی یہی رائے ہے کہ اعصابی تفکرات معدے کے السر کا باعث بن سکتے ہیں اور بن رہے ہیں۔

تحقیقی مقالہ

Research dialogue

ڈاکٹر ہیرولڈ سی۔ ہابنن نے اپنے ایک تحقیقی مقالہ میں بعض اعداد و شمار پیش کیئے۔ انہوں نے ۱۷۶ ایسے تاجروں کا امتحان کیا جو پینتالیس سال کی عمر میں معدے کے

السر، اختلاجِ قلب اور خونی دباؤ میں سے ایک کا شکار ہوں چکے تھے۔ آپ اندازہ کریں پینتالیس سال یورپی یا امریکی معیار سے کتنی کم عمر کہی جاسکتی ہے۔

اگر ایک بڑا تاجر، کسی کمپنی کا چیئرمین یا پریذیڈنٹ اپنی صحت کا دیوالیہ نکال کر یہ مقام حاصل کرتا ہے تو اس سے وہ مزدور اچھا ہے جو دن بھر کھیتوں میں کام کرتا ہے، شام کو ڈٹ کر کھانا کھاتا ہے، سونے سے پیشتر یک تارہ بجاتا ہے اور خوب گھوڑے بیچ کر سوتا ہے۔ ایک بڑی سگریٹ کمپنی کا چیئرمین اکسٹھ سال کی عمر میں حرکتِ قلب بند ہو جانے سے انتقال کر گیا لیکن میرے والد مرحوم جن کے پاس پھوٹی کوڑی نہ تھی اور وہ معمولی کاشتکار تھے نواسی سال تک زندہ رہے۔

ایک وقت تھا جب جراثیم دریافت ہوئے۔ جراثیمی بیماریوں کے خلاف ڈاکٹروں نے اپنی تمام مساعی خرچ کر دیں اور ان لاکھوں انسانوں کو بچالیا۔ جو اس سے قبل موت کے منہ میں چلے جاتے تھے۔ اس دور میں متعدی امراض سے کوئی نہیں مرتا۔ آج اعصابی پریشانیاں، معدے کے السر اور اختلاجِ قلب کی بیماریاں صفِ اول میں شمار ہوتی ہیں لیکن حکومت ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتی۔ حکومت اپنے ذرائع سے ان کی روک تھام یا ان کا قلع قمع نہیں کرتی بلکہ اسے بیماروں اور معالجین کے درمیان ایک نجی مسئلہ قرار دیا جاتا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ ہر بیس امریکیوں سے ایک فرد دماغی ہسپتال میں رہ چکا ہے۔ ڈاکٹر ایڈورڈ پوڈولسکی کی رائے میں تفکرات دل پر خون کا دباؤ، جسمانی جوڑوں، معدے کی مخاطی جھلی، سانس لینے کے اعضاء، غدود اور پیشاب میں شکر کی مقدار پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

جنرل گرافٹ

Genral Grafet

مشہور امریکی خانہ جنگی کے دوران جنرل گرافٹ اور جنرل لی کی فوجیں ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما تھیں۔ جنرل لی کے سپاہیوں نے بہت توڑ پھوڑ کی۔ شہر کے اہم حصوں کو آگ لگادی مگر بھاگ کھڑے ہوئے۔ جنرل گرافٹ اس تباہی کو دیکھ کر اتنے پریشان اور متوحش ہوئے کہ سخت سر درد سے ان کا سر پھٹا جاتا تھا۔ پریشانی کے اس وقفہ میں ان کا دل چاہتا تھا کہ اپنا سر دیواروں سے ٹکرائیں۔ ڈاکٹروں کا بس نہیں چلتا تھا۔ اتنے میں جنرل لی کی طرف سے اطلاع ملی کہ انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے

ہیں۔ جنرل گرافٹ کا سر درد جاتا رہا۔
نزین روماٹزم، گنٹھیا و جیع المفاصل کے متعلق مختلف نظریات ہیں۔ مختلف امور کو بیماری کی وجہ قرار دیا جاتا ہے لیکن جو لوگ اس بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں ان میں ازدواجی تلخیاں، جھگڑے، مالی مشکلات، تنہائی یا پرانی نفرت اکثر موجود ہوتی ہے بلکہ اس بات کے شواہد موجود ہیں کہ ان حالات سے دو چار ہونے کے بعد افراد وجع المفاصل کا شکار ہو گئے۔ اس قسم کی پریشانیاں جب کیلشیم اور فاسفورس کے باہمی تناسب میں فرق ڈالتی ہیں تو دانت بھی متاثر ہوتے ہیں۔
انسانی اور حیوانی جسم میں ایسے غدود کا پورا نظام موجود ہے جن کی رطوبت براہِ راست خون میں شامل ہو جاتی ہے۔ جسم کی کارکردگی ایسے غدود کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔ اس بات کے ثبوت موجود ہیں کہ تفکرات اور پریشانیاں ان غدود کے افعال پر اثر انداز رہتی ہیں اور ان کی رطوبتوں کی کمی بیشی کا انحصار جذبات اور پریشانیوں پر ہے۔
پریشانیاں اور تفکرات جب عورت پر اثر انداز ہوتی ہیں تو ان کے خدو خال کی خوبصورتی، دلکشی، حسن اور زیبائی متاثر ہو جاتی ہے اچھی بھلی حسین عورت پژمردہ، روکھی، پھیکی بلکہ سیاہ جلد کی حامل بن جاتی ہے۔ چہرے پر مہاسے، پھوڑے پھنسیاں اور دانے نکل آتے ہیں۔
تفکرات اور پریشانیوں کا سب سے بڑا انجام دل کی بیماریاں ہیں۔ آج کل بیس لاکھ امریکی ہر سال امراضِ قلب کی وجہ سے موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں ان میں سے دس لاکھ ایسے ہوتے ہیں جنہیں کوئی نامیاتی مرض لاحق نہیں ہوتا بلکہ دل محض پریشانیوں اور تفکرات کی وجہ سے ضرورت سے زائد دھڑکتا ہے اور اختلاجِ قلب کی علامات پیش کرتا ہے۔
ایک نوجوان لڑکی جس کا نام اولگا۔ جے۔ جاروے تھا کو سرطان کا مرض لاحق ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے اسے آنے والی موت کی اطلاع دے دی اس نے اپنے خاوند ڈاکٹر کیلاگ کو پکارا جنہوں نے اس کی ڈھارس بندھائی جو صرف تین الفاظ میں تھی۔ "قوتِ ارادی استعمال کرو"۔
اس میں شک نہیں کہ ایکس ریز کے ذریعے اس کا علاج کیا گیا مگر دوسرے مریضوں کے برعکس اس کے لبوں پر مسکراہٹ رہتی تھی اور اسے یقین تھا کہ کینسر اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ آخر وہ مرض پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئی۔

ڈاکٹر کا کلینک

Docotor's clinic

ایک ڈاکٹر کے مطب میں یہ عبارت دیوار میں لگی تختی پر تحریر کی گئی تھی :۔

خدا پر بھروسہ کرو!

اچھی اور مکمل نیند حاصل کرو!

اچھی موسیقی سے لطف حاصل کرو!

مزاحیہ زندگی گزارو!

اگر ایسا کر سکو تو صحت اور تندرستی آپ کی ہے۔

میں نے ایک مسلمان کو دیکھا جس نے اپنے سینے پر قرآن کی آیات لکھوار کھی تھیں[1]۔ آپ مسٹر کریر کے اصول لکھوالیں۔ کہیں آپ ان تاجروں جیسے نہ بن جائیں جو پینتالیس سال کی عمر میں اپنا دیوالیہ نکال دیتے ہیں۔

۱: مترجم یہ کہنے کی پوزیشن میں نہیں کہ قرآن کی آیات سینے پر لکھوانے سے اس مردِ مسلمان کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے لیکن احادیث شریف میں آیا ہے کہ بعض دعائیں اگر فکر و پریشانی اور اضطراب کے دوران خشوع و خضوع کے ساتھ مانگی جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایسے تفکرات سے نجات عطا فرماتا ہے۔ چند دعائیں نیچے تحریر کی جارہی ہیں :۔

☆ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ، نَاصِيَتِیْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِیَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِیْ قَضَائِكَ اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ لَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِاسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِیْ عِلْمِهِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِیْ وَ نُوْرَ بَصَرِیْ وَجَلَاءَ حُزْنِیْ وَ ذَهَابَ هَمِّیْ.

الٰہی میں تیرا ہی بندہ اور تیرے ہی بندے اور تیری ہی بندی کا بیٹا ہوں (یعنی میرے ماں باپ بھی تیرے ہی بندے ہیں) میرے پیشانی (ہستی) تیرے ہاتھ میں ہے۔ تیرا ہر حکم میرے حق میں نافذ ہے۔ تیرا ہر فیصلہ میرے حق میں عین انصاف ہے۔ میں تیرے ہر اس نام کے توسل سے جو تیرا (معروف) ہے، تو نے خود اس کو اپنا نام رکھایا اس کو اپنی کتاب (قرآن) میں نازل فرمایا، اپنی مخلوق میں سے کسی کو بتلایا، تو نے اس کو علم غیب (کے خزانہ) میں اپنے پاس ہی محفوظ رکھا، میں سوال کرتا ہوں کہ تو قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار، نگاہ کا نور اور میرے غم کا ازالہ اور پریشانی کو دور کرنے کا ذریعہ بنادے۔

☆ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

کوئی بھی طاقت اور قوت اللہ (کی مدد) کے سوا (میسر) نہیں۔

☆ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُكَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْكَ

اے اللہ میں تجھ سے ہر گناہ کی مغفرت چاہتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۲۷۲ پر)

پریشان کن مسائل کا تجزیہ اور تحلیل

Examining worrying problems & their solution

مسٹر کریر کا جادو کا فارمولہ گزشتہ ابواب میں پیش کیا گیا وہ اپنی جگہ خوب ہے لیکن تمام پریشان کن مسائل کو حل نہیں کرتا پھر اس کا مداوا کیا ہے؟ مداوا یہ ہے کہ:

۱: ہم حقائق معلوم کریں۔
۲: حقائق کا تجزیہ کریں۔
۳: کسی فیصلہ پر پہنچ کر اس کے مطابق قدم اٹھائیں۔

حقائق معلوم کرنا

Know the facts

یہ پہلی منزل ہے اور شاید سب سے اہم بھی۔ بعض اکابر مثلاً ارسطو اور ہربرٹ ای ہاکس کی یہی رائے ہے کہ پہلے حقائق معلوم کریں اور اس گوشہ پر اتنا وقت صرف کریں جس کا یہ مستحق ہے۔ حقائق معلوم کرنے سے پہلو تہی کرنا اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارنے کے مترادف ہے بلکہ ڈین ہاکس کی یہ رائے ہے کہ اگر آپ دیانتداری اور غیر جانبداری سے حقائق معلوم کریں تو پریشانیاں بخارات بن کر اڑ جائیں گی۔

جب ہم حقائق معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس طرح کرتے ہیں جیسے شکاری کتے شکار کا پیچھا کرتے ہیں بلکہ یوں کہئے کہ ہم صرف ان حقائق کو تسلیم کرتے ہیں جو ہماری مرضی کے مطابق ہوتے ہیں۔

اندرے مارس کا قول ہے کہ ہمیں وہی کچھ سچ معلوم ہوتا ہے جو ہماری خواہشت کے مطابق ہوتا ہے اور جو کچھ ہماری خواہشات کے مطابق نہ ہو اسے سن کر ہمارہ پارہ

(بقیہ حاشیہ از صفحہ نمبر ۲۷۱)

☆ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا

کافی ہے ہمارے لیے اللہ اور وہ بہت ہی اچھا کارساز ہے۔ اللہ پر ہی ہم نے بھروسہ کیا۔

☆ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ عِنْدَكَ اَحْتَسِبُ مُصِيْبَتِيْ

بے شک ہم تو اللہ ہی کے (بندے) ہیں اور بیشک ہم اسی کیطرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ میں تیری ہی بارگاہ میں اپنی یہ مصیبت پیش کرتا ہوں پس تو مجھے اس مصیبت میں اجر عطا فرما اور اس کے بدلے اس سے بہتر (نعمت) عطا فرما۔

چڑھ جاتا ہے۔ حقائق معلوم کرنے کا میرا طریقہ یہ ہے۔

ا: میں غیر جانبداری سے حقائق جمع کرتا ہوں یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ حقائق کسی دوسرے فرد کے ہیں۔

۲: حقائق جمع کرتے وقت میں وکیل کا کردار ادا کرتا ہوں یعنی وہ حقائق جو میرے حق میں جاتے ہیں اور جو میرے بر خلاف جاتے ہیں۔ دونوں کو اکٹھا کرتا ہوں۔

حقائق کو تحریر کرنا بہت اچھا اصول ہے۔ ٹامس ایڈیسن اس پر عمل کرتا تھا اس کے انتقال کے بعد اڑھائی ہزار نوٹ بکیں ملیں جن میں اس کے مسائل تجزیے اور حل درج تھے۔

میں مسٹر گیلن لچ فیلڈ کی مثال پیش کرتا ہوں۔ موصوف ایک بڑے امریکی ادارہ ایشیا لائف انشورنس کمپنی شنگھائی میں منیجر تھے۔ جب ۱۹۴۲ء میں پرل ہاربر کا واقعہ پیش آیا اور جاپان جنگِ عظیم میں کود پڑا، اس کے ساتھ ہی شنگھائی جاپانیوں کی زد میں تھا۔ ایک جاپانی افسران کے دفتر میں بھی آدھمکا اور مسٹر لچ کو حکم دیا کہ وہ کمپنی کے تمام حساب وکتاب کی فہرستیں تیار کرلے۔ مسٹر لچ کو معلوم ہوا کہ جاپانی افسر کا عہدہ امیر البحر کا تھا اور اسے بہت وسیع اختیارات دیئے گئے تھے۔ جن میں یہ بھی شامل تھا کہ اگر ملازم کمپنی کے متعلق صحیح حقائق پیش نہ کریں تو وہ انہیں موت کے گھاٹ اتار دے اور اس پر طرہ یہ کہ مسٹر لچ نے سات لاکھ ڈالر کی کفالتیں فہرست میں شامل نہ کیں اور جاپانی امیر البحر کو یہ بات معلوم ہوگئی۔ وہ دن ان کیلئے ہزار پریشانیوں کا مرقع تھا لیکن وہ متفکر نہ ہوئے۔ انہوں نے اپنا ٹائپ رائٹر سنبھالا اور چار سطور ٹائپ کیں۔

ا: پریشان کن مسئلہ کیا ہے؟

ظاہر ہے اس کا یہی جواب ہو سکتا تھا "برج ہاؤس میں ڈال دیا جانا...... یعنی موت۔

۲: مسئلہ کے حل کون سے ہیں؟

انہیں چار حل نظر آئے :۔

الف: امیر البحر کو سمجھانے کی کوشش۔ مگر وہ کسی بات پر بھڑک سکتا تھا اور اس کا انجام موت ہو سکتا تھا۔

ب: وہ دفتر جانے کی بجائے گھر میں بیٹھے رہیں لیکن یہ اس بات کا ثبوت ہو سکا تھا کہ وہ قصوروار ہیں یا تعاون نہیں کر رہے ہے۔ امیر البحر انہیں گرفتار کروا کر اور

حکما استفسار کر سکتا تھا۔

ج : وہ کہیں بھاگ جائیں۔ یہ ناممکن تھا ہر طرف جاپانی فوج کھڑی تھی۔ وہ سکون سے دفتر جائیں شاید حالات ان کے موافق ہو جائیں۔

انہوں نے چوتھا راستہ اختیار کیا۔ امیر البحر سکون سے سگریٹ سلگائے بیٹھا رہا اور مسٹر لچ بڑے سکون سے کمپنی کے اعداد و شمار اکٹھے کرتے رہے۔

دو چار دنوں میں امیر البحر کا تبادلہ کسی اور آسامی پر کر دیا گیا اور قصہ ختم ہو گیا۔ مجھے بارہا ایسے ہی مواقع سے دوچار ہونا پڑا۔ میں نے ہر دفعہ میں یہ تمام مراحل تحریر کیئے اور ان سے بخوبی عہدہ بر آ ہوا۔ اقدامات یہ ہیں۔

۱ : واضح الفاظ میں تحریر کرنا کہ تفکرات کیا ہیں؟

۲ : میں ان کے متعلق کیا کر سکتا ہوں؟

۳ : ان میں سے ایک طریقِ کار کا فیصلہ کرنا۔

۴ : فیصلہ پر فوری طور پر اقدامات کرنا۔

ولیم جیمز کے الفاظ ہیں کہ جونہی آپ جچا تلا فیصلہ کریں جو حقائق پر مبنی ہو تو اس پر فوراً عمل پیرا ہو جائیں۔ مسٹر ویٹ فلپس جو پٹرول اور تیل کے مشہور صنعتکار ہیں ان کا تجربہ یہ ہے کہ حقائق معلوم کرنے کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ ان پر غور ایک خاص وقت تک ہی مفید رہتا ہے۔ اگر ہم غور کرنے میں ضرورت سے زائد وقت صرف کریں تو انتشار پیدا ہوتا ہے۔ گومگو کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔

اگر قارئین میں سے کوئی صاحب ان خطوط پر اپنے تفکرات معلوم کر کے ان کا تجزیہ اور تحلیل کرنا چاہیں تو ایک فل سکیپ کاغذ لے کے اس کو چار برابر حصوں میں تقسیم کر دیں۔ بتدریج ہر حصے کے بالائی گوشے پر ایک سوال لکھیں اور ان کے نیچے ان کے جوابات تحریر کریں۔ سوال یہ ہیں :۔

۱ : میں کس بات پر پریشان ہوں؟

۲ : میں اس ضمن میں کیا کر سکتا ہوں؟

۳ : میں اس ضمن میں مندرجہ ذیل اقدامات کرنے والا ہوں؟

۴ : میں یہ اقدامات کب شروع کروں گا؟

پریشانیاں دور کرنے کے طریقے

Ways to remove worries

تمہید :

آپ یہ عنوان پڑھ کر حیران ہوں گے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ایک کاروباری ادارہ کے جنرل منیجر نے اس طریقے کی مدد سے اپنی ستر فیصد پریشانیاں دور کر دیں۔ پچاس فیصد کاروباری، سرکاری، غیر سرکاری اور صنعتی اداروں کا یہ دستور ہے کہ تقریباً ہر مسئلہ کو میٹنگ میں طے کیا جاتا ہے۔ بڑی اچھی بات ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طریقِ کار سے بہتر کوئی طریقہ نہیں۔ مختلف لیاقت اور تجربہ کے افراد مل بیٹھتے ہیں اور ہر مسئلہ پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں۔ فیصلوں کے پیچھے بڑی مضبوط بنیاد ہوتی ہے لیکن یہ تصویر کا ایک رُخ ہے۔ اگر کبھی آپ کو اس قسم کی مجالس میں شرکت کرنے کا موقع ملے تو آپ کو تصویر کا دوسرا رُخ بھی نظر آئے گا۔ میں اس کی ذرا سی جھلک پیش کر دوں۔

ا : یہ طریقِ کار بہت وقت لیتا ہے۔ کئی دفاتر میں کام کرنے کا نصف وقت ایسی کارگزاریوں کی نذر ہو جاتا ہے اور نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ نشستند.. گفتند.. برخاستند۔

۲ : بعض لوگ بحث برائے بحث کے قائل ہوتے ہیں۔ وہ مسئلہ کو متعین کیئے بغیر بحث کئے جاتے ہیں بلکہ کئی دفعہ مسئلہ سرے سے موجود ہی نہیں ہوتا۔

۳ : بعض شرکاء جذباتی اور زود رنج ہوتے ہیں۔ وہ اصولی بحث کا رخ اپنی ذات کی طرف موڑ دیتے ہیں۔ ان کا خونی دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ کان سرخ ہو جاتے ہیں، آواز میں تھر تھراہٹ آنے لگتی ہے اور منہ سے کف جاری ہو جاتا ہے۔ مسئلہ زیرِ نظر پیچھے رہ جاتا ہے اور پریشانیاں حاصل ہوتی ہیں۔

۴ : اختلاجِ قلب کے بعض مریض انہی مجالس میں تلخ بحث کے نتیجے میں دل کے دورے کا شکار ہو کر دوسری دنیا کو سدھار جاتے ہیں۔

لیون شمکن کا طریقِ کار

Levon's manners

مسٹر لیون شمکن، راک فیلر سنز نیویارک کا جنرل منیجر اور حصہ دار تھا۔ کاروباری میٹنگ اور مجلس اسے روزمرہ کے عملی طریقہ کار کے طور پر ملی تھی۔ پندرہ سال تک وہ اپنے دفتر کا نصف وقت اس طریقِ کار پر صرف کرنے کے باوجود میٹنگ اور مجالس کو کام نپٹانے کا مفید ترین طریقہ سمجھتا رہا لیکن اس نے اس طریق کار میں اتنی خامیاں دیکھیں کہ بالآخر اس کو ختم کر دیا۔ نتیجتاً اس کی ستر فیصد پریشانیاں ختم ہو گئیں اور وہ مسرور و شادماں تھا۔

وہ اپنے دفتر میں مسکراتے مسکراتے کام ختم کرتا۔ اس نے ایک ایسا طریقِ کار ڈھونڈ نکالا اس کے جو حصہ دار اور منتظم افسر ہر مسئلہ کو میٹنگ اور مجلس میں رکھنے کی استدعا کیا کرتے تھے، اب اس قابل ہو گئے کہ از خود مسائل کا حل سوچ لیں۔ بہت کم مسائل کیلئے میٹنگ بلانا پڑتی۔

پریشانی، دردسری اور تفکرات کم کرنے کا یہ طریقہ اتنا کامیاب رہا کہ مسٹر لیون شمکن نے اپنی باقی ماندہ کاروباری زندگی کیلئے اسے اپنا لیا۔ آج اس نئے طریقہ کو اپنائے ہوئے آٹھ سال گزر چکے ہیں۔ مسٹر لیون شمکن دفتر اور گھر دونوں جگہ شادماں رہتے ہیں اور مزے کی نیند سوتے ہیں۔

کیا یہ جادو کا فارمولا ہے؟ کیا کسی مداری کا بتایا ہوا ٹوٹکہ ہے؟...... نہیں! بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے کامیابی سے آزمایا گیا ہے۔ آپ بھی اس راز کو پالیں تاکہ مفت کی دردسری، پریشانی اور تفکرات سے نجات ملے۔

اس کے مراحل بھی مسٹر لیون شمکن کے الفاظ میں پڑھئے جن کی تلخیص کی گئی ہے۔

۱: میں نے میٹنگ منعقد کرنے کا طریق کار ختم کر دیا۔

۲: میں نے ایک نیا حکم جاری کیا کہ جو صاحب کوئی کاروباری یا ذاتی مسئلہ میٹنگ میں رکھنا چاہیں وہ پہلے ان چار سوالوں کے جواب لکھ کر ایک یادداشت میرے سامنے پیش کریں۔

الف: مسئلہ کیا ہے؟ میرا حکم تھا کہ مسئلہ صاف، صریح اور واضح طور پر تحریری

کیا جائے.. کہیں ابہام نہ ہو۔

ب : مسئلے کی وجہ کیا ہے؟ یہ مرحلہ مسئلہ سے بھی زیادہ ضروری تھا آخر مسئلہ پیدا کیوں ہوا؟

ج : مسئلہ کے ممکن حل کون سے ہیں؟

د : آپ کون سا حل تجویز کرتے ہیں؟

یہی وہ خطرناک مقام تھا جہاں میٹنگ کی مسرت انگیز فضا تلخیوں میں بدل جاتی تھی۔ ہر فرد کو اپنی رائے عزیز ہوتی ہے۔ اپنا حل پیارا لگتا ہے، جونہی مجوزہ رائے کو موضوعِ بحث بنایا جاتا، تلخیوں کا آغاز ہونے لگتا اور اصولی بحث ذاتی تو تکار میں تبدیل ہو جاتی۔ میرے رفقاء اور منتظم افسران کو جب اتنے بڑے سوالنامہ کی ماہیت سمجھنا پڑی، اس کے جوابات صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے پڑے اور اپنے ہی دماغ سے حل نکالنا پڑا تو صورتحال بدل گئی۔ اب وہ ذمہ دار بن گئے، اپنے مسائل خود متعین کرنے لگے۔ ان کی وجوہات پر غور کرتے، امکانی حل سوچتے.. آخیر میں خود حل پر پہنچ جاتے اور روعمل کا آغاز کر دیتے۔ ستر فیصد مواقع پر انہیں میرے پاس آنے کی ضرورت نہ رہی۔ وہ اپنی جگہ خود اعتمادی کے پیکر بن گئے اور میں اپنی جگہ پریشانیوں سے دور ہو گیا۔

یہ وہی ادارہ ہے جس کے اوقات کا نصف حصہ بحث و تمحیص بلکہ تو تکار میں خرچ ہو جاتا تھا، اب یہ اپنے کارکنان، منتظمین اور حصہ داروں اور اپنے ڈسک پر مصروف کار دیکھتا تھا۔

مسٹر فرینگ بٹگر امریکہ میں بڑے کامیاب انشورنس ایجنٹ ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ مندرجہ بالا طریقِ کار سے نہ صرف ان کے تفکرات ختم ہو گئے بلکہ ان کی آمدنی دگنی ہو گئی۔ جب انہوں نے انشورنس کا کام سنبھالا تو شروع شروع میں کامیابی نے ان کے قدم چومے لیکن بہت جلد وہ اس کام سے اکتا گئے بلکہ اسے یکسر ترک کر دینے کے متعلق سوچنے لگے۔

دراصل انہیں یہ وہم ہو گیا کہ یہ کام محنت کے مقابلے میں بہت کم مالی منفعت دیتا ہے۔ محنت سے مراد وہ بار بار کے پھیرے تھے جو بیمہ کرانے والوں کے پاس ڈالتے۔ انہیں یہ احساس ہونے لگا کہ انہیں بہت پھیرے ڈالنے پڑتے ہیں لیکن پھیروں کے مقابلے میں بہت کم لوگ بیمہ کراتے ہیں۔

صورتحال یہ تھی کہ وہ پہلے قدم کے طور پر کمپنی کا پراسپکٹس کسی فرد کو بھیجتے

موصوف جواب دیتا اس مرتبہ رد عمل اطمینان بخش ہوتا لیکن جب وہ پالیسی کے کاغذات لیئے دروازہ کھٹکھٹاتے تو کامیابی مایوسی میں بدلنی شروع ہو جاتی۔ جو لوگ پہلے قدم پر وعدہ کر چکے تھے۔ اب حیلہ سازی کرنے لگتے بلکہ مکرنے لگتے۔
ایک دن انہوں نے ٹھنڈے دل سے تمام صورتحال پر غور کیا۔ آخر مسئلہ کیا ہے۔ انہوں نے اپنے آپ سے پوچھا؟ اس کا جواب صاف تھا: "باربار کے بے ثمر پھیرے" لیکن وہ یہیں نہ رکے بلکہ انہوں نے مسئلے کا گہری نظر سے جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ حقیقی صورتحال یوں تھی۔

پہلے انٹرویو میں کامیابی : ۷۰ فیصد

دوسرے پھیرے میں کامیابی : ۲۳ فیصد

تیسرے، چوتھے اور پانچویں پھیرے میں کامیابی : ۷ فیصد

دوسرے الفاظ میں نصف وقت میں کامیابی کی شرح ۹۳ فیصد تھی اور باقی ماندہ نصف وقت میں کامیابی کی شرح صرف ۷ فیصد تھی۔ انہوں نے تیسرا، چوتھا اور پانچواں پھیرا لگانا چھوڑ دیا اور انہی گاہکوں پر اکتفا کرنے لگے جو پہلے یا دوسرے انٹرویو میں بیمہ کروا لیتے تھے۔ جو وقت بچتا وہ نئے گاہکوں پر خرچ کرتے۔
دیکھیئے! انہیں مسئلہ متعین کرنے کیلئے مسئلہ کا تجزیہ کرنا پڑا۔ جب تجزیہ ہوا تو حقیقی صورتحال معلوم ہو گئی۔ اس کا امکانی حل تلاش کر لیا گیا اور اس پر عمل کرنے سے پریشانیاں دور ہو گئیں۔ اب آپ قائل ہو گئے ہوں گے کہ کاروباری لوگ اپنی پچاس فیصد پریشانیاں مندرجہ ذیل پروگراموں پر عمل پیرا ہو کر دور کر سکتے ہیں۔ یعنی؟

۱: مسئلہ کیا ہے؟
۲: مسئلے کی وجہ کیا ہے؟
۳: مسئلہ کے امکانی حل کون سے ہیں؟
۴: آپ کون سے حل تجویز کرتے ہیں؟

اس کتاب سے فائدہ اٹھانے کے نو طریقے

Nine ways to use this book advantageously

اس کتاب میں اب تک مسٹر کیریر کے تین اصول بیان کیئے گئے ہیں، ستر فیصد پریشانیوں کو دور کرنے کی دو مثالیں دی گئی ہیں۔ اس موضوع پر مزید طور طریقے بیان

کیئے جائیں گے۔ واقعات اور مثالیں پیش کی جائیں گی لیکن شاید آپ ان سے کماحقہ فائدہ نہ اٹھا سکیں۔

اس کتاب سے کماحقہ فائدہ اٹھانے کے نو طریقے ہیں۔ جنہیں اجمالی طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

۱: کتاب میں دیئے گئے طریقوں کو سیکھنے کی گہری خواہش اور تمنا۔ اس کے ساتھ ساتھ ذہنی پریشانی کو دور رکھنے کا ٹھوس اور پُرعزم ارادہ۔ آپ کو ٹھوس ارادہ کرنا ہوگا کہ آپ نے مسرور و شادماں زندگی بسر کرنی ہے۔

۲: اس ضمن میں جو کتاب آپ پڑھنا چاہیں اسے سرسری طور پر ساری کی ساری پڑھ جایئے۔ اس کے بعد ہو سکتا ہے کہ آپ کے دل میں دوسری کتاب پڑھنے کی خواہش پیدا ہو اور آپ اسے ختم کرتے ہی ایک طرف ڈال دیں.. ایسا نہ کریں۔ اب ہر باب کو علیحدہ علیحدہ غور سے پڑھیں۔

۳: اس بار پڑھنے کے دوران اکثر رک کر ذرا غور کریں کہ جو کچھ آپ پڑھ رہے ہیں اس کا مطلب کیا ہے؟ معانی کیا ہیں؟

۴: اس بار ایک پینسل ہاتھ میں رکھیں اور جونہی کسی ایسی تجویز پر نظر پڑے جسے آپ آسانی سے اپنا سکتے ہیں تو اس کے نیچے لکیر کھینچ دیں یا کوئی من پسند نشان لگا دیں۔

۵: جس کتاب کے طور طریقوں پر آپ عمل کرنا چاہتے ہیں اسے اپنی میز کی دراز میں رکھ دیں۔ جب بھی موقع میسر آئے ان، مخصوص طریقوں کو پڑھیں اور اپنے عمل کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کریں۔

۶: ایک ادارہ کے صدر دروازہ پر یہ عبارت تحریر تھی "اگر آپ مخصوص کام نہیں کر سکتے تو آپ یوں سمجھیں کہ وہ سبق پڑھا ہی نہیں۔ عمل کرنے کے قابل ہونا ہی اصل منزل ہے۔ اس وقت تک پڑھتے رہیں جب تک آپ اس تکنیک پر عمل کرنے کے قابل نہ ہو جائیں۔

۷: آپ کی بیگم یا آپ کا ساتھی جب بھی آپ کو ٹوکے کہ آپ کتاب میں تجویز راہوں سے ذرا سا بھی دور جا رہے ہیں تو ان کی حوصلہ افزائی کریں.. معمولی سا انعام دے ڈالیں۔

۸ : اسی کتاب میں تحریر کیئے گئے وہ طریقے اختیار کریں جو مسٹر ایچ۔ پی۔ ہاول اور بن فرینکلن نے اختیار کیئے۔ ان طریقوں سے آپ اصولوں پر کیئے گئے عمل کی پڑتال کر سکتے ہیں جو دو باتوں پر منتج ہو گا۔

الف : آپ ایک تعلیمی طریقِ کار میں مصروف ہو جائیں گے۔

ب : آپ میں پریشانی کو ختم کرنے کی صلاحیتیں پیدا ہو جائیں گی۔

۹ : ایک ڈائری میں ان طریقوں کے کامیاب نتائج تحریر کریں خاص طور پر افراد کے نام، تواریخ اور نتائج۔ اس قسم کی تحریریں آپ کے اندر مزید طریقے آزمانے کی امنگ پیدا کر دیں گی۔

ہنسی صحت کیلئے مفید ہے

مشاہدات و تجربات

Laughter is good for health

ہمارے طرزِ زندگی کو صحت مند بنانے میں جو باتیں اہم کردار ادا کرتی ہیں ان میں آپ ہنسی کو بھی شامل کر لیجئے۔ محققین یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ایک انسان کی ذہنی کیفیت اور اس کی سوچ کا انداز اس کے جسم کے مدافعتی نظام کی کارکردگی پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے۔

یہ ماہرین جائزہ لے رہے ہیں کہ زندہ دلی جو ہنسی سے پر ہو، بیماریوں سے مدافعت اور مقابلے میں ہمارے جسم کی کتنی مدد کر سکتی ہے۔ انہیں یہ علم ہے کہ ذہنی دباؤ اور اضمحلال جسم کے مدافعتی نظام پر منفی اثرات مرتب کرتے ہیں۔ لہٰذا وہ اب یہ جاننا چاہتے ہیں کہ معاملہ اگر اس کے برعکس ہو یعنی خوشی کے جذبات ہوں تو کیا مدافعتی نظام پر اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔

ان ماہرین نے اپنے جائزے میں طب کے طالبعلموں کے ایک گروپ کو ایک مزاحیہ فلم دکھائی اور اس فلم سے پہلے اور اس کے دوران ہارمونوں کی سطح ناپی گئی نتائج سے پتہ چلا کہ ہنسی کی وجہ سے "درون افراز غدود" کے نظام میں نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی۔ خیال یہ ہے کہ اس تبدیلی کا جسم کی بیماری سے مقابلہ کرنے والی صلاحیت سے تعلق ہے۔

یہ بھی پتہ چلا کہ ان طالبعلموں کے خون میں کولیسٹرول کی سطح کم ہو گئی۔ کولیسٹرول ذہنی دباؤ اور پریشانی کے دوران خارج ہو کر ہڈی کے گودے میں مدافعتی خلیوں کے دوران کو کم کر دیتا ہے اور مدافعتی نظام میں خلیوں کی معمول کے مطابق کارکردگی میں مخل ہوتا ہے۔ ماہرین نے یہ بھی پتہ چلایا کہ ہنسی سے ہارمون کی مقدار پر

مثبت اثرات مرتب کرتے ہوئے ہوتا ہے۔ جو مدافعتی نظام پر اچھا اثر ڈالتا ہے۔
(حوالہ ہمدرد صحت)

زمزم اور چھپاکی

Zum Zum & Urticaria

پہلی دفعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حج کو جانا نصیب ہوا۔ یہ ۱۹۶۴ء کا واقعہ ہے۔ حرمِ کعبہ میں حاضری رات کو ہوئی طواف و سعی سے فارغ ہو کر زمزم پینے کیلئے حاضر ہوا اور میں نے زمزمی کو زمزم کنویں سے نکالنے کو کہا : اب تو وہاں ٹیوب ویل لگا ہوا ہے۔ تو زمزمی نے زمزم کا ڈول نکال کر مجھ پر انڈیل دیا میں نے تولئے سے خشک کرنا چاہا تو اس نے مجھے ایسا نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ خیر میں نے پیا بھی اور نہایا بھی۔ بدن اور کپڑے تر کیئے اسے صرف ایک ریال پیش کیا اور چلا آیا۔ . دعا کی :

"اے اللہ! چھپاکی سے نجات عطا فرما"

تو یقین جانئے ۱۹۶۴ء سے اب تک ایک پھنسی تک نمودار نہیں ہوئی۔ (حوالہ مجلسِ ذکر ۲۸ اگست ۱۹۶۹ء)

گناہوں کا سائن بورڈ

Signboard of sins

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہمیشہ بیان کرتا رہتا ہوں۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے گناہوں کا ایک سائن بورڈ بنا رکھا ہے۔ ہر روز سونے کے وقت اپنے آپ سے کہتا ہوں : "اے ایاز قدر خوش شناس احمد علی! یہ ہیں تیری خطائیں اور گناہ، اگر خلقِ خدا کو پتہ چل گیا تو کوئی تیرے منہ پر تھوکے بھی نہ" (حالانکہ ہماری زندگی ان کے ساتھ گزری، سفر میں، حضر میں، ہم نے ان سے گناہِ صغیرہ کا ارتکاب ہوتے بھی کبھی نہ دیکھا تھا چہ جائیکہ کبیرہ کا تصور بھی کر سکیں لیکن اپنے نفس کو سرزنش کرنے کیلئے خدا کو معلوم کون سے گناہ انہوں نے سائن بورڈ پر لکھ رکھے تھے؟) (حوالہ مجلس ذکر ۱۸ دسمبر ۱۹۶۹ء)

ایک انگریز عورت نے اسلام کی کیسے قدر پہچانی؟

How did an English lady come to recognise the value of Islam

مولانا عزیز گل صاحب ابھی زندہ ہیں۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھیوں اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ ان کے گھر میں اہلیہ تھی برطانوی النسل۔ سر فرانس موڈی یہاں گرورنر لگا ہوا تھا، اس کی بہن اسلام میں ریسرچ کرتے کرتے مسلمان ہو گئی۔ حضرت مدنی کے ہاتھ پر دیوبند میں آکر مسلمان ہوئی۔ اس نے کہا: اب میں مسلمان ہوں مجھے کسی مسلمان سے نکاح کرنا چاہیے۔

مولانا عزیز گل وہاں دیوبند میں پڑھاتے تھے۔ ان کی اہلیہ وفات پا گئی۔ حضرت مدنی نے ان سے رشتہ کرا دیا۔ تقریباً دو تین برس ہوئے مردان کے قریب سخا کوٹ کے ایک نواحی علاقہ میں ان کا انتقال ہوا لیکن ان کے پہلے انگریز خاوند سے ایک بیٹا اور بیٹی تھی۔ انہوں نے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ انہوں نے بیٹی کو لکھا کہ:

> "میں مسلمان ہوں اسلامی تہذیب کے سوا تمہاری شکل دیکھنا پسند نہیں کرتی اگر تم آنا چاہتی ہو تو پشاور ہوائی اڈے پر اپنا برقع بھیج دوں گی، تم میرا برقع پہن کر میرے گھر آؤ اور جاتے ہوئے بھی برقع پہن کر ہوائی جہاز تک جانا۔ اگر یہ شرط منظور ہے تو اجازت ہے"۔

اندازہ لگائیے انہوں نے کس طرح اسلام کی تعریف کی! چنانچہ ان کی بیٹی آئی اور اس نے اسی طرح کیا اور جتنے دن رہی اندر ہی رہی۔

(حوالہ مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۷ ۲ مارچ ۱۹۷۰ء)

اللہ تعالیٰ کے نام کی برکات کا عجیب کرشمہ

Miraculous blessings of the names of Allah Ta'ala

اللہ کی قدرت دیکھئے کہ ایک دو خواتین اور ایک دو مرد تپ دق کے مریض تھے۔ ان سے اتفاقاً جب بات چیت کا موقع ملا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ موت تو آنی ہی آنی ہے، یہ اذکار آپ سیکھ ہی رہے ہیں، آپ اس خیال کو دل سے نکال دیں کہ آپ بیمار ہیں یا تندرست لیکن یہ سوچیں کہ جتنے بھی لمحے باقی ہیں وہ یادِ خدا میں کٹیں تاکہ کم از کم

عاقبت تو برباد نہ ہو۔

خدا کی قدرت دیکھئے انہوں نے اس قدر کثرت سے ذکرِ خیر کیا، نہ ان کے پاس پیسے تھے کہ علاج کر سکیں نہ وہ پرہیزی کھانا کھا سکتے تھے یعنی انڈے مکھن وغیرہ۔ جس طرح کہ ڈاکٹر کہتے تھے لیکن اب آپ اندازہ لگایئے جس وقت آپ ذکر کرتے ہیں تو خون میں میں کسی قدر گرمی آجاتی ہے۔ یہ پہلوان جب چار سو بیٹھکیں لگائیں تب اتنی گرمی اور خون دوڑتا ہے میرا چونکہ تجربہ ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حکم دے رکھا تھا "زور تالبِ گور" یعنی آخر تک ورزش جاری رکھو۔ آپؒ دو چیزوں کے بڑے خواہش مند تھے۔

ایک نماز اور دوسرے جسمانی صحت کیلئے ورزش۔ ہمیں اکھاڑے میں بھیجتے تھے، خلیفہ چٹن، کالے پہلوان کے والد تھے یہاں آنے لگ گئے۔ حضرتؒ نے انہیں میرے متعلق حکم دیا کہ اسے عصر کے بعد لے جایا کرو اور مغرب تک چھوڑ جایا کرو۔ قلعے کے سامنے اکھاڑہ ہے (کالے پہلوان کا) وہاں عصر کی اذان خود خلیفہ صاحب دیتے تھے اور میں نماز پڑھاتا تھا تو خلیفہ صاحب نے حکم دیا کہ اس اکھاڑے میں جو بھی آئے نماز پڑھنے والا آئے، بے نمازی نہ آئے۔ الحمد اللہ سو ڈیڑھ سو سے زیادہ پہلوان نماز پڑھتے تھے۔

ایک اللہ کے بندے کی ہدایت کا یہ نتیجہ نکلا۔ میں دونوں نمازیں پڑھا کر مغرب کے بعد آیا کرتا تھا۔ حضرت مدنیؒ کا یہ حال تھا کہ اپنے بیٹے سے پوچھتے کہ بتاؤ کتنی بیٹھکیں اور ڈنڈ نکالے؟ میرے بعد سست تو نہیں ہوئے؟

اوپر تک اگر آپ تاریخ کو لیں شاہ اسماعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ ذکر اذکار بھی کرتے تھے اور جسمانی ورزش بھی کرتے تھے کیونکہ جہاد کے اندر لفاظی سے کام نہیں چلتا۔ جب ولی کی جامع مسجد تپ جاتی دن کو سخت گرمی کے اندر پتھروں پر دوپہر کو زوال کے بعد ننگے پاؤں چلا کرتے تھے تاکہ اگر میدانِ جہاد میں آگے سے واسطہ پڑ جائے تو ہم راہِ خدا میں کمزور نہ پڑ جائیں۔ تو حضرتؒ نے مجھے، چھوٹے بھائی حمید اللہ کو ایک کرنل ہمارے ماموں زاد بھائی تھے (عبد الحئی لقمان) تینوں کو جمعہ کے دن فجر کی نماز کے بعد تیرنا سکھاتے تھے، گھوڑے پر چڑھنا سکھایا، بندوق منگا کے نشانہ سکھایا۔ تمام اولیاء کرام اور علمائے ربانی کا یہی طور طریقہ تھا۔

بہر حال میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ میں نے ذکر کی تلقین کی تو انہوں نے اتنا زیادہ زور کیا کہ پھیپھڑوں کی بیماری دور ہو گئی اور آج مجھ سے زیادہ صحتمند ہیں۔ وہ قطعی مایوس ہو

چکے تھے لیکن اس کے بعد ان کو بھوک لگتی، پیاس لگی، تو وہ روکھا سوکھا جو کھاتے وہ جزو بدن بنتا اس سے پہلے روحانی یا جسمانی ورزش نہ کرتے تھے اسلئے جو کھاتے تھے وہ جوں کا توں نکل جاتا یا ہضم ہی نہ ہو پاتا تو چارپائی کے ساتھ لگ چکے تھے اور چہرہ بالکل زرد پڑ گیا تھا۔ (بحوالہ خدام الدین)

پاکستانیوں کیلئے ایک درد مند پاکستانی کے سبق آموز واقعات.. مشاہدہ و تجربات

A sympathetic Pakistani recalls lesson giving events for other pakistanies

ایک جاپانی فرم کے ریذیڈنٹ منیجر مسٹر شمبورا سے کاروباری معاملات کی وجہ سے بے تکلفی تھی، انکساری و عاجزی ہر دم ان کی شکل سے ظاہر ہوتی تھی۔ دسمبر ۱۹۷۶ء کی ایک شام بعد نماز مغرب راقم ان کے دفتر میں بیٹھا تھا۔ سورۃ "عبس" کی ایک آیت کا مفہوم ذہن میں آگیا کہ جس دن بھائی، ماں، باپ، بیوی اور بیٹا ہر ایک سے انسان دور بھاگے گا، اپنا کیا حال ہو گا؟

آج ہم ان کی محبت میں ہر جائز و ناجائز کام کر رہے ہیں، موصوف کا خیال بھی ذہن میں آیا کہ یہ شریف النفس انسان بغیر ایمان کے اس دارِ فانی سے چلا گیا تو ہمیشہ کی مصیبت میں مبتلا ہو گا۔ اس کے متعلق سوچا کہ اس سے ایمان کی بات کروں۔ شاید یہ ایمان لے آئے یہ سوچ کر میں نے اس سے پوچھا کہ :

"کیا آپ کو اس زندگی کے بعد دوسری زندگی کا کوئی یقین ہے؟" جس پر اس نے کہا کہ ہمارا کوئی ایسا یقین نہیں ہے۔ ہاں مسلمانوں کا یہ یقین ہے کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی ہو گی اور اس زندگی کی کوئی انتہا نہ ہو گی۔ اس نے سوال کیا : اس زندگی میں کیا ہو گا؟

میں نے اسے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ : "وہ زندگی شروع ہونے سے پہلے ایک دن بڑی عدالت میں موجودہ زندگی کا پورا حساب ہو گا"۔ جواب درست ہوئے تو مہمان خانہ میں آرام سے داخلہ ہو گا، ورنہ بقدرِ جرم سزا بھگت کر بعد میں دائمی جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اگر کوئی انسان بغیر ایمان کے فوت ہو گیا تو سیدھا جیل خانہ جس کو جہنم کہتے

میں ڈال دیا جائے گا اور وہاں اس پر مختلف عذاب ہوتے رہیں گے۔ جیل خانہ میں داخلہ سے قبل اسکا داروغہ سوال کرے گا کیا تمہارے پاس کوئی خبردار کرنے والا نہ آیا تھا؟ وہ بد نصیب جواباً عرض کریں گے:

ہاں ڈرانے والا آیا تھا مگر ہم نے اس کی خبر کو جھٹلایا اور نہ سنا وہ کہیں گے کاش ہم سن لیتے اور آج اس مصیبت میں نہ ہوتے، ان سے کہا جائے گا اب دور ہو جاؤ اور ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہو۔ یہ تمہاری کمائی ہے۔

یہ کلمات سن کر ہمارا دوست حیران ہوا۔ بڑے اعتماد کے ساتھ کہا: جو شخص یہ یقین رکھتا ہو کہ اسے یہ صورتحال پیش آنے والی ہے اس کی عملی زندگی بالکل مختلف ہو گی، اس شخص نے کہا: میں پیلس ہوٹل میں رہتا ہوں اور میرے پڑوس میں چند مسلمان خاندان رہائش پذیر ہیں۔ میرا مشاہدہ ہے کہ میری زندگی ان مسلمانوں کی زندگی سے بہت بہتر ہے، آپ ان سے ضرور ملیں اور انہیں یاد دلائیں کہ وہ لوگ اپنی فکر کریں اور اپنے حساب کے دن کی تیاری کریں۔

عراق میں دو سال

Two years in Iraq

اس نیک سیرت جاپانی نے مزید بتایا میں نے دو سال عراق میں گزارے ہیں، وہاں سب مسلمان ہی رہتے ہیں اس کے علاوہ بھی اکثر ممالک کے مسلمانوں کی عملی زندگی بھی میرے سامنے ہے مگر میں نے اندازہ لگایا ہے کہ ایک مسلم اور غیر مسلم کی زندگی میں کوئی عملی فرق نہیں ہے۔ جیسے دنیا کی محبت میں غیر مسلم گرفتار ہیں۔ یہی حال مسلمانوں کا بھی ہے آپ نے کبھی ایسے مسلمانوں کے متعلق سوچا ہے اور کیا عملی قدم اٹھایا ہے؟

دوسرا واقعہ

Second incident

جولائی ۱۹۸۵ء میں مجھے امریکہ کی ریاست اوہاؤ کے اکرن شہر میں کچھ مسلمانوں سے ملنے کا اتفاق ہوا، جو وہاں آسودگی سے زندگی گزار رہے ہیں، انہیں بات کرنے کی بھی فرصت نہیں، مشکل سے ایک پاکستانی ڈاکٹر نصیر احمد خان صاحب سے وقت لیا۔

حسبِ وعدہ ان کے دفتر میں حاضر ہوا۔ نہایت ملنسار اور خوش اخلاق انسان ہیں۔ ہمارے ایک ساتھی نے ان سے سوال کیا کہ وہ اس جگہ کیسے آئے؟ پاکستان میں بھی آپ کیلئے اچھی جگہ تھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ :

انسان کہیں بھی خوش نہیں، میں پاک فوج میں آفیسر تھا۔ ۱۹۷۵ء میں فوج سے استعفیٰ دے کر یہاں آیا تاکہ معیارِ زندگی بہتر ہو جائے۔ یہ سب کچھ تو پورا ہو گیا ہے دنیاوی سب اشیاء گھر میں موجود ہیں، بینک بیلنس بھی اچھا ہے، مگر پریشانی یہ ہے کہ میرے بچے کنٹرول سے باہر ہوتے جارہے ہیں اور اس تہذیب کا حصہ بن گئے ہیں۔ انہیں کوئی دین کا علم نہیں ہے۔ ہر وقت پریشانی کھارہی ہے مگر میں اپنے آپ کو سمجھا لیتا ہوں کہ یہ یہودی یا دوسرے غیر مسلم انسانیت کیلئے کیا کیا سوچ رہے ہیں۔ سہولت کی ہر چیز بنارہے ہیں۔ اللہ ان لوگوں کی مغفرت نہ کرے گا۔ میں نے انہیں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن شریف میں فیصلہ کر دیا ہے کہ جب تک یہ لوگ آخری نبی ﷺ اور آخری کتاب پر اور تمام غیب پر ایمان و یقین نہ لائیں گے ان کی بخشش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ ان کی نیکیوں کا کچھ بدلہ دنیا میں ہی دیدیں گے، آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔

یہ سن کر وہ کچھ پریشان ہوئے اور کہا مجھے ان باتوں کا بالکل علم نہیں۔ دین سے بالکل بے خبر ہوں۔ اسکا ازالہ کیسے کیا جائے؟ جواباً عرض کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے اتنا اچھا ذہن دیا ہے، ڈاکٹر کی بڑی ضخیم کتابیں پڑھ لی ہیں، قرآن شریف تو بہت آسان ہے اس کیلئے وقت نکالیں خود مطالعہ کریں بچوں کو سکھائیں۔

یہ سن کر انہوں نے کہا کہ ترکی کے کچھ مسلمان ۱۹۲۰ء میں یہاں دنیا کمانے آئے تھے، آج ان کی اولادیں عیسائی یہودی اور ہندو بن گئے ہیں مگر میرے لیے اب عملی طریقہ کیا ہے۔ انہوں نے پوچھا میں نے جواباً عرض کیا کہ یہاں کی یونیورسٹی میں اور شہر میں ممالک کے طلبہ اور دیگر لوگ آباد ہیں ان سے رابطہ کر کے اپنی ایک تنظیم بنائیں۔ ہر روز نہیں تو ہر ہفتہ بعد مل بیٹھیں اور پروگرام بنا کر خالص دین کی فکر کریں ورنہ یہ اولاد کل سوال کرے گی "ہمیں کیا دیا تھا"۔

تحریر کا مقصد

Purpose of writing these events

یہ دو واقعات صرف اس لئے تحریر کیئے ہیں کہ ۲۸ اپریل ۱۹۹۷ء کو روزنامہ جنگ میں ریٹائرڈ شخصیات کے تاثرات نظر سے گزرے یہ حضرات قوم کا بہترین سرمایہ اور انمول ہوتے ہیں۔ دنیا کیلئے انہوں نے بہت کچھ کیا، قوم وملک کی خدمت۔ میری ان قابل شخصیتوں سے گزارش ہے کہ اپنی فکری، علمی اور تنظیمی صلاحیتوں کو دین کی لئے وقف کریں۔

پہلے خود دین کو سیکھیں اس کے بعد تمام عالم کے انسانوں کو سامنے رکھیں۔ غیر مسلم ہمارے انسانی بھائی ہیں اور ایسے مسلمان جو کلمہ گو تو ہیں مگر کلمہ والی زندگی سے دور ہیں۔ خود اللہ کا وعدہ ہے جو میرے راستے میں جدو جہد کرتے ہیں میں انہیں ضرور ہدایت دوں گا۔ سات سوال والا پرچہ ہر انسان کیلئے خالقِ کائنات نے پہلے سے تیار کر دیا ہے۔ یعنی قبر کے تین سوال ......۱...... تیرا رب کون تھا؟ ۲...... تیرا دین کیا تھا؟ ۳...... تیرا نبی کون تھا؟ ......اور حشر کے چار سوال ......۱...... عمر کہاں گزاری؟ ......۲...... جوانی کہاں گزاری؟...... ۳...... مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ ۴...... اپنے علم پر کتنا عمل کیا تھا؟

ہر انسان کا غیر اختیاری سفر شروع ہے، منزل (قبر) بالکل قریب ہے مگر اکثریت زادِ راہ سے غافل ہے۔ رسول ﷺ کا فرمان، مفہوم یہ ہے: ”عقلمند وہ ہے جو موت سے پہلے موت کی تیاری کر لے“......! (حوالہ جنگ لاہور ۱۳ مئی ۱۹۹۷ء)

رحمت اللعالمین اور یورپی مثالیں

Rehmat ul lil ' alameen & examples of European conduct

مسلمانوں کا مفتوحہ قوموں سے حسنِ سلوک

Behaviour of Muslims with nations

۱۸۵۸ء کی جنگِ آزادی کے بعد ظلم و استبداد کی تاریک رات پھیلی۔ اس نے ہزاروں سپاہیوں کا خون پیا بے شمار آزادی کے متوالوں کے سر لیئے۔ سیاسی لیڈروں کو کچل دیا گیا۔ علماءِ کرام کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا حتیٰ کہ ایک فاتح انگریز قوم نے برِ صغیر کی مفتوح قوم کے ساتھ جو عالم اور جو حال کیا اس کی سچی تصویر مندرجہ ذیل اقتباسات سے آپ بخوبی محسوس کرلیں گے۔

رحمۃ اللعالمین :-

انسان کے ذخیرۂ اخلاق میں سب سے کم اور نادر الوجود چیز دشمنوں پر رحم اور ان سے درگزر ہے۔ دشمن سے انتقام لینا انسان کا قانونی حق ہے۔ لیکن اخلاق کے دائرۂ کار میں آکر یہ حق مکروہ تحریمی بن جاتا ہے۔ تمام روایتیں اس پر متفق ہیں کہ حاملِ وحی، رحمتِ عالم ﷺ نے ہمیشہ دشمنوں سے درگزر کیا۔ وہ وحشی جو اسلام کے قوتِ بازو اور آنحضرت ﷺ کے عزیز ترین چچا حضرت حمزہؓ کا قاتل تھا۔ مکہ میں رہتا تھا۔ جب مکہ میں اسلام کی قوت نے ظہور کیا تو وہ بھاگ کر طائف آیا۔ طائف نے بھی آخر سر تسلیم خم کیا تو وہ ناچار خود رحمتِ عالم ﷺ کے دامن میں پناہ لی۔ آپ ﷺ نے اسے معاف کردیا۔ (صحیح بخاری)

عکرمہؓ دشمنِ اسلام ابو جہل کے بیٹے تھے۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے آنحضرت

ﷺ کے سخت ترین دشمن تھے۔ فتح مکہ کے وقت بھاگ کر یمن چلے گئے۔ ان کی بیوی مسلمان ہو چکی تھی اس کی تبلیغ سے عکرمہؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا اور ان کی بیوی ان کو لے کر خدمتِ اقدس ﷺ میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ اس کو دیکھ کر فرطِ مسرت سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس تیزی سے ان کی طرف بڑھے کہ جسمِ مبارک پر چادر تک نہ تھی۔ (موطا امام مالک)

ابو سفیان اسلام لانے سے قبل جو کچھ تھے۔ غزواتِ نبوی کا ایک ایک حرف اس کا شاہد ہے۔ بدر سے لے کر فتح تک جتنی لڑائیاں اسلام کو لڑنا پڑیں ان میں سے اکثر میں ان کا ہاتھ تھا لیکن فتحِ مکہ کے موقع پر جب گرفتار کر کے لائے گئے تو آپ ﷺ ان کے ساتھ محبت اور رحمت کے ساتھ پیش آئے۔ حضرت عمرؓ نے گذشتہ جرائم کی پاداش میں ان کو قتل کرنا چاہا لیکن آپ ﷺ نے نہ صرف منع فرمادیا بلکہ ان کے گھر کو دار الامن بنادیا۔ فرمایا جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا۔ اس کا قصور معاف ہے اور اس سے کسی قسم کا کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ (شبلی نعمانی سیرت النبیؐ)

دشمنوں کے مظالم سے تنگ آکر ایک صحابی خباب بن ارت نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ان بزرگوں کے حق میں بد دعا فرمایئے۔ یہ سن کر چہرہ اقدس سرخ ہو گیا، فرمایا میں دنیا کیلئے زحمت نہیں بلکہ رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔ (الاستیعاب والاصابہ)

"رحمۃ اللعالمین" کا فیض عام تمام مخلوقِ خدا کیلئے تھا۔ جانوروں کے ساتھ رحمت و شفقت سے پیش آنے کی بے شمار مثالیں حیاتِ طیبہ سے ملتی ہیں۔ اس شخص کو بہت گناہ گار قرار دیا جس نے کسی جانور کو بیکار ہلاک کر دیا۔ (بحوالہ مستدرک حاکم)

ایک دفعہ ایک سفر کے دوران ایک صحابیؓ نے چڑیا کا انڈہ اٹھالیا۔ چڑیا بے قرار ہو گئی۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ کسی نے اس کو اذیت پہنچائی ہے ان صاحب نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے یہ حرکت ہوئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس انڈے کو واپس رکھ دو۔ (بحوالہ ادب المفرد)

ایک دفعہ ایک گدھا نظر آیا، جس کا چہرہ داغا گیا تھا۔ فرمایا جس نے ایسا کیا ہے اس پر خدا کی لعنت ہو۔ (ترمذی و ابو داؤد)

رحمتِ عالم ﷺ نے عین میدانِ جنگ میں بھی رحم و کرم کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ جب کہ تاریخِ عالم کی تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ جنگ ایک سیلاب ہے جب یہ سیلاب بڑھتا ہے، اس میں طغیانی آتی ہے تو غیظ و انتقام کی

موجیں مسکراتی انسانیت، شگفتہ تہذیب اور شائستہ تمدن کو خس و خاشاک کی مانند بہا کر لے جاتی ہیں۔

مسکراہٹوں کو زندگی کے لبوں سے چھین لیا جاتا ہے۔ تہذیب کے برگ و بار مرجھا جاتے ہیں اور تمدن کے نقوش مٹ جاتے ہیں لیکن رحمتِ عالم ﷺ کی ذاتِ اقدس ﷺ نے ان تمام جنگی رسومات کا قلع قمع کر دیا۔ اسلام سے قبل جنگوں میں جو انسانیت سوز افعال کا ارتکاب کیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے ان تمام افعال کو یکسر موقوف کر دیا اور جنگی اصلاحات کی تعلیم دی۔ صرف مدافعت، انسانیت کے احترام اور مظلوم کی حمایت میں جنگ کرنے کی اجازت دی۔

غیر مقاتلین کے قتل کی ممانعت فرمائی۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ فوج کو روانہ کرتے وقت فرماتے کہ کسی بوڑھے ضعیف، بچے اور عورت کا قتل نہ کرنا، مالِ غنیمت میں خیانت نہ کرنا، صلح کی روش اختیار کرنا اور احسان کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔

حضرت انسؓ ہی بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نیند اور غفلت کی حالت میں حملہ کرنے سے منع فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زید انصاریؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے دورانِ جنگ لوٹ مار اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا۔ غرض رحمتِ عالم کے رحم کے بادل عین میدانِ جنگ میں بھی ان کے جانی دشمنوں پر سایہ فگن رہتے۔

تاریخِ عالم گواہ ہے کہ ہر دور میں فاتح آتے رہے، تہذیب و تمدن کے چمنستان کو تاخت و تاراج کرتے رہے، انسانیت کو خاک و خون میں غسل دیتے رہے لیکن جب رحمتِ عالم ﷺ فاتح کی حیثیت سے اٹھے تو اللہ کا نام لیکر اٹھے، جس طرف گئے سکون و آشتی کا پیغام بن گئے۔ اس اللہ کے سپاہی ﷺ نے اپنے پیچھے ہڈیوں اور کھوپڑیوں کے مینار نہیں چھوڑے بلکہ امن و سکون کی فضا چھوڑی، روتی، سسکتی انسانیت اور تہذیب و تمدن کی تباہی و بربادی نہیں چھوڑی رشد و ہدایت کے چرغ جلائے اور امن و سکون کے گراں بہا موتی بکھیرے۔ رحمتِ عالمؐ فاتح کی حیثیت سے جس راہ سے گزرے وہ راہ گزر کاروانِ بہار ٹھہرا، وہ جہاں خیمہ زن ہوئے وہاں شہر بسے.. بستیاں آباد ہوئیں۔ حق و باطل کیلئے وہ رزم میں جہاں ایک فولادی چٹان تھے کہ ان کے مقابل کفر و شرک کے طوفان ٹھنڈے پڑ گئے وہاں بزم میں وہ ضعیفوں کا سہارا، عورتوں کے محافظ، بچوں کے سرپرست اور انسانیت کے داد رس بھی تھے۔ عفو و درگزر ان کے جلو میں سفر

کرتے ہیں اور صلح و آشتی میں ان کے ہمرکاب رہے۔

آج فتح مکہ کا دن ہے۔ آج رحمتِ عالم ﷺ فاتح کی حیثیت سے اپنے آبائی شہر میں داخل ہو رہے ہیں۔ وہی پیارا شہر جس سے دس سال قبل قریش نے رات کی تاریکی میں نکل جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ دس سال قبل وہ گھڑی تھی جب مکہ والوں نے رحمت عالم ﷺ کے سر کی قیمت سو سرخ اونٹ مقرر کی تھی۔ لیکن آج فاتح اعظم ﷺ غیظ و غضب کا پیغام نہیں ہیں، بلکہ رحم و کرم کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہیں۔ اس فاتح عالم ﷺ نے آج اپنے قول و فعل سے غیظ و غضب کے تمام آتش کدوں کو ٹھنڈا کر دیا ہے۔ آج اکڑی گردنیں جھکی ہوئی ہیں۔

آج فاتح عالم تنِ تنہا مہاجر نہیں ہے فاتحین کے جم غفیر کے ہمراہ ہے۔ مجرمین تھر تھر کانپ رہے ہیں۔ ان مجرمین میں وہ حوصلہ مند بھی ہیں جو اسلام کو مٹانے میں پیش پیش تھے، وہ بھی ہیں جن کی زبانیں رسول اللہ ﷺ پر گالیوں کے بادل برسایا کرتی تھیں، وہ بھی ہیں جن کے تیغ و سنان نے پیکرِ قدسی ﷺ کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں، وہ بھی ہیں جنہوں نے ذاتِ اقدس ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے، وہ بھی ہیں جو سنگ باری کر کے جسم اطہر ﷺ کو لہولہان کر دیتے تھے، وہ بھی ہیں جن کی تشنہ لبی حوضِ نبوت ﷺ کے سوا کسی اور چیز سے بجھ نہ سکتی تھی، وہ بھی ہیں جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے آ ٹکراتا تھا، وہ بھی ہیں جو نبی ﷺ کے ساتھیوں کو جلتی ہوئی ریت پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے۔

رحمتِ عالم ﷺ نے نہایت پُرسکون انداز میں ان کی طرف دیکھا اور پوچھا کہ تم کو معلوم ہے کہ میں تم لوگوں سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟ یہ لوگ اگرچہ ظالم تھے، شقی تھے، بے رحم تھے لیکن مزاج شناس بھی تھے، پکار اٹھے:

"اخ کریم وابن اخ کریم"

دفعتاً رحمتِ عالم ﷺ کی زبانِ اقدس نے جنبش کی اور یہ اعلان ہوا:

"لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء"

سب سے کوئی باز پرس نہیں، جاؤ آج سے تم آزاد ہو

بدترین دشمنوں کو معاف کر دینا رحمتِ عالم ﷺ ہی کا وصف ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے کہا تھا کہ میں دنیا کیلئے امن کا شہزادہ ہوں لیکن شہزادۂ امن کی اخلاقی حکومت کا ایک کارنامہ بھی اس کے ثبوت میں محفوظ نہیں ہے لیکن امن کے شہنشاہ کو بارگاہِ

ربانی سے ازل ہی سے "رحمت اللعالمین" کا جو خطاب ملا تو اس خزانۂ رحمت میں دوست، دشمن، کافر و مسلم، بوڑھے، بچے، عورت و مرد، آقا و غلام، پرند و چرند، انسان و حیوان غرضیکہ ہر صنفِ ہستی برابر کی حصہ دار ہے۔

یہ وصفِ رحمت ہی تھا جس کے باعث فقط تئیس برس کے عرصے میں اسلام کی جڑیں تمام عالم کے طول و عرض میں پھیل گئیں۔ دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ملی کہ آباؤ اجداد کے طور طریقوں کے خلاف کسی روش کو برداشت کیا گیا ہو اور اتنی تیزی سے قبول کیا گیا ہو۔ ایسا نہیں ہوا کہ نامانوس اور اجنبی صدائیں بہ رغبت سن لی گئیں ہوں۔

حضرت نوحؑ کو سینکڑوں برس تک قوم کی نفرت اور وحشت کا سامنا رہا، تنگ آ کر خدا تعالیٰ سے قیامت خیز طوفان کی استدعا کی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دار و رَسن کا منظر پیش آیا۔ فقط تیس چالیس نفوس کی جماعت بنانے کے بعد بر اویتِ نصاریٰ سولی پر چڑھ گئے۔ یونان دنیا کی شائستگی کا معلم اول ہے۔ تہذیب انسانی کی بلندیوں تک پہنچانے کا دعوے دار۔ تاہم اسی حکمت کدہ میں سقراط کو زہر کا پیالہ پینا پڑا اور وہ زہر کا پیالہ پی کر ہمیشہ کیلئے فنا ہو گیا۔ جب رحمتِ عالم ﷺ نے یہ ارادہ کر رکھا تھا کہ اس وقت تک اپنا مشن جاری رکھوں گا جب تک ایک شتر سوار صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اسے خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو گا اور پھر ایسے ہی ہوا۔ مالکِ کائنات خود پکار اٹھا:

"وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ"

"اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے"

۱۸۵۷ء کے انتقامی مظالم کی داستان

کانپور کے قتلِ عام کے واقعات سے پہلے بھی انگریزوں نے ہندوستان کی شہری اور دیہی آبادی کے ساتھ جس قسم کا سلوک روا رکھا ہوا تھا وہ ان کے کارناموں کے ریکارڈ پر بہت ہی غلیظ دھبہ ہے۔ اس کی تصدیق ہمیں مسٹر "کے" کی کتاب کی جلد پنجم، باب دوم سے ہوتی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"مارشل لاء کے نفاذ کا اعلان کیا جا چکا تھا۔ وہ تمام خوفناک اور ہولناک

ایکٹ جنہیں لیجسلیٹو کونسل نے مئی اور جون ۱۸۵۷ء کے مہینوں میں پاس کیا تھا۔ وہ تمام تر اپنی پوری قوت و طاقت کے ساتھ زیر عمل تھے۔ ہمارے انگریز فوجی سپاہی اور ان کے ساتھ ان ہی جیسی خصلتیں رکھنے والے مقامی شہری اور دیہاتی بھی عوام کے خون کے دریا بہاتے چلے جا رہے تھے۔ انہوں نے فوجی عدالتیں قائم کر رکھی تھیں اور وہ ہندوستان کے مقامی باشندوں کو بلا امتیازِ جنس یا عمر کے موت کے گھاٹ اتارتے چلے جا رہے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خون بہانے کے عادی ہو گئے اور اس کے بعد دن بدن خون کی پیاس میں شدت اور انتہا کا اضافہ ہوتا چلا گیا اور یہ ساری کاروائی انگریزی پارلیمنٹ کے ریکارڈ پر موجود ہے جو ان رپورٹوں کی شکل میں آج بھی موجود ہے جو گورنر جنرل آف انڈیا ان کونسل نے اپنی حکومت کو ارسال کی اور جن میں اس نے برملا لکھا:

"تمام بوڑھے، مرد، عورتیں اور بچے.. ان سب لوگوں کے ساتھ ہی جنہوں نے انگریز کے خلاف بغاوت کرنے کی جرأت کی تھی قتل کر دیئے گئے"۔

جن لوگوں کے قتل کی خبر گورنر جنرل آف انڈیا نے دی وہ تمام کے تمام بے دریغ پھانسی پر نہیں چڑھائے گئے تھے بلکہ ان کے گاؤں جلا دیئے گئے تھے جن کے اندر ہی وہ جل کر بھسم ہو گئے تھے۔ ان میں شاید ہی کوئی اکادکا بچ کر باہر نکلا ہو گا اور اسے بھی گولی سے اڑا دیا گیا تھا۔ تمام کے تمام انگریز خود تعریفی کے مرض میں مبتلا تھے حتیٰ کہ اپنی تحریروں میں بھی اپنی تعریف کرنے سے نہیں ہچکچاتے تھے اور یہ کہنے میں فخر محسوس کرتے تھے کہ ہندوستان میں انہوں نے کسی کو بھی معاف نہیں کیا اور اس بھی بڑھ کر وہ اپنے ظلم کی داستان کو بڑے پُر غرور انداز میں اور بڑے چسکے کے ساتھ بیان کرتے تھے :-

"اگرچہ ہمارے وہ دن بڑے ہی سراسیمگی اور اضطرابی کیفیت کے تھے لیکن جب ہم کالے ہندوستانیوں کی نازک جگہوں پر لال مرچیں ڈالتے تھے تو ان کی درد وکراہ اور آہ وبکا سے ہم خوب محظوظ ہوتے تھے اور ہمارا وہ وقت بڑے ہی موج وسرور اور لطف و مزے میں گزرتا

تھا"۔ (حوالہ مسٹر کے کی کتاب۔ جلد چہارم باب دوم)

مجھے اس بات کا احساس ہے کہ ان مظالم اور ستم وجور کو پڑھ پڑھ کر اس کتاب کے قاری کے دل میں بہت ہی بڑی پریشانی اور بیزاری کا پیدا ہو جانا ایک لازمی امر ہے لیکن حقیقت کا اظہار بھی ایک انتہائی اہم اور بڑا ہی ضروری فریضہ ہوتا ہے اور بلاشبہ ایک بہت بڑے جہاد کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ آنے والی نسلیں اس سے بہت کچھ حاصل کرتی ہیں اور انہیں دوسری قوموں کی خاصیتوں کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

یہاں پر میں اپنی کوئی رائے ظاہر کیئے بغیر انگریزوں کے کردار اور انصاف کی کچھ جھلکیاں ان کے اپنے ہی الفاظ میں پیش کرتا ہوں۔

بنارس اور الہ آباد کی صورت حال۔ کانپور کے قتلِ عام سے پہلے

ایک موقعہ پر چند نوجوان لڑکے جو کہ غالباً محض کھیل کود کے مشغلے سے دل بہلا رہے تھے اور ہنسی مذاق میں ٹام ٹام کا گیت گاتے ہوئے اور کچھ باغیانہ قسم کے جھنڈوں کو لہراتے ہوئے گزر رہے تھے کہ انکو پکڑ لیا گیا۔ خون کی پیاسی انگریزی فوجی عدالت میں ان پر مقدمہ چلایا گیا اور ان سب کو موت کی سزا دی گئی۔

عدالت کا افسر ان نوخیز بچوں کو اس قسم کی سخت سزا پر آبدیدہ ہو گیا اور آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ وہ اپنے کمانڈنگ آفیسر کے خدمت میں حاضر ہوا اور بصدِ ادب التجا کی کہ ان خورد سال بچوں کی سزا میں تخفیف کر دی جائے مگر آہ! انگریزی انصاف کی راہ میں اس افسر کی فریاد بھی کوئی قیمت نہ پا سکی۔ حادثہ یہ ہے کہ اس وقت جو کچھ کاروائی کی جاتی تھی خواہ وہ فوجی نوعیت کی ہوتی یا فوجداری قوانین کے تحت ہوتی تھی اس میں کسی قسم کے دستور کو مدِ نظر نہ رکھا جاتا تھا۔

جس افسر یا سپاہی کا جو جی میں آتا وہ بے دریغ کر گزرتا۔ پھانسی دینے والوں کی والینٹر پارٹی ڈھول بجاتی ایک ضلع سے دوسرے ضلع میں جاتیں اور ہنسی مذاق موج میلے میں لوگوں پھانسیاں دیتی چلی جاتی۔ ایسے مواقع پر باقاعدہ جلادوں کی ضرورت محسوس نہ کی جاتی۔ ایک ایسا شریف زادہ انگریز جسکے حصے میں پھانسی دیئے جانے والوں کی تعداد زیادہ آئی تھی بڑے فخر اور شیخی کے ساتھ کہتا ہے کہ:

"میں نے بڑے آرٹسٹک اور فنکارانہ انداز میں ان آدمیوں کو تختہ دار پر

لٹکانے کیلئے آموں کے درختوں کا انتخاب کیا اور انہیں کچلنے کیلئے ہاتھیوں کا بندوبست کیا"۔ "خونی انصاف کی بھینٹ چڑھنے والے یہ بد نصیب لوگ رسوں میں جکڑے ہوتے تھے اور زمانۂ قدیم کی طرح انہیں انگریزی کے ہندسے 8 کی طرح باندھا جاتا تھا"۔(حوالہ مسٹر کے کی کتاب۔ جلد پنجم۔باب دوم)

پٹنہ کا کمشنر مسٹر ٹیلر اور اس کا طریقۂ حصولِ شہادت

ایک آدمی جسے مسٹر ٹیلر نے تختہ دار پر لٹکایا تھا پھانسی دینے سے پہلے اس نے اس بد نصیب آدمی کو مخاطب کر کے جو الفاظ کہے وہ تاریخ نسلِ انسانی میں اتنے انوکھے اور اس قدر عجیب ہیں کہ ان کی مثال کہیں بھی ڈھونڈنے سے نہیں ملے گی۔ مسٹر ٹیلر خود کہتا ہے:-

"میں نے اس پر واضح کیا کہ میں تم سے ایک سودا کرنا چاہتا ہوں اور وہ سودا یہ ہے کہ تم مجھے تین زندگیاں دے دو۔ یعنی تین بڑے آدمیوں کی نشاندہی کر دو تو میں تمہاری زندگی تمہیں واپس سے دوں گا۔ اس آدمی نے بڑی ہی بے چارگی سے کتنے ہی نام گنوائے جن سب کو میں جانتا تھا مگر اس سے آگے وہ کچھ بھی بتلانے سے قاصر تھا۔ غالباً اس سے زیادہ وہ جانتا ہی نہ تھا کیونکہ اس کے پاس اپنی بچت کا کوئی سامان نہ تھا یعنی جن آدمیوں کی میں نشاندہی چاہتا تھا ان کا اسے کوئی علم نہ تھا۔ لہٰذا اسے پھانسی دے دی گئی"۔(حوالہ منٹگمری مارٹن کی کتاب باب ۲۰۔ اس کے علاوہ فارسٹ کی کتاب بھی بطورِ حوالہ دیکھیں)

سہارنپور کی صورتحال

"سہارنپور کے اندر انگریزی نظام کارکردگی انتہائی زبردست اور شہ زور تھا اور وہاں پر پھانسی دینے کے کام کو بڑی ہی تیزی اور خوبصورتی سے نبھایا گیا۔ اس سلسلے میں ایک معروف جونیئر سویلین افسر نے بڑے ہی دلیرانہ جوہر دکھائے اور مجھے معلوم ہوا کہ اسنے اپنے اس کارِ عظیم پر ایک کتاب بھی لکھی ہے مگر وہ میری نظر سے نہیں گزری"۔(حوالہ سر جارج کیمبل کی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۳۸ پر اس کا خط تحریری ۱۲ اگست ۱۸۵۷ء)

آگرہ کی صورتحال

"دیہاتیوں کی بہت بڑی تعداد کو بغاوت کے الزام میں پکڑ کر لایا گیا اور انہیں پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ ان کے علاوہ کچھ باغی سپاہی بھی تھے۔ جو کہ آگرہ کے گردونواح میں پناہ لیئے ہوئے تھے۔ جب ان کو فوجی عدالت کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے بے ہزدہ اور فضول قسم کی عجیب و غریب حرکات کے ذریعے خود کو پاگل ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ کبھی تو وہ مکھیاں پکڑنے لگتے اور کبھی بے جا بولنے لگتے دیکھنے والوں نے کہا کہ یہ مکرا پن بھی سرکشی اور گستاخی کی نشانی ہے اور کورٹ مارشل کے انگریز افسروں کے خلاف بغاوت کے زمرے میں آتی ہے"۔ (حوالہ "اے لیڈیز اسکیپ فرام گوالیار" صفحہ ۲۱۲)

فتح دہلی کے بعد صورتحال

(انگریزوں نے دہلی پر ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو قبضہ کیا تھا) "۲۳ ستمبر ۱۸۵۷ء کو مسز کوپ لینڈ نے بیان کیا کہ مارشلِ اعظم نے تقریباً چار پانچ سو بد نصیبوں اور شکستہ دلوں کو پھانسی دے کر اپنی عظمت اور ہیبت قائم کر لی تھی اور اب وہ مستعفی ہونے کا سوچ رہا تھا۔ انگریزی سپاہ لوگوں کے اندر خوف و ہراس، نفرت، حقارت اور کپکپی پیدا کرنے کی عادی ہو گئی تھی اور وہ مقامی ہندوستانی سپاہیوں کو شدید مضر اور انتہائی ضرر رساں سمجھتے تھے اور ان کے دلوں میں ان کے خلاف جس قسم کا خطرناک بغض و عناد موجود تھا۔ اس کی تصدیق یوں ہوتی ہے کہ انہوں نے پھانسی دینے والوں کو محض اس مقصد کیلئے رشوت دی کہ وہ پھانسی دی گئی لاشوں کو ایک لمبے عرصے تک لٹکتا رہنے دیا کریں کیونکہ وہ ان لٹکتے ہوئے مجرموں کو ہوا میں حرکت کرتے دیکھتے ہیں تو اس طرح سے محظوظ ہوتے ہیں جیسے کہ وہ پانڈوں کا ناچ دیکھ رہے ہوں۔ ان کے نزدیک موت پر لٹکا ہوا ہر شخص بد معاش اور بد ذات تھا۔

مسز کوپ لینڈ اس سے آگے اپنی بات کو یوں پورا کرتی ہیں :-

"میرا میزبان کیپٹن گارسٹن کچھ ہی دیر پہلے نواب آف ججر کو پھانسی ہوتے دیکھنے گیا تھا اور اس نے آکر مجھے بتایا کہ نواب صاحب نے پھانسی پر مرنے میں بہت وقت لیا"۔ (حوالہ "اے لیڈیز اسکیپ فرام گوالیار" صفحہ ۲۶۹)

کتابِ مذکورہ بالا کے صفحہ نمبر ۲۷۳ پر لکھا ہے :-

ایک مقامی جوہری اپنے زیورات لے کر مسز گارٹن کی خدمت میں حاضر ہوا اور

مسز گارٹن نے یہ سمجھتے ہوئے کہ اس نے ان کی بہت زیادہ قیمت مانگی ہے۔ رعب اور تمکنت کے ساتھ کہا کہ :-

''میں تمہیں مٹکاف صاحب کے پاس بھیجتی ہوں''۔ اس پر وہ بے چارا اپنی جان بچا کر خوف کے مارے اتنی تیزی اور جلدی سے بھاگا کہ اس کے تمام زیورات بھی وہیں رہ گئے اور پھر دوبارہ کبھی لوٹ کے نہیں آیا۔

منٹگمری مارٹن دہلی سے اپنے ایک خط میں جو کہ جنوری ۱۸۵۷ء کے ٹائمز میں چھپا حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

''میں نے ابھی اگلے ہی دن سر تھیو فیلس مٹکاف کو دیکھا ہے جو کہ آج کل ہندوستان کے باشندوں کے زبردست خوف تلے دبا ہوا ہے اور روزانہ وہ جتنے بھی ہندوستانیوں کو قابو کر سکتا ہے انتوں کو ہی وہ پھانسی کے تختہ پر لٹکا دیتا ہے آج کل دن رات اس کا یہی ایک کام ہے اور اسی میں وہ ہر دم مشغول رہتا ہے''۔ (حوالہ مسٹر کے کی کتاب جلد پنجم باب دوم)

ہومز اپنی کتاب کے صفحہ ۳۸۶ پر اس دور کی دل گرفت صورتحال پر نوحہ خواں نظر آتا ہے۔ وہ لکھتا ہے :-

''انگریز منصفوں اور ججوں کے دلوں میں رحم اور ترس کھانے کا ذرا سا شائبہ بھی موجود نہ تھا۔ ان کے سامنے جو کوئی بھی پیش کیا گیا اسے انہوں نے سزا ضرور سنائی اور یہ سزا سزائے موت سے کسی صورت بھی کم نہ تھی۔ شہر دہلی کے اندر چار گوشہ پھانسیاں گاڑھی گئی تھیں جہاں پر کہ روزانہ چار پانچ گناہ گاروں کو باقاعدگی سے پھانسی دی جاتی تھی۔ انگریز افسران پھانسی پانے والوں کے نزدیک سگار سلگا کر بڑے خوشگوار موڈ میں مزے سے بیٹھ جاتے تھے اور پھانسی پانے والوں کی زندگی اور موت کی کشمکش کا نظارہ کرتے تھے''۔

کیمبل نے اپنی کتاب کے باب اول صفحہ ۲۸۴ پر اس صورتحال کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے :-

''دہلی میں اگریزوں نے جو کچھ کیا بلا مبالغہ وہ بہت ہی بے رحمانہ اور انتہائی ظالمانہ تھا۔ اگر چہ میں اس وقت دہلی سے بہت دور دراز تھا اور

مجھے پوری تفصیلات کا علم نہیں ہے مگر اس کے باوجود میرا اندازہ ہے کہ انگریزوں نے جن مقامی لوگوں کو پھانسیاں دیں ان میں بہت سارے لوگ بے قصور تھے اور یہ پھانسیاں ناجائز تھیں"۔

لارڈ ایلن برد ۱۶ فروری ۱۸۵۸ء کو انگلستان کی پارلیمنٹ میں ہندوستان کی صورت حال پر تقریر کرتے ہوئے واضح الفاظ میں کہتا ہے :-

دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد شاید وباید ہی کوئی دن ایسا گزرتا ہوگا جبکہ روزانہ پانچ اور چھ کو پھانسی نہ دی جاتی ہو۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ جب تک اس روزانہ کے معمول کو ختم نہ کیا جائے گا اور سرسری قانونی کاروائی کے ساتھ سزائے موت سنانے کی رسم کو بند نہیں کیا جائے گا۔ اس وقت تک ہم انگریز لوگ ہندوستان میں سول حکومت کو دوبارہ قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

گورنر جنرل ان کونسل نے ۲۴ دسمبر ۱۸۵۸ء کو اپنی جولائی ۱۸۵۸ء کے مہینے کی رپورٹ میں شمال مغربی سرحدی صوبے اور پنجاب کی تباہ کن صورتحال پر اپنی تقریر کے دوران بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا کہ :-

"لامحدود پھانسیاں دی جاتی رہیں۔ نہ صرف ان لوگوں کو جن پر کہ الزامات کی بوچھاڑ کی بلکہ ان لوگوں کو بھی جن کے گناہگار ہونے میں قطعی شک تھا۔ گاؤں کے گاؤں نہ صرف یہ کہ جلا کر راکھ کر دیئے گئے بلکہ ان کی آبادیوں کو تہہ تیغ کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا گیا جو کوئی بھی انگریزی فوج کے ہاتھوں چڑھ گیا خواہ بے گناہ تھا یا قصوروار، بچہ یا جوان یا بوڑھا، عورت تھی یا مرد تھا سب کو بڑے ہی ظالمانہ اور بے دردانہ طریق سے سزا دی گئی اور بعض مقامات پر تو آبادیاں کی آبادیاں خواہ وہ حکومت کی مخالف تھیں یا نہ تھیں ان کو اس بری طرح نیست و نابود کر دیا کہ اس قحط الرجال نے فصلوں اور زراعت دونوں کو اس قدر شدید نقصان پہنچایا کہ قحط کا خطرہ منڈلانے لگا اور اس کی محض وجہ یہ تھی کہ وہ ہندوستانی سپاہی جو چھٹی پر اپنے گھروں کو جا رہے تھے یا وہ سپاہی کی رجمنٹوں کو خطرے کا احساس کرتے ہوئے توڑ دیا گیا تھا اپنے اپنے گاؤں

جار ہے تھے۔
ان کے متعلق یہ خیال کر لیا گیا کہ وہ بغاوت کی آگ کو بھڑ کانے کا باعث بنیں گے اس لئے گاؤں کے گاؤں انگریزوں کے جذبۂ انتقام کی آگ میں بھسم ہو گئے۔ حالانکہ یہ سب وہ سپاہی تھے جنہوں نے نہ صرف یہ کہ بغاوت میں کوئی حصہ لیا تھا بلکہ جنہوں نے اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر اپنے یورپین افسروں کی جانیں بچائی تھیں بلکہ وہ یہاں تک وفادار تھے کہ اپنے ہی ملک کے اپنے ساتھی سپاہیوں کے خوفناک جذبے اور عزم کے سامنے دیوار بن کر کھڑے ہو گئے تھے اور انہوں نے انگریزوں کی حفاظت کی تھی۔
مگر انگریزوں نے ان سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا اور سب کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے ہوئے وہ سب کچھ کیا جس پر نسلِ انسانی ہمیشہ شرمائے گی۔ حکومت کے ایسے ہی افسروں کے اعمال کی وجہ سے اس افواہ کو ہندوستان کے اندر پھیلنے میں خوب مدد ملی کہ :-
"انگریزی حکومت نے ہندوستان کے مسلمانوں اور ہندوؤں کے انتہائی خوفناک اور درندہ صفت قتلِ عام کا ایک بہت ہی بڑا منصوبہ تیار کیا ہوا ہے"۔
ہم اس دور کے متعلق زیادہ سے زیادہ جو کچھ بھی کہہ سکتے ہیں وہ یہی ہے کہ انگریزی حکومت پھانسی دینے والوں کی حکومت تھی اور اس نے اپنی حاکمیت کی عظمت کو بلند کرنے کیلئے اپنے فرائض میں "قتلِ عام کے منصوبوں" کا بھی اضافہ کیا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں مسٹر کارٹ ہل کو ہم یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں :-
"حکومت نے قتلِ عام کو جس طرح سے اپنے فرائض میں شامل کر لیا تھا بغیر کسی شک و شبہ کے کہا جاسکتا ہے کہ اہلِ مشرق کے دلوں میں ایسی حکومت کے خلاف نفرت و حقارت کی آگ سلگ رہی تھی۔ ہندوستانی قوم اس قتلِ عام سے خوب واقف ہو چکی تھی کیونکہ ہندوستان کا ہر باشندہ یہ ڈرامہ اپنی آنکھوں کے سامنے خود دیکھ رہا تھا۔

سیاسی قتل و غارت کی کئی صورتیں ہوتی ہیں لیکن ہندوستان کے باشندوں کے خلاف تو اس قسم کی صورتوں میں کسی صورت کیلئے کوئی وجہ جوازنہ تھی"۔(حوالہ ایسٹ ڈوکسین صفحہ ۹۳)

غدر کے دوران جھانسی۔ کانپور اور دہلی کے مقامات پر قتلِ عام کو تو انگریزوں کے جذبۂ انتقام سے منسوب کیا جاسکتا ہے لیکن لکھنؤ میں تو اس کی کوئی وجہ نہ تھی۔ لکھنؤ کے قتلِ عام کی صورتحال کے متعلق میجنڈی اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹۵،۱۹۶ پر لکھتا ہے :-

"جب لکھنؤ پر قبضہ کر لیا گیا تو یوں معلوم ہوا جیسے قتلِ عام کا موسم شروع ہو گیا ہے ،انگریزی دستوں کے سامنے جو کوئی بھی آیا۔وہ ہندوستانی سپاہی تھا یا اودھ کا بادشاہ بغیر کسی سوچ، فکر اور تشخیص کے انہوں نے اس کا کام تمام کر دیا کسی سے کوئی پوچھ گچھ نہ کی گئی کہ وہ کون ہے ؟اس کے قتل کیئے جانے کیلئے صرف یہی وجہ کافی تھی کہ اس کی رنگت کالی تھی۔ کسی بھی ہندوستانی باشندے کی جان کو ختم کرنے کیلئے ایک معمولی رسہ کسی درخت کی کوئی شاخ اور اس کے دماغ کو چیرتی ہوئی ایک گولی کافی ہوتی تھی"۔

اسی طرح دہلی میں قتلِ عام کے متعلق منٹگمری مارٹن نے ایک خط میں روشنی ڈالی ہے جو "بمبئی ٹیلیگراف" میں چھپا :-

جو نہی ہمارے فوجی دستے دہلی کے اندر داخل ہوئے تو وہ تمام باشندے جو کہ شہر کی چار دیواری کے اندر موجود پائے گئے ، فوراً گولی کا نشانہ بنا دیئے گئے۔ان کی تعداد لامحدود تھی۔اتنی جتنی بھی فرض کر لیں کیونکہ میں آپ کو صحیح طور پر بتاتا ہوں کہ ہر گھر میں کم از کم پچاس ساٹھ آدمی چھپے ہوئے پائے گئے تھے اور ہر ایک کو چن چن کر تہ تیغ کیا گیا تھا۔ یہ لوگ کسی طور بھی باغی نہ تھے۔یہ سب کے سب شہر کے باشندے تھے جنھوں نے انگریزوں کے رحم دلانہ "اعلانِ معافی" کا اعتبار اور اعتماد کر لیا تھا۔ مجھے یہ کہتے ہوئے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ ہم نے ان سب کو خوب مایوس کیا اور ان کے سروں پر کھڑے ہو کر انہیں قتل کیا"۔

اسی طرح ہومز بھی اپنی کتاب کے صفحہ ۳۰۷ پر باشندگانِ دہلی کے قتلِ عام کی تصویر کشی یوں کرتا ہے :-

سیدھے سادھے بھولے بھالے بے قصور شہریوں کو گولی کا نشانہ بنادیا گیا جو کہ ہاتھ جوڑے کھڑے تھے اور رحم کی اپیل کر رہے تھے۔ کانپتے ہوئے بوڑھوں کو بڑی بے رحمی کے ساتھ کاٹ کاٹ کر ہلاک کیا گیا لیکن وہ تمام فوجی جنہوں نے یہ سارے مظالم روا رکھے۔ انگریزی روایات کے عین مطابق اور انصافِ انگلشیہ کے تمام تر تقاضوں کے مطابق ان کی خوب خوب حوصلہ افزائی کی گئی۔

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سارے انگریز فوجی اپنی چوکیوں سے نکل کر آزادانہ آوارہ گھومتے پھرتے رہتے اور گھات میں بیٹھ کر مقامی باشندوں جنہیں وہ متعصّب، خبطی اور بد معاش کہتے تھے۔ تنگ و تاریک گلی کوچوں میں انہیں تلاش کرنے پھرتے اور پھر ان نجسوں اور ناپاکوں کو قتل کر کے خوب قہقہے لگاتے۔ اور لطف اٹھاتے۔(حوالہ ہومز صفحہ ۳۰۷ میں)

حب الوطنی کے کیا معنی ہیں ؟ اور کیا ہندوستان کے باشندوں کو اپنا ملک بچانے کا کوئی حق نہیں ؟۔ آج جبکہ انگریز ہندوستان پر قبضہ کر رہے ہیں ان حالات میں ذی ہوش، متجسّس اور حساس ذہن حب الوطنی کے متعلق جس قدر غور کرے گا وہ اتنا ہی حیرت و پریشانی میں ڈوب کر غیر متوازن ہو جائے گا۔

مندرجہ بالا مصنف ہومز فتحِ دہلی کے متعلق مزید روشنی ڈالتے ہوئے ہمیں بتلاتا ہے کہ :۔

جوں ہی انگریزی فوجیں دہلی کے اندر داخل ہوئیں انہوں نے سب سے پہلے شراب کی دکان کو لوٹا۔ کسی بھی ہندوستانی باشندے کیلئے ان کے دل میں ہمدردی کا کوئی شائبہ موجود نہیں تھا۔ ہمارے انگریز نوجوان فوجی شراب کے نشے میں مخمور اور جذبۂ انتقام سے بھرپور دہلی کے بے پناہ آدمیوں پر یوں جھپٹ پڑے جیسے کہ وہ انہیں ہمیشہ کیلئے صفحۂ

ہستی سے مٹا دیں گے۔ مگر ہوا کیا...... ؟ اُلٹا وہیں ان کے ہاتھوں مارے گئے، جن لوگوں نے ان شرابی انگریزوں کو مارا ان کے نزدیک وہ سب کے سب انگریز "گندے اور ناپاک تھے" اور وہ انگریز جو دہلی کے شہریوں کو مارنے کیلئے جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے تھے ان کے نزدیک دہلی کے تمام شہری **متعصبی**، خبطی اور بد معاش تھے۔

لیکن میں مسٹر ہومز سے پوچھتا ہوں کہ ان متعصّبوں، خبطیوں اور بد معاشوں کو اور کیا کرنا چاہئیے تھا؟، کیا انہیں چاہئے تھا کہ وہ انگریز شرابیوں اور وحشی لٹیروں کے سامنے آکر اپنے ہاتھوں کو پیچھے باندھ لیتے، شریفانہ انداز میں صف بند ہو جاتے اور ایک زبان ہو کر کہتے :۔

"آیئے ...... ہمارے نئے حاکمو، کیجئے ہم سے جو بھی سلوک آپ کرنا چاہتے ہیں، کیجئے.... ہم حاضر ہیں"

اور اسکے بعد مسٹر ہومز غالباً یہ چاہتے ہوں گے کہ :۔

پھر وہ سب کے سب آرام اور صبر کے ساتھ اپنے آپ کو مارشل کی "طاقتِ کُل" کے سامنے پیش کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ سے کام نہ لیتے۔

اس قسم کی ہے یہ تاریخِ غدر، جسے اس شخص (ہومز) نے لکھا اور جس کے متعلق انگریز یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ غدر پر بہترین کتاب ہے، اور یہ ہے دہلی کے لوگوں کے قتلِ عام کے متعلق اس شخص (ہومز) کا اندازِ ناقدانہ جسے انگریز اپنی لغت میں حقیقت پسندانہ کہتے ہیں۔

دہلی پر قبضہ کے بعد شہر کی جو ناقابلِ بیان حالت ہوئی اس پر منٹگمری مارٹن کا ایک خط اچھی خاصی روشنی ڈالتا ہے۔ یہ خط ۱۹ دسمبر ۱۸۵۷ء کے ٹائمز میں چھپا تھا :۔

"میں نے دہلی کی بیرونی گلیوں میں گشت کرنا بند کر دیا ہے ابھی کل ہی ایک آفیسر اور میں نے بیس آدمیوں کے ایک دستے کے ساتھ گشت کیا تو ہم نے کیا دیکھا کہ ۱۴ عورتوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ جن کے گلے ان کے کانوں تک کٹے ہوئے تھے۔ جنہیں خود ان کے خاوندوں نے ہلاک کیا تھا اور پھر انہیں انہی کی چادروں میں لپیٹ دیا تھا۔ ہم نے وہاں پر ایک آدمی کو موجود پایا جسے ہم نے پکڑ لیا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ اس

نے انہیں مرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس نے مزید بتایا کہ اس خوف سے کہ کہیں عزت دار عورتیں انگریزوں کے ہتھے نہ چڑھ جائیں۔ ان کے خاوندوں نے انہیں اپنے ہاتھوں سے مار ڈالا تھا۔ اس آدمی نے ہمیں ان کے خاوند بھی دکھائے جنہوں نے ان کو مارنے کے بعد خود اپنے آپ کو بھی ہلاک کر ڈالا تھا کیونکہ ان حالات میں ان کے نزدیک یہی ایک بہتر عمل تھا جو وہ کر سکتے تھے اور وہ کر گزرے۔

دہلی میں داخل ہونے کے بعد انگریزوں نے جس بے دردی اور بے رحمی سے لوگوں کو اپنی آتشِ انتقام کا نشانہ بنایا۔ اس کے متعلق بمبئی میں متعین "ٹائمز" لندن کے نامہ نگار منٹگمری مارٹن نے جو رپورٹ بھیجی اور جو ٹائمز کے ۱۶ نومبر ۱۸۵۷ء کے شمارہ میں چھپی۔ اس کے الفاظ قابلِ ملاحظہ ہیں:-

"شاہجہان کے شہر دہلی میں قتل میں غارت کا جو منظر آج دیکھا گیا ہے۔ ایسا منظر اس دن کے بعد کسی شخص نے نہ دیکھا تھا جبکہ نادر شاہ نے چاندنی چوک کی چھوٹی سی مسجد میں بیٹھے ہوئے دہلی کے باشندوں کے قتلِ عام کا اذنِ عام دیا تھا اور خود اس کی نگرانی کی تھی"۔

دہلی کے باشندوں کی بدنصیبی اور بدقسمتی کے متعلق منٹگمری مارٹن نے اپنی مندرجہ بالا رپورٹ میں جو پرانے واقعہ کی نسبت دی ہے۔ وہ کمال کی ہے اس سے زیادہ بہتر نسبت دی نہیں جاسکتی اور اس کی سچائی میں قطعی کوئی مبالغہ بھی نہیں ہے۔ دہلی میں قتلِ عام اور غارتگری کا جو تماشہ نادر شاہ کے حکم سے برپا ہوا اور اس کے بعد انگریزون نے جذبۂ انتقام کے بعد جس بے دردی اور بے رحمی سے دہلی کے لوگوں کو بے دردانہ اور بے رحمانہ قتل کیا اور لوٹ مار کی۔ ان دونوں کی شدت میں جو یکسانیت اور مماثلت پائی گئی ہے وہ اپنا جواب نہیں رکھتی۔

فتح دہلی کے بعد انگریزوں نے جس قسم کے علم و شعور کا مظاہرہ کیا اور جس قسم کے بہادرانہ کارنامے سرانجام دیئے۔ ان کے متعلق آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا کے مصنف نے بڑے مختصر مگر انتہائی جامع الفاظ میں قابلِ تعریف حد تک تفصیل بیان کی ہے لیکن اس نے ایک نقطہ بھی اس سلسلے میں تحریر نہیں کیا جب کسی مہذب معاشرے کے سپاہی کسی شہر پر قبضہ کریں تو ان کیلئے کن اصولوں پر کاربند ہونا ضروری ہوتا ہے اور

اگر وہ حد سے بڑھ جائیں تو ان کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہئے۔ وہ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶۷ پر لکھتا ہے :-

”جو لوگ ہمارے خلاف ہتھیار بند ہو کر لڑ رہے تھے وہ سب ہمارے شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی بھاگ گئے تھے اور صرف زخمی ہی وہاں پر رہ گئے تھے۔ ہماری فوجوں نے عورتوں کو تو چھوڑ دیا لیکن تمام مردوں کو قتل کر ڈالا“۔

لیکن قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اس مختصر تحریر کے مقابلے میں آیئے ہم دیکھیں کہ یہی مصنف ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کے ہاتھوں دہلی کے عوام کے قتلِ عام اور لوٹ، مار کے متعلق اپنے قلم کی جولانی کس طرح دکھلاتا ہے :-

”نادر شاہ نے خوفناک انتقام لیا[1]، روشن الدولہ کی سنہری مسجد جو کہ شہر کے بڑے بازار میں واقع تھی وہاں پر بیٹھ کر پورے ۹ گھنٹے تک اس نے دہلی کے لامحدود انسانوں کے قتلِ عام کی نگرانی کی اور اس کا بچشم خود نظارہ کیا بالآخر محمد شاہ کی ذاتی درخواست پر اس نے اپنی تلوار نیام میں ڈالی اور خون ریزی کو بند کرنے کا حکم دیا۔ اس حکم کی تعمیل ہوتے ہوئے بھی ہزاروں مزید افراد خون میں نہلائے گئے“۔ (آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا۔ صفحہ ۵۹۹)

ایک ہی عہدے سے تعلق رکھنے والی مندرجہ بالا روئدادیں پڑھ کر ہم ایک صدی پیچھے کی طرف لوٹ گئے ہیں لیکن ہم غدر کے زمانے مین صرف ستاون سال آگے بڑھیں تو ہم ایک ایسے عہدے میں آجاتے ہیں (۱۹۱۴ء کا سال) جبکہ ہم جرمنوں کو بیلجیم پر قبضہ کرتے دیکھتے ہیں تو انگریز غمزدہ ہو جاتے ہیں جبکہ ۱۹۱۴ء میں صرف ستاون سال پہلے یعنی ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے ہاتھوں دہلی اور اس کے باشندوں کیساتھ جو کچھ ہو کر گزرا تھا اس کی تو مثال ہی نہ ملتی تھی۔ خود انگریز مؤرخ کہتے ہیں :-

”دہلی کے باشندوں کو پہلے بھی تاریخ کے کئی ادوار میں بغاوت کے جرم کا بہت دفعہ کفارہ ادا کرنا پڑا ہے اور انگیزوں کے دہلی فتح کرنے کے بعد تو ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں مرد، عورتیں اور بچے جن کا کوئی قصور بھی نہ تھا دربدر ٹھوکریں کھاتے پھرتے تھے اور بے ٹھکانہ اور بے آسرا گھومتے نظر آتے تھے۔ جو کچھ وہ اپنے گھروں چھوڑ کر آئے تھے وہ ان سے ہمیشہ کے لیے چھوٹ گیا تھا اور وہ انگریزوں کے

---

[1] : نادر شاہ کا انتقام تو صرف ۹ گھنٹے کا تھا مگر انگریزی افواج کا انتقام مہینوں نہیں بلکہ سالوں جاری رہا۔

مقدروں میں لکھا جا چکا تھا۔ انگریز سپاہی گھر گھر، گلی گلی اور کوچے کوچے میں جاتے تھے ۔ تمام قیمتی چیزوں کی تلاشی لیتے تھے اور جن اشیاء کو اپنے ساتھ نہ لے جاسکتے تھے انہیں توڑ پھوڑ کر ناکارہ کر جاتے تھے۔" (حوالہ ہوجز، صفحہ ۳۶۸)

دہلی کے لوگوں کی جو قابل رحم حالت تھی اس پر مسٹر گریتھڈ لکھتا ہے :۔

"عورتوں کی بہت بڑی تعداد نے اپنے آپ کو ہمارے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا اور ہم نے ان کو دہلی چھوڑنے کی اجازت دے دی تھی۔ ان بدنصیبوں کے قافلوں میں اکاد کا اور بھی شامل ہو جاتے تھے اور ان میں بہت سارے تو ایسے بھی تھے جو چلنے ہی سے معذور تھے جن میں زیادہ تر بچے اور بوڑھے شامل تھے"۔ (حوالہ گریتھڈ کا خط تحریری ۸ ستمبر ۱۸۵۷ء۔ صفحہ ۲۷۵)

میں اپنے ان عیسائی مبلغ دوستوں کے اس خیال سے متفق نہیں ہوں جو یہ کہتے ہیں کہ دہلی کی دو نسلوں کے بعد یہ تمام غم و غصہ ڈھل جائے گا اور ذہنوں پر ان واقعات کا کوئی نشان باقی نہیں رہے گا۔ میں ان کے اس خیال سے اس لیے متفق نہیں ہوں کہ دارالخلافہ دہلی کے واقعات یہاں کے باشندوں کے ذہنوں پر اچھی طرح سے کندہ ہو جاتے ہیں اور نسل در نسل اسی انداز میں یاد رکھے جاتے ہیں۔

جس انداز میں کہ ہندوستان کے لوگ اپنی کہانیوں کو سینہ بہ سینہ منتقل کر کے یاد رکھتے ہیں اور نسل در نسل انہیں دہراتے رہتے ہیں۔ خود انگلستان میں آج ہمارے نئے دارالخلافہ کے نئے ستون بھی کبھی نہ بھولنے والی خستہ حالی، بد حالی اور ماضی کی بے پناہ مصیبتوں اور آفتوں کی بنیادوں پر قائم کیے جا رہے ہیں۔

جس طرح بعض جگہیں ایسی ہوتی ہیں جہاں پر کہ بے پناہ مصیبتیں اور آفتیں ڈھائی گئی ہوتی ہیں اور وہاں پر آسیبی روحیں فریاد کناں بن کر ہمیشہ گھومتی رہتی ہیں اور وہ اس جگہ کا ایک لازمی عنصر بن جاتی ہیں۔ اس طرح دہلی کی باطنی و شعوری فضا میں آج کے دن کچھ ایسی چیز موجود نظر آتی ہے جو اگرچہ ناقابل ملس ہیں لیکن جو بالآخر ان حساس اور درد مند انگریزوں (مردوں اور عورتوں دونوں) کے ذہنوں کو ایک اٹل حقیقت بن کر متاثر کر رہی ہے جو کہ اپنی قوم کے لوگوں کے کردار کی پہچان کا ادراک رکھتے ہیں اور جنہوں نے مکروہ افعال کرنے والے اپنے ہم وطن انگریزوں کے چہروں پر سے پردہ اٹھا کر ان کو شناخت کرنا سیکھ لیا ہے۔

بلاشبہ ان صاحب ادراک لوگوں کے خیالات ان لوگوں سے قطعی مختلف ہیں جو کہ ہندوستان میں کسی بھی اور جگہ رہتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب انہوں نے

سب کچھ دیکھ لیا ہے جن پر پہلے پردہ پڑا ہوا تھا۔ قبل ازیں ان تمام کے متعلق میرا تاثر یہ تھا کہ ہر ایک محب وطن انگریز اپنے دوسرے ہم وطن کو ابھارتا اور بھڑکاتا ہے مگر اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ان میں کتنے ایسے بھی ہیں جو صورتحال اور حقیقت کو مجھ سے بھی کہیں زیادہ جانتے ہیں۔

انگریزوں نے کانپور کے متعلق جو کچھ لکھا اور کہا ہے وہ سب کیا ہے؟ کیا وہ ایک بے معنی اور بے مقصد بہادری اور ناقابل برداشت دشمنی کی نشانی نہیں ہے؟ کیا وہ خوفناک، ہولناک اور ہیبت ناک منظر اس جنگ کو انتقامی جنگ ثابت نہیں کر رہا؟ آیئے ہم خود ان واقعات اور حقائق کی روشنی میں سے سچائی تلاش کریں۔ سر جارج فاسٹ کانپور کے متعلق لکھتا ہے :-

"یہ واقعہ اس بات کی شہادت پیش کرتا ہے کہ وہ دیسی گارد جو کہ مقامی قیدیوں پر تعنیات کی گئی تھی اور اس نے ان قیدیوں کو قتل کرنے سے انکار کر دیا تھا تو اس گارد کو مارنے کا بہانہ تلاش کرنے کیلئے ایک فاحشہ اور رسوائے زمانہ کسی عورت کو ترغیب دے کر اس کی خدمات حاصل کی گئیں جس نے ان پر اندھیر کھاتے کا یہ الزام لگایا کہ نانا صاحب کی انچارج گارڈ کے پانچ وحشی سپاہیوں نے اس فاحشہ عورت کے ساتھ بد فعلی کی ہے۔ یہ جس قدر شرافت و متانت سے بعید ہے اسی قدر جھوٹا اور مکاری پر مبنی ہے شاید ہی کسی قوم نے دوسری قوم پر ایسے غلیظ فعل کا الزام لگایا ہو۔" (حوالہ: دی انڈین میوٹنی از سر جارج فارسٹ: انٹروڈکشن صفحہ ۱۱)

اس قسم کی صریح زیادتیوں کے پیش نظر ہی منٹگمری مارٹن اپنی کتاب کے اندر بڑا اچھا تجزیہ کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے :-

"انگریز عورتوں اور بچوں کی حفاظت اور ان کے ساتھ اچھے سلوک کے امکانات پیدا کئے جا سکتے تھے۔ بشر طیکہ باغیوں کے ہاتھوں میں انہیں "یرغمال" تصور کیا جاتا اور ان کا معاملہ طے کرنے کی کوشش کی جاتی یا ان باغیوں کیلئے جن کے قبضے میں انگریز عورتیں اور بچے تھے ان کے لیے عام معافی نامے یا خاص ان کے ناموں کا اعلان کیا جاتا۔ بہت سارے مقامات پر پہلا اور فوری ردّ عمل اندھا دھند حفاظتی اقدامات کا قائم کرنا تھا، دوسرا اقدام جس نے جلتی پر تیل ڈالنے کا کام کیا وہ غیر عاقلانہ اور نامعقول قسم کے خوف وہراس کا پھیلانا تھا، تیسرا مارشل کا قیام تھا جو کہ دوسرے معنوں میں بے رحمانہ قتلِ عام کیلئے اذنِ عام کی شکل تھی۔ (حوالہ منٹگمری مارٹن باب دوم)

مسٹر کے اپنی کتاب کی جلد پنجم کے باب دوم میں لکھتا ہے :-

ایک انگریز اس وقت نفرت و حالات کے جذبات میں ڈوب کر غضبناک بن جاتا ہے جس وقت وہ یہ پڑھتا ہے کہ کالے ہندوستانیوں نے مسز چیمبرز یا مسز جینکنز کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے مارا تھا اور ان گوری میموں کے جسموں کی بوٹیاں نوچی گئی تھیں۔ لیکن اس قسم کی کتنی ہی کہانیاں یا روحانی داستانیں یا ہماری ناتمام اور ناقص انگریزی تاریخ کے اوراق میں ایسے واقعات درج ہیں جن میں خود ہم انگریز لوگوں کے خلاف بھی ہندوستان کی ایسی ماؤں، بیویوں اور بچیوں کا تذکرہ موجود پاتے ہیں جو اگرچہ زیادہ معروف یا جانی پہچانی شخصیتیں تو نہیں مگر انگریزوں کے جذبۂ انتقام کے پہلے جھپٹے کا شکار بنی ہیں اور یہ سب واقعات اس قدر رقت آمیز، جان سوز اور دل سوز ہیں کہ انہیں پڑھ کر دل پھٹ جاتے ہیں۔

اوپر کے بیان میں مسٹر کے ہندوستان کی ان بے شمار عورتوں اور لا تعداد بچوں کا ذکر کر رہا ہے جو اس وقت آگ میں زندہ جل کر مر گئے تھے جبکہ کانپور پر حملہ آور ہونے کیلئے آگے بڑھتے ہوئے راستے میں مسٹر نیل کے فوجی دستوں نے گاؤں کے گاؤں نذرِ آتش کر دیئے تھے۔ اگرچہ ان زندہ جلائے جانے والوں میں سے کچھ بچ بھی نکلے۔ کئی چشم دید گواہ موجود ہیں جن کے بیانات میں یہاں دے سکتا ہوں مگر یہاں پر میں صرف اوپر والے حوالے پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

بدلہ لینے کے متعلق کسی قسم کی نرمی، عالی ظرفی، صفت اور خاصیت کی عیسائیت طلب گار ہے، اس کی موجودگی میں جب انگریز ایسی حجت گھڑتے ہیں یا دلیل لاتے ہی یا عذر قائم کرتے ہیں جس میں کہ وہ اپنی غضب انگیزیوں کا جواب تلاش کرتے ہیں تو عین اس وقت اس خونی جنگ و جدل نے کسی سفید فام کے خونی اعمال کا محاسبہ کا مطالبہ بھی منظرِ عام پر آتا ہے۔ اس مطالبہ کو انگریز تمام تر رد نہیں کر سکتے کیونکہ دوسری قوم کے جن لوگوں کے بدترین افعال اور اعمال پر وہ بحث کرتے ہیں انہیں تو عیسائیت کی تبلیغ کبھی کی ہی نہیں گئی۔

جب ہم غدر کی صورتحال کا جائزہ لیتے ہوئے مزید آگے بڑھتے ہیں تو ہم کیمبل کو اپنی کتاب کے صفحہ ۲۸۰ پر یہ کہتے ہوئے پاتے ہیں :

"کانپور کے قتلِ عام اور وہاں کے کنوئیں کے ہولناک منظر کے متعلق (جو کہ لاشوں سے بھر دیا گیا تھا) کچھ عذر تلاش کرنا............ کارِ دارد"

وحدت الوجود

حیاتِ اولیاء اور جدید سائنس

Unity of existence

Lives fo Saints and modern science

زیرِ نظر تحقیق ایک یورپی ماہر کی ہے جس میں اس نے سلوک و تصوف کا مشہور نقطہ "وحدت الوجود" پر بحث کی ہے۔ اس وقت مجھے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی بحث میں نہیں پڑنا بلکہ قارئین کو یہ واضح کرانا ہے کہ تمام یورپ پھر سلوک و احسان کی ان باریکیوں کی طرف بڑھ رہا ہے جس کو اختیار کر کے ملتِ مسلمہ نے سکون اور امن کی زندگی گزاری اور اس طرح کی زندگی کے گزارنے والوں کو اولیاء کہا جاتا ہے۔

قارئین سے ایک سوال

A question from readers

کیا یہ تحقیق پڑھ کر آپ یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ تمام اصول و ضوابط اور افعال اسلامی ہیں؟ کیا ان کو مسلمانوں نے اختیار کرنا تھا؟ آخر یورپ کے حصے میں یہ اعمال آگئے اور ہماری زندگی سے کیوں نکل گئے؟

مجھے اس مضمون کی غیر اسلامی باتوں سے قطعی غرض نہیں کیونکہ واضح ہے کہ لکھنے والا مسلمان نہیں بلکہ عیسائی ہے۔ لیکن اس تمام تحقیق کو اگر بنظرِ عمیق پڑھا جائے تو حرف بحرف اسلامی زندگی عیاں ہو رہی ہے۔ آیئے اسے پڑھیں اور اسلامی زندگی سے موازنہ کریں۔

زندگی کی راہ میں تیز چلیئے

Walk briskly on the path of life

لارڈ چیسٹر فیلڈ انگریز قوم کے دورِ عظمت کے مدبروں میں ایک نمایاں اور منفرد مقام رکھتا ہے۔ اس کی وجہ ایک بہت بڑے اہلِ فکر نے یہ بتائی تھی "یہ شخص زندگی کا محض یعنی لاحاصل مطالعہ نہیں کرتا بلکہ حالات اور انسانوں کے جو حالات اس کی نظر سے گذرتے ہیں ان سے حیات پرور نتائج اخذ کرتا ہے"۔

اس لارڈ چیسٹر فیلڈ نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "مشاہدہ برائے زندگی"۔ اس میں ایک جگہ یہ دانائے زندگی لکھتا ہے :-

> "ہر شخص اصل میں دو اشخاص ہوتے ہیں، گویا اس کے جسم میں بیک وقت دو جسم ہوتے ہیں اور اسکے یہ وجود ایک دوسرے کے عکس (ضد) ہوا کرتے ہیں۔

میں لارڈ چیسٹر فیلڈ کی اس معنی خیز بات کا مطلب آپ کو تفصیل کے ساتھ سمجھانا چاہتا ہوں تاکہ آپ اس سے بھرپور فائدہ اٹھا سکیں۔ جب آپ اس کے مفہوم سے بخوبی واقف ہو جائینگے تو زندگی کی راہ پر تیز گامی سے رواں ہو جائیں گے۔ اس بات کو یوں سمجھئے کہ جو شخص ظاہر میں شرمیلا دکھائی دیتا ہے اس کا دوسرا وجود دلیر بننا چاہتا ہے اور وہ ہر گفتگو اور ہر کام میں نمایاں ہونے بلکہ سب سے آگے رہنے کا خواہشمند ہے۔

اس طرح آپ دیکھیں گے کہ بعض آدمی بظاہر اپنی تعریف سننے کا رجحان نہیں رکھتے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اپنی تعریف نہیں چاہتے، اس کا دوسرا وجود خود کو تعریفوں کا مستحق سمجھتا ہے اور اس کا متمنی بھی رہتا ہے۔

بعض اشخاص آپ کو ایسے بھی ملیں گے جن کی باتوں اور حرکتوں سے ایسے ظاہر ہوگا جیسے ان میں خود اعتمادی بالکل ہی نہیں ہے لیکن ان کے دوسرے وجود کی یہ عین تمنا ہوتی ہے کہ ان کے اندر خود اعتمادی کا وصف موجود ہو۔

ان تینوں مثالوں سے آپ چیسٹر فیلڈ کے قول کے اصل معنی سمجھ گئے ہوں گے، اب اس قول کو اپنی ذات پر لاگو کیجئے اور یہ اندازہ لگایئے کہ آپ میں کیا خامیاں اور کمزوریاں ہیں۔ یہ کام ہنگامی یا وقتی طور پر غور کرنے سے نہیں ہوگا، آپ ایک کاغذ یا نوٹ بک سامنے رکھیں اور اور پنسل لیکر اس کاغذ پر اپنے عیب درج کرنے شروع کیجئے۔

میں آپ کو یہ رمز بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر آپ نے اس کام انا کا دخل دیا تو ہر کام کھوٹا ہو جائے گا۔ یعنی جس مقصد کیلئے شروع کیا جا رہا ہے وہ پورا نہ ہوگا۔ ان کا مقصد اپنے ظاہری وجود کی صحیح اور مکمل لفظی تصویر قرطاس پر منتقل کرنا ہے، انا کی بار بار مداخلت سے یہ تصویر نہ کھنچ سکے گی اور نہ مکمل ہو گی۔

آپ کو اپنی اندرونی خواہشات کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دینی چاہیئے اور ان کو عملی شکل دینے کی تدبیریں کرنی چاہئیں، آپ ویسے بننے کی جدوجہد شروع کر دیں جیسے آپ حقیقت میں ہیں اور آپ اس میں کامیاب ہوں گے ......ضرور بالضرور کامیاب ہوں گے۔

میرے اس بات پر زور دینے کی خاص وجہ ہے، میں جتنے بھی کامیاب انسانوں سے ملا میں نے ان سے یہی سوال کیا کہ آیا وہ اپنے اندرونی وجود پر یقین رکھتے ہیں؟ اور ان سب نے بلا انتشار یہ جواب دیا کہ وہ اس وجود کی خواہشات اور مطالبوں کی تکمیل کرنے سے ہی اپنے موجودہ مقام تک پہنچے ہیں۔

مسٹر جی آر پارکس

Mr. G. R. Parks

مثال کے طور پر پارکس ٹرک اینڈ ایکوئپمنٹ کمپنی کے ڈائریکٹر مسٹر جی آر پارکس نے مجھ سے کہا:

میں یہ بات کامل یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ایک شخص ویسا ہی بن سکتا ہے جیسا بننے کی خواہش اس کے دل میں پیدا ہو اور یہ خواہش اس کے اندرونی وجود کی ہوا کرتی ہے جو اس کا اصلی وجود ہوا کرتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ انسان اپنے اصلی وجود کی خواہشات کی تکمیل کیلئے کیا طریقے اختیار کرے یا کن وسائل سے مدد لے یا کن لوگوں کو ذریعہ یا واسطہ یا سہارا بنائے؟

آپ کا اندرونی وجود جب کوئی خواہش ظاہر کرتا ہے تو نفسیات کی اصطلاح میں آپ کا لاشعور یا تحت الشعور آپ کو کوئی تجویز پیش کر رہا ہوتا ہے، آپ اسے عملِ خود تجویزی بھی کہہ سکتے ہیں لیکن جب تک میں اس کی وضاحت نہیں کروں گا اس وقت تک آپ اس کا پورا مفہوم ذہن نشین نہ سکیں گے۔

انسان کا ظاہری وجود سوچتا کم، دیکھتا اور سنتا زیادہ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ

یہی وجود زیادہ تر زیادہ تر یا تو دوسروں کی نقالی کرتا ہے یا خود پر بھی نکتہ چینی کرتا رہتا ہے۔ اگر ایک شخص ناخواندہ یا معمولی تعلیم یافتہ ہو یا اس کا خاندانی پس منظر کچھ نہ ہو تو وہ یعنی (اس کا ظاہری وجود) صرف نقالی کرتا ہے لیکن وہ اگر کسی قدر یا کافی تعلیم یافتہ ہے یا اس کا خاندانی پس منظر ہے تو وہ اوروں کو جو کچھ کہتے سنتا ہے یا کرتے ہوئے دیکھتا ہے اس پر نکتہ چینی کرتا ہے۔

مختلف لوگوں کے نکتہ چینی کرنے کے مختلف طریقے یا انداز ہیں، بعض ضبط نہیں کرتے کیونکہ ان میں قوتِ برداشت یا ضبط و تحمل کا فقدان ہوتا ہے اور وہ کسی قابلِ اعتراض بات یا کام پر فوراً ہی اعتراض یا نکتہ چینی کر بیٹھتے ہیں۔ ان کے برعکس بعض انسان اس وقت تو پی جاتے ہیں اور بعد میں اپنے دماغ کو اس پر غور و خوض کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ وہ معترفہ بات یا فعل پر اپنا عمل شروع کر دیتا ہے، وہ اس طریق پر اپنا عمل شروع کرتا ہے اس طریقِ فکر کو کہتے ہیں کہ "دل میں بات رکھنا"، لیکن اس کام کا تحت الشعور سے کوئی تعلق نہیں ہوا کرتا۔ دماغ کے عمل کر چکنے کے بعد انسان کا ظاہری وجود متفرقہ بات یا فعل کے بارے میں کیا رویہ اختیار رکھتا ہے یہ ایک جداگانہ موضوع ہے اس لئے ہم اسے یہاں نہیں چھیڑیں گے)

نقالی یا نکتہ چینی انسان کے ظاہری وجود کے افعال ہیں اس کے اندرونی وجود کا صرف مفید مثبت تجویز پیش کرتا ہے اور اچھی صلاحیتیں یا مشورے دینا ہے۔ اگر آپ کم ہمت ہونے کے باوجود اندرونی طور پر ایک باہمت اور حوصلہ مند انسان بننے کی خواہش دل میں لئے ہوئے ہیں۔ تو یہ آپ کے لاشعور کی تجویز ہے، وہ آپ کو بھلے کی بات سمجھا رہا ہے، لاشعور انسان کے ظاہر وجود کا ماتحت یا اس کی تقلید کا پابند نہیں ہے، وہ ایسی تجویز بھی پیش کر سکتا ہے جو ظاہری وجود کے خیالات اور ارادوں سے مختلف ہو۔ بعض اوقات بلکہ بیشتر اوقات اس کی تجویز اور مشورے ظاہری وجود کے خیالات افعال کے بالکل برعکس یعنی ان کی ضد بھی ہو سکتے ہیں۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ یہ معلوم کرنا آپ کیلئے ضروری کہ اس راز سے آگاہی حاصل کئے بغیر آپ خود کو صحیح مشورہ نہ دے سکیں گے۔ یہی نہیں بلکہ آپ ان مشوروں کی نوعیت بھی نہ سمجھ سکیں گے چنانچہ ان پر صحیح طریقے سے عمل درآمد نہ کر سکیں گے۔

جب آپ کسی کام میں محو ہوتے ہیں اس دوران میں آپ وقت گزرنے سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کوئی آپ کو بتاتا ہے کہ دوپہر کے کھانے وقت ہو گیا ہے تو آپ

چونک کر کہتے ہیں......ارے ”اتنی جلدی؟“
اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وقت دو قسم کا ہے، ایک وہ جس کا تعلق آپ کے بیرونی وجود سے ہے دوسرا وہ جو آپ کے اندرونی وجود سے متعلق ہے.. پہلا وقت کلاک کا بتایا ہوا ہے اور دوسرا تجربہ کا بتایا ہوا۔ میں اس بات کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں۔

ہوائی جہاز کا واقعہ

A flying experience

ایک صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں ہوائی جہاز میں سوار تھا جو مجھے وڈراک سے فیڈر لے جارہا تھا۔ اور مجھے ہوائی جہاز سے جلد از جلد واپس بھی آنا تھا۔ میں چونکہ فضائی سفر سے نفرت کرتا ہوں اس لئے میں نے یہ تصور کرنا شروع کر دیا کہ میں اپنے دفتر واقع پارک ریو سے اپنے گھر جارہا ہوں جو لگژری پارک میں ہے میرے اس طرح تصوّر کرنے سے مجھے ذہنی آرام ملا اور سفر آسان ہو گیا۔
میں نے اس ذہنی آسودگی میں مزید اضافے کیلئے دفتر سے گھر تک سفر کے مختلف مرحلے اپنے ذہن کے پردے پر منعکس کرنے شروع کر دیئے، کس طرح میں دفتر سے باہر نکلتا ہوں؟ کس طرح بس میں سوار ہوتا ہوں؟ کس طرح اسٹیشن پہنچ کر ایوننگ اسٹینڈرڈ کی ایک کاپی بک اسٹال سے خریدتا ہوں اور کس طرح اپنی تیز چال سے گھر کی طرف روانہ ہو جاتا ہوں......اس سفر کے بعد گھر پہنچتا ہوں۔(میں نے تصور میں سوچا کہ)اس وقت ہوائی جہاز سے وڈراک پر اتروں گا لیکن جب جہاز رن وے پر اترا اور میں نے گھڑی پر نظر ڈالی تو مجھے معلوم ہوا کہ میرے تصوری سفر نے مجھے دس منٹ پہلے اپنے گھر پہنچادیا تھا۔
اس سے یہ ظاہر ہوا کہ تصوری دنیا میں ظاہری (یا کلاک کے) وقت سے مختلف قسم کا وقت ہوتا ہے۔
مثال کے طور پر جب یہ الفاظ لکھ رہا ہوں، مجھے اس وقت شعور ہونے کی وجہ سے یہ احساس ہے کہ میرے خیالات میرے الفاظ اور لکھنے کے عمل سے آگے ہیں۔ ان خیالات کو گرفت میں لے کر قرطاس پر اتار لینا بڑا مشکل ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ ایک کار چلانے کے دوران میں یہ معلوم کرنے کیلئے کہ آپ اس وقت کہاں ہیں ہر چند منٹ بعد کار کو بریک لگاتے ہیں۔ برگسان نے بالکل ٹھیک کہا تھا کہ ”بیرونی وقت توجہ کو

بانٹتے رہنے پر مشتمل ہے۔"
اندرونی وقت اس وقت سے بالکل مختلف قسم کا وقت ہے۔ آپ کو اس کی نوعیت کا اندازہ کرانے کیلئے میں ایک مثال دیتا ہوں۔
کوئی ایسا موقع یاد کیجئے جب آپ لطف وانبساط کی دنیا میں کھوئے ہوئے ہوں۔ ان لمحوں میں وقت پر لگا کر اڑتا معلوم ہوتا ہے اور گھنٹے اس طرح گزر جاتے ہیں جیسے منٹ گزرے ہوں۔
اس کے برعکس کسی ایسے موقع کا تصور کیجئے جب آپ بوریت کا شکار ہو رہے ہوں۔ اس وقت لمحے بھی گھنٹے معلوم ہوتے ہیں۔ آپ نے جو وقت اس عالم میں گزارا کہ گھنٹے منٹوں کی طرح گزر گئے وہ آپ کا اندرونی وقت تھا۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے جب آپ ظاہری یا بیرونی وقت کے دائرے سے باہر ہوتے ہیں اور آپ کا اندرونی وجود آپ پر قابض ہوتا ہے۔ ان عجیب لمحات میں آپ وقت کی قید سے چھوٹ کر کسی اور دنیا میں پہنچ جاتے ہیں۔ یہ دنیا سکون صحیح غور وفکر اور ذہنی عروج کی دنیا ہوتی ہے۔ اس دنیا میں پہنچنے کے بعد آپ اپنے ظاہری وجود سے باہر نکل جاتے ہیں۔ آپ کو زندگی، حالات اور واقعات ان کے صحیح تین مقامات پر نظر آنے لگتے ہیں پنوزا نے انسان کی اس ذہنی حالت کے بارے میں لکھا ہے۔

"اس حالت میں انسان کی آنکھ جادوئی حالت کی تصویر دیکھتی ہے۔ ان لمحات میں انسان کا ذہن وقت کی حدود میں نہیں ہوتا اور یہ صرف مثبت انداز میں سوچتا ہے"۔

میں اس گفتگو کو اس لئے دانستہ طور پر طول دے رہا ہوں تاکہ آپ اپنے اندرونی وجود کو اپنی ترقی کا کارآمد وسیلہ بنا سکیں۔
آپ اپنے بچپن کا تصور کیجئے۔ آپ محسوس کریں گے کہ ایک بچے کا تصورِ وقت بڑوں کے تصورِ وقت سے مختلف ہوتا ہے۔
بچپن کی بعض یادوں کے لازوال یا ناقابلِ فراموش ہونے کی وجہ یہی ہے۔ ایک شخص نے اپنے بچپن کا تجربہ یوں بیان کیا ہے۔

ایک شخص کے بچپن کا تجربہ

A man's childhood experience

مجھے یاد ہے جب میں چار برس کا تھا۔ تو ایک گرم دن اپنے گھر واقع بارکن ہیٹ کے باہر بیٹھا ہوا یہ کھیل کھیل رہا تھا کہ گرم گرم تار کول اٹھا کر اسے اپنے ہاتھوں کی ہتھیلی پر اس کی گولیاں بنا رہا تھا۔ میونسپلٹی والے یہ تار کول پٹڑی کی سلوں کے ٹکڑوں کے درمیان ان کو جمانے کے لئے ڈال گئے تھے۔ یہ نرم تھا میں اپنی انگلیوں سے اسے پتھروں کی سلوں کے درمیان سے نکالتا تھا اور اس کی گولیاں بناتا تھا۔ میں اس وقت سے بیگانہ تھا۔ یہی نہیں بلکہ مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ میں اس وقت کہاں ہوں۔

مجھے اس کا احساس تھا کہ میری پشت پر ان مکانوں کی قطار ہے جن میں سے ایک مکان میں میرا خاندان رہتا ہے۔ یہ مکان قطار کے آخر میں تھا۔ سڑک پر بیسیوں کاریں دوڑتی رہتی تھیں۔ یہ سب چیزیں مل جل کر میرے اندر (لاشعور میں) جذب ہو گئی تھیں۔ میرا خیال ہے کہ انسان بچہ ہونے کی حالت میں دنیا کی اس حالت کی جھلکیاں دیکھتا رہتا ہے جسے صوفی لوگ "وحدت الوجود" کہتے ہیں۔

اس عہد میں انسان کو زندگی اس شکل میں دکھائی دیتی ہے جو اس کی اصلی شکل ہے یہ عہدِ طفلی کی ایک ایسی صفت ہے جو انسان میں اس کے بعد باقی نہیں رہتی۔ لوگ بچپن کی دیکھی ہوئی حالات کی تصویروں پر لڑکپن کا رنگ چڑھا دیتے ہیں۔ یہ ذہنیت پر ہے کہ یہ نہ دیکھا جائے کہ اب کیا ہو رہا ہے بلکہ یہ دیکھا جائے کہ کیا ہونے والا ہے۔ ہم اپنے بچپن کو بحیثیت مرد یا عورت دیکھتے ہیں۔ فرائڈ نے یہی کہا ہے۔ اسلئے اس نے انسان کے عہدِ طفلی کا غلط نظریہ پیش کر دیا ہے۔

اس کے برعکس کرشنا مورتی نے موجود کا ذکر کیا ہے اس کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ انسان موجود کو نہیں دیکھتا اگر وہ ایسا کرے تو وہ دنیا اور زندگی کو اس حقیقی شکل میں دیکھ لے (موجود سے اس کا مطلب ہے زندگی اندرونی یا دائمی جاوداں شکل میں) موجود سے انکار کی وجہ ہی کشمکش پیدا ہوتا ہے۔ کائنات کا حسن موجود ہے۔ اگر انسان موجود سے آشنا ہو جائے تو وہ اس حسن سے سیراب ہو سکتا ہے۔

ایک بچہ وہی دیکھتا ہے جو اسے دکھائی دیتا ہے اور وہ جو کچھ دیکھتا ہے۔ اس میں ورڈزورتھ کے بقول "خواب جیسی ایک شان و شوکت صفائے منظر ہوئی ہے"۔ اس

کیلئے زندگی کا مزہ ہی مزہ ہے۔ اگر اس پر "مت کرو" اس کا کوڑا نہ مارا جائے۔ وہ زندگی کے اس مزے میں خود کو سمجھنا شروع کر دیتا ہے اور اسی کی مدد سے اپنے ماحول کا شعور پیدا کرتا ہے۔ یہیں سے اس کے تجربات کی ابتدا ہوتی ہے۔

کیا کبھی آپ نے سوچا ہے کہ آپ کو اپنے بچپن کی چھوٹی چھوٹی باتیں اور معمولی معمولی واقعات کیوں یاد آتے ہیں؟ وہ کون سی طلسمی طاقت ہے جو ان یادوں کو آپ کے ذہن کے پردے پر اس قدر صفائی کے ساتھ منعکس کرتی ہے؟ پھر تمام واقعات میں سے جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ صرف چند واقعات ہی کیوں یاد آتے ہیں؟ کیا ورڈزورتھ کے الفاظ میں "وہ جاوداں یا غیر فانی زندگی کے اشارات ہوتے ہیں"۔

بچے کیلئے ان واقعات میں بعض واقعات ایک معمے کے ابتدائی ٹکڑے ہوتے ہیں اور بچے کو ایک وقت میں ایک ٹکڑا پیش کیا جاتا ہے۔ جس کی ماہیت برسوں بعد ظاہر ہوتی اور اس وقت یعنی لڑکپن کے زمانے میں جب وہ حالات کی تصویر کو مشکل ہوتے دیکھتا ہے تو بعض دفعہ اسے یہ معلوم کر کے دھچکا لگتا ہے کہ یہ تصویر جھوٹی یا نقلی ہے۔ یہ اس دنیا کی تصویر ہوتی ہے جس میں اس کے ماں باپ یا سرپرستوں یا استادوں نے اسے زندگی بسر کرائی ہوتی ہے۔

زندگی کے جاودانی یا غیر فانی شکل دیکھنے میں جو چیزیں انسان کی راہ میں حائل ہوتی ہیں۔ وہ ہیں انا یا غرور، ذہنی تعصبات اور وقت کے گزرنے کا شدید احساس کہ روز بروز ہم بوڑھے ہوتے جا رہے ہیں۔ اور مر بھی جائیں گے ان مواقع کی وجہ سے ہم زندگی کے جاوداں رُخ کی جھلکیاں دیکھنے سے باز رہتے ہیں۔ ڈی ایچ لارنس کو یہ راز خوب اچھی طرح معلوم تھا۔ الڈس ہکسلے کے بقول "وہ انسانی دماغ کے پرے واقع دوسری دنیا کی موجودگی کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔" لارنس نے اپنی نظم حسنِ جاوداں میں یہی خیال پیش کیا ہے:-

لارنس کی نظم

Lawrence's poetry

"ایک نوجوان نے مجھ سے کہا
میں مسئلۂ حقیقت الوجود کو سمجھنا چاہتا ہوں
میں نے اس سے پوچھا واقعی!

پھر میں نے دیکھا کہ نوجوان نے مڑ کر ایک طرف دیکھا
اس کی نظر آئینے میں اپنے عکس پر تھی
یہاں ان صاحب کا بیان ختم ہو جاتا ہے"
اس کا مفہوم چند الفاظ میں یہ ہے کہ انسان کو اپنے اندر بھی دیکھنا چاہیے۔ ایسا کرنے سے اسے باہر کے حالات صحیح طریقے سے سمجھنے میں راہنمائی اور روشنی ملے گی۔
انہوں نے اندر دیکھنے کے بعض عملی طریقے بھی بتائے ہیں اس میں جو درج ذیل ہیں۔

۱: اپنے خول سے باہر نکلنے کی کوشش بار بار کریں۔ انسان کا ایک وجود وہ ہے جو اس دنیا میں حالاتِ زندگی سے دوچار رہتا ہے اور جس پر مسائل کا بوجھ لدا رہتا ہے۔ مگر اس کا دوسرا وجود ان کاموں سے الگ رہ کر صرف ان کی نگرانی کرتا ہے۔ پہلا وجود وقت کی قید میں رہتا ہے۔ یہ وجود آپ کو بتا سکتا ہے کہ آپ نے زندگی میں اس قت تک کیا کیا غلطیاں کی ہیں اور اس وقت کیا کیا غلطیاں کر رہے ہیں۔ یہ آپ کی گفتگو اندازِ گفتگو، خیالات، اظہارِ خیالات کے طریقوں پیشے کی مشکلات اور آپ ان مشکلات پر قابو نہ پا سکنے کی وجوہ کے بارے میں سب کچھ بتا سکتا ہے۔

۲: آپ کا دوسرا وجود آپ کو یہ سمجھنے میں مدد دے سکتا ہے کہ آپ کی اصلیت کیا ہے۔ آپ میں کیا کیا خامیاں اور نقائص ہیں اور آپ کون کون سی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہیں اور آپ کا یہ دوسرا وجود ایماندار اور سچا اور دیانتدار ہے۔ پہلا وجود مکینیکل طریقہ پر زندگی گزارتا ہے۔ جب کوئی اس کے کام یا بات پر معترض ہوتا ہے تو وہ اپنے معترضوں کو جھوٹا سمجھنے لگتا ہے یا ایسے انسان کو ڈھونڈتا ہے جو اس جیسی خامیوں کا مالک ہونے کی وجہ سے اس کے افعال اور باتوں کو قابلِ تعریف جانے۔ اگر آپ کے وجود نمبر دو کو دوسروں سے داد اور خوشامد میسر نہ آئے تو یہ ناراضگی ظاہر کرتا ہے۔
یہ دوسرے انسانوں کو آئینہ سمجھ کر ان کے چہروں میں خود کو دیکھتا ہے اور اس طرح دیکھا ہے جیسے دنیا اسے دیکھتی ہے بعض ہوشیار لوگ اس کی روش دیکھ کر ایسے ظاہر کرتے ہیں جیسے اسے پسند کرتے ہوں اور اس سے

ناجائز فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر آپ وجود نمبر ایک سے باہر کھڑے ہو کر وجود نمبر دو کی بات پر کان دھریں گے تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ آپ درست ہیں یا غلط؟

۳: اگر آپ کلاک کے (ظاہری) وقت کی حدود میں رہیں تو آپ ناخوش رہیں گے حالات کو جاوداں دیکھنا کلاک کے وقت سے بالکل نکل جاتا ہے۔ کلاک کے وقت کی حدود میں رہتے ہوئے آپ دیکھیں گے کہ وقت بہت آہستہ آہستہ گزر رہا ہے چنانچہ آپ بوریت محسوس کریں گے لیکن اگر نظر انداز کر کے اپنا کام توجہ اور دلچسپی کے ساتھ جس وقت کا آپ کو انتظار ہو گا۔ یہ جلد تر قریب آجائے گا۔ ہمیشہ "وجود" میں مصروف رہیے۔ اس کا مطلب عمل کی اصطلاح میں یہ ہے کہ آپ جو کام کر رہے ہیں۔ اس کی تکمیل کی طرف اپنی توجہ لگا دیجئے خواہ یہ کام کتنا ہی غیر معمولی اور غیر اہم کیوں نہ ہو۔ زندگی میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لینا ہر انسان کا فریضہ ہے جو زندہ رہنا چاہتا ہو۔ زندگی دلچسپیوں سے بھری پڑی ہے۔ ہر وقت، ہر لمحہ زندگی کی دنیا میں کوئی نہ کوئی دلچسپ بات یا کام ہوتا رہتا ہے۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ آپ کو اس کا علم ہو زندگی کی لہر ہر وقت جاری رہتی ہے۔ صرف اس آدمی کی زندگی ساکن یا غیر دلچسپ ہوتی ہے جو اسے متحرک اور دلچسپ نہ بنائے اور اسے متحرک اور دلچسپ بنانے کا طریقہ یہی ہے کہ آپ خود اپنے مشیر اور اصلاح کار بنئے۔ اپنے اندرونی وجود سے رجوع کیجئے اور وہ آپ کو راہنمائی کی جو روشنی دے اس کی روشنی میں زندگی کے راستے پر تیزی سے بڑھتے چلے جائیے۔

اندرونی وجود کی ہدایات پر عمل کرنے کے سلسلے میں اگر آپ کی شریکِ حیات آپ کی مددگار بن جائے تو آپ کا کام بہت آسان ہو جائے گا۔

اس کی امداد یا تعاون کی نوعیت کیا ہونی چاہئے؟

پارکس کی کہانی

Park's story

پارکس اینڈ ایکوپمنٹ کمپنی کے مالک مسٹر جی آر پارکس نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ :-

میں یہ بات یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کوئی شخص بالکل ویسا ہی بن جاتا ہے جیسا وہ بننا چاہتا ہو۔ مگر وہ جس رفتار پر خود کو تبدیل کر سکتا ہے۔ اس میں تیزی آسکتی ہے۔ اگر اس کی بیوی اس جدوجہد میں اس کے ساتھ تعاون کرے۔ شوہر پر اس کی بیوی کے طرزِ عمل، خیالات، عقائد اور نظریات کا بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔

میری شریکِ حیات کو میرے ساتھ شادی ہونے سے قبل دنیا کی ہر نعمت اور راحت میسر تھی۔ وہ امیر ماں باپ کی بیٹی تھی۔ ماں باپ نے اسے اعلیٰ تربیت سے نوازا تھا۔ ناز و نعم میں پلی بڑھی تھی۔ اس کیلئے اس کا گھر جنت کا گہوارہ تھا۔ غرضیکہ اسے کسی شے کی کمی نہ تھی۔ دوسری طرف میرے پاس نہ زر، زمین نہ میں اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا۔ اور نہ میرے پاس ایسے ذرائع تھے جن سے میں ترقی کی منازل کو چھو سکتا البتہ میرے پاس ایک چیز ضرور تھی جس پر مجھے ناز تھا۔ وہ تھی کچھ کر دکھانے اور کچھ بن کے دکھانے کا جذبہ جو جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔

جب میری شادی ہوئی تو ابتداء میں میں جدوجہد میں محو تھا۔ مجھے ہر بار ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر میری لائف پارٹنر نے ہر بار میرا حوصلہ بلند کیا اور مجھ میں ترقی کی جدوجہد جاری رکھنے کے جذبہ کو بہر طور زندہ رکھا۔

مسٹر پارکس نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے کیا نتیجہ اخذ ہوتا ہے؟ یہ بھی آپ انہی کی زبانی سنئے۔

ایک مرد کا ولولہ اس کی بیوی کے تعریف کرنے اور ہمت بندھانے سے دس گنا بڑھ جاتا ہے۔ میری زندگی کا حقیقی راز میری بیوی کی حوصلہ افزائی ہے۔ یہ وہ بہترین امداد ہے جو ایک خاوند اپنی بیوی سے حاصل کر سکتا ہے۔ اس تعاون سے ایک شخص کو کتنا زبردست فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس کی مفصل وضاحت مسٹر پارکس ہی کی زبانی سنئے۔

میں برِ اعظم امریکہ کے کامیاب ترین انسانوں میں شمار ہوتا ہوں۔ مگر میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے جتنی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ یہ میری شریکِ حیات کی مسلسل

حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہے۔
مسٹر پارکس سے پوچھا گیا آپ کی شریکِ زندگی یا ان کے والدین نے آپ کی کاروباری زندگی میں کسی مرحلے میں آپ کی مالی مدد بھی کی؟
موصوف نے بتایا: وہ مالی امداد کیلئے ہر وقت تیار رہتے تھے مگر مجھے اس کی ضرورت ہی نہیں پڑتی اور اگر ضرورت پڑ بھی جاتی تو میں اسے کہیں اور سے پوری کر لیتا۔ مجھے بیوی یا سسرال سے روپیہ لے کر کام کرنا ہرگز گوارا نہ ہوتا۔
میری بیوی کو میری افتادِ طبع کا حال معلوم ہے۔ اس لئے اس نے کبھی ایسی پیشکش کرنے کی غلطی کا ارتکاب نہیں کیا۔ یہ اس کی ذہانت اور فہم و فراست کی منہ بولتی دلیل ہے۔
مسٹر پارکس کے ان الفاظ سے یہ ثابت ہے کہ ایک مرد پر اپنی شریکِ حیات کی حوصلہ افزائی کا کتنا گہرا اثر پڑتا ہے نیز یہ اثر کارگر ہوتا ہے۔
مسٹر پارکس نے جن دنوں یہ انٹرویو دیا ان دنوں ان کی بیوی بوڑھی ہو چکی تھیں اور نحیف الجثہ ہونے کی وجہ سے قدرے علیل رہنے لگی تھیں۔ مگر شوہر کی سرگرمیوں سے ان کے لگاؤ کا وہی عالم تھا۔ مسٹر پارکس نے بتایا: ”وہ میری خاطر شاداں اور فرحاں رہنے کی کوشش کرتی ہے اور اس عمر میں بھی انہیں میری فکر ہے۔ وہ میرا حوصلہ بڑھاتی رہتی ہیں۔
روزانہ جب میں گھر سے نکلتا ہوں وہ مجھ سے اس دن کے پروگرام کے بارے میں پوچھتی ہیں اور مناسب طور پر میری حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔ پھر جب شام کو گھر پہنچتا ہوں تو وہ مجھ سے دن بھر کے کوائف سنتی ہیں۔ ان کے یہ ارمان ہیں کہ میں ملک کا سب سے کامیاب انسان بن جاؤں اور میری آرزو ہے کہ میں ان ارمانوں پر پورا اتروں“۔ اب آپ کو بیوی کے تعاون کا مکمل اندازہ ہو گیا ہوگا۔ میں اس بیان میں عملی اشارات کا اضافہ کرتا ہوں آپ یہ سطور اپنی شریکِ حیات کو پڑھوا دیں۔
ہر شادی شدہ عورت کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنے خاوند کو ویسا ہی انسان بننے میں مدد دیے جیسا وہ بننا چاہتا ہے۔ مگر شوہر میں کیڑے نکالنا یا اپنے رشتہ دار یا کسی شوہر کے رشتہ دار یا کسی کامیاب پڑوسی کی مثال دے کر چڑاتے رہنا۔ اپنا یہ فریضہ انجام دینے کا بالکل غلط اور بے مقصد طریقہ ہے۔
مجھے افسوس ہے کہ بعض خواتین ایسا ہی کرتی ہیں اور اس طرح شوہر کے جذبہ ترقی

کو تیز کرنے کے بجائے اسے مجروح کرتی ہیں۔ انہیں یہ نہیں کرنا چاہئے کہ شوہر کو ہر وقت کھجاتی رہیں۔ انہیں شوہروں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے ان کے کاموں کی تعریف کرنی چاہئے اور اگر ان سے کوئی غلط حرکت سر زد ہو جائے تو اسے نظر انداز کر دینا چاہئے۔ میری یہ بات مردوں کی بے جا طرفداری کے جذبے کی پیداوار نہیں ہے۔ یہ علمِ نفسیات کا کار آمد نسخہ ہے۔ ایک شوہر کا اپنی بیوی کی تعریف سے اتنا دل بڑھتا ہے کہ وہ قابل انسان بن کر دکھانے کیلئے پورا زور لگا دیتا ہے۔

سب سے بڑی بات جو اس سے بھی زیادہ اثر دکھاتی ہے وہ یہ ہے کہ بیوی کے کلماتِ تحسین سے خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ اس مرحلے پر بعض عورتوں کی شوہروں پر نکتہ چینی کرنے کی وجہ بھی بیان کرنی چاہئے۔ ایسی عورتوں نے اپنے ذہنوں میں عورتوں کا جو تصور قائم کر رکھا ہوتا ہے یا والدین وغیرہ نے جو قائم کرا دیا ہوتا ہے۔ اگر ان کے شوہر ان کے معیار پر پورے نہ اترتے ہوں۔ تو انہیں نکتہ چینی، طعن و تشنیع اوروں کی نقالی کی تقلید، ناراضگی، لڑائی جھگڑے غرض ہر اس ممکن ذریعے سے جو ان کے امکان میں ہوتا ہے، اپنے مطلب کے شوہر بنانے کی انتہائی کوشش کرتی ہیں۔

قانونِ اوسط

The law of averages

میری پرورش امریکہ کی ریاست مسوری کے ایک کاشتکار گھرانے میں ہوئی جو بہت غریب تھا۔ اس لئے میں شروع سے خوف کی دنیا میں رہتا تھا۔ کونسے خوف؟ جنہیں میں آج یاد کرتا ہوں تو مجھے ہنسی آجاتی ہے۔ ایک خوف یہ تھا کہ میرے اوپر کہیں آسمانی بجلی نہ گر پڑے۔ دوسرا کہیں فاقوں تک نوبت نہ آجائے۔ تیسرا کہیں مجھے گڑھے میں ڈال کر دفن نہ کر دیا جائے۔

بڑا ہوا تو خوف احساسِ کمتری میں تبدیل ہو گیا۔ اسکول پہنچا تو بدستور خوفزدہ تھا۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو گھبرایا گھبرایا.. سہما سہما.. جماعت کی لڑکیاں جب ہنستی کھلکھلاتی سامنے سے گزر جاتیں تو میں راستہ تبدیل کر لیتا۔ کسی کو سلام نہ کرتا، مبادا وہ میرا مذاق نہ اڑائے۔ شادی کے متعلق سوچ کچھ یوں تھی کہ آخر کونسی لڑکی مجھ سے شادی کرے گی اور اگر کوئی غلطی سے رضامند ہو بھی گئی تو میں اسے کیا دے سکوں گا.. اس سے کون سی بات کروں گا۔

آج اعداد و شمار کی روشنی میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ زمانۂ ماضی میں ساڑھے تین لاکھ افراد میں سے صرف ایک پر بجلی گری۔ ایسا خوف صرف لڑکپن تک محدود نہیں ہوتا۔ جوان لڑکے بھی بعض غموں اور پریشانیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ جن میں نوے فیصد بآسانی دور کی جاسکتی ہیں۔

دنیا کی مشہور ترین بیمہ کمپنی الائیڈ انشورنس کمپنی لندن ہے۔ اس نے لاکھوں کو ضمانت فراہم کی کہ وفات کی صورت میں اتنی رقم فراہم کردے گی۔ کار کے حادثے کی صورت میں اتنی، بحری جہاز ڈوبنے کی صورت میں اتنی اور ہوائی جہاز گرنے پر اتنی رقم دے گی۔

لوگ ماضی میں بھی کروڑوں روپوں کے پریمیم جمع کراتے رہے ہیں اور مستقبل میں بھی کراتے رہیں گے، اسی طرح بیمہ کمپنی والے بوریاں بھر کے منافع کے نوٹ اکٹھے کرتے رہیں گے۔ کسی کو معلوم نہیں کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟۔ آیئے میں آپ کو بتاؤں کہ یہ چکر کیا ہے۔

بیمہ کمپنی والے قانونِ اوسط سے واقف ہوتے ہیں

The insurance companies are aware of the law of averages

بیمہ کمپنی والے قانونِ اوسط سے واقف ہوتے ہیں۔ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ اتنے ہزار افراد میں ایک شخص سالانہ مرتا ہے۔ اتنے بحری جہازوں میں ایک ڈوبتا ہے اور اتنے ہوائی جہازوں میں ایک کو حادثہ پیش آتا ہے۔

آپ کہیں گے کہ لڑائیوں اور جنگوں کی بات دوسری ہے، وہاں لوگ بڑی تعداد میں مرتے ہیں۔ میں اعداد و شمار کی روشنی میں بتاتا ہوں کہ ایک لاکھ تریسٹھ ہزار افراد گیٹی برگ کی مشہور لڑائی میں شریک ہوئے۔ ظاہر طور پر ہمیں یہ احساس ہوا کہ مرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ مگر میں نے ایک بیمہ کمپنی کے ریکارڈ میں دیکھا کہ پچاس سے پچپن سال کی عمر میں یہ لوگ اسی تناسب سے مرتے ہیں۔

گویا بیمہ کمپنیاں اس خوف کا فائدہ اٹھاتی ہیں جو تیس ہزار افراد کے دل میں ہوتا ہے۔ حالانکہ ان تیس ہزار افراد میں سے صرف ایک فرد سال کے اندر مرتا ہے۔ گویا بیمہ[1] کمپنی تو قانونِ اوسط کو سامنے رکھ کر بیمہ کرتی ہے اور تمام بیمہ کرانے والے جان کے خوف سے بیمہ کراتے ہیں اور بیمہ کمپنی کا گھر بھرتے ہیں۔

۱: حکومتیں گریجویٹی اور پنشن کمیوٹیشن (Commutation) مقرر کرتے وقت قانونِ اسط کو بنیاد بناتی ہیں۔

قانونِ اوسط کی وضاحت میں بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ ذرا مسز ہربرٹ۔ ایچ۔ سلنگر کے واقعات ملاحظہ کریں جن کی میزبانی کا مجھے فائدہ حاصل ہوا اور ان کے پُر سکون گھر میں میں نے اس کتاب کے کئی باب لکھے۔

مسز مذکور نے بتایا کہ انیس برس پیشتر وہ پریشانیوں کا مرقع تھیں۔ انہیں اپنے گاؤں سے سودا سلف لانے کیلئے شہر آنا پڑتا تھا۔ اس وقت ان کی حالت دیدنی ہوتی تھی۔ انہیں یہ[1] غم کھائے جاتا تھا کہ کہیں ان کے بچے ٹرک تلے نہ کچلے جائیں، کہیں گرم استری میز پر نہ رہ گئی ہو اور سارا گھر شعلوں کی نظر ہو گیا ہو۔ وہ بال بکھیرے ایک دکان سے دوسری پر بھاگتیں اور بالآخر نصف سودے چھوڑ چھاڑ بس پر واپس گھر کی راہ لیتیں۔

اسی مضطرب طبع کی بنا پر اس کی پہلی شادی ناکام ہو گئی تھی (نا معلوم یہ چڑچڑی خاتون بے چارے خاوند کا کیا بناتی ہو گی۔ مترجم) دوسرا خاوند وکیل تھا۔ بُرد بار، خاموش اور حلیم طبع۔ اس نے خاتون کی طبیعت پر گہرا اثر ڈالا۔ ایک دفعہ دونوں بارش میں پھسلتی گاڑی پر بذریعہ کار سفر کر رہے تھے اور خاتون حسبِ عادت چلا رہی تھیں۔ انہیں یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ کار کھڈ میں گر جائے گی۔

مسٹر ہربرٹ ایچ نے انہیں بتایا کہ قانونِ اوسط کی رو سے خطرے کی شرح بہت کم ہے۔ اسی طرح وہ ایک رات سات ہزار فٹ کی بلندی پر خیمہ زن تھے۔ خیمہ لگانے والی مشہور فرم کے تجربہ کار کارکن بھی دوسرے خیمہ میں موجود تھے۔ رات کو طوفان آ گیا۔ مسز مذکور ڈر اور خوف سے چلانے لگیں کہ خیمہ اڑ جائے گا اور وہ یخ کرنے والی ہواؤں میں مر جائیں گی۔

فرم کے کارکنوں نے بتایا کہ وہ اکثر انہی حالات میں اپنے خیمے گاڑتے رہے ہیں اور خیمہ اڑ جانے کی شرح فیصد بہت کم رہی ہے بلکہ تقریباً تقریباً نا قابلِ ذکر۔ اب قانونِ اوسط ان کی سمجھ میں آیا اور وہ سکون سے سو گئیں۔ ایک دفعہ کیلی فورنیا کے بچوں میں پولیو کی بیماری شروع ہو گئی۔ اس وقت حفظ ماتقدم کے ٹیکے ایجاد نہ ہوئے تھے۔ جو کچھ طبّی طور پر ممکن تھا کرایا گیا۔

باقی ماندہ صورت کیلئے کوئی پریشانی ظاہر نہ کی گئی۔ ظاہری طور پر یہ محسوس ہو رہا تھا کہ بچوں کی بڑی تعداد مر رہی ہے لیکن جب اعداد و شمار شائع ہوئے تو معلوم ہوا کہ

ا: سچے مسلمان ایسے مواقع پر آیۃ الکرسی کا وِرد کرتے ہیں اور بفضلِ ایزدی خود سے ایسی مصیبتوں کو دور رکھتے ہیں.... آپ بھی آزما دیکھیں۔

ساری ریاست میں صرف ۵ ۳ ۸ ۱ بچے بیمار ہوئے... جبکہ عام حالات میں دو سو سے تین سو بچے سالانہ بیمار ہوتے رہتے ہیں یعنی اعداد و شمار نے یہ ظاہر کیا کہ بیمار ہونے والے بچوں کی تعداد زیادہ تھی۔

جم گرانٹ ٹرکوں کی ذریعہ نارنگیاں اور انگور نیویارک پہنچایا کرتا تھا۔ اس کا کاروبار تسلی بخش طور پر جاری تھا لیکن اسے غم کھائے جاتا تھا کہ کوئی ٹرک اگر گاؤں میں الٹ گیا تو فروٹ ضائع ہو جائے گا.. سڑک پر حادثہ سے دو چار ہو گیا تو ٹرک اور فروٹ دونوں ختم ہو جائیں گے.. اگر پل ٹوٹ گیا یا ٹرک ریلوے لائن کے انجن سے ٹکرا گیا تو اُف......... لگاتار سوچتے سوچتے اس نے محسوس کیا کہ اس کے معدے میں السر پیدا ہو گیا ہے۔ وہ ڈاکٹر کے پاس گیا، ڈاکٹر نے ملاحظہ کے بعد بتایا کہ اسے صرف وہم، پریشانی اور اضطراب لاحق ہے۔ مزید بتایا کہ وہ قانونِ اوسط کی رو سے گذشتہ اعداد و شمار کا تجزیہ کرے۔ جب اعداد و شمار کی پڑتال کی گئی تو صورتحال یوں معلوم ہوئی :-

کتنی گاڑیاں اور ٹرک بھیجے گئے	=25000
حادثہ کے واقعات	=5
شرح فیصد	=0.1
جتنی بار پل ٹوٹا	=0.0
شرح فیصد	=0.0

جم گرانٹ نے اپنے آپ کو تسلی دی۔ معدے کا السر اور مستقبل کا خوف دونوں ختم ہو گئے۔

فریڈرک جے مہالسٹڈیٹ کی داستان بھی قانونِ اوسط کے تحت آتی ہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران وہ نارمنڈی میں تعینات تھے۔ جرمنوں کی بمباری سے بچنے کیلئے انہیں جو خندق دی گئی وہ قبر سے طویل نہ تھی۔ خندق میں لیٹتے ہی انہیں یہ خیال آیا کہ یہ ان کی حقیقی قبر ہی نہ بن جائے۔ یہ خیال آتے ہی وہ پریشانی اور اضطراب کا مرقع تھے لیکن حقائق یہ تھے کہ پانچ راتیں ان خندقوں پر بمباری ہوتی رہی نہ صرف وہ محفوظ رہے بلکہ باقی افسران کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچا۔ آخر انہوں نے اپنے ایک دوست سے سوال کیا کہ :

بمبار طیارے جب اس قسم کی خندق پر بم پھینکیں تو کتنے بموں سے ایک نشانے پر لگے گا؟۔ دوست کا جواب تھا کہ دس ہزار نشانوں میں ایک بار۔ ابھی یہ جواب ان کی

پریشانی دور کر رہا تھا کہ انہوں نے دیکھا کہ سپاہیوں کی کثیر تعداد کھلے میدان میں سوتی تھی اور نقصان کا تخمینہ معمولی تھا۔ وہ قانونِ اوسط کے قائل ہو گئے اور غم بھلا بیٹھے۔ اب وہ خندق میں گھوڑے بیچ کر سوتے۔

امریکہ کا محکمۂ نیوی قانونِ اوسط کے اعداد و شمار باقاعدہ شائع کرتا تھا۔ اس سے سپاہیوں کے مورال کو بلند رکھنے میں مدد ملتی تھی۔ ذرا آپ بھی ملاحظہ کریں :-

تعداد بحری جہاز جن کو تارپیڈو لگا	=100
جو سلامت رہے	=60
جو غرق ہوئے	=40
جو دس منٹ کے اندر غرق	=5

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۳۵ جہازوں کے پورے سپاہیوں کو مواقع ملے کہ وہ اپنی جانیں بچا لیں۔ ڈوبنے سے قبل ان پانچ جہازوں کے اکثر سپاہی بھی جان بچانے میں کامیاب ہو گئے۔

خلاصہ :-

اگر آپ ایسے حالات کی وجہ سے پریشان ہوں تو ذرا ٹھنڈے دل سے گزشتہ اعداد و شمار کا تجزیہ کریں۔ آپ کی پریشانی دور ہو جائے گی۔

ضبطِ نفس

Self - control

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس آدمی میں یہ تین باتیں نہ ہوں اس کا کوئی عمل کام نہ آئے گا ایک تو یہ کہ وہ اپنے جذبات نفسانی کی باگ ڈھیلی نہ ہونے دے۔ دوسرے یہ کہ اگر کوئی نادان آدمی اس پر حملہ کرے تو وہ تحمل سے خاموش ہو جائے۔ تیسرا یہ کہ لوگوں کے درمیان حسنِ اخلاق کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ (طبرانی)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانو! اگر تم چھ باتوں کا ذمہ کرلو تو میں تمہارے لیے جنت کا ذمہ لیتا ہوں ایک تو یہ کہ جب تم بولو تو سچ بولو۔ دوسرے یہ کہ جب تم وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو۔ تیسرا یہ کہ جب تمہارے پاس امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت نہ کرو۔ چوتھے یہ کہ تم اپنی نظریں نیچی رکھا کرو۔ پانچویں یہ کہ ظلم کرنے سے اپنا ہاتھ روکے رکھو چھٹے یہ کہ اپنے جذبات نفسانی کی باگ ڈھیلی نہ ہونے دو۔ (مسند احمد، حاکم، اسوۂ رسول اکرم ﷺ)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص صبر کرنے کی کوشش کرے گا خدا اس کو صبر بخشے گا اور صبر سے زیادہ بہتر اور بہت سی بھلائیوں والی بخشش اور کوئی نہیں۔ (بخاری و مسلم)

وہ آدمی طاقت ور نہیں جو لوگوں کو دباتا اور مغلوب کرتا ہو بلکہ وہ آدمی طاقتور ہے جو اپنے نفس کو دبا سکتا اور مغلوب کر سکتا ہو۔ (معارف الحدیث)

ضبطِ نفس

Self-control

☆ میں اپنے آپ پر قادر رہوں گا۔ (گوئٹے)

☆ اگر آپ دوسروں پر حکومت کرنا چاہتے ہیں تو پہلے خود پر حکومت کیجئے۔ (میگر)

☆ پُر سکون رہو، گھبراؤ نہیں، خود پر ضبط کرو، یہ تمہاری کامیابی کا راز ہے۔ (سینٹ جسٹ)

☆ جس نے اپنے آپ کو زیر نہیں کیا وہ فاتح ہونے کے باوجود غلام ہی رہے گا۔ (طامس)

☆ کردار کی مضبوطی میں دو صفات شامل ہیں، ایک قوتِ ارادی اور دوسری ضبطِ نفس۔ (راہر لٹسن)

☆ اے پڑھنے والے ذرا غور سے پڑھ! کیا تیری روح قطبی ستارے سے اوپر اڑتی ہے؟ یا کسی پست کام کے پیچھے زمین کے سوراخوں میں گھستی ہے؟ یہ جان لے کہ ضبطِ نفس دانائی کی جڑ ہے۔ (برولٹس)

☆ صرف ایک غضب آلود بات پورے کنبے یا پورے گاؤں یا پورے ملک میں آگ لگا سکتی ہے۔ دنیا میں جتنے مقدمات ہوئے ہیں اور جتنی جنگیں لڑی گئی ہیں۔ ان میں سے نصف محض زبان کے طفیل ہوئی ہیں۔ (جیمز بولٹن)

☆ عورتوں کے غم و آلام کا نصف محض ان کی فضول باتوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اگر وہ زبان پر قابو رکھیں تو جھگڑے اور فساد وقوع پذیر نہ ہوں۔ (جارج ایلٹ)

☆ لڑائی جھگڑے تو دنیا میں ہوتے ہی رہتے ہیں، مگر ہمیشہ کیلئے دلوں کا ٹوٹ جانا اور تعلقات کا منقطع ہو جانا بہت برا ہے۔ جدائی کا آخری لفظ جہنم کے عذاب سے زیادہ اذیت ناک ہے۔ میاں بیوی کو جھگڑ کر اس لفظ تک نہیں پہنچنا چاہئے۔ (ڈگلس ہیر الڈ)

مسز ریسپر نے اپنے خاوند سے پوچھا: کیا آپ کے خیال میں ذرا سی تند مزاجی بھی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے؟ اس کے خاوند نے جواب دیا: ”نہیں“ مگر عورت کو چاہئے کہ وہ اپنی تند مزاجی کو قابو سے نہ نکلنے دے۔

مسز لونگ اسٹون

Mrs. Long Stone

مسز لونگ اسٹون جو مشہور ڈاکٹر لونگ سٹون کی والدہ تھی اور مسز بائرن جو مشہور شاعر لورڈ بائرن کی والدہ تھی، ان پر دو خواتین کے ہاتھوں میں قدرت کا اعلیٰ سے اعلیٰ موتی دیا گیا۔ اول الذکر کے پُر سکون عیسائیانہ مزاج کی بدولت اس کا موتی ہر عیب سے

مبرا رہا۔ جب کہ مؤخر الذکر کی غیر منضبط طبیعت کی وجہ سے اس کا موتی ایک شاندار کھنڈر کی حیثیت سے آگے نہ بڑھ سکا۔

کسی بھی شخص کی طبیعت فطرتاً ایسی اچھی نہیں ہوتی کہ اس کو دیکھ بھال اور ضبط کی ضرورت نہ ہو اور کسی بھی شخص کی طبیعت ایسی بری نہیں ہوتی کہ مناسب تربیت سے بہتر نہ ہو سکے۔

ایک مشہور طبیب کہتا ہے کہ حد سے زیادہ محنت، سردی اور گرمی کا اثر، ضروری اور صحت بخش غذا کی کافی مقدار سے محرومی، غیر موزوں رہائش غفلت اور بد اعتدالی، یہ سب انسانی زندگی کے مہلک دشمن ہیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی اتنا تباہ کن نہیں جتنی کہ تندیٔ جذبات اور تند مزاجی! نہ صرف آپ کو کامیاب نہیں ہونے دیتی بلکہ آپ کی درازیٔ عمر کی بھی دشمن ہے۔

تند مزاج شخص

Short - tempered persons

سالٹن کے مسٹر فلیچر بڑے زود رنج اور تند مزاج شخص تھے۔ ایک روز ان کے خانساماں نے ان کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ میرا ارادہ آپ کی ملازمت چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانے کا ہے۔ مسٹر فلیچر نے اسے نہایت نرمی سے سمجھایا کہ ملازمت چھوڑ کر نہ جاؤ تو خانساماں نے جواب دیا: حضور میں آپ کے غصے اور تند مزاجی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس پر مسٹر فلیچر نے کہا: مجھے تسلیم ہے کہ میں تند مزاج ہو، زود رنج ہوں، لیکن میرا غصہ تو محض دم بھر کیلئے ہوتا ہے۔ خانساماں نے بڑا دلچسپ جواب دیا اس نے مسکراتے ہوئے کہا: ”یہ تو ٹھیک ہے سر! لیکن آپ کا غصہ جاتے ہی لوٹ آتا ہے“۔

مرابو تقریر کر رہا تھا۔ ڈوماں بھی اس وقت موجود تھا۔ سامعین لفظ لفظ پر گالی گلوچ سے اسے نواز رہے تھے۔ کوئی اسے چغل خور کہتا، تو کوئی جھوٹا، کوئی اسے قاتل ٹھہراتا اور کوئی بد معاش کا خطاب دیتا۔ مرابو نے تقریر بند کر دی اور مشتعل سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے بولا: ”حضرات! میں انتظار کرتا ہوں، جب آپ کی یہ میٹھی میٹھی باتیں اور شہد بھرے الفاظ ختم نہیں ہو جائیں گے تو میں آپ سے خطاب کروں گا“۔

سقراط کا معمول تھا کہ جب کبھی اسے غصہ آجاتا تو وہ بولتے وقت آواز کو دبا لیتا۔ اس

طرح وہ اپنے تند جذبات کو مغلوب کر لیتا۔ اگر آپ کو بھی غصہ آئے تو اپنے منہ کو بند کر لیجئے تاکہ غصہ بڑھنے نہ پائے۔ بہت سے آدمی غصے کے باعث اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ تند مزاجی اور غصہ جسم کی تندرستی پر بری طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔ جارج برٹ کا قول ہے کہ بحث مباحثے میں پُر سکون رہو کیونکہ اسطرح لڑائی جھگڑے سے محفوظ رہیں گے اور دوسرے لوگ آپ کے اخلاق سے متاثر ہوں گے۔

ایک شخص نے اپنے دوست سے دریافت کیا کہ :

آپ جھگڑے فساد سے کیوں کر بچے رہتے ہیں؟ دوست نے جواب دیا: یہ تو بہت ہی آسان ہے۔ اگر کوئی شخص سے ناراض ہوتا یا مجھ پر غصہ جھاڑتا تو میں خاموش ہو جاتا ہوں اور اسے نظر انداز کر دیتا ہوں۔ اس طرح وہ خود اپنے آپ سے جھگڑتا رہتا ہے اور تھک ہار کر خود ہی خاموش ہو جاتا ہے۔

انگلستان کے وزیر ڈیکنس فیلڈ سے کسی نے دریافت کیا کہ :

آپ ملکۂ عالیہ کو کسی طرح خوش رکھتے ہیں؟ اس نے جواب دیا: آپ جانتے ہیں کہ میں کسی بات کی کبھی تردید نہیں کیا کرتا اور بعض اوقات مکالف کو قطعی فراموش کر دیا کرتا ہوں۔ یہ طریقہ ہمارے اور آپ کیلئے بڑا ہی سود مند ثابت ہو سکتا ہے۔

سیاسی جماعت کا نیا ممبر

A fresh entrant to a political party

کسی سیاسی جماعت میں ایک نیا ممبر نامزد ہوا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے بتایا کہ فلاں تجربہ کار مدبر کے پاس جاؤ، وہ تمہیں سیاسی کامیابی کے راز بتائے اور گُر سکھائے گا، ووٹ حاصل کرنے کا طریقہ بتائے گا"۔

نیا ممبر تجربہ کار مدبر کے پاس پہنچا اور اپنا مُدعا بیان کیا۔ سیاسی مدبر نے چند شرائط منوانے کے بعد کہا کہ : "اگر تم نے میری ہدایت کی خلاف ورزی کی تو ہر خلاف ورزی کے عوض تم مجھے پانچ ڈالر ادا کرو گے"۔ نامزد ممبر نے یہ شرط بھی منظور کر لی۔ اب ذرا مدبر اور ممبر کی بات چیت ملاحظہ فرمائیے۔

مدبر : کیا میں تمہارا امتحان لینا شروع کر دوں؟

ممبر : جی ہاں! میں تیار ہوں۔

مدبر : پہلا سبق یہ ہے کہ اگر تم اپنے متعلق بری بات سنو تو اس پر ناراض نہ ہونا،

ہر وقت ہوشیار رہنا!

ممبر : واہ! یہ تو بڑی آسان بات ہے۔ میں لوگوں کی گالیاں تک برداشت کرلوں گا اور ان کی ذرا بھر پرواہ نہیں کروں گا۔

مدبر : بہت خوب! پہلا سبق تو تم نے یاد کرلیا ہے اور مجھے اس پر مسرت ہوئی ہے لیکن سچ پوچھو تو میں نہیں چاہتا کہ لوگ تم جیسے مکار اور بدمعاش آدمی کو منتخب کریں۔

ممبر : یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ کو میری توہین کرنے جرأت کیسے ہوئی؟

مدبر : برائے مہربانی پانچ ڈالر رکھ دیجئے!

ممبر : اوہ! اب یاد آیا۔ یہی تو پہلا سبق تھا اور میں بھول گیا۔

مدبر : ٹھیک ہے، یہ سبق ہی تو ہے۔ لیکن میں اپنی رائے کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تم واقعی شیطان ہو۔

ممبر : یہ تو میری اور بھی توہین ہے۔

مدبر : پانچ ڈالر اور رکھ دیجئے۔

ممبر : خوب! پل بھر میں آپ نے دس ڈالر کما لیے...... خیر آئندہ میں نہیں بھولوں گا۔

مدبر : جی ہاں، دس ڈالر! براہِ کرم ابھی ادا کردیں، کیونکہ میری ذاتی معلومات کے مطابق آپ کسی کا قرض واپس نہیں کیا کرتے اور اس سلسلے میں آپ کا نام خاصا بدنام ہے اور لوگ آپ کو نادہندہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

ممبر : یہ قطعی جھوٹ ہے۔ میں ایسا نہیں ہوں۔ آپ خود نادہندہ ہوں گے۔

مدبر : لائیے! پانچ ڈالر اور رکھ دیجئے۔

ممبر : اچھا اب میں سمجھا۔ آئندہ سوچ سمجھ کے بولوں گا۔

مدبر : آپ سمجھ گئے ہیں تو مجھے خوشی ہوئی ہے۔ واقعی آپ کو اب سبق یاد ہو جانا چاہئے تھا۔ میں نے آپ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے واپس لیتا ہوں دراصل یہ باتیں میں نے یونہی کہہ دی تھیں، کیونکہ آپ تو بڑے باعزت شخص ہیں۔

ممبر : شکریہ! اب آپ نے ٹھیک بات کہی ہے۔

مدبر : میں سمجھتا ہوں کہ آپ واقعی بڑے باعزت شخص ہیں۔ حالانکہ آپ ایک گھٹیا خاندان میں پیدا ہوئے اور آپ کے والد، محترم بڑے ہی بدنام انسان تھے۔

ممبر : یہ آپ نے پھر مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ آپ تو بڑے مکار، بد معاش معلوم ہوتے ہیں۔

مدبر : براہِ کرم پانچ ڈالر اور ادا کر دیجئے۔

ممبر : واقعی آپ بہت ذہین مدبر ہیں۔ صرف ایک سبق کیلئے آپ نے مجھے اتنی بار بے وقوف بنایا کہ میں آپ کی ذہانت کا قائل ہو گیا ہوں۔

اس پر مدبر نے نامزد ممبر سے کہا : ”غور کرو اور یاد رکھو کہ جتنی بار تم ناراض ہو گے یا کسی درشت کلامی کا برا مانو گے، اتنے ہی ووٹوں کا نقصان ہو گا اور یہ بھی ذہن نشین رہے کہ ووٹ تمہارے بنک کے بلوں سے زیادہ قیمتی ہیں“۔

صبر و تحمل اور برداشت

Patience endurance & tolerance

بچوں کو اوائل عمر ہی میں سکھا دینا چاہئے کہ صبر و تحمل اور برداشت کی عادت اپنائیں۔ ان کے ذہن نشین کرا دینا چاہئے کہ بد اخلاقی، بد خیالی، مسموم سوچیں اور تند مزاجی، نہ صرف اخلاق کو تباہ کرتی ہیں بلکہ صحت کو بھی تباہ کر دیتی ہیں۔ ضبط نفس ہر برائی سے روکتا اور ہر ناکامی سے محفوظ رکھتا ہے۔ پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ کا فرمان ہے :

”غصہ دہکتی ہوئی آگ ہے۔ جو اسے ضبط کرتا ہے، محفوظ رہتا ہے اور جو اسے برداشت نہیں کر سکتا، اس کی آگ میں جل کر راکھ ہو جاتا ہے“۔

ابراہم لنکن کی بیوی خاصی جھگڑالو عورت تھی۔ ابراہم لنکن محض قوتِ برداشت کے سہارے اس سے نبھاہ کرتے رہے۔ ایک بار یوں ہوا کہ وہ کوئی گرم مشروب لے کر آئیں اور آتے ہی لنکن پر انڈیل دیا لنکن اس وقت اپنے احباب کے ہمراہ بیٹھے تھے۔ گرم مشروب نے انہیں بری طرح جلا دیا لیکن لنکن برداشت کر گئے اور ایک لفظ تک نہیں بولے۔ حتیٰ کہ ماتھے پر شکن تک نہ آئی یہ تھی خود ضبطی کی ایک عظیم مثال!

جان ہینڈرسن آکسفورڈ کے ایک طالبِ علم کے ساتھ مباحثہ میں مصروف تھا کہ طالبعلم جوش میں آ گیا اور اس نے شراب سے لبریز گلاس ہنڈرسن کے منہ پر دے مارا۔

ہنڈرسن نے نہایت اطمینان سے اپنا منہ پونچھ ڈالا اور مسکراتے ہوئے بولا : اچھا یہ تو تھا جملہ معترضہ، اب آیئے اصل موضوع پر بحث کو دوبارہ شروع کریں۔

مدر ایٹ ہوم (MTOTHER AT HOME) کا مصنف لکھتا ہے۔

''کون ماں ہے جو اپنے بچے پر حکومت کرنے کی امید رکھتی ہے، جبکہ وہ خود اپنے نفس پر قادر نہیں ہے۔ گھر کی حکومت کو ضرور گھر ہی سے شروع ہونا چاہئے۔ اس کا آغاز ماں کی گود سے ہونا چاہئے۔ ماں کو چاہئے کہ اپنے کو قابو میں لانا سیکھئے اور اپنے جذبات کو کنٹرول کرے اگر وہ ایسا نہیں کرتی تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ بچوں کے جذبات کو زیر کرنے کی تمام کوشش رائیگاں جائے گی''۔

مکمل ضبطِ نفس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے نفس پر ایسا ضبط ہو جیسا کہ رابرٹ انیز ورتھ لغات نویس کو تھا۔ یہ شخص غیر معمولی قوتِ برداشت کا مالک تھا۔ اس کی زندگی کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ اس کی بیوی نے غصہ کے جوش میں اس کی ضخیم قلمی لغت کو آگ میں پھینک دیا۔ یہ اس کی برسوں کی محنت کا نتیجہ تھی۔ مگر اس شخص نے اپنی بیوی سے ایک لفظ تک نہیں کہا اور خاموشی سے اپنے لکھنے کی میز پر جا کر بیٹھ گیا اور ازسرِ نو کام شروع کر دیا۔

نفس پر حکومت

Self - restraint

جو شخص اپنے نفس پر حکومت کرتا ہے۔ جذبات، خواہشات اور خطرات کو دبا دیتا ہے۔ وہ شخص بادشاہ سے بڑھ کر ہے۔ ضبطِ نفس کے بغیر آپ کو کامیابی کی امید نہیں رکھنی چاہئے۔ مانا کہ آپ بہت ذہین ہیں، اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں، صحتمند ہیں، لیکن اگر آپ کو اپنے آپ پر قدرت نہیں تو کامیابی محض خود فریبی اور خود فہمی ہے۔ ایف۔ اے شا نے کیا خوب لکھا ہے :-

> ''اوروں کو خونریز جنگوں کا حال لکھنے دو، جن میں فاتح کو عزت اور مفتوح کو ذلت نصیب ہوتی ہے لیکن میں تو ایسے شخص کا حال لکھوں گا جو اپنے گناہوں کے خلاف جنگ و جدل کر کے انہیں مغلوب کرتا ہے۔ جو سالہا سال تک اپنے نفس کے خلاف جنگ کر کے فتح حاصل کرتا ہے۔
> یہ بڑا ہے ایک سپاہی! جسے شاباش دینی چاہئے۔

اس نے اپنے وطن اور وطن سے باہر بہت سی لڑائیاں لڑی ہیں لیکن سب سے بڑی لڑائی جس میں یہ شامل ہوا۔وہ تھی جس میں گناہ کی فوج کے ساتھ نبرد آزما ہو کے اپنے نفس پر غلبہ پایا۔جو انسان اپنے نفس پر فتح پاتا ہے۔ وہی بہادر کہلانے کا مستحق ہے۔ ہو سکتا ہے اس کا نام فراموش کر دیا جائے،اس کے ساتھی اسے بھول جائیں،لیکن احتیاط اور اشکوں کا جو بیج اس نے بویا ہے،اس سے غیر فانی برسوں میں ایک سدا بہار فصل پیدا ہو گی!"۔

معمولی معمولی باتیں

Little things do matter

چھوٹی چھوٹی باتیں بڑے واقعات اور معاملات کا پیش خیمہ ہوتی ہیں۔ اسلام اس بات کی وضاحت بار بار کرتا ہے کیونکہ معاشرہ فرد سے تکمیل پاتا ہے اور ایک چھوٹی بات جو ایک فرد سے صادر ہوتی ہے وہ پورے معاشرے کا حصہ بن جاتی ہے چاہے اچھی ہو یا بری۔

اسلامی زندگی میں جگہ جگہ چھوٹی اور معمولی باتوں کا خیال اور دھیان رکھا گیا ہے.. کچھ مثالیں۔

☆ حضور ﷺ نے حضرت معاذؓ کو بلایا اور فرمایا: چھوٹی سورتیں پڑھا کرو کیونکہ تمہارے پیچھے نماز پڑھنے والوں میں سبھی قسم لوگ شامل ہوتے ہیں.. بوڑھے بھی اور وہ بھی جنہیں کوئی کام ہوتا ہے، تم کو سب کا خیال رکھنا چاہئے۔

☆ اللہ کے نزدیک مبغوض ترین شخص وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو۔ (بخاری)

☆ نرمی جس چیز میں بھی ہو اسے زینت بخشے گی۔ (مسلم)

☆ اپنے حاکم کی بات سنو اور مانو اگرچہ تم پر کسی ایسے حبشی غلام کو بھی حاکم بنا دیا گیا ہو جس کا سر کشمش کی طرح ہو۔ (مجمع الزوائد)

☆ زمین و آسمان پر غور کیا کرو۔ (الحدیث)

☆ فضول باتیں کرنے میں کوئی خیر نہیں۔ (ادب المفرد)

☆ تھوکے تو تھوک کے زمین پر گرنے تک ہاتھ سے پردہ کرے۔ (ادب المفرد)

☆ عفو و درگزر اسلام کا حصہ ہے۔ (معمولاتِ نبوی ﷺ)

☆ غلطیاں معاف کرنا آپ کا خاص عمل تھا۔ (بکثرت احادیث)

اسلام مسلمانوں کو قدم قدم پر اخلاق، مروت، محبت، استقامت، طہارت،

اصلاح اور ایمان کا سبق دیتا ہے۔ اسلام چھوٹی باتوں کو اہمیت دینے کیلئے کہتا ہے کہ :
"نیکیوں کو یعنی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو حقیر مت جانو"
حضور ﷺ کا چھوٹے سے چھوٹا عمل، قول اور فرمان پوری کائنات پر حاوی ہے۔۔
اس پر عمل کرنا، سوچنا اور پھر اختیار کرنا ہی اسلام ہے۔
یورپ ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کو نظر انداز نہیں کرتا وہ کامیاب ہے۔
اسلامی زندگی گھریلوں معاملات میں چھوٹی چھوٹی، بالکل معمولی احتیاطیں بتاتا ہے ۔اسلامی زندگی کاروبار، سفر تعلیم، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا اور قیل قال میں بالکل معمولی نکات بتا کر عقل کو استعمال کرنے کا موقع دیتا ہے اور پھر جب ان پر عمل کیا جاتا ہے تو اس سے کائنات کے بڑے بڑے اصول اور قانون وضع ہوتے ہیں۔

کچھ یورپی زندگی کی مثالیں

Examples from European life

☆ قوموں کی قسمت ایک ہی لفظ پر منحصر ہوتی ہے۔(وینڈل فلپس)
☆ چند مربوط سُروں میں سے ایک سُر توڑ دو۔۔ سبھی سر ٹوٹ کر بے سر ہو جائیں گے۔(ویبز)
☆ ذرا صبر سے کام لو، بادل چھٹ جائیں گے اور دھوپ نکل آئے گی۔
☆ گھر بھر کی مسرت کیلئے ذرا سی محبت ہی کافی ہے۔
☆ ذرا سی فیاضی آپ کو بے پایاں روحانی مسرت عطا کرتی ہے۔

دلچسپ واقعہ

An interesting incident

سان فرانسسکو کے ایک اخبار میں ایک بڑا ہی دلچسپ واقعہ پیش کیا گیا تھا جو کچھ یوں تھا کہ :
شہر کے ایک بہت بڑے تھوک فروش تاجر کا منشی یا محاسب تین ہفتوں تک متواتر جاگتا رہا۔ حساب میں کچھ فرق تھا اور انتہائی توجہ اور باریک بینی کے باوجود یہ فرق دور نہیں ہو رہا تھا۔ تین ہفتوں کی بیداری اور لگاتار جمع تفریق نے اسے دیوانہ سا بنا دیا۔ ہوتے ہوتے اس کی حالت اس حد کو جا پہنچی کہ جس کے بعد لوگوں کو پاگل خانے بھجوا

دیا جاتا ہے یا پھر ایسے لوگ خودکشی کر لیا کرتے ہیں۔

آخر دکان کے منیجر نے محاسب کو اپنے اعتماد میں لے کر پڑتال کی۔۔ دونوں نے ملکر بار بار جانچ پڑتال کی مگر نو سو ڈالر کی کمی پوری نہ ہو پائی۔ انجام کار دوکان کے مالک کو بلایا گیا اور حساب کی جانچ پڑتال دوبارہ شروع کی گئی۔۔ ابھی تھوڑی سی پڑتال ہوئی تھی کہ انیس سو ڈالر کا ایک اندراج ملا۔ مالک نے حیران ہو کر پوچھا: "ارے یہ کیا؟ یہاں تو ایک ہزار ڈالر کا اندراج ہونا چاہئے تھا، انیس سو کا اندراج کہاں سے آ گیا؟"۔ اس پر چھان بین کی گئی تو پتہ چلا کہ کیش بک کے صفحات میں ایک مکھی مر گئی اور اس کی ٹانگ نے ہزار کی رقم میں سینکڑے والے صفر کی دائیں جانب گولائی میں ایک دم سے لگا دی۔ جس سے ہزار کی رقم انیس سو بن گئی۔

ہنری وک

Henry de Vick

کہتے ہیں کہ جب اول اول درست وقت بتلانے والا گھڑیال بنا تو موجد "ہنری وک" اسے چارلس والئ فرانس کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا۔ بادشاہ گھڑیال کو دیکھتے ہوئے بولا:

گھڑیال تو تم نے ٹھیک بنایا ہے۔ مگر ڈائل پر ہندسے غلط لکھے گئے ہیں"۔

ہنری وک: حضور مجھے تو کوئی دکھائی نہیں دیتی۔

چارلس: غلطی ہے۔ اسلئے کہ چار کا ہندسہ تم نے غلط لکھا ہے۔ اس میں ایک ہندسے کے بجائے چار اکائیاں (iiii) ہونی چاہئیں۔

ہنری وک: جی نہیں! ایک ہندسہ (vi) ہی ٹھیک رہے گا۔

چارلس: نہیں! چار اکائیاں ہونی چاہئیں۔

ہنری وک: حضور غلطی پر ہیں۔

چارلس: (خفا ہو کر) ہم کبھی غلطی نہیں کرتے۔ اٹھاؤ اپنے اس گھڑیال کو جا کے غلطی درست کر کے لاؤ۔ ہنری وک نے حکم کی تعمیل کی اور vi کی بجائے iiii اکائیاں لکھ دیں۔ جب سے گھڑیوں اور گھڑیالوں کا چار کا ہندسہ چار اکائیوں کی صورت میں لکھا جاتا ہے۔

ایک چھوٹے لڑکے کا تجسس

A young boy's inquisitiveness

ایک چھوٹا سا لڑکا جیمس واٹ انگیٹھی کے پاس بیٹھا کھانے کا انتظار کر رہا تھا۔ کھانا پک رہا ہے۔ تمام دنیا بھاپ کی قوت کی احسان مند ہے۔ اگر اس طاقت کی دریافت نہ ہوتی تو ریل کی سڑکیں بحری جہاز اور بے شمار صنعتیں جو بھاپ کی طاقت سے چلتی ہیں وجود میں نہ آتیں۔ انگیٹھی پر رکھی ہوئی کیتلی کا ڈھکنا بھاپ کی طاقت سے بار بار اوپر اٹھ رہا ہے اور واٹ اس پر حیران ہو رہا ہے۔ آخر اس کا تجسس ایک عظیم ایجاد کی صورت میں ظاہر ہوا۔

ایک چاند سے چہرے اور دل فریب تبسم کی بدولت ٹرائے "TROY" کا دس سالہ محاصرہ شروع ہوا اور یہی محاصرہ ہومر کی لافانی نظم "ایلیڈ" کی بنیاد بنا۔

۱۰۰۵ء میں موڈینا کی جمہوری سلطنت کے کچھ سپاہی ریاست بولونا کے ایک سرکاری کنوئیں سے ایک ڈول اٹھا کے لے گئے۔ ڈول چار چھ آنے سے زیادہ کا نہیں تھا۔ مگر اس ڈول سے ایسی خوفناک جنگ چھڑی جو چوبیس سال تک جاری رہی۔

جنگِ کریمیا

Crimean War

جنگِ کریمیا، جس میں چار بڑی حکومتیں انگلستان، فرانس، ترکی اور روس آپس میں متصادم ہوئیں اور بے شمار جانیں جس کی نذر ہو گئیں۔ اس کی بنیاد صرف ایک چابی تھی یروشلم کی ایک مقدس خانقاہ میں ایک گرجے پر کلیسائے یونان نے دعویٰ ملکیت کیا اور اسے مقفل کر دیا۔ کلیسائے لاطینی نے اس پر حتجاج کیا اور چابی طلب کی، کشیدگی اتنی بڑھی کہ روس، یونان کی طرف سے اور فرانس، کلیسائے لاطینی کی طرف سے آگے آئے۔

مذاکرات ہوئے مگر کشیدگی کم ہونے کی بجائے بڑھتی ہی گئی۔ روس نے ترکی سے مطالبہ کیا کہ وہ خانقاہ کی مرمت کرائے مگر ترکی نے مطالبہ مسترد کر دیا۔ برطانیہ چونکہ ترکی کا مددگار تھا اس نے ترکی کی طرفداری کی اور روس کے خلاف فرانس سے معاہدہ کر لیا۔ اس پر "چھ سو سواروں" والا مشہور حملہ ہوا، اسے میلا کاف کا پراسرار حملہ بھی کہا

جاتا ہے۔ ہزاروں آدمی اس جنگ میں مارے گئے اور بے شمار زخمی ہوئے۔ محض ایک چابی کی خاطر......!

شراب کا ایک گلاس

A glass of wine

شراب کے ایک گلاس کی وجہ سے فرانس کا ایک شاہی خاندان مکمل طور پر تباہ ہو گیا۔ واقعہ یوں ہے کہ شاہ فلپ کا بیٹا ڈیوک آف اورلینز، احباب کے ساتھ ایک دعوت میں شریک تھا۔ دورانِ اکل و شرب، وہ معمول سے زیادہ شراب پی گیا۔ یعنی صرف ایک گلاس زیادہ...... دوستوں سے الگ ہونے کے بعد اس نے ایک گاڑی لی۔ گھوڑے کسی وجہ سے بدک گئے، ڈیوک آف اورلینز نے گاڑی سے چھلانگ لگادی۔ نشے میں مدہوش ہونے کے باعث چھلانگ کا توازن قائم نہ رہ سکا۔ شہزادہ فرش سے ٹکرایا اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ شراب کے ایک گلاس کی وجہ سے ولی عہد کی موت واقع ہوئی اور پھر تمام خاندان جلاوطن ہوا اور ان کی ساری جائیدادیں ضبط کرلی گئیں۔

مشہور جرنیل گرانٹ نے لکھا ہے

The words of General Grant

مشہور جرنیل گرانٹ نے لکھا ہے کہ ایک بار اس کی والدہ نے پڑوسی کے ہاں مکھن لانے کیلئے اسے بھیج دیا۔ وہ پڑوسی کے ہاں پہنچا تو وہاں ایک چٹھی پڑھی جارہی تھی۔ جس سے اسے معلوم ہوا کہ ویسٹ پائنٹ میں کوئی جگہ خالی ہونے والی ہے۔ گرانٹ نے بیان کیا ہے کہ اس نے فوراً درخواست بھیج دی۔ اسے بلوایا گیا.. اس کا کہنا ہے کہ اگر وہ اس روز مکھن لینے نہ جاتا تو ان عہدوں تک کبھی نہ پہنچ سکتا۔

☆ ایک بگھی کے الٹ جانے کے باعث "واشنگٹن" کی پیدائش ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ہوئی۔

☆ ایک کان کن سے کنواں کھودنے میں غلطی ہوگئی۔ اس غلطی سے ہرکولینم کی دریافت ہوگئی۔

☆ بحری مہموں میں ایک غلطی ہوجانے سے جزیرہ مڈیر کی دریافت ہوگئی۔

☆ شہر شکاگو کا واقعہ ہے کہ ایک لڑکا چاقو سے سیب چھیل رہا تھا، چاقو کی نوک

سے ہاتھ کی ہتھیلی چھل گئی۔ دس منٹ کے اندر اندر وہ لڑکا زہر پھیل جانے سے ہلاک ہو گیا۔

☆ فلاڈلفیا میں ایک شخص اپنے بستر سے کودا تو ایک سوئی اس کے پاؤں میں گھس گئی۔ زہر پھیل جانے کے باعث یہ شخص ایک ہفتہ بعد انتقال کر گیا۔

☆ انگلستان کا واقعہ ہے کہ ایک ادھیڑ عمر شخص کی پیشانی پر کچھ سفید بال اگ آئے۔ ان بالوں سے ان کی نو عمر منگیتر ناراض تھی۔ اس کو خوش رکھنے کیلئے اس شخص نے منگیتر سے کہا کہ اگر تمہیں یہ بال پسند نہیں ہیں تو اکھاڑ ڈالو۔ منگیتر خاتون نے یہ سفید بال اکھاڑ دیئے۔ وہاں ذرا سی سوجن ہو گئی۔ اس شخص نے کچھ پرواہ نہ کی۔ اگلے روز تمام پیشانی پر ورم پھیل گیا اور اسے ڈاکٹر سے رجوع کرنا پڑا۔ ڈاکٹر نے بڑی توجہ سے علاج کیا مگر مریض اچھا نہ ہوا اور ایک ہفتے کے اندر چل بسا!

☆ انگلستان کی ایلس نامی ایک شہزادی کے بچے کو خناق ہو گیا۔ اس نے ڈاکٹروں سے اجازت مانگی وہ اپنے بچے کو پیار کرنا چاہتی ہے۔ ڈاکٹروں نے اسے منع کیا لیکن وہ نہ مانی اور ماما کے جذبے سے مجبور ہو کر بچے پر بوسہ دے دیا۔ آپ یقین کریں کہ یہی بوسہ اس کیلئے وجۂ ہلاکت بن گیا۔

☆ انگریزی حروفِ تہجی میں حرف آئی "i" پر نقطہ لگانے اور حرف ٹی "T" کو نہ کاٹنے یعنی صرف "ا" چھوڑ دینے سے کروڑوں روپے کا نقصان ہو چکا ہے۔

☆ ہنگری کی ایک گاؤں "نیمی تھی" میں ایک لڑکا دیا سلائیوں سے کھیل رہا تھا۔ ایک دیا سلائی کے جلنے سے دو سو بتیس مکانات جل کر راکھ ہو گئے۔

غفلت نہ کیجئے

Don't be careless

یہ چھوٹی چھوٹی باتیں آپ کو اس لئے بتائی جاتی ہیں کہ کبھی بھی کسی بات کو معمولی سمجھ کر غفلت نہ کیجئے۔ یہ معمولی معمولی باتیں ہی اہم اور نتیجہ خیز ہوتی ہیں۔ جو انسان چھوٹی چھوٹی غلطیوں اور کوتاہیوں کی پرواہ نہیں کرتا وہ بسا اوقات اس شخص سے

بڑا ہوتا ہے جو بڑی بڑی رکاوٹوں پر غالب آسکتا ہے۔

دس ہزار تکلیف دہ باتوں کی طرف اگر توجہ دی جائے، دس ہزار احکام دیئے جائیں اور مایوسیاں برداشت کی جائیں تو یہ سب مل ملا کے فتح کے اجزاء بن جاتے ہیں۔ لیکن بے پرواہ اور لاابالی مرد اور عورتیں اس مفروضے کو دل میں بسائے رکھتے ہیں کہ بڑے بڑے آدمی بڑی باتوں پر ہی توجہ دیتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو دھیان میں نہیں لاتے۔ یہ گریاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو آدمی چھوٹی چھوٹی غلطیوں اور معمولی معمولی باتوں پر توجہ نہیں دیتا وہ کبھی بھی کامیاب زندگی نہیں گزار سکتا۔

براڈو کے ایک مشہور وکیل کے چپڑاسی نے ایک لفافے پر دو سینٹ کے ٹکٹ کم لگائے۔ اس لفافے میں ایک مقدمے کا استغاثہ اور سمن تھے۔ مدعا علیہ کے وکیل نے دو سینٹ ادا کر کے بیرنگ لفافہ وصول کر لیا۔ دو سینٹ کی اس کمی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدعا علیہ کے وکیل نے عدالت میں یہ اعتراض اٹھایا کہ چونکہ سمن وغیرہ مجھے جائز قانونی طریقے سے نہیں بھیجے گئے اور میں نے بیرنگ لفافہ وصول کر لیا ہے لہٰذا مقدمے کا فیصلہ میرے حق میں ہونا چاہیے۔ اس پر مستغیث کے وکیل کے نام فوراً حکم پہنچا کہ وہ وجہ بیان کرے کہ کیوں نہ مدعا علیہ کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے؟

عدالت میں اس قانونی نکتے پر بڑی بحث ہوئی اور مختلف نوعیت کے اقرار نامے داخل کرنا پڑے۔ آخر تیس ڈالر بطورِ خرچہ ادا کرنے پر مقدمہ از سرِ نو شروع ہوا۔ چپراسی کی ذرا سی غلطی پر عدالت کے دو گھنٹے ضائع ہوئے، تیس ڈالر خرچہ دینا پڑا۔ دو مشہور وکیلوں کی فیس ادا کرنا پڑی، تب کہیں جا کر وہ چھوٹی سی غلطی رفع ہوئی۔

چارلس ڈکنس اپنے ایک ناول میں لکھتا ہے کہ کسی نے سوال کیا کہ ذہین کون شخص ہے؟ جواب ملا کہ ذہین شخص وہ ہے جو معمولی معمولی باتوں پر توجہ دیتا ہے۔

ہالینڈ کے ایک عینک ساز کا لڑکا اپنے بھائی کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ کھیلتے کھیلتے اس نے دو شیشوں کو اکٹھا کر کے اس کے بیچ میں سے دیکھا تو گرجا گھر کا بُرج اس کے نزدیک آتا دکھائی دیا۔ اس نے یہ تماشا اپنے دوسرے بہن بھائیوں کو دکھایا، وہ بھی حیران ہوئے، سب مل کر باپ کے پاس آئے اور اسے بھی یہ تماشا دکھایا۔ ان کا باپ بھی حیران ہوا لیکن اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس طرح سے بڑی عمر کے آدمیوں کیلئے وہ ایک علمی کھلونا بنانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اس معاملے میں گیلی لیو نے فوراً سمجھ لیا کہ اس طریقے سے ماہرینِ فلکیات کو بہت

فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس نے ایک چھوٹی سی دوربین بنالی اور آگے چل کر بڑی بڑی ٹیلی اسکوپ ایجاد ہوئیں۔

پیٹربرگ کا واقعہ ہے

An incident at Peters burg

پیٹربرگ کا واقعہ ہے کہ ایک لنگڑا شخص بازار میں چلا جارہا تھا۔ راستہ کیچڑ سے بھرا پڑا تھا۔ اس شخص کا پاؤں پھسل گیا اور وہ گر پڑا۔ اس کی ٹوپی اڑ کر ایک لڑکے کے پاؤں میں جا گری۔ اسنے اسے ٹھوکر مار کر پھینک دیا۔ ایک اور لڑکا آرہا تھا۔ اس نے ٹوپی اٹھا کر لنگڑے شخص کو واپس کر دی اور پھر اسے سہارا دے کر ہوٹل تک لے گیا۔ لنگڑے آدمی نے اس لڑکے کا شکریہ ادا کیا اور اس کا پتہ لکھ کر چلا گیا۔ ایک ماہ بعد اس لڑکے کو ایک ہزار ڈالر کا چیک پہنچا۔ یہ اس کے معمولی سے کام کا صلہ تھا۔

شیریں الفاظ اگرچہ بہت ہی معمولی چیز ہیں لیکن ان کی مدد سے آپ بڑے بڑے اہم کام سر انجام دے سکتے ہیں اور مایوس انسانوں کو ایک نیا حوصلہ عطا کر سکتے ہیں۔

”اگر آپ کامیاب زندگی گزارنے کے خواہشمند ہیں تو معمولی باتوں کو نظر انداز نہ کیجئے۔“

مستقل مزاجی اور جدید سائنس
Resoluteness & modern science

☆ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ : مجھ کو اور لوگوں پر چار چیزوں میں فضیلت دی گئی ہے۔ سخاوت، شجاعت، قوتِ مردی اور مقابل پر غلبہ اور آپ ﷺ نبوت سے قبل بھی اور بعد یعنی زمانہ نبوت میں صاحبِ وجاہت تھے (نشر الطیب)

☆ غزوۂ حنین کے موقع پر کفار کے تیروں کی بوچھاڑ سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ایک قسم کا ہیجان، پریشانی اور تزلزل اور ڈگمگاہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ مگر آپ ﷺ نے اپنی جگہ سے حرکت نہ فرمائی حالانکہ گھوڑے پر سوار تھے اور ابو سفیان بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ کفار چاہتے تھے کہ آپ ﷺ پر حملہ کر دیں۔ آپ ﷺ گھوڑے سے اترے اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی اور زمین سے ایک مٹھی بھر خاک لے کر دشمنوں کی طرف پھینکی تو کوئی کافر ایسا نہ تھا کہ جس کی آنکھ اس خاک سے نہ بھر گئی ہو۔ اس روز آپ ﷺ سے زیادہ بہادر، شجاع اور دلیر کوئی نہ دیکھا گیا۔ (مدراج النبوۃ)

☆ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کے راستے میں مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ڈرایا گیا اور اللہ کی راہ میں مجھے اتنا ستایا گیا کہ اور کسی کو اتنا نہیں ستایا گیا۔

☆ ایک دفعہ تیس رات دن مجھ پر اس حال میں گزرے کہ میرے اور بلال کیلئے کھانے کی کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے۔ سوائے اس کے جو بلال نے اپنی بغل میں چھپائے رکھا تھا۔ (معارف الحدیث، اسوۂ رسولِ اکرم ﷺ)

☆ واقعۂ طائف میں کفار کے پتھروں سے لہو میں تربتر ہو گئے، جوتے مبارک پاؤں کے ساتھ جم گئے، بے ہوش ہو گئے، لیکن واپس ہوئے تو فرمایا:
"میں ان لوگوں کیلئے کیوں بد دعا کروں.. اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو امید ہے کہ ان کی آئندہ نسلیں ضرور ایمان لانے والی ہوں گی۔ (کتاب رحمۃ اللعالمین، اسوۂ رسولِ اکرم ﷺ)

کفار ستاتے رہے لیکن آپ مستقل مزاجی اور عزم سے دعوت دیتے رہے۔ آپ نے کبھی مایوسی یا بے ہمتی سے کام نہیں لیا بلکہ محنت، مستقل مزاجی اور مجاہدے سے دینِ اسلام کی محنت میں لگے رہے۔ یہی نہیں بلکہ دنیا کے کاموں میں محنت اور مشقت سے آپ نے مسجدِ نبوی کی تعمیر، جنگل میں بکریاں چرانا، لکڑیاں چننا سفر کرنا وغیرہ ہمت، استقامت اور مستقل مزاجی سے کیئے۔

صحابۂ کرامؓ کے غزوات، مسلمانوں کے معاملات اور مسلمان حاکموں کی زندگی مسلسل مستقل مزاجی، سخت جانی، ہمت اور استقامت سے بھری ہوئی ہے۔

یورپ اس ضمن میں کیا کچھ کہتا ہے.......... کچھ اس کی سنیں.. آیئے پڑھیں!

مستقل مزاجی

Resoluteness

☆ جس کام کی تکمیل کا تم نے ارادہ کر لیا ہے، شکست کے باوجود اسے ادھورا نہ چھوڑو۔ (شیکسپیئر)

☆ دنیا کا تمام فلسفہ صرف دو لفظوں میں پوشیدہ ہے اور وہ دو لفظ یہ ہیں "برداشت اور عزم"۔ (ایپے لٹس)

☆ ناکامی کا لفظ مجھے نہیں ڈرا سکتا۔ میں اسے خواب سمجھتا ہوں، یہ تو میری کامیابیوں کا زینہ ہے۔ (جارج ایلیٹ)

☆ کبھی حوصلہ نہ ہاریئے۔

ذہین شخص

Inteligent person

ایک ذہین شخص نے اشتہار دیا کہ اسے ایک ملازم لڑکے کی ضرورت ہے۔ تیس لڑکوں نے درخواستیں بھیجیں۔ دوسرے دن درخواست دہندگان پیش ہوئے تو اس شخص نے ان کے آگے ایک ایک گولہ رکھ دیا اور نشانے کی جگہ مقرر کر دی۔ پھر ان سے کہا: "ہر امیدوار سات بار گولا پھینکے، جس کا نشانہ زیادہ بار ٹھیک جگہ لگے گا اسے ملازم رکھ لیا جائے گا۔ سبھی لڑکوں نے کوشش کی مگر سبھی ناکام ہو گئے۔ اس پر دکاندار نے کہا: اچھا بھائی.. کل پھر آنا۔

آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ اگلے دن صرف ایک چھوٹا سا لڑکا آیا۔ جس نے آتے ہی کہا: "میں کل والے امتحان کیلئے تیار ہوں"۔ امتحان شروع ہوا تو یہ لڑکا ہر بار کامیاب ہوا۔ امتحان لینے والے شخص نے حیران ہو کر پوچھا: کیا راز ہے؟ کل تو تم ناکام رہے تھے.. آج تم کیونکر کامیاب ہو گئے؟ لڑکے نے جواب دیا: "میں اپنی ماں کی مدد کرنا چاہتا تھا.. اس لئے میں ساری رات اپنی جھونپڑی میں نشانہ بازی کی مشق کر تا رہا ہوں"۔ اب یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اس لڑکے کو ملازمت مل گئی یا نہیں۔

تیمور لنگ کے متعلق مشہور ہے

The story of Timur Lenk

تیمور لنگ کے متعلق مشہور ہے کہ جب وہ ایک لڑائی میں شکست کھا کے بھاگا تو اس نے ایک مسمار شدہ عمارت میں پناہ لی۔ وہ کھنڈر میں چپ چاپ بیٹھا تھا کہ اس نے دیکھا.. ایک چیونٹی اناج کا دانہ لیے دیوار پر چڑھنے کی کوشش کر رہی ہے مگر ہر بار نیچے گر جاتی ہے۔ تیمور اسے بڑے غور سے دیکھتا رہا.. چیونٹی انہتر بار دیوار سے نیچے گری۔ مگر اس نے اپنی شکست نہیں مانی اور آخر سترھویں بار وہ دانے سمیت دیوار پر چڑھ گئی۔ یہ دیکھ کر تیمور نے خود سے کہا: "اے الو! ایک ہی شکست سے بد دل ہو گیا ہے اور حقیر سی چیونٹی انہتر بار کی ہار سے مایوس نہیں ہوئی۔ اٹھ اور ایک بار پھر قسمت آزمائی کر.. تخت یا تختہ"۔

اور تاریخ شاہد ہے کہ اس کے بعد تیمور فتحیاب ہوا اور آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔ یاد

رکھئے...... کہ ناکامی یا شکست ہماری مستقل مزاجی اور قوتِ ارادی کا امتحان ہوتا ہے۔ یہ ایک پیمانہ ہے جس سے ہم اپنے استقلال اور عزم کو ناپتے ہیں۔
اگر فرینکلن مستقل مزاج آدمی نہ ہوتا تو کبھی بھی امریکہ کا صدر منتخب نہ ہوتا۔ اس نے اپنی زندگی کا آغاز وکالت سے کیا مگر کامیاب نہ رہا۔ اس سے وہ وقتی طور پر بددل ہو گیا۔ مگر دوبارہ اس پیشے سے منسلک ہو گیا۔ اس نے کہا کہ میں ایک ہزار شکستوں کے بعد بھی میدان سے نہیں ہٹوں گا...... اور ایک دن ایسا بھی آیا کہ وہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا پریذیڈنٹ مقرر ہوا۔

ہیملن گارلینڈ کہتا ہے

Hamlin Garland says

ہیملن گارلینڈ کہتا ہے کہ بعض اچھے بھلے لوگ یولی سیس گرانٹ کو نہایت معمولی انسان خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ آپ خود ہی فیصلہ کیجئے گا کہ جو لڑکا تیرہ سال کی عمر میں کھیتوں میں ہل چلاتا ہے، جس نے چھ سو میل کا سفر پیدل طے کیا، جو صرف علم جر ثقیل کی واقفیت کے سبب بڑے بڑے بھاری گٹھے گاڑیوں میں لاد دیتا تھا، جو ہمیشہ ریاضی کے مشکل سوالات حل کرنے میں لگا رہتا تھا، جو چغلی اور لڑائی جھگڑے سے ہمیشہ دور رہا، گھوڑوں کو اپنی مرضی کے مطابق سکھا لیتا تھا، جو مکر و فریب اور زبانی جمع خرچ سے باز رہتا تھا اور محض اپنی معلومات پر بھروسہ رکھتا تھا۔ کیا ایسے انسان کو سست، بے وقوف، کند ذہن اور بد دیانت کہا جا سکتا ہے؟
یہ درست ہے کہ اس میں ظاہری ٹیپ ٹاپ نہیں تھی، اس کی شخصیت میں سب سے بڑی اور غیر معمولی بات یہ تھی کہ اس کے عادات و اطوار جچے تلے تھے، اس میں تذبذب اور تزلزل نہ تھا، اس کی قوتِ استدلال زبردست تھی، اس کا علم الاشیاء سب سے انوکھا تھا، اس میں پُر استقلال لیاقت تھی، وہ جب بھی کوئی کام شروع کرتا اسے انجام تک پہنچا کے چھوڑتا۔
وہ بے باک اور پُر عزم انسان تھا، وہ بلاشبہ قابلِ اعتماد نوجوان تھا، وہ صحتمند تھا، حادثات کا دلجمعی سے مقابلہ کرتا تھا، اس کے دل اور زبان میں مکمل یگانگی تھی، اس کے لبوں سے نکلنے والی بات اس کے دل کی آواز ہوتی تھی، منافقت سے اسے کوئی واسطہ نہیں تھا۔

پروکلیمشن پر دستخط

Endorsing the proclamation

فرینک بی کار پینٹر نامی مصور جب وائٹ ہاؤس میں "پروکلیمشن پر دستخط" والی تصویر بنا رہا تھا۔ تو اس نے چیف مجسٹریٹ سے دریافت کیا کہ دوسرے جرنیلوں کے مقابلے میں گرانٹ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے ؟

پریذیڈنٹ نے جواب دیا: گرانٹ میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ جس کام کو شروع کرتا ہے اسے تکمیل تک پہنچا کے دم لیتا ہے۔ اس میں بلا کا استقلال اور قوتِ ارادی ہے، وہ جلد جوش میں نہیں آتا مگر جب وہ کسی معاملے کو پکڑ لیتا ہے تو ایسے پکڑتا ہے جیسے کوئی بُل ڈاگ (BULL-DOG) کسی شے کو پکڑ لیتا ہے، ایک بار دانت خوب چبھ گئے تو بس وہ اب نہیں نکلنے کے۔

جوانی ہی میں لنکن نے یہ عہد کر لیا تھا کہ عوام کے سامنے آئے گا۔ اس عزم کا اظہار اس نے اپنے ایک دوست گرین سے کیا اور کہا: میں نے بڑے بڑے آدمیوں سے گفتگو کی ہے اور میں نہیں دیکھ سکا کہ مجھ میں اور دوسرے بڑے آدمیوں میں کیا فرق ہے ؟ تقریر کی مشق کرنے کیلئے وہ سات سات آٹھ آٹھ میل پیدل چل کر کلبوں میں جایا کرتا تھا۔ اس مشق کا نام اس نے بڑا دلچسپ رکھا تھا۔ یعنی "مشقِ حیص بیص"۔

اسی دوران وہ ایک اسکول ماسٹر "گراہم" سے ملا اور اس سے دریافت کیا کہ گرامر کا مطالعہ کیسے کرے ؟ گراہم نے جواب دیا: اگر تم واقعی عوام کے سامنے آنے کا ارادہ رکھتے ہو تو اس کیلئے تمہیں گرامر ضرور دیکھنی چاہیئے۔ لیکن سوال یہ تھا کہ گرامر کی کتاب کہاں سے ملے ؟

اڑوس پڑوس میں گرامر کی صرف ایک ہی کتاب تھی اور وہ بھی چھ میل کے فاصلے پر کسی کے پاس تھی۔ لنکن یہ بات سنی تو فوراً چل پڑا اور اس گاؤں جا پہنچا۔ جہاں سے کتاب ملنے کی امید تھی۔ وہاں سے کتاب مستعار لے کر واپس ہوا۔ کہتے ہیں کہ لنکن اس کتاب کو کئی ماہ تک پڑھا یہاں تک کہ وہ اسے ازبر ہو گئی۔ گاؤں والوں نے اس کا حوصلہ بڑھایا اور گرین خاندان کے لوگ کتابوں میں اس کی مدد کرتے تھے، اسکول ماسٹروں کو بھی اس کا خیال رہتا حتی المقدور اس سے تعاون کیا کرتے۔

گاؤں کے بڑھئی نے بھی کہہ دیا کہ تم میری دکان میں آجایا کرو اور چھلکوں کی آگ

اتنی تیز جلا کے رکھا کرو کہ رات کو آسانی سے پڑھ سکو۔ گرامر پر حسبِ منشا عبور حاصل کرنے کے بعد لنکن نے دوسرے مضامین پڑھنا شروع کر دیئے اور جلد ہی ان میں بھی مہارت حاصل کرلی۔ قدرت نے اس کی محنت اور جدو جہد کا اسے ثمر دیا اور وہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا صدر بن گیا۔

انگریزی زبان کے مشہور لغت "ویبسٹر انگلش ڈکشنری" کا مؤلف ڈینیل ویبسٹر بظاہر ایک عام سا لڑکا تھا اور کلاس میں عموماً سب سے کمزور سمجھا جاتا تھا۔ جب اسے ہمپشائر بھیجا گیا تو وہ وہاں بہت ہی کم مدت ٹھہرا اور گھر لوٹ آیا۔ راستے میں ایک پڑوسی نے اسے روتا دیکھ کر رونے کا سبب دریافت کیا تو ویبسٹر نے جواب دیا کہ : میں عالم نہیں بن سکتا میں اپنی جماعت میں ہمیشہ نچلی سطح پر رہا ہوں اور میرے ہم مکتب میرا مذاق اڑاتے ہیں اس لئے مایوس ہو کر لوٹ آیا ہوں.. اب میں کبھی اسکول نہیں جاؤں گا۔ پڑوسی دوست نے اسے مشورہ دیا کہ تم واپس چلے جاؤ اور خوب جی توڑ کر محنت کرو، مجھے یقین ہے کہ چند ہی روز میں تم سب سے لائق بن جاؤ گے...... جاؤ میری بات آزما کر تو دیکھو۔

ویبسٹر نے اپنے دوست کا مشورہ مان لیا اور ایک بار پھر اسکول جا پہنچا۔ خوب دل لگا کر محنت کی اور واقعی سب سے آگے نکل گیا۔ اب لوگ اسے ایک شہرۂ آفاق عالم کی حیثیت سے یاد کرتے ہیں۔

ہزارہا انسان اپنی زندگی میں اس لئے ناکام رہے کہ انہوں نے حصولِ کامیابی کیلئے پُر خلوص کوشش اور محنت نہیں کی۔ انہوں نے کسی بھی پیشے کو اس نیت سے نہیں اپنایا کہ اس میں کمال حاصل کرلیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ کامیابی کے اس پار ہی کھڑے رہے۔

واشنگٹن کے پیٹینٹ آفس میں ایسی ایجادات کی بہتات ہے جو قریب قریب مکمل ہیں لیکن ان کے موجدوں نے انہیں تکمیل کے آخری مراحل میں چھوڑ دیا۔ اگر وہ ذرا سی محنت اور کر لیتے اور مستقل مزاجی سے کام کرتے تو کامیابی ان کے قدم چومتی اور وہ غربت وافلاس کی آغوش میں مرنے کی بجائے شہرت و ناموری کی سیج پر دم دیتے اور زمانہ ان کا نام ادب واحترام سے لیتا۔

پروفیسر ورمنٹ

Professor Warmant

پروفیسر ورمنٹ نے ایک شیشہ دیکھا جو ایک مشہور کان سے نکالا گیا تھا۔ اس کان کے مالک کو یقین تھا کہ اس کان کی تہوں میں سونا موجود ہے۔ اس کی تہہ کے درمیان ایک سرنگ کھدوائی۔ سرنگ کی لمبائی ایک میل تک چلی گئی اور اس پر ایک لاکھ ڈالر صرف ہو گئے۔ ڈیڑھ سال کی مدت میں سرنگ مکمل ہوئی لیکن سونا نہ نکلا۔ اس نے مایوس ہو کر کام بند کروادیا۔ تب ایک اور کمپنی نے اس کان کو خرید لیا اور سرنگ کو مزید آگے تک لے جانے کا منصوبہ بنایا۔ کام شروع ہوا اور ابھی صرف ایک گز کھدائی ہوئی تھی کہ سونے کی کچی دھات نکل آئی۔ اسی طرح ممکن ہے کہ زندگی کا سونا بھی ہم سے صرف ایک گز کے فاصلے پر ہمارا منتظر ہو؟

اقوامِ عالم کی قسمت پر کوئی ایجاد اتنی زیادہ اثرانداز نہیں جتنی کہ اسٹیم انجن۔ اس انجن کا موجد واٹ تھا۔ لیکن آپ کو یہ جان کر حیرت ہو گی کہ بھاپ سے چلنے والا انجن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے ڈھائی سو سال قبل ہیرو نامی شخص نے بنایا تھا۔ وہ آلہ بہت ابتدائی اور موٹا تھا مگر بنیادی خیال اس میں موجود تھا۔ اگر ہیرو اپنے عجیب و غریب تجربے سے ظاہر شدہ دریافت پر مستقل مزاجی سے محنت کرتا تو علمِ ایجادات کی تاریخ دو ہزار برس اور آگے بڑھ گئی ہوتی۔

جارج ایلیٹ، مشہور ناول نگار خاتون

George Eliot, a famous female novelist

مشہور ناول نگار خاتون جارج ایلیٹ نے لکھا ہے کہ ستمبر ۱۸۵۶ء سے میری زندگی کا نیا دور شروع ہوا کیونکہ اس وقت میں نے ناول نویسی کا آغاز کیا۔ قبل ازیں میرے دل میں ایک ہلکا سا خیال ابھرا کرتا تھا کہ شاید کسی روز میں ناول نگار بن جاؤں۔ ابتداء میں میں نے چند ناولوں کے تمہیدی باب لکھنا شروع کیے لیکن جلد ہی مجھے احساس ہوا کہ میں کبھی بھی ناول نگار نہ بن سکوں گی۔

مایوسی کے اس دور میں میں نے غیر ارادی طور پر ایک کہانی لکھنا شروع کر دی، میں اسے لکھتے چلی گئی، یہاں تک کہ یہی کہانی ایک ناول میں تبدیل ہو گئی۔ یہی میرا پہلا

کامیاب ناول ہے، آپ بھی تو اس سے واقف ہوں گے۔ اس ناول کا نام ہے " SCEENS FROM CLERICAL LIFE " میری کامیاب ادبی زندگی کا راز صرف یہی ہے کہ میں نے لگاتار محنت کی اور اپنے خیال کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتی رہی۔

میکسم گورکی کا ناول

The novel of Maxim Gore

میکسم گورکی جیسا زندہ جاوید ناول نگار روس کا قریباً ان پڑھ لڑکا تھا۔ اس نے اپنے رشتہ داروں اور اپنی ملازمت کے اداروں میں واجبی سی تعلیم حاصل کی۔ بعد میں وہ بحری جہاز میں ایک مزدور کی حیثیت سے ملازم ہو گیا۔ نمک کی دلدلوں میں کام کرتا لیکن اس نے پڑھنا لکھنا جاری رکھا۔ اسے ایک دھن تھی کہ زیادہ سے زیادہ کتابیں پڑھے اور معاشرے میں جو ناانصافیاں اور ظلم و ستم روا ہیں ان کے خلاف قلم کے ذریعے جہاد کرے۔

آخر ایک لمبی مشقت بھری زندگی کے بعد اس نے لکھنا شروع کیا اور اپنی پہلی کہانی ہی سے مقبول ہوا۔ پھر جب اس نے اپنا شہرۂ آفاق ناول "ماں" لکھا تو اس کی شہرت پوری دنیا میں پھیل گئی۔ اس ناول نے انقلابِ روس یعنی انقلابِ اکتوبر میں سب سے بڑا کردار ادا کیا۔ لینن نے اس کے متعلق کہا: "یہ کتاب ہر روسی کو پڑھنا چاہئے کہ یہ صداقت، انسانیت اور مساوات کا پیغام دیتی ہے"۔ میکسم گورکی کا یہ ناول دنیا کے چھ بہترین ناولوں میں شمار ہوتا ہے۔

انگریزی زبان کا مایہ ناز ناولسٹ اور افسانہ نگار "جوزف کونراڈ" پولینڈ کا رہنے والا تھا اور انگریزی سے قطعی نابلد تھا۔ اس نے عہد کیا تھا کہ بحری زندگی اپنائے گا۔ گھر والوں نے بے حد مخالفت کی مگر اس نے اپنا ارادہ نہ بدلا اور آخر بحری جہازوں میں ملازمت اختیار کر لی۔ سفر کے دوران اسے انگریزی زبان سیکھنے کا شوق ہوا۔ اور اس شوق نے اسے ہر دلچسپی سے غافل کر دیا۔

رات دن کی مسلسل محنت اور بے پناہ لگن کے باعث اس نے انگریزی زبان میں وہ مہارت حاصل کر لی کہ اہلِ زبان بھی دنگ رہ گئے۔ بعد ازاں اس نے افسانے اور ناول لکھنا شروع کیئے تو یورپ کے انگریز اہلِ زبان اور ادیب و شعراء دانتوں میں انگلی داب کے رہ گئے۔ جوزف کونراڈ کی انگریزی نثر بے مثل فصاحت، بلاغت اور سامعہ نواز

صوتی اثرات کی حامل ہے۔ پولینڈ والوں کو فخر ہے کہ جوزف پولینڈ کا سپوت ہے اور انگلستان کو فخر ہے کہ کونراڈ انگلش نثر نگار ہے۔ آج اسے بے مثل اور کلاسیکی نثر نگار مانا جاتا ہے۔ یہ محض اتفاق نہیں تھا۔ اس کے پیچھے کونراڈ کی انتھک ریاضت اور بے پایاں شوق کار فرما ہے۔

مقبول ترین میگزین

The most popular magazine

دنیا کا سب سے مقبول ترین میگزین "ریڈرز ڈائجسٹ" کا پہلا شمارہ صرف پانچ سو کی تعداد میں چھپا تھا۔ اس کے مالکان یعنی ایڈیٹر اور اس کی بیوی روزانہ اٹھارہ گھنٹے کام کرتے تھے۔ انہوں نے بڑی مشکلات جھیلیں، قدم قدم پر مایوسی نے انہیں مغلوب کیا، ناسازگار حالات نے انہیں دل شکستہ کیا لیکن وہ اپنے ارادے کی تکمیل سے نہ ہٹے اور پھر لگاتار محنت اور مستقل مزاجی رنگ لائی اور ریڈرز ڈائجسٹ مقبول ہونے لگا۔ آج وہ کئی زبانوں میں اور لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوتا اور دنیا کے ہر ملک میں پڑھا جاتا ہے۔

یہ درست ہے کہ ہماری کامیابی میں ذہانت بھی بڑا اہم کردار ادا کرتی ہے لیکن ذہانت سے زیادہ مستقل مزاجی کردار ادا کرتی ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے انسانوں کو دیکھئے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ مستقل مزاجی ان کی نمایاں خصوصیت رہی ہے۔

یاد رکھئے! کہ قابل فاضل شخص فضیلت کو تبھی پا سکا جب اس نے ایک سبق کے بعد دوسرا سبق یاد کیا، مزدور کی کامیابی اسی طرح ہوئی کہ وہ ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری چوٹ لگاتا گیا۔ کسان کی کامیابی کا راز اس بات میں ہے کہ وہ فصل کے بعد دوسری فصل اٹھاتا چلا جائے۔ مصور کی کامیابی ایک تصویر کے بعد دوسری تصویر بناتے چلے جانے میں ہے۔ مسافر تبھی منزل پر پہنچ سکتا ہے کہ میل کے بعد میل طے کرتا چلا جائے۔

یاد رکھئے کہ کامیابی کی عمارت میں مستقل مزاجی بھی ایک اہم ستون ہے۔

فوری فیصلہ...... جرأت مندی

Prompt Decision - courage

☆ ایک رات کا ذکر ہے کہ مدینے میں غُل سا ہوا۔ غیر مانوس سا شور سن کر لوگ سمجھے شاید کسی دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔ سب شور کی طرف گئے.. تھوڑی دور آپ ﷺ انہیں واپس تشریف لاتے ہوئے ملے.. آپ ﷺ ابو طلحہؓ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر (بغیر زین کے) سوار تھے اور تلوار تھامے ہوئے تھے۔ شور و غل کی وجہ سے آپ ﷺ بلا تأمل اور بغیر تذبذب و ڈر کے خود تنِ تنہا تحقیق کیلئے تشریف لے گئے تھے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو تسلی دی اور فرمایا:

"ڈرو مت.. ڈرو مت.. خطرے کی کوئی بات نہیں"

پھر آپ ﷺ نے اس گھوڑے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جس پر آپ سوار تھے اور جو سست رفتار اور سرکش مشہور تھا فرمانے لگے:

"ہم نے اسے دریا کی مانند تیز رفتار پایا"۔ (اخلاقِ رسول)

جنگِ احد میں جب غلط فہمی کی وجہ سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو آپ ﷺ نہایت استقامت و حوصلہ مندی کے ساتھ ڈٹے رہے حتیٰ کہ منتشر فوج کو حوصلے کی آواز دی اور پھر جمع کر کے حملہ کیا اور کامیاب ہو گئے۔

(معمولاتِ نبوی ﷺ)

☆ حضرت عمرانؓ بن حصین فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا مقابلہ جب کسی لشکر یا بڑے گروہ سے ہوتا اور ان پر حملہ کی نوبت آتی تو حملہ کرنے والوں میں سب سے آگے آپ ﷺ ہوتے۔

☆ ایک دفعہ کفار نے نعوذ باللہ آپ ﷺ کے قتل کا پروگرام بنایا.. حضرت

فاطمہؓ نے سن لیا اور آکر مطلع کیا.. آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹی گھبراؤ نہیں...... اللہ میرے ساتھ ہے۔ پھر وضو کیا اور سیدھے کعبہ کی طرف جرأت مندی اور حوصلے سے روانہ ہوئے اور صحنِ حرم میں پہنچے تو کفار آپ ﷺ کی شجاعت اور بے خوفی سے دنگ رہ گئے اور شرم سے ان کی آنکھیں جھک گئیں۔(سیرت الرسول ﷺ)

اسلام عالمی اور لازوال مذہب ہے۔ حضورِ اقدس ﷺ اعلیٰ درجہ کی قوتِ فیصلہ رکھتے تھے، آپ کے اندر قوتِ فیصلہ کی کمی نہیں تھی۔ اس کی مثال تمام غزوات اور قریشِ مکہ کے ساتھ معاملات میں واضح ملتی ہے۔

یہی وہ زندگی اور صفات تھیں جس کی وجہ سے مسلمان تمام عالم میں کامیاب ہوتے حتیٰ کہ مسلمان حکمرانوں کے اصول بھی انہیں اصولوں کے تابع تھے۔

یورپ ان اصولوں کو اپناتے ہوئے کامیاب ہے۔ کیا یہ اصول یورپ کے ہیں؟ ہرگز ایسا نہیں.. بلکہ بنظرِ عمیق دیکھا جائے تو یہ اصول دراصل ہمارے اور اسلام کے ہیں۔

زیرِ نظر مضمون میں یورپی ماہر نے طرح طرح کی مثالوں سے اپنے مضمون اور مدعا کو واضح کیا ہے لیکن غرض صرف اور صرف یہی ہے کہ زندگی ان اصولوں پر آجائے جو حضورِ اقدس ﷺ، صحابۂ کرامؓ، اہل بیت اور مسلمان سلاطین کے اندر تھے۔ آیئے دیکھیں...... جدید سائنس اس ضمن میں ہمیں کیا دیتی ہے۔

جو کرنا ہے کر ڈالیئے

Whatever you wish to do, do it

☆ ہر قوم اور ہر فرد کی زندگی میں سچ اور جھوٹ کی جنگ میں بھلائی اور برائی کے درمیان فیصلہ کرنے کا موقع ضرور آتا ہے۔(آلویل)

☆ تذبذب کردار کی کمزوری کا سب سے کمزور پہلو ہے۔(والٹیر)

☆ جو لوگ تذبذب اور جھجک سے کام لیتے ہیں وہ زندگی میں شاید ہی کامیاب ہوتے ہیں۔(ایڈیسن)

☆ شروع کر دو.. شروع کرنا نصف کام ختم کر دینے کے برابر ہے، نصف جو باقی رہ جاتا ہے اس کو پھر شروع کر دو اور بس تمہارا کام ختم ہو گیا۔(ایسونی ایس)

ڈاکٹر جانسن کا قول

Dr. Johnson says

ڈاکٹر جانسن کا قول ہے :۔

جتنا وقت تم اپنے دل کے کے ساتھ یہ فیصلہ کرنے میں گزارتے ہو کہ دو کتابوں میں سے کون سی کتاب تمہارا لڑکا پہلے پڑھے، اتنی دیر میں دوسرا لڑکا دونوں کتابیں ختم کر لیتا ہے۔

جین ڈار کی کامیابی کا راز یہ تھا کہ وہ سوال کو سمجھ کر فوراً اس کو حل کرنے کی جانب جھک پڑتی تھی۔ اس کی طاقت و مضبوطی اس کی جرأت میں نہ تھی بلکہ اس کی قوتِ فیصلہ میں تھی یا ان اوصاف میں تھی، جن سے قوتِ فیصلہ بنتی ہے۔ اس نے چارلس ہفتم کو خدا کا نام لے کر ولی عہد قرار دے دیا۔

کولمبس کیوں کامیاب ہوا؟ اسلئے کہ اس کا ارادہ پختہ تھا اور اس کی قوتِ فیصلہ بر وقت اور متوازن ہوتی تھی۔ وہ جس بات کا ارادہ کر لیتا اسے تکمیل تک پہنچا کے دم لیتا۔ کہا گیا ہے کہ آپ اسے ختم کر سکتے تھے، اس کے ارادے کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دنیا کے سفر کا ارادہ اس نے بچپن میں کیا تھا اور عہدِ شباب میں اس نے اسے مکمل کرنے کا آغاز کیا اور آخر کار کامیاب ہو کر رہا۔

بامقصد زندگی

Ambitious life

بہت سے اشخاص سے ہم واقف ہیں کہ جن کی زندگی کسی نصب العین، کسی مقصد، مدعا اور تدبیر کے بغیر بسر ہوتی چلی جاتی ہے، نہ کوئی ہدایت نہ کوئی تجویز اور نہ کوئی نصب العین۔ وقت کے دھارے میں لکڑے کے گٹھوں کی طرح بہے چلے جاتے ہیں۔ جس شخص کی زندگی کسی مقصد کے بغیر بسر ہوتی ہے اور جو صرف حالات کے ہی تابع ہے، ایسے شخص کا کردار کبھی پائیدار نہیں ہوتا اور اس کی زندگی کا جہاز کبھی گہرے پانیوں میں نہیں جا سکتا۔ ایسے شخص کے متعلق کوئی پیشن گوئی نہیں کی جا سکتی کہ آنے والے کل میں اس کا کیا کردار ہوگا۔ ایسے شخص کو آوارہ جہاز کی مثال کہا گیا ہے۔

تذبذب اور متردد طرزِ عمل سے شاندار ذہانت کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ وہ شخص کتنا

خوش نصیب ہے جس کا نفس شک و شبہ اور وہم گمان کی آمیزش سے بالاتر ہے، جو آرام و آسائش سے نفرت کرتا ہے، مخالفت پر ہنس دیتا ہے، جو یہ محسوس کرتا ہے کہ ارادہ اور کام کرنے کی قوت اس کے اندر موجود ہے، جسے اپنے خوش نصیبی کے ستارے پر اعتبار ہے، جس کے دل میں آگے بڑھنے کا عزم روشن ہے، جو شکوک و شبہات سے پاک قوتِ فیصلہ کا مالک ہے، جس میں جرأت ہے اور جلد فیصلہ کرنے کی صلاحیت ہے، جو اپنے پیشے سے بالاتر ہے، جو لعنت ملامت سے نہیں ڈرتا، خوشامد اور ستائش سے بالکل متاثر نہیں ہوتا اور جو مذاق کرنے والوں کی پرواہ نہیں کرتا۔

ولیم پٹ انگلستان کا وزیرِ اعظم گزرا ہے۔ یہ شخص ایک واضح نصب العین کا مالک تھا، اس نے بچپن ہی میں یہ سوچ لیا تھا کہ لوگ اس سے امیدیں وابستہ کیئے بیٹھے تھے کہ وہ بڑا آدمی بنے اور اپنے مشہور باپ کا لائق اور سعادت مند فرزند ثابت ہو، اس کی تمام تعلیم کا یہ بنیادی مقصد تھا۔ جہاں کہیں وہ ہوتا، جو کام وہ کرتا خواہ اسکول میں یا کالج میں ..کام کرتے ہوئے یا کھیلتے ہوئے...... یہ عظیم خیال اسے کبھی نہ بھولتا۔

وہ ارادہ کئے ہوئے تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ انگلستان کا وزیرِ اعظم ضرور بنے گا۔ چنانچہ بائیس سال کی عمر میں وہ پارلیمنٹ میں داخل ہوا، تیس برس کی عمر میں وزیرِ مال ہو گیا اور پچیس سال کی عمر میں انگلستان کا وزیرِ اعظم بن گیا۔ غیر متزلزل ارادے کی یہ ایک قابلِ تقلید مثال ہے.. اس نے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے اس پر اپنی پوری طاقت صرف کر دی تھی...... اسے جو کرنا تھا کر دکھایا۔

ایموس لارنس کا تجزیہ

Lawrence's experience

ایموس لارنس نے ایک جگہ کہا ہے کہ تمام کامیابی کا راز یہ تھا کہ ہم نے عجلت سے کام کرنے کی عادت ڈالی تھی اور ہم وقت کو عین چوٹی سے پکڑ لیتے تھے لیکن دوسروں کی عادت یہ تھی کہ وہ نصف جذر کے وقت ڈھیل ڈھال کرتے رہتے تھے نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کا کام خراب ہو جاتا تھا۔

کسی مسئلے کے متعلق فیصلہ کرنے میں دوسروں کی امداد لینا غیر مفید ہی نہیں بلکہ اس سے بھی برا ہے۔ ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ اپنی عادات ایسی بنائے کہ ضرورت کے وقت اپنی جرأت اور خود اعتمادی سے کام لے سکے۔

نپولین نازک موقعوں پر کبھی تأمل نہیں کرتا تھا

Napoleon never haritated

نپولین نازک موقعوں پر کبھی تأمل نہیں کرتا تھا۔ جس طریقہ کار کو وہ بہت ہی دانائی کا طریقہ خیال کرتا اسی پر فوراً کاربند ہو جاتا اور باقی طریقوں کو بالکل ترک کر دیتا اور کبھی ان طریقوں کے متعلق دلائل کو بار بار اپنی نظر کے سامنے لاکر خود کو متزلزل نہ ہونے دیتا۔ ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں جن میں فوری فیصلے کی صلاحیت ہوتی ہے اور فوراً ہی دانائی کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں۔

جب تک نپولین میں دانائی فوری فیصلے کی طاقت رہی وہ تمام یورپ کا مالک بنا رہا۔ والٹرلو کے میدان میں اسے شکست ہوئی اس کی وجہ یہ تھی کہ اس موقع پر وہ عجلت سے فیصلہ نہ کر سکا اور غیر ضروری تاخیر سے دوچار ہوا۔

یہ نپولین کی زبردست قوتِ فیصلہ ہی تھی جس کی بدولت اس نے تمام یورپ کو مغلوب کر لیا تھا۔ وہ ہر وقت بڑی سے بڑی لڑائی اور چھوٹی سے چھوٹی تفصیل میں یکساں اور فوری اور فیصلہ کن ہوا کرتی تھی اور اس کی قوتِ ارادی کے سامنے کوئی شے نہیں ٹھہر سکتی تھی۔

فیصلے کی پختگی کی ایک شاندار مثال قتل کے ایک مشہور مقدمے میں ایک جج نے قائم کی تھی۔ فیصلہ کرنے والے ججوں کی تعداد بارہ تھی۔ گیارہ ممبر ملزم کو سزائے موت دینے کے حق میں تھے لیکن ان میں سے ایک جج کو اس سزا سے اختلاف تھا، اس نے باقی ممبروں سے صاف صاف کہہ دیا کہ :

میں کبھی بھی آپ کی بات نہیں مان سکتا۔ میں اس ملزم کو بے گناہ سمجھتا ہوں اور اسے پھانسی کی سزا سنانے کی بجائے میں خودکشی کر لینا نیکی سمجھتا ہوں۔ آپ مجھے فاقے دے کر مار ڈالیے، اندھے کنوئیں میں پھینکوا دیجئے لیکن ایک بے گناہ کو پھانسی کی سزا دینا نہ صرف میرے ضمیر کے خلاف ہے بلکہ یہ انصاف کے گلے پر چھری پھیرنے کے مترادف ہے! ادھر گیارہ جج بھی اپنے فیصلے پر بضد تھے اور اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے۔ چوبیس گھنٹے گزر گئے اور اختلاف کی رسہ کشی جاری رہی۔

آخر کار گیارہ ججوں کو اپنا فیصلہ بدلنا پڑا اور انہوں نے اپنے بارہویں ساتھی کی رائے مان لی اور اس طرح ایک بے گناہ انسان پھانسی کے پھندے سے بچ گیا۔ اسے انصاف

کی دنیا میں ایک قابلِ تقلید مثال کی حیثیت سے یاد رکھا گیا ہے۔

آپ کا ہر فیصلہ عقل و فہم کی روشنی میں ہونا چاہئے۔ محض فیصلہ تو ایک خچر بھی کر سکتا ہے لیکن اس فیصلے کو خچر کا فیصلہ ہی تو کہا جائے گا۔ محض ضد اور خیال اور ہٹ دھرمی کو متفقہ تو نہیں کہتے۔ . لوگ ایسے فیصلے کو خچر پنا فیصلہ کہتے ہیں۔ ہٹ دھرمی اور درست فیصلے میں بڑا فرق ہے۔ ہٹ دھرمی میں بے جا غرور اور جہالت ہوتی ہے جبکہ درست فیصلہ سنجیدگی اور غور و فکر کا نتیجہ ہوتا ہے۔

بعض موقعے ایسے ہی آتے ہیں جب فوری فیصلے کی ضرورت ہوتی ہے اور اگرچہ انسان کو پتہ ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ پختہ نہیں اور نہ ہی ذہن اس کی تائید کرتا ہے مگر وقت کے تقاضے کے پیشِ نظر فیصلہ فوری کرنا ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر ضروری ہے کہ آپ اپنی پوری ذہنی صلاحیت سے کام لیتے ہوئے بلا تاخیر فیصلہ کر دیجئے اور محسوس کیجئے کہ آپ بالکل صحیح فیصلہ کر رہے ہیں۔ اگر آپ تذبذب کا شکار ہو گئے تو موقع ہاتھ سے نکل جائے گا اور آپ ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔

فینی فرن لکھتی ہیں

Fanny Fern writes

فینی (مسز جیمس پاٹرن) فرن لکھتی ہیں کہ :

جب میں دورانِ جنگ جنرل ٹیلر کے ہمراہ تھی تو مجھے جرنیل صاحب کے فوری فیصلوں کی طاقت دیکھ دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی تھی۔ بڑے بڑے اہم معاملات جنرل صاحب کے خیمے میں پیش آتے تھے وہ ہر معاملے کو بغور دیکھتے اور فوراً ہی اپنا فیصلہ سنا دیتے اور جب ایک دفعہ فیصلہ کر چکتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس بات کو انہوں نے اپنے ذہن کی تختی سے بالکل محو کر دیا ہے۔

سبق آموز کہانی

A didactic story

ایک بڑی سبق آموز کہانی ہے۔ ایک باپ کے دو بیٹوں کو کسی ظالم کی فوجوں نے گرفتار کر لیا۔ باپ نے انہیں چھڑانے کی کوشش کی اور اپنی جان اور کچھ روپیہ بطورِ زرِ فدیہ پیش کیا۔ اس کو جواب ملا کہ صرف ان چیزوں کے بدلے تم اپنے ایک بیٹے کو چھڑا

سکتے ہو۔ اب تم سوچ لو کہ کون سے بیٹے کو چھڑانا چاہتے ہو؟ مصیبت زدہ باپ نے غنیمت جانا کہ چلو ایک بیٹے کی جان تو بچ جائے گی مگر وہ یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ کس بیٹے کو رہا کرائے؟ وہ اسی کشمکش و پیچ میں گرفتار رہا اور تاخیر کے باعث اس کے دونوں بیٹے قتل کر دیئے گئے۔

ایسے لوگ جو تذبذب کا شکار رہتے ہیں، انہیں چاہئے کہ وہ ہمیشہ جھٹ پٹ اور ہمت سے کام کرنے کی عادت ڈالیں اور حتی الامکان تذبذب سے دور رہیں اور اپنی پوری ذہنی صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہوئے فوری فیصلے کی عادت اپنائیں۔ اپنے ہی فیصلوں کو شک و شبہ سے دیکھنے کی عادت بدل ڈالیں اور جو فیصلہ ہو جائے اس پر پچھتایا نہ جائے۔ رفتہ رفتہ آپ اس عادت کے عادی ہو جائیں گے۔

ولیم واٹ کا قول

William Watt's saying

ولیم واٹ کا قول ہے کہ:

جو شخص ہمیشہ اس تامل میں رہتا ہے کہ دو میں سے کون سی بات پہلے کی جائے وہ کبھی کچھ نہیں کر سکے گا۔ جو شخص ارادہ کرتا ہے اور کسی دوسرے کے زیرِ اثر اپنے ارادے کو بدل دینے کا عادی ہے۔ اس کی مثال مرغ بادِ نما کی سی ہے جو ہوا کے رُخ پر بدلتا رہتا ہے۔ ایسا شخص کبھی کامیاب زندگی نہیں گزار سکتا۔

تذبذب قوتِ ارادی کی ایک بیماری ہے۔ شیکسپیئر کا ہیملٹ اس بیماری کی بہت عمدہ مثال ہے۔ اس شخص کے قول و فعل میں بڑا تفاوت تھا۔ وہ شخص صرف ایک بار کسی چیز کو دیکھ کر آسانی سے فیصلہ کر سکتا ہے وہ اپنا راستہ آسانی سے متعین کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن ہیملٹ سب پہلوؤں کو دیکھتا تھا، اس کا نفس خیالات، شبہات اور فرضی امور سے لبریز رہتا تھا اور وہ فیصلہ کرنے کی قوت سے محروم رہتا تھا۔ وہ نہیں بتا سکتا تھا کہ بھوت جو اس کو دکھائی دیتا تھا وہ دراصل اسکے باپ کی روح تھی یا نہیں۔

بعض اوقات تذبذب کی بیماری زیادہ تر ذہنی مصروفیت کا نتیجہ بھی ہوتی ہے کیونکہ ایسی حالت میں عملی قوتیں بالکل مفلوج ہو جاتی ہیں۔

تذبذب کے عادی افراد دوسری باتوں میں خواہ کتنے ہی مضبوط اور مستحکم کیوں نہ ہوں، مگر زندگی کی دوڑ میں مصمم ارادے اور پختہ فیصلہ کرنے والے افراد ان سے آگے

بڑھ جاتے ہیں۔

یاد رکھیے..... کہ زندگی ایک رواں دواں قافلہ ہے اگر آپ نے اپنے پاؤں میں تذبذب کی زنجیریں ڈال لی ہیں تو آپ قافلے سے پیچھے رہ جائیں گے اور کوئی آپ کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر نہیں لیجائے گا، سوچ بچار میں وقت ضائع نہ کیجئے اور جو کچھ کرنا ہے کر ڈالیئے۔ ہزاروں افراد جو زندگی میں ناکام رہتے ہیں وہ محض اپنے تذبذب اور قوتِ فیصلہ کی کمی کے شہید ہوتے ہیں۔

دانا کا قول

Words of a wise man

کسی دانا کا قول ہے :

اپنی شخصیت کی تعمیر اس طرح کیجئے کہ آپ مین فوری اور درست فیصلہ کرنے کی قوت آجائے اور پھر اسے ایک اچھی عادت کی طرح اپنا لیجئے، ممکن ہے زندگی میں بعض فیصلے آپ غلط بھی کر جائیں لکن اس سے بد دل یا مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کہ اس کا ہر فیصلہ ہمیشہ درست ہی ہو، بعض اوقات بڑے بڑے عالی دماغ اور شہرۂ آفاق نابغوں سے بھی غلط فیصلے سر زد ہوئے ہیں۔

آپ کو صرف یہ یاد رکھنا ہے کہ فوری فیصلے میں بھی آپ حاضر دماغ اور سنجیدہ ہوں۔ اشتعال اور غصّے میں اکثر فیصلے غلط ہوتے ہیں۔ اگر صورتحال ایسی ہے ہے کہ آپ انتہائی اشتعال میں ہیں اور فیصلہ کی گھڑی تلوار کی طرح سر پر لٹک رہی ہے تو ایسی حالت میں ٹھنڈا پانی پیجئے، کھڑے ہیں تو بیٹھ جایئے، آنکھیں بند کر لیجئے، کوئی دعا جو آپ کو یاد ہو خدا کے حضور دہرایئے اور ایک بار پھر ٹھنڈا پانی پی کر دماغ پر خوب زور دیجئے......اور فیصلہ کر دیجئے۔

جس شخص کے فیصلے سدا ہی غلط ہوں وہ ضرور دماغی طور پر پاگل اور اخلاقی طور پر گمراہ ہے۔ قطعی فیصلے کی عادت میں ادراک کی درستی اور استدلال کی صفائی شامل ہو جاتی ہے اس لئے اس بات کا کوئی خطرہ نہیں کہ اس عادت کی وجہ سے برے نتائج پیدا ہوں۔

ایک دانا کا قول ہے :

کسی ایک شخص کو جگانے کی کوشش میں لگ جانا اس بات سے بدرجہا بہتر

ہے کہ ساری عمر دنیا کے بیدار کرنے کیلئے خواب دیکھتے رہیں۔
بہت سے کامیاب اشخاص فوری فیصلہ اور شاندار جرأت کی بدولت خطرناک اور نازک موقعوں پر غالب آئے ہیں، اگر وہ سوچ بچار میں لگے رہتے تو ضرور تباہ ہو جاتے۔

بادشاہ نکولس

King Nicholos

سینٹ پیٹرز برگ اور مسکو کے درمیان ریلوے لائن بچھانے کیلئے جب پیمائش کی جارہی تھی تو بادِشاہ نکولس کو پتہ چلا کہ جن افسروں کے سپرد یہ کام کیا گیا ہے وہ ذاتی خیالات کو کارِ مفوّضہ کی ضروریات پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس نے ارادہ کر لیا کہ محکمانہ قوتِ ارادی سے اس کام کو نپٹا دے۔ جب وزیر نے اس کے سامنے نقشہ رکھا اور مجوزہ راستے کی نشاندہی کرنے کا ارادہ کیا تو نکولس نے ایک مِسطر اٹھا کر ایک نقطے سے دوسرے نقطے تک سیدھی لائن کھینچ دی اور ایسے لہجے میں حکم دیا کہ لائن اس طرح بنے کہ وزیر سے سوائے خاموشی کے کچھ نہ بن آیا اور نکولس کے حکم کے مطابق ریلوے لائن بچھادی گئی۔

دوسری جنگِ عظیم کے دوران جنرل آئزن کو ایک محاذ سے دوسرے محاذ پر پہنچنا تھا لیکن دشواری یہ حائل تھی کہ موسلادھار بارش برس رہی تھی، راستہ پہاڑی اور کچا تھا، رات اندھیری تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ ان تمام مشکلات کے باوجود محاذ پر پہنچنا ضروری تھا۔۔ ورنہ اتحادی فوجوں کی شکست یقینی تھی۔ مصر کی طرف سے فیلڈ مارشل منٹگمری، تیونس کے محاذ پر جنرل آئزن اور آخری مصرے پر جنرل ڈیگال کی کمان تھی۔ مقابلے میں اکیلا جنرل رومیل تھا۔ محاذ کی لمبائی اتحادیوں کیلئے خطرناک تھی۔ جنرل آئزن ہاور نے اپنے ڈرائیور کو حکم دیا کہ جیپ نکالو! ڈرائیور نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کہا:

سر! میں تیار ہوں مگر راستہ خطرناک اور کچا ہے، اوپر سے اندھیری اور بارش آلود برسات ہے۔ مگر آئزن نے حکم دیا: میں نے فیصلہ کر لیا ہے اور اب یہ فیصلہ ملتوی نہیں ہو سکتا۔۔ میرے ارادے کی تبدیلی ہماری فتح کو شکست میں بدل سکتی ہے۔۔ لہٰذا تاخیر کی اجازت نہیں۔ ڈرائیور نے جیپ اسٹارٹ کی اور موسلادھار بارش اور اندھیری رات میں جیپ کچے پہاڑی راستے پر دوڑنے لگی ڈرائیور کی مہارت قابلِ تعریف اور مستند

تھی۔ جیپ پھسل پھسل جاتی تھی مگر ڈرائیور کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ وہ راستے سے ہٹ نہ سکتی تھی۔ کئی بار ایسا ہوا کہ گاڑی گرتے گرتے بچی مگر آئزن ہاور کے ارادے میں تبدیلی نہ آئی۔

جیپ دوڑتی جاتی تھی، بارش ٹوٹ ٹوٹ کے برس رہی تھی اور پھر انتہائی کوشش کے باوجود جیپ اتنی تیزی سے پھسلی کہ لڑھک کر ایک پتھر سے جا ٹکرائی۔ جنرل آئزن ہاور اور ڈرائیور باہر جا گرے لیکن آفرین ہے جنرل آئزن ہاور کی ہمت پر کہ ڈرائیور سے مل کر گاڑی کو پھر سڑک پر لے آئے اور حکم دیا کہ چلے.. یہ لمحہ بہت نازک تھا۔ ڈرائیور نے انکار کر دیا: "میں آگے نہیں جا سکتا.. خواہ کچھ بھی ہو۔ جنرل آئزن ہاور چکرا کے رہ گیا۔ اتحادی فوجوں کا کمانڈر انچیف ڈرائیور سے انکار سن رہا ہے۔ جنرل نے کہا:

"تم جانتے ہو ملٹری میں انکار کی سزا موت ہے"۔

ڈرائیور نے جواب دیا:

میں جانتا ہوں سر! لیکن میں جان بوجھ کے موت کے منہ میں نہیں جا سکتا۔

جنرل نے کہا:

ذرا سوچو کہ تمہارے انکار کے نتیجے میں امریکی قوم غلام بھی بن سکتی ہے۔ میں جیپ خود بھی ڈرائیو کر سکتا ہوں لیکن میں چاہتا ہوں کہ فتح کی سعادت میں تمہیں بھی حصہ ملے۔ لیکن ڈرائیور اپنی ضد پر اڑا رہا.. آخر جنرل آئزن ہاور نے ریوالور نکال لیا اور ڈرائیور کی طرف تان کر حکم دیا:

بولو! اب کیا کہتے ہو؟ میں تمہیں ختم کر سکتا ہوں لیکن امریکہ کو غلام نہیں بنا سکتا، مرنے کے بعد تمہارا نام غداروں کی فہرست میں لکھا جائے گا.. میں تمہیں صرف دس سیکنڈ کی مہلت دیتا ہوں.. گیارہویں سیکنڈ میں گولی تمہارا سینہ چیر کے نکل چکی ہو گی۔ ......ہاں تو ایک.. دو.. تین.. چار.. پانچ.. چھ.. سات.. آٹھ.. نو.......... اور اس سے پہلے کہ جنرل دس کا لفظ بولتے ڈرائیور ان کے پاؤں میں جھک چکا تھا.. سر مجھے معاف کر دیجئے۔ میں بھی کتنا بے وقوف اور خود غرض ہوں.. آپ بھی تو میرے ساتھ ہیں۔ آپ اتنے فرض شناس ہیں کہ موت کی پرواتک نہیں اور ایک میں ہوں کہ اپنی ناچیز جان کو بچانے کی فکر میں ہوں...... اور پھر ایک بار پھر جیپ کچے پہاڑی راستے پر دوڑنے لگی اور جب جنرل آئزن ہاور محاذ پر پہنچے تو یہ اتنا نازک موقع تھا کہ اگر وہ مزید پانچ

منٹ لیٹ ہو جاتے تو جنگ کا پانسہ پلٹ گیا ہوتا۔ اس لئے کہ محاذ پر موجود فرانسیسی فوجوں نے لڑنے سے انکار کر دیا تھا اور جنرل کو یہ اطلاع مل گئی تھی۔۔ انہوں نے موقع پر پہنچ کر اپنے امریکی نوجوانوں کو حکم دیا کہ جو فرانسیسی سپاہی ہتھیار نہیں اٹھاتا اسے بلا دریغ گولی مار دی جائے۔۔ حملے کا حکم دیا گیا اور جوں ہی امریکی فوجوں نے فرانسیسی فوجوں پر فائرنگ کا ارادہ کیا۔۔ انہوں نے ہتھیار اٹھا لیے اور امریکیوں کے شانہ بشانہ حملہ آور ہوئے۔ یہ حملہ اتنا شدید اور اچانک تھا کہ جرمنوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور دور تک پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ یہ واقعہ جنرل آئزن ہاور نے اپنی خود نوشت داستانِ حیات PRE-LUDE TO THE WAR میں لکھا ہے۔ یورپین فلاسفر کہتے ہیں:

☆ میں یاد رکھوں گا۔۔ جب سیزر کہتا ہے "یہ کام کرو" تو وہ کام پورا ہو جاتا ہے۔ (شیکسپیئر)

☆ عجلت کے مقابلے میں تذبذب زیادہ نقصان دہ ہے۔ (ملٹن)

☆ اس شخص کی حالت قابلِ رحم ہے جو اپنے ضمیر کی عدالت میں حجت سے کام لیتا ہے۔ (پچر)

☆ متذبذب لوگ کبھی کوئی بڑا کام نہیں کر سکتے۔ (جارج ایلیٹ)

جرأت

Courage

☆ جو باتیں انسان کے شایانِ شان نہیں میں انہیں سر انجام دینے کا حوصلہ رکھتا ہوں، جو کوئی اس سے زیادہ حوصلہ رکھتا ہے وہ انسان نہیں کچھ اور شئے ہے۔ (شیکسپیئر)

☆ جرأت مند لوگ ہی شہرت و ناموری حاصل کر سکتے ہیں۔ (شیکسپیئر)

☆ کامیابی جرأت سے پیدا ہوتی ہے۔ (ایکنس فیلڈ)

☆ اگر جرأت نہیں رہی تو کچھ بھی نہیں رہا۔ (گوئٹے)

☆ بعض باتوں سے میں یقیناً ڈرتا ہوں، خاص طور پر گھٹیا کام کرنے سے میں بہت خوف محسوس کرتا ہوں۔ (جیمس گارفیلڈ)

ڈیوک آف ولنگٹن

Duke of Wellington

ڈیوک آف ولنگٹن کے ایڈی کانگ کیپٹن لاڈی نے جب یہ سنا کہ نپولین بھاگ کر

پیرس پہنچ گیا ہے تو اس نے اپنے معالج سے دریافت کیا: "میں کتنے روز زندہ رہ سکوں گا؟" ڈاکٹر نے جواب دیا: اگرچہ آپ تپ دق کے مریض ہیں اور آپ کا مرض بہت شدید ہے لیکن پھر بھی اگر آپ احتیاط اور پرہیز رکھیں تو بہت عرصے تک زندہ رہ سکتے ہیں۔

کیپٹن نے خوش ہوتے ہوئے کہا: اچھا.. تو میں ابھی بہت دن زندہ رہ سکتا ہوں! پھر تو بہتر یہی ہے کہ میں بستر پر جان دینے کے بجائے میدانِ جنگ میں لڑ کر جان دے دوں۔ ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود وہ اپنی رجمنٹ میں شامل ہو گیا اور "واٹرلو" کے میدان میں نہایت پامردی سے لڑائی کے دوران اسے ایسا زخم لگا جس سے اس کے دونوں پھیپھڑے تندرست ہو گئے اور پھر کئی سال تک جیا۔

ایک جنگی محاصرے کے دوران چارلس دوازدہم (بارہواں) اپنے سیکرٹری سے خط لکھوا رہا تھا کہ اس مکان پر بم کا گولہ آن گرا، چھت پھٹ گئی اور بم بادشاہ کے کمرے میں گر کر پھٹ گیا۔ اس سے سیکرٹری پر خوف سے کپکپی طاری ہو گئی اور قلم ہاتھ سے چھوٹ گیا لیکن چارلس یوں پُر سکون رہا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اس نے اپنے سیکرٹری سے کہا: کیا بات ہے؟ اتنے خوفزدہ کیوں ہو؟ سیکرٹری نے جواب دیا:

بادشاہ سلامت، یہ بم!...... اس پر بادشاہ نے کہا واہ بھئی! بم کا خط کے مضمون سے کیا تعلق؟ چلو لکھو۔

زیڈ لیئس - پرشیا کا مشہور جرنیل

Z. 'Levis a famous general of Prussia

زیڈ لیئس پرشیا کا مشہور جرنیل تھا۔ اس نے محض اپنی جرأت کے باعث ترقی کے زینے طے کیئے۔ تیز نظر شاہ فیڈرک نے اسے جلد ہی جنرل کے عہدے پر فائز کر دیا تھا۔ ایک روز بادشاہ کے ہمراہ دشمن فوج کی نقل و حمل دیکھنے جا رہا تھا جب وہ ایک پُل پر سے گزر رہے تھے تو بادشاہ نے اچانک سوال کیا:

اگر پُل کے دونوں کنارے دشمن کے قبضے میں آجائیں تو تم کیا کرو گے؟ زیڈ لیئس نے جواب یا: میں یوں کروں گا۔ یہ کہتے ہوئے اس نے پُل پر سے گھوڑے سمیت دریا میں چھلانگ لگا دی اور صحیح سلامت دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ بادشاہ نے اسی وقت اسے میجر کے خطاب سے پکار کر سلام کیا۔

معذرت

ہمارے پاس موجود اس کتاب کے نسخہ میں صفحہ نمبر 369 تا 384 موجود نہ ہونے کی وجہ سے یہ صفحات رہ گئے ہیں۔

جاری کرنے کی اجازت نہیں دیتا، اس نے ان پر نرمی سے حد جاری کردی۔
حضرت عمر فاروقؓ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے گورنر مصر عمرو بن عاص کو لکھا کہ ابو شحمہؓ کو فوراً میرے پاس روانہ کردو۔ میں اس معاملے کی خود تحقیق کرنا چاہتا ہوں.. حضرت عمرؓ کا انصاف ضرب المثل تھا۔
حضرت عمرؓ کے لیئے یہ معاملہ بڑا نازک تھا لیکن انہیں اپنے اسلامی فرائض کا احساس تھا۔ انہوں نے ابو شحمہ پر دوبارہ حد جاری کردی تا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ امیر المومنین کے لڑکے سے رعایت ہوئی۔ اس موقع پر ابو شحمہؓ کا برا حال تھا۔ سفر کی تھکان، باپ کی ناراضگی اور کوڑوں کی مار نے انہیں بیمار کردیا۔ قریباً ایک مہینہ بعد وہ اس صدمے سے اللہ کو پیارے ہوگئے۔
مولانا شبلی نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ خط بھی شائع کیا ہے جو انہوں نے گورنر مصر کے نام لکھا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خط میں لکھا: "امیر المومنین عمر کی طرف سے میں تجھے معزول کر کے چھوڑوں گا۔ تم نے عبد الرحمٰن کو اپنے گھر پر تازیانے لگائے.. وہیں اس کا سر مونڈا.. حالانکہ تم جانتے تھے کہ یہ کام میری مرضی کے خلاف کر رہے ہو۔
میرا بیٹا عبد الرحمٰن تمہاری رعایا کا فرد ہے۔ تمہیں اس کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے تھا جو دوسرے مسلمان سے کرتے ہو.. لیکن تم نے سوچا وہ امیر المومنین کا بیٹا ہے، جس وقت میرا خط تمہارے پاس پہنچے اس وقت عبد الرحمٰن کو ایک اونی عبا پہنا کر اور اونٹ کی کاٹھی پر بٹھا فوراً میرے پاس بھیج دو۔
حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بار بحیثیتِ مدعا علیہ زید بن جابر کی عدالت میں پیش ہوئے۔ قاضی نے عدالت میں کھڑے ہو کر انہیں تعظیم دی تو آپ نے انہیں ڈانٹا اور عام آدمی کی طرح مخالف فریق کے ساتھ بیٹھ گئے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلے

The decision of Sayyidina Ali رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اسلامی رو سے مقدمات کے فیصلوں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ید طولیٰ حاصل تھا.. جب بھی کسی مقدمے میں دشواری پیش آتی حضرت علی رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی طرف رجوع کیا جاتا۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں انہوں نے اکثر مقدمات کا فیصلہ کیا۔

مثلاً ایک بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک پاگل عورت پر حد جاری کر دی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا: "فاترالعقل پر حد جاری نہیں ہو سکتی"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا علم ہوا تو اپنا حکم واپس لے لیا۔

ایک بار ایک زانیہ عورت کو سنگسار کرنے کی اجازت دی گئی۔ یہ عورت حاملہ تھی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہہ کر سزا رکوادی کہ یہ عورت بچے کی ولادت تک سزا کی مستوجب نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دورِ خلافت میں عدل و انصاف پر خصوصی توجہ دیتے تھے وہ اپنے عاملوں کو عدل و انصاف قائم کرنے کی ہدایت فرماتے۔ ان کا ایوانِ عدالت بلاامتیاز مذہب و ملت، امیر و غریب سب کیلئے کھلا تھا۔ سائل دن کے کسی بھی حصے میں خلیفہ وقت امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف رجوع کر سکتے تھے۔

خاندانی نظام کی شرعی حیثیت اور سائنسی حیثیت

Religious & scientific status of the family system

اسلامی تعلیمات میں خاندانی نظام کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ اسلام میں اس کے بارے میں جتنی تعلیم اور اہمیت دی ہے وہ شاید کسی اور مذہب میں نہیں۔ ایک خاندان میں جتنے افراد ہوتے ہیں۔ ان سب کی اہمیت علیحدہ علیحدہ بتائی ہے۔ اسلام بوڑھوں کو "اولڈ ہاؤس" بھیجنے کا نہیں کہتا بلکہ ان کی دیکھ بھال پر بھی اجر و ثواب کی تعلیم دی ہے اور بوڑھے افراد کی عمر کے لحاظ سے فضیلت بتائی ہے۔

والدین کو اولاد کے متعلق احکامات دیئے ہیں اور اولاد کو والدین کے متعلق۔ بیوی کو خاوند کے متعلق احکامات دیئے ہیں اور خاوند کو بیوی کے متعلق۔ اس سے اسلام کے اندر خاندانی نظام کو برقرار رکھنے اور بڑھانے کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے۔ اس نظم کے ذریعے آپس میں محبت والفت، بھائی چارہ، دوسروں سے صلہ رحمی اور تعلق بڑھتا ہے۔ خاندان کے دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات کو بھی جوڑنے کا کہا گیا ہے اور قطع رحمی اور قطع تعلقات کو ناپسند فرمایا ہے۔

انہی اسلامی تعلیمات کا جدید سائنس سے موازنہ کیا گیا ہے .... ملاحظہ فرمائیں :۔

خاندانی نظام ٹوٹ رہا ہے

Family system is breaking up

خاندان اور ارد گرد بسنے والے لوگوں کے درمیان تعلقات انسانی زندگی کا ایک انتہائی گرانقدر پہلو ہے۔ اس مسلمہ امر کے باوجود دنیا کے کمیونٹی حصوں میں حالیہ دو تین عشروں میں خاندانی مراسم اور کمیونٹی تعلقات میں زوال آیا ہے۔ مشترکہ خاندانی نظام کئی خوبیوں کا حامل ہے۔

اس میں بڑے بوڑھوں کا تجربہ، جوانوں کی توانائی اور بچوں کی دلکشی مل کر زندگی کو بھرپور بناتی اور رعنائی عطا کرتی ہیں۔ بچوں کو شفقت اور محبت کی کمی نہیں ہوتی، بڑے بوڑھوں کو رفاقت کا فقدان نہیں رہتا اور نوجوانوں کو تحفظ اور رہنمائی کی کمی نہیں رہتی۔ خصوصیت سے پاکستان کے معاشرتی ڈھانچہ میں مشترکہ خاندانی نظام کو بڑی اہمیت حاصل ہے مگر دنیا کے دوسرے ملکوں کی طرح یہاں بھی اس نظام کے تار و پود بکھرتے نظر آتے ہیں۔ اس نظام میں زوال بتدریج آیا ہے۔ اسکی ایک بڑی وجہ بدلتی ہوئی اخلاقی اقدار ہیں۔

اس نظام میں بعض پرانی کمزوریاں بھی چلی آرہی ہیں۔ مثلاً بعض اوقات خاندان کے سب سے بزرگ فرد کا غیر مصالحانہ رویہ۔ لیکن اس سے زیادہ موردِ الزام اس بڑھتے ہوئے رجحان کو ٹھہرایا جاتا ہے کہ ایک شخص اپنے نکتہ نظر اور خیالات اور جذبات کیوں بڑھا چڑھا کر دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

یہ بہر کیف ایک افسوسناک صورتحال ہے کیونکہ دنیا کو پہلے کی نسبت اب جوائنٹ فیملی سسٹم کی زیادہ ضرورت ہے۔ درازعمری کے باعث بڑے بوڑھوں کا تناسب بڑھ رہا ہے۔ اگرچہ ترقی یافتہ ممالک میں بڑے بوڑھوں کیلئے تحفظ گھر بنائے گئے ہیں اور ان پر خطیر رقم بھی صرف کی جاتی ہے مگر ان کو وہ تحفظ اور دیکھ بھال جو مشترکہ خاندان میں ملتی ہے کسی بھی دوسرے طریقے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ آبادی میں اضافہ اور میاں بیوی دونوں کے کام کرنے کی صورت میں زیادہ تر جوڑے ایک ہی بچہ پیدا کرنے پر اکتفا کرتے ہیں چنانچہ اس صورت میں اس بچہ کی تنہائی کو دور کرنے اور اس کی مناسب دیکھ بھال کے مسئلہ کا حل بھی مشترکہ

خاندانوں کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ ان واضح فوائد کے باوجود مشترکہ خاندانی نظام تیزی سے توڑ پھوڑ کا شکار ہے۔ خصوصیت سے یورپ میں طلاق کی شرح بڑھ جانے کے باعث اس نظام میں گہری دراڑیں آچکی ہیں۔

سروے رپورٹ

A Survey Report

ایک سروے کے مطابق صرف برطانیہ میں تین برس کے عرصہ میں ٹوٹی ہوئی شادیوں کی تعداد میں چھ گنا اضافہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ تنہا رہنے والے افراد کی تعداد بھی ۱۷ فیصد سے بڑھ کر ۲۶ فیصد ہو چکی ہے۔ اس طرح تیس سے چونتیس برس تک کے کنواروں اور کنواریوں کی تعداد ۱۵ فیصد سے بڑھ کر ۲۲ فیصد ہو چکی ہے۔ طلاق کی اس شرح کی بنا پر پانچ میں سے ایک بچے کو ذہنی کوفت اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

امریکہ اور سویڈن میں ہونے والی نصف شادیوں کا انجام طلاق ہوتا ہے جبکہ فن لینڈ میں طلاق کی شرح ۵۸ فیصد ہے۔ جرمنی میں چالیس لاکھ تک خواتین کو ہر سال گھریلو تشدد کا شکار ہونا پڑتا ہے۔

طلاق کی بڑی وجہ

Main reseoson for divorce

ترقی یافتہ ممالک میں جہاں زندگی کی بہتر سہولتیں میسر ہیں اور جہاں پر بڑی تعداد میں شادیاں باہمی پسند سے ہوتی ہیں وہاں پر ازدواجی بندھنوں کی وسیع پیمانہ پر شکست و ریخت کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔ ان ممالک میں طرفین شادی سے پہلے ہی ایک دوسرے کو پسند کرتے اور پیار کرنے لگتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے حالات و عادات سے بھی بخوبی آگاہ ہوتے ہیں لیکن پھر کیا وجہ ہے کہ وہاں پر ٹوٹی ہوئی شادیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے؟۔ اس کی ایک بڑی وجہ وہاں پر مخلوط تعلیم اور بچوں کی ضرورت سے زیادہ دی جانے والی آزادی ہے۔ ایک مادر پدر آزاد معاشرہ میں اس طرح کی صورتحال کا پایا جانا ہرگز تعجب خیز نہیں ہے۔

مغربی معاشرہ میں مردوں اور خواتین میں طلاق کی صورت میں دوبارہ کسی اور جگہ شادی کرنے کے مواقع بھی وسیع پیمانے پر موجود ہوتے ہیں۔ عام طور پر یہ مانا جاتا ہے کہ محبت کی ابتدا شادی سے پہلے ہو تو وہ زیادہ تر کامیاب نہیں ہوتی.. اسکے برعکس اگر محبت کا آغاز شادی کے بعد ہو تو وہ زیادہ تر اٹوٹ ثابت ہوتی ہے۔ بہر کیف اس ضمن میں کوئی معینہ فارمولہ نہیں ہے۔

شادی کے نبھ جانے اور ٹوٹ جانے میں بہت سے عوامل کار فرما ہوتے ہیں۔ ٹوٹی ہوئی شادیاں بیسویں صدی میں ایک بہت بڑا مسئلہ بنی رہیں اور یہ معاشرتی مسئلہ نئی صدی میں کیا رنگ اختیار کرتا ہے؟ دنیا بھر کیلئے لحۂ فکریہ ہے۔ کیا کوئی ایسا سوشل ریفارمر سامنے آئے گا جو میاں بیوی کے اس پاکیزہ بندھن کے تقدس کو بحال کر سکے۔ آخر میاں بیوی کے پیار بھرے تعلقات اس حد تک تلخ کیوں ہو جاتے ہیں کہ وہ علیحدگی پر منتج ہوتے ہیں۔ اس گہرائی میں جانے اور اس کا مداوا کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

ہمارے ہاں شادیوں کے ٹوٹنے کی ایک وجہ اولاد کی خواہش بھی بنتی ہے اولاد کی خواہش یوں تو میاں بیوی دونوں کو ہوتی ہے لیکن لڑکے کے والدین کی یہ خواہش زیادہ شدید ہوتی اور اکثر یہ خواہش اولادِ نرینہ کی ہوتی ہے.. لڑکے اور اس کے والدین کو ایک وارث کی ضرورت ہوتی ہے.. اگر باوجود یہ وارث اولاد نہ ہونے یا لڑکیاں ہونے سے میسر نہ آئے تو اس کا ذمہ دار بیوی کو ٹھہرایا جاتا ہے اور علیحدگی کو بالعموم اس کا حل سمجھا جاتا ہے۔

دوسری شادی کو اسکا حل گردانا جاتا ہے.. اس طرح بے اولاد بیوی کو مسترد کر دیا جاتا ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ دوسری بیوی سے بھی اولاد نہ ہو اور وہ بھی بانجھ ثابت ہو یا یہ کہ وہ بھی لڑکیوں کو جنم دے اور لڑکے جنم نہ دے سکے۔

اب بھی لڑکا پیدا ہونے پر لڈو بانٹے جاتے ہیں اور لڑکی پیدا ہونے پر مایوسی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ لڑکا پیدا ہو تو ہیجڑے ناچتے ہیں اور لڑکی پیدا ہو تو چپ سادھ لی جاتی ہے۔ دراصل مسئلہ ایک دوسرے کے جذبات کی بے قدری سے ہوتا ہے اگر کسی معاملہ کو اپنے مفادات کی خاطر صرف اپنے ہی نقطہ نظر سے دیکھا جائے اور دوسرے کے نقطہ نظر کی پروا نہ کی جائے۔ اپنے ساتھی کے مفادات کی خاطر جس

سے آپ پیار کرتے ہیں آپ اپنے مفادات کی قربانی دینے کیلئے تیار نہ ہوں تو ظاہر ہے کہ حالات میں بگاڑ ہی پیدا ہوگا۔ اگر ایک طرف جذبۂ ایثار موجود ہو تو دوسری جانب بھی بالآخر مثبت ردِ عمل کا اظہار ہوگا۔ غیر مصالحانہ رویہ اختیار کرنے کا جواب بھی غیر مصالحانہ ہی آئے گا اور اس صورت میں معاملات گھرے اندھیرے غار کی طرف چلے جائیں گے۔

مشترکہ خاندانی نظام مصالحانہ رویوں کی بدولت ہی چلتا ہے۔ ایک دوسرے کے خیالات و جذبات کا خیال رکھیں، بڑے بوڑھے آمرانہ رویہ نہ اپنائیں۔. محبت، شفقت اور معقولیت کو شعار بنائیں اور پورے گھرانے کیلئے ایک شجرِ سایہ دار بنیں تاکہ ان کی چھاؤں میں گھر کے دیگر افراد راحت و عافیت محسوس کریں۔ مشترکہ خاندانی نظام میں ٹوٹ پھوٹ کی ایک وجہ مادیت پرستی بھی ہے چنانچہ اس میں افرادِ خانہ کے درمیان جذبۂ ایثار بھی ہونا چاہیے۔ اس جذبہ کا فقدان بھی کئی قباحتوں کا باعث بنتا ہے۔ ساس اور بہو کے درمیان روایتی جھگڑے بھی مشترکہ خاندانی نظام میں رخنہ ڈالتے ہیں۔ ساس بہو کو بیٹی کو درجہ دے اور بہو ساس کو ماں سمجھے تو جائنٹ فیملی سسٹم نہایت خوش اسلوبی سے چلتا ہے۔ دیہات میں اس رشتے کا بڑا احترام ہے۔ وہاں پر بالعموم کوئی الجھن پیدا نہیں ہوتی جبکہ شہروں میں اس رشتے میں اکثر دراڑ پڑ جاتی ہے اور اس کا علاج اکثر صورتوں میں یہ نکلتا ہے کہ بہو الگ مکان میں رہے اور اس طرح تعلقات کی کشیدگی کو ختم کر لیا جاتا ہے۔ دوسروں کے نکتہ نظر کو ہمدردانہ طور پر سمجھنے اور معاملات کو سلجھائے رکھنے کا جذبہ مشترکہ خاندانی نظام میں ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

خواتین کا مؤقف

The standpoint of women

خواتین کی طرف سے اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ معاشرہ میں مرد غالب ہیں چنانچہ وہ اکثر غلطیوں کیلئے مردوں کو ہی موردِ الزام ٹھہراتی ہیں۔ یہ ایک ایسا رویہ ہے جس کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ہم نے بیشتر گھروں میں خواتین کی ہی حکمرانی دیکھی ہے۔ مرد اور عورت گاڑی کے دو پہیئے ہوتے ہیں یہ دونوں پہیئے درست ہوں تو گھریلو نظام

بڑی عمدگی سے چلتا ہے۔ جہاں کوئی پہیہ ٹیڑھا ہو تو گاڑی صحیح سمت نہیں چلتی اکثر صورتوں میں مرد کماتے اور عورتیں خرچ کرتی ہیں۔ لہٰذا کسی طور بھی محض دونوں میں سے کسی ایک کو ظالم یا مظلوم قرار دینا غلط بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو ذرہ جس جگہ پر ہے.. ارجمند ہے۔

نظام کا مقصد

The aim of the system

مشترکہ خاندانی نظام ایک توازن سے چلتا ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں اس کا ایک مقصد ذمہ دار شہری پیدا کرنا ہے۔ مشترکہ خاندانی نظام میں پرورش پانے والے بچے چونکہ خاص توجہ اور رہنمائی حاصل کرتے ہیں اسلئے ان میں بہتر شہری اور معاشرتی شعور پیدا ہوتا ہے۔ بچوں کو بڑوں کی زیادہ سے زیادہ رفاقت درکار ہوتی اور یہ مانا جاتا ہے کہ مشترکہ خاندان میں ان کو اس کی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ درست طور پر کہا جاتا ہے کہ :

> والدین بچوں کو ان کی ضروریات پوری کرنے کے صرف پیسے نہیں دیں بلکہ ان کو مناسب وقت بھی دیں تاکہ وہ ذمہ دار شہریوں کے طور پر پروان چڑھ سکیں۔

اول بات اعلیٰ قدروں کی ہے اور مشترکہ خاندانی نظام اعلیٰ قدروں کے فروغ کا باعث بنتا ہے۔ اسی نظام کی کامیابی کی کلید ایک دوسرے کے جذبات کا احترام ہے۔ (حوالہ خاندانی نظام)

بے جا اخراجات اور یورپی زندگی

Wasteful living in Europe

اسلامی زندگی میں قناعت، مال کو سلیقے سے کمانا اور سلیقے سے خرچ کرنے کا درس دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں سڈنی کے مشہور ماہرِ اقتصادیات ڈاکٹر پاؤل کے نظریات ملاحظہ فرمائیں۔

ڈاکٹر پاؤل کے نظریات

Theoriees of Dr. Powell

سرمایہ ملک کا ہو یا قوم کا، فرد کا ہو یا افراد کا، بہر حال وہ انسان کو بن کمائے نہیں ملتا لیکن اگر یہی سرمایہ سامانِ تعیش میں مسلسل خرچ کر دیا جائے تو ایک وقت ایسا بھی آتا ہے انسان دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس لئے اقتصادی زندگی کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کیلئے ہمیں بے جا اخراجات پر کنٹرول کرنا ہو گا۔

(اکنامکس ودھ مائنڈ)

مقصدِ کمائی

Purpose of Earning

ہر انسان اپنی احتیاجات کی تسکین کیلئے جدوجہد کر کے کچھ نہ کچھ کماتا ہے اور پھر

وہ اسے اس مقصد کیلئے خرچ کرتا ہے۔ اس کا تعلق اس کی ذات سے ہوتا۔ مگر اسی آمدنی میں سے وہ کچھ اخراجات ایسے بھی کرتا ہے جس کا تعلق اس کے ماحول سے بھی ہوتا ہے۔ یعنی وہ اپنے رشتہ داروں، عزیزوں، غریبوں، مجبوروں اور مسکینوں کے سلسلے میں اخراجات کرتا ہے۔ اس کا مقصد اس کی اپنی ذات نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ ان تمام افراد کی احتیاجات کو تسکین پہنچاکر بالواسطہ طور پر ان کا معیارِ زندگی بلند کرتا ہے۔

وہ ان کی کارکردگی اور قوت پیداوار میں اضافہ کرتا ہے، مگر ان کے علاوہ کچھ اخراجات وہ بلاوجہ کرتا ہے۔ وہ اپنے ضرویات زندگی کے علاوہ کچھ اشیاء کی بلاوجہ خریداری کرتا ہے۔ حالانکہ وہ اشیا اس کیلئے زیادہ مفید نہیں ہوتیں۔ وہ کبھی کبھی تعیش کی اشیاء بھی خرید لیتا ہے۔ بعض اوقات نام و نمود کیلئے اور کبھی کبھی اپنا معیارِ زندگی بلند کرنے کے خیال سے.. حالانکہ معیارِ زندگی ان اشیاء کے استعمال سے بلند ہوتا ہے جو اس کی کارکردگی میں اضافہ کرتی ہیں۔

بعض اوقات تعیش کی چیزیں اس کیلئے مفید نہیں ہوتی ہیں۔ وہ اس کی صحت، اخلاق اور اس کی کارکردگی پر برا اثر ڈالتی ہیں۔

اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ان سے صرف ایک شخص کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس سے دوسروں کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔

چھوٹی چھوٹی رقوم

Small sums of money

بعض لوگوں میں چھوٹی چھوٹی رقمیں خرچ کرنے کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ ان چھوٹی چھوٹی رقموں کی اہمیت نہیں سمجھتے۔ اگر وہ بے جا اخراجات والی چھوٹی چھوٹی رقموں کو جمع کریں تو یہی بڑی رقمیں بن جاتی ہیں اور یہ نا صرف چند افراد کیلئے بلکہ ملک اور قوم کیلئے مفید بن جاتی ہیں۔ بہت سے لوگ ان غیر ضروری اخراجات کی اہمیت سے واقف ہوتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر وہ اس طرح بے جا اور بلا ضرورت اخراجات کرتے رہے تو ملک اور قوم کی ایک کثیر رقم غیر مقصدی طور پر گردش میں آجائے گی۔ اس سے افراطِ زر میں مدد ملے گی، اشیاء میں قلت پیدا ہو جائے گی، چور بازاری کرنے والوں کو قیمتوں میں اضافہ کرنے کا موقع

ملے گا، ذخیرہ اندوز ذخیرہ کرنے لگیں گے، منافع خور منافع خوری کر کے اپنی تجوریوں کو بھرنے لگیں گے، ضرورت مند اور حقدار لوگوں کو اشیاء نہ مل سکیں گی۔ اسطرح بے جا اخراجات ملک کی معیشت میں بدحالی پیدا کرنے لگیں گے۔

مگر اس کا ایک دوسرا رخ بھی ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر بے جا اسراف کو ختم کر دیا جائے اور ہر شخص صرف اپنی ضرورت ہی کی اشیاء پر خرچ کرے تو اس کا فائدہ اس کی ذات ہی تک محدود نہیں رہے گا بلکہ وہ ملک اور قوم کیلئے بھی مفید ہو گا۔ یہ چھوٹی چھوٹی رقمیں جمع کرنے پر بڑی رقمیں بن سکتی ہیں۔ اس سے ملک اور قوم کو سرمایہ مل سکتا ہے۔

بے جا اخراجات ختم کرنے کے فوائد

Advantages of stopping wastage

ہر ملک میں داخلی سرمایہ ملک کے باشندوں کی اس رقم سے حاصل ہوا کرتا ہے جو وہ بے جا طور پر خرچ نہیں کرتے بلکہ ان سے بچا کر اپنے پاس رقمیں جمع کرتے ہیں یا ملک کے بینکوں میں جمع کرتے ہیں۔ اس طرح وہ سرمایہ ملک میں سرمایہ کاری کیلئے استعمال ہوتا ہے، وہ زراعت، صنعت و حرفت میں لگایا جاتا ہے، اس سے صنعتیں قائم ہوتی ہیں، یعنی روزگار بڑھتا ہے، بے روزگاری کم ہوتی ہے، افراد کی آمدنی فی کس میں اضافہ ہوتا ہے، اشیاء کی طلب بڑھتی ہے، طلب مؤثر بن جاتی ہے، اس سے تمام متعلقہ حرفتیں، صنعتیں اور زراعت وغیرہ ترقی کرتی ہیں، ملکی معاشی بدحالی میں کمی واقع ہوتی ہے اور پھر ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔

اس سے بے جا اخراجات کے ختم کرنے کے بلند پایہ اور مفید اثرات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

بے جا اخراجات کے نقصانات

Disadvantages of un necessary expenses

بے جا اخراجات اگر ختم نہیں کیے جاتے تو ملک اور قوم کو کتنا زبردست نقصان پہنچتا ہے۔ اسلئے ہر فرد کی یہی کوشش ہونی چاہئے کہ وہ صرف ضروری اخراجات

کرے اور اپنی احتیاجات کو تسکین پہنچا کر اپنا معیارِ زندگی بلند کرے اور اپنے ہم وطنوں کو بھی زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقع دے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہمیں اپنی احتیاجات کی تسکین میں بخل اور کنجوسی کرنا چاہیئے۔ بخل و کنجوسی ہر فرد کے علاوہ ملک اور قوم کو معاشی وفوائد سے محروم رکھتے ہیں۔

اسلام اور احتیاجات کی تسکین

Islam & satisfaction of needs

اسلام نے خرچ کرنے اور اپنی احتیاجات کی تسکین کی اجازت دی ہے۔ قرآن حکیم کے پارہ نمبر تیرہ کی سورہٴ اعراف کے رکوع نمبر تین میں بے جا اڑانے یا بے جا صرف کرنے سے روکا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنی کمائی کو بے جا طور پر اڑانا اور خرچ کرنا نہ صرف اپنا ذاتی نقصان ہوتا ہے بلکہ وہ فائدہ جو جائز اخراجات کی صورت میں دوسروں کو پہنچ سکتا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بے جا اخراجات کو ناپسند فرمایا ہے۔

آمدنی کا صحیح استعمال

Correct use of income

بہت سے لوگ کماتے ہیں مگر خرچ نہیں کرتے بلکہ اس خوف سے کنجوسی کرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی جمع کی ہوئی رقم میں کمی آجائے۔ حالانکہ صحیح طور پر خرچ کرنے سے ان کی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔باری تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

ترجمہ :

شیطان تم کو ناداری کا خوف دلاتا ہے اور (بخل جیسی) شرمناک بات کا حکم دیتا ہے، مگر اللہ تم سے بخشش اور مزید عطا کا وعدہ کرتا ہے۔

قرآنِ حکیم ان لوگوں کو جو اللہ کے فضل و کرم سے اپنے پاس زیادہ آمدنی رکھتے ہیں۔ اس بات کا حکم دیتا ہے کہ اس آمدنی کی سرمایہ کاری کرو اور پھر دیکھو اللہ اس میں

کتنا اضافہ فرماتا ہے۔ اس سے ایسے لوگوں کی آمدنی بھی بڑھے گی اور دوسروں کو روزگار بھی ملے گا اور ملک خوشحال ہو جائے گا۔

مگر یہ صرف اسی صورت میں ہو گا جب کہ صحیح اور جائز مقاصد کیلئے رقمیں خرچ کی جائیں گی۔

اسی کے ساتھ ساتھ قرآنِ حکیم نے بے جا اخراجات سے بچنے کا بھی راستہ بتایا ہے اور وہ یہ ہے جو سورۃ الفرقان میں موجود ہے :

ترجمہ :

> اور جو لوگ خرچ کرتے ہیں تو نہ حد سے گزرتے ہیں اور نہ تنگی پیدا کرتے ہیں بلکہ ہوتا ہے خرچ ان کا درمیان ان دونوں راہوں کے توازن کے ساتھ۔

اس طرح قرآن حکیم نے بے جا اخراجات کی نفی کی ہے.. یعنی نہ تو بلاوجہ خرچ کرنا چاہئے کیونکہ وہ ملک اور قوم کو بد حال بنا دیتا ہے اور نہ زیادہ تنگی کرنا چاہئے۔ اسلام اعتدال پر زور دیتا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآنِ حکیم بے جا اخراجات کی کسی صورت اور کسی حالت میں اجازت نہیں دیتا۔ بے جا اخراجات جو نام و نمود اور شان و شوکت کیلئے کیے جاتے ہیں قرآنِ حکیم اس کی اجازت نہیں دیتا۔ ترجمہ ملاحظہ ہو :

ترجمہ :

> جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال کو لوگوں کو دکھا کر اور اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور جس کا ساتھی شیطان اس کا بہت برا ساتھی ہے۔

اس وجہ سے ہمیں بے جا اخراجات کر کے شیطان کو اپنا دوست نہیں بنانا چاہئے بلکہ قرآنِ حکیم کے بتائے ہوئے اصولوں پر خرچ کرتے ہوئے اپنا ذاتی مفاد حاصل کر کے ملک اور قوم کو بھی فائدہ پہنچانا چاہئے۔

اس وقت پاکستان کو سرمایہ کی ضرورت ہے، وہ بے جا اخراجات کو ختم کر کے داخلی طور پر بڑھایا جا سکتا ہے۔ اس لئے ہر پاکستانی کا فرض ہے کہ وہ بے جا اخراجات کر کے ملک کو نقصان نہ پہنچائے بلکہ اپنی حدود میں خرچ کر کے ملک کو فائدہ پہنچائے کیونکہ ایسا کرنے والوں کو اللہ بھی عزیز رکھتا ہے۔ (حوالہ تقاریر پروفیسر ادیب)

دنیا بھر میں سادگی کا پرچار

Worldwide move towards simplicity

پاکستان ہی نہیں دنیا بھر میں شادی بیاہ کی تقریبات پر بھاری اخرجات موضوعِ بحث ہیں۔ برطانیہ میں برسٹل کے پادری نے اس تجویز کی حمایت کی کہ جوڑے کو قیمتی لباس اور زیورات کی بجائے سادہ جینز ٹی شرٹ پہن کر شادی کی تقریب میں شرکت کرنی چاہیے۔ کلیسا کے ترجمان ایک میگزین میں پادری جان رفلے نے لکھا ہے کہ :

شادی کی تقریبات پر بے پناہ اخراجات شادی شدہ جوڑے کے ذہن پر ناروا بوجھ ڈالتے ہیں اور یہ زیادہ بہتر ہے کہ ہمسایوں پر رعب ڈالنے کی بجائے سادگی سے شادی کی جائے.. جو زیادہ خوبصورت ہے۔

انہوں نے لکھا ہے کہ :

شادی کی تقریب میں شان و شوکت کے بجائے جوش و خروش اور خوشی کا مظاہرہ ہونا چاہیے۔ شادی گرمیوں میں کی جانی چاہیے تاکہ موسم اچھا ہو اور ہنی مون کو بھی پکنک کے انداز میں کم خرچ بنایا جا سکے۔ انہوں نے کہا کہ اگر جوڑا ایک دوسرے سے (مفت میں) محبت کرتا ہے تو پھر آپ کو شادی پر دس ہزار پونڈ خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

صیہونی طاقتیں.. منشیات اور اسلام

The Zionists' drugs & Islam

جنرل جمیل محمد الیمان

مشیر کلیة الملک فهد الامنیة، ریاض سعودی عرب

کا تجزیہ

میں چھ سال تک انسدادِ منشیات کا ڈائریکٹر رہا.. خاص کر یہ واقعہ سنئے۔

ایک چاڈی شخص جو کہ جدہ میں پکڑا گیا.. اس سے چھبیس ملین نشہ آور کیپسول برآمد ہوئے اور اس نے تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے اعتراف کیا کہ یورپ کی بعض صیہونی پارٹیاں اسے یہ منشیات دیتی ہیں اور بغیر کسی کرایہ کے بک کر دیتی ہیں اور مذکورہ چاڈی شخص (چاڈ.. افریقہ کا ایک ملک ہے) یہ منشیات بعض افریقی عیسائی سفارت کاروں کے ذریعہ سعودی عرب درآمد کرتا تھا اور جدہ ہی میں ایک اور پارٹی پکڑی گئی جو کہ بہت ہی بڑی مقدار میں منشیات لاتی تھی اور مذکورہ یورپی ملک اور مذکورہ صیہونی پارٹی کے ذریعے منگواتی تھی۔ (مملکت سعودیہ عربیہ کو منشیات جیسے مہلک ہتھیار سے کیسے بچایا جائے)

اعتقاد کی نشو نما پختگی بحیثیتِ آلۂ علاج

The firmness of faith as a tool of psychotherapy

روحیاتی طریقۂ علاج کی بنیاد اعتقاد کی نشو نما کی پختگی پر رکھی گئی ہے، کیونکہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ فرد کا کردار (کسی عمل کا ردِ عمل ہوتا ہے) اس کے اعتقاد کا نتیجہ ہوتا ہے، سوچنے کا عمل بھی اعتقاد کے تحت ہوتا ہے۔

اعتقاد فرد کے مشاہدے، تجربات اور مسلسل تربیت (Learning through experi-ence) سے وجود میں آتا ہے، یعنی کہ اعتقاد فرد کے داخلی (باطنی) اور خارجی دونوں عناصر کا مرکب ہے یعنی کہ وقوفی (congnitive) اور آموزشی (learning) عوامل کا نتیجہ ہے۔ اس کی روشنی انسان کے باطن سے پھوٹتی ہے (intution) اور ماحول و تربیت سے آگاہی بھی اسے جنم دیتی ہے کسی بھی فرد کے اعتقاد کو جان کر ہم اس کے کردار کو کنٹرول کرنے کے ساتھ ساتھ تبدیل بھی کر سکتے ہیں اور یہ تبدیلی مسلسل تربیت سے مستقل حالت میں ڈھل سکتی ہے۔ جس سے ہم فرد کے کردار کی پیش گوئی بھی کر سکتے ہیں۔

اعتقاد کو محرک عقل کی بجائے جذبہ ہوتا ہے جو کہ جذبات، عقل، وجدان، حق الیقین اور مقصدِ حیات جیسے عناصر کا مرکب ہے۔ جو نفس اور عقل قدم سے آگے بڑھاتے ہوئے تسلیم و رضا اور خود سپردگی و ایثار و خلوص کی چاشنی سے لبریز ہوتا ہے۔

ولیم جیمز کا تبصرہ

Comments of Willaim James

ولیم جیمز نفسیات واردات روحانی صفحہ (۱۷) پر رقمطراز ہے۔ "روحانی جذبے میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ اس سے زندگی میں ایک ایسی دل کشی پیدا ہوتی ہے جس کو عقل یا منطقی طور پر کسی اور ماخذ سے اخذ نہیں کیا جاسکتا.. روحانی جذبہ زندگی کی قوتوں میں ایک زبردست اضافہ ہے جس سے انسان میں ایک نئ قسم کی طاقت پیدا ہوتی ہے"۔ نفس اور عقل کی قوت خوف زدہ ہو کر کمزور پڑسکتی ہے۔

اس کی منزل فانی لذت ہے.. مگر جذبۂ قوت ہر قسم کے خوف سے بالاتر ہے کیونکہ اس کی منزل ابدی و روحانی مسرت ہے۔ جو کہ ذہنی صحت کا ایک بہترین معیار ہے، مسرت کی نوعیت جبلتی ہے مگر آموزش و تربیت سے اس کا فضول حصول ممکن ہے۔ اگر آپ قنوطی اندازِ فکر ترک کر کے رجائیت کو اپنائیں تو آپ ابدی و روحانی مسرت سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

رجائیت انسان کو کائنات کی مرکزی اور کلی حقیقت (gestalt) سے آگاہ کرتی ہے، جب کہ قنوطیت اسے صرف ایک وہ بھی تاریک پہلو تک محدود کر دیتی ہے۔ حالتِ رجائیت میں انسان عقلِ الٰہی اور (absolute self) (intution) سے چیزوں کو سمجھتا ہے اور قوتِ الٰہی (روحانی جذبے) سے عمل کرتا ہے۔ اس طرح اسے بیماری اور کمزوری کی جگہ قوت اور صحت حاصل ہوتی ہے اور بے آہنگی (congruancy) سے بدل جاتی ہے۔

اس کے اندر الوہیت (توحید) کا احساس پیدا ہوتا ہے اور حیاتِ الٰہی اس کے باطن میں جاری و ساری ہو جاتی ہے ایسی حالت میں انسان بلند مقامات (منزلِ حیات) کے عروج پر پہنچ جاتا ہے۔ جہاں پر کائنات کی تمام اعلیٰ قوتیں اس کی معاون ہو جاتی ہیں اور وہ ہر قسم کی بیماری اور کمزوری پر مستقل فتح حاصل کرلیتا ہے۔ بقول ولیم جیمز "تمام کمزوری، بیماری اور پستی کی اصل علت قوتِ الٰہی (Absolute Self) سے دوری اور جدائی کا احساس ہے، اصل حقیقت اتحاد باللہ ہے۔

جو شخص اپنے اندر ہر لمحہ حیاتِ الٰہی کے نفوذ کو محسوس کرے اس پر کوئی ذہنی

بیماری حملہ نہیں کرسکتی، جب انسان کو خیر ازلی کے سوا (consistancy in positive behaviour)اور کسی چیز کی خواہش نہ رہے۔ جو کچھ چاہے خدا تعالیٰ کیلئے چاہے تواس کو اعلیٰ ترین مسرت، راحت، سلامتی اور اطمینان حاصل ہو جائے گا۔

امیٹیشن آف کرائسٹ کے الفاظ

Words of immitation of christ

بمطابق امیٹیشن آف کرائسٹ "نقلِ مسیح"۔ "اے خدا تو جانتا ہے کہ بہترین بات کیا ہے۔ جو کچھ تیری مرضی ہے اس کے مطابق کر، جو کچھ چاہے دے اور جب چاہے دے، میری بابت جو تیرا جی چاہے کر اور وہی کر جو تیری عظمت اور شان کے مطابق ہے، جہاں تیرا جی چاہے وہیں مجھے رکھ دے اور تمام امور میں میری بابت اپنی مرضی برت، جہاں تیرا قرب ہو وہاں خرابی کہاں ہو سکتی ہے۔

تیرے لیئے اگر میں مفلس ہو جاؤں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ میں تیرے بغیر دولت مند ہوں۔ میں تیرے ساتھ اس زمین پر پھرنے کو ترجیح دیتا ہوں۔ جہاں تو ہے وہیں اصل جنت ہے اور جہاں تو نہیں ہے وہیں موت اور جہنم ہے"۔ امیٹیشن کے الفاظ جب کسی کا عقیدہ بن جائیں تو ذہنی بیماری اس کے پڑوس میں بھی نہیں آئے گی۔ کیونکہ امیٹیشن کے یہ الفاظ مکمل خود سپردگی، رضا و تسلیم کا اظہار ہیں۔

یہاں "میں" (بندہ) اور "تو" (خدا) ایک مربوط نظام میں ڈھلے ہوئے دکھائی دیتے ہیں (union of divine & absolute-self) یہاں ہم کچھ ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ جس سے عقیدہ کی نشو و نما اور پختگی کے ذریعے ذہنی عارضوں سے لوگ بالکل صحت یاب ہو گئے۔ یہ مثالیں ہم نے ولیم جیمز کی کتاب مترجمہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم نفسیات واردات روحانی سے لی ہیں۔ (صفحہ نمبر ۱۵۲)

ایک عورت کا بیان

Statement of a woman

"ایک زمانہ تھا کہ مجھے زندگی دشوار معلوم ہوتی تھی۔ مجھے عصبی ضعف کی بار بار شکایت ہوتی تھی اور بے خوابی کی حالت یہ تھی کہ دماغ چل جانے کی نوبت آگئی تھی

اور بھی کئی شکایتیں رہتی تھیں۔ خصوصاً ہاضمہ خراب رہتا تھا، میں طبیبوں کا تختۂ مشق رہتی تھی، خواب آور چیزیں کھاتی پیتی رہتی تھی۔

کسی قسم کا کام کرنا ممکن نہیں تھا غرض یہ کہ زندگی ہر طرح بے زار رہتی تھی"۔ یہ علامات "ڈپریشن" کی ہیں جب اس کے علاج کے ضمن میں وہ اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہتی ہے جب تک فکرِ جدید نے میری طبیعت پر قبضہ نہیں کیا تب تک مجھے پوری صحت نہیں ہوئی جس خیال نے مجھ پر سب سے زیادہ اثر کیا وہ یہ تھا کہ ہمیں ہمیشہ اس جوہر حیات کے ساتھ روابط رکھنا چاہیے جو تمام چیزوں میں جاری وساری ہے اور جسے ہم خدا کہتے ہیں۔ یہ بات پوری طرح سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک ہم اس پر عمل کر کے نہ دیکھیں۔ (یعنی حق الیقین تک رسائی نہ کرسکیں) اگر ہم اپنے بطن میں اپنے حقیقی خدا کی طرف رجوع کرتے رہیں تو ہمیں اس طرح زندگی سے نور اور قوت حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح کہ خارجی نور حرارت اور قوت کیلئے ہم سورج کو سرچشمہ سمجھتے ہیں۔ جب ہم شعوری طور پر ایسا کریں اور باطنی نور کی طرف رجوع کریں تو اس سے احساس ہوتا ہے کہ ہم اپنے خدا کے حضور میں ہیں۔ اس کے بعد تمام دوسری اشیاء اور اسباب (یعنی کہ مادی و دنیاوی اسباب) اس کے مقابلہ میں بے حقیقت معلوم ہونے لگتے ہیں۔

طلبِ دنیا باعثِ اطمینانِ قلب نہیں یہ طلب تو خود بخود حاصل ہو جاتی ہے۔ جب آپ بلند روحانی جستجو کرتے ہیں۔ یہ تو ادنیٰ مقصدِ حیات ہے جو بلند تر مقصد کے اندر خود بخود موجود ہے۔ خدا تعالیٰ کے وصال کے ساتھ ہماری ذات کے اندر کامل توازن پیدا ہو جاتا ہے۔

اب ہم ایک ایسی مثال پیش کر رہے ہیں جس میں باطنی انقلاب سے فرد نفس سے چھٹکارا پا کر بصیرت اور مسرت سے ہمکنار ہوتا ہے۔ (صفحہ ۱۲۰ سے اقتباس)

ہماری چھوٹی بیٹی

Our younger daughter

ہماری چھوٹی بیٹی بہت بیمار ہوئی اور طبیب نے اپنی تشخیص سے ہماری بہت ہمت شکنی کی۔ اس کے بعد بعض دوستوں نے بہت اصرار کیا کہ ایک روحانی طبیب

سے اس کا علاج کرایا جائے۔ ہمیں اس طریقہ علاج پر کچھ اعتقاد نہیں تھا۔ شاید اس بے اعتقادی کی وجہ یہ تھی کہ ایک کرسچن سائنٹسٹ کے ساتھ ہمارا تجربہ بالکل ناکام رہا تھا لیکن میری بیٹی کو اس سے شفا ہو گئی جس کی وجہ سے مجھے اس طریقہ سے دلچسپی پیدا ہوئی۔

میں نے اس طریقے کا مطالعہ کیا۔ رفتہ رفتہ میرے اندر کمال کا سکون اور اطمینان پیدا ہو گیا جس سے میری تمام زندگی متاثر ہوئی اور میں نے اپنے اندر بڑا انقلاب محسوس کیا۔ میرے بچوں اور دوستوں نے بھی میری اس تبدیلی کو محسوس کیا اور اس پر رائے زنی کی ہر قسم کا چڑچڑاپن مجھ میں سے غائب ہو گیا میں پہلے بہت متعصب تھا۔

اب میں بڑا روادار ہو گیا پہلے مجھ میں خود اعتمادی کی کمی تھی اور کاروباری گفتگو سے بے وجہ ڈرنے لگتا تھا اب میں کسی معاملے کیلئے جس سے ملتا ہوں نہایت اعتماد اور اطمینان کے ساتھ ملتا ہوں۔ خود غرضی، غم، پریشانیاں اور رشک وغیرہ سب کچھ مجھ میں سے غائب ہو گیا، مجھ میں بتدریج یہ احساس قوی ہوتا گیا کہ خدا تمام زندگی اور تمام اشیاء کے اندر جاری وساری ہے۔

آپ پر یہ واضح ہو گیا ہو گا کہ کس قدر ناممکن ہے کہ علاج نفسی کو ایک روحانی تحریک خیال نہ کریں۔ غصہ، پریشانی، خوف اور مایوسی اور دیگر ناگوار تاثرات اور ذہنی عارضوں سے چھٹکارہ پانے کیلئے ضروری ہے کہ بے جا توقعات کو ترک کر کے خدا تعالیٰ کی رضا و تسلیم حاصل کریں یعنی مکمل خود سپردگی اپنائیں۔ خود سپردگی کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ کوششوں کو ترک کر دیں بلکہ اس سے مراد ہے کہ نتائج کے مفید ہونے یا نہ ہونے کا امر خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیں وہی الفاظ دہرائیں جو امیٹیشن نے بیان کیے ہیں۔

فرانسیسی مڈوائف کا اپنا تجربہ

Self-experience of a French mid-wife

ایک مشہور مڈوائف مونو اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:۔

میری غمگینی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ افسردگی نے میری تمام زندگی پر قبضہ کر لیا تھا

معمولی سے معمولی خارجی اعمال اور نہایت درجہ باطنی افکار سب پر اندوہ طاری تھا۔ میرے تاثرات، میری قوتِ فیصلہ اور میری سعادت سب کا سر چشمہ معدوم ہو گیا تھا۔ اس حالت میں مجھے خیال ہوا کہ میرے لیئے اپنی عقل اور اپنے ارادے سے اس بیماری کے علاج کی کوشش لاحاصل ہو گی کیونکہ یہ خود ہی اس بیماری میں مبتلا ہیں۔

میری ضرورت نے مجھ میں یہ یقین پیدا کیا کہ خدا تعالیٰ کی مدد ہی میرے پہلے افکار کو دور کر کے نئے افکار پیدا کر سکتی ہے۔ لہٰذا میں نے خود کو خدا تعالیٰ کے رحم کا طلب گار پایا میں نے گھٹنے ٹیک کر اس طرح دعا کی جس طرح میں نے کبھی دعا نہیں کی تھی اس روز سے میرے اندر ایک نئی باطنی زندگی شروع ہو گئی اور نتیجتاً میری غمگینی ناپید ہو گئی"۔

مندرجہ بالا مثالوں سے ہمیں معلوم ہوا کہ عقائد کی نشوونما اور پختگی کے ذریعے ذہنی بیماریوں کا علاج ممکن ہے، اب ہم کچھ مثالیں ایسی پیش کرتے ہیں جس سے مختلف عقائد کی مذہبی تعلیمات اور ماحول کے تحت نشوونما ہوتی ہے ایک مسیح کے عقائد میں اسے یسوع مسیح اور صلیب کی Perception اور intution ہوتی ہے اور ایک مسلمان کے عقائد میں اسے حضرت محمد ﷺ کی زیارت نصیب ہوتی ہے اور ایک بدھ مت کے عقائد میں مہاتما بدھ کے تصور کے ذریعے اسے دیدانتی دھیان اور سمادھی ہوتی ہے۔ پہلے یہاں ایک عیسائی شرابی کی روداد بیان کرتے ہیں۔(ولیم جیمز صفحہ ۴۹۸)

عیسائی شرابی کی روداد

The story of a Christian alcoholic

میں بیٹھا تھا.. میری یہ حالت تھی کہ میں بے یار و مددگار اور بے گھر بار نامراد شخص تھا۔ جو موت کے منہ میں جارہا تھا میرے پاس جو کچھ تھا اسے بیچ کر شراب کی نذر کر چکا تھا۔ جب تک پی کر دھت نہ ہو جاؤں میں رہ نہیں سکتا تھا۔ کئی روز سے میں نے کھانا نہیں کھایا تھا اور گزشتہ چار راتیں میں نے ہذیان سکر میں گزاری تھیں۔ نیم شب سے صبح تک خوفناک صورتوں کا سامنا ہوتا تھا۔

ایک روز میں سوچوں میں گم تھا اور خودکشی کے بارے میں خیال جاتا تھا کہ مجھے کسی عظیم الشان وجود کے حضور کا احساس ہوا۔ مجھے معلوم ہوا کہ وہ مسیح تھا جو

عاصیوں کے دوست ہیں۔ میں اٹھا اور شراب فروش کی میز پر پہنچا اور چلا کر کہا کہ میں اب ایک گھونٹ شراب نہیں پیوں گا۔ خواہ میں گلی میں گر کر مر جاؤں کسی طرف سے میرے کان میں آواز آئی کہ اگر تو اس عہد پر استوار رہنا چاہتا ہے تو جا کہیں پر مقفل ہو کر بند ہو جا۔ چنانچہ میں قریب ہی پولیس کی ایک چوکی پر گیا جہاں مجھے بند کر دیا گیا۔ مجھے ایک تنگ کوٹھڑی میں رکھا گیا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جتنے جنات اور خبیث روحیں میرے ساتھ اس کمرے میں سما سکتی تھیں۔ ساتھ ہی گھس آئیں لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں فقط اس خوفناک صحبت میں گھرا ہوا نہیں تھا۔

جس پاک روح کو میں نے شراب خانے میں محسوس کیا تھا وہ بھی یہاں موجود تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ دعا کرو.. میں نے دعا مانگنی شروع کی جیل سے گھر پہنچا تو دوسرے دن یوم سبت کی صبح کو جب میں اٹھا تو میں نے محسوس کیا کہ آج میری قسمت کا فیصلہ ہوگا میں شرابیوں اور مردودوں کے مصلح جیری مولی کے ہاں گیا۔

وہاں بہت سے شرابی موجود تھے تمام لوگ اپنی شراب نوشی سے نجات کے واقعات سنا رہے تھے۔ جب دعا کیلئے اعلان کیا گیا تو سب نے دعا مانگی اس وقت میرا نفس اندر سے میدانِ کارزار بنا ہوا تھا۔ ایک طرف سے گوشِ دل سے آواز آئی تھی کہ اب باز آجاؤ اور توبہ کرو اور دوسری طرف سے شیطان کان میں یہ پھونکتا تھا کہ خبردار پھسل نہ جانا، میں نے ایک لمحہ توقف کیا اور پھر ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ کہا ،،اے مسیح،،کیا تو میری مدد کر سکتا ہے؟ اس لمحہ کی کیفیت کو انسان کی ناقص زبان میں بیان نہیں کر سکتا۔

مسیح سے امداد طلب کرنے کے ساتھ ہی میں نے محسوس کیا کہ میرے اندر مہر نیم روز کا نور درخشاں ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ میں نجات یافتہ اور آزاد انسان ہوں۔ کسی قسم کی حرص و حوس کا غلام نہیں ہوں۔ میں نے محسوس کیا کہ مسیح کا نور اور اس کی قوت میری زندگی میں داخل ہو گئی ہے۔ پہلی تمام باتیں رفت و گزشت ہو گئی ہیں اور زندگی میں ہر چیز نئی ہو گئی ہے۔ اس وقت سے اب تک میں نے کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا۔

ڈاکٹر لوئیا کا تجزیہ

Analysis of Dr. Louia

ڈاکٹر لوئیا کا خیال ہے کہ اعلیٰ ہستی کی امداد کی طلب سے احساس ہوتا ہے کہ نجات مل گئی۔ اس طرح نظریہ حیات میں انقلاب آجاتا ہے۔ جس ایمان کے ابتدائی عناصر ہمارے اندر موجود ہوں.. اسکی پختگی سے انقلاب ممکن ہے اب یہاں ہم مسلمان صوفی امام غزالی سے منقولہ اقوال کا ذکر کرتے ہیں کہ عقائد کے مختلف ہونے سے Odperception Intution میں فرق کیا ہے۔

امام غزالیؒ کی خودنوشت

Self - description of Imam Ghazali

شموئلڈرز نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی خودنوشت سوانح حیات سے اقتباس پیش کیا ہے۔

> ''صوفی کا علم یہ ہے کہ خدا کے سوا ہر چیز سے دل کو الگ کیا جائے اور صرف خدا کی ذات وصفات پر غور کیا جائے علم و عمل کے مقابلے میں آسان ہے۔ حال اور وجد و مستی و روح کی قلبی ماہیت سب عمل کا نتیجہ ہیں''۔

جب میں نے اپنی حالت پر غور کیا تو دیکھا کہ میں ہر طرف سے علائق دنیا سے پابند زنجیر ہوں اور نفسانی تحریکیں ہر طرف سے حملہ آور ہوتی ہیں۔ میں جو درس دیتا تھا وہ بھی خدا کے نزدیک کوئی اہم شے نہ تھی کیونکہ میری علمی کوشش شہرت و عظمت دنیوی کی خاطر تھی۔

میں بغداد کی بڑی درس گاہ میں بڑا امام اور معلم تھا۔ اس کام اور عہدے کو یک بیک چھوڑ دینا آسان کام نہ تھا۔ کوئی چھ ماہ تک میں شدید باطنی کشمکش میں مبتلا تھا۔ یہاں تک کہ میری زبان بند ہو گئی۔ اپنے آپ کو عاجز پا کر اور اپنے ارادے سے دستبردار ہو کر میں نے اپنے آپ کو پوری طرح خدا کے حوالے کر دیا کیونکہ مجھے اب اس کے سوا نہ کوئی چارہ نظر آتا تھا اور نہ یار و مددگار خدا نے مجھے جواب دیا جیسا کہ وہ ہر

اس مصیبت زدہ کو جواب دیتا ہے جو اس کو پکارتا ہے۔

اب مجھے جاہ جلال اور مال و عیال کو ترک کرنے میں کوئی مشکل محسوس نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ میں بغداد سے نکل کھڑا ہوا۔ فقد اشد ضروری اور ناگزیر زادِ راہ اپنے پاس رکھ کر باقی جو کچھ تھا تقسیم کر ڈالا۔

میں شام چلا گیا جہاں میں دو سال تک رہا میں نے وہاں کوئی شغل اختیار نہ کیا، سب سے الگ تھلگ خلوت میں اپنی خواہشوں اور نفسِ امارہ پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کی اور تزکیہ نفس سے اپنی سیرت کی تکمیل میں لگا رہا تاکہ میرا دل پوری طرح ذاتِ الٰہی کی طرف متوجہ ہو سکے۔ اس کارِ زار نفس میں میں نے وہی طریقے اختیار کیے جو صوفیا کی تعلیم سے میں نے اخذ کیے تھے۔

اس گریز سے میرا ذوق خلوت بڑھتا گیا اور میں تزکیہ نفس سے اپنے آپ کو مراقبے کے لئے تیار کرتا رہا لیکن غمِ روزگار نے پوری طرح میری خلاصی نہ کی۔ کبھی اہل و عیال کی فکر دامن گیر ہوتی، کبھی روزی کی فکر ہوتی، کبھی کوئی اور دھندے مجھے پریشان کرتے جو میرے ارادے اور خلوت گزینی میں خلل انداز ہوتے۔ وجد و مستی کی کیفیت کبھی کبھار چند ساعتوں کیلئے طاری ہوتی لیکن مجھے امید تھی کہ میں اس حالت کے حصول میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

جب کبھی حوادث مجھے ادھر ادھر بھٹکا دیتے میں سنبھل کر واپس ہونے کی کوشش کرتا اس سعی تکمیل میں میں نے کوئی دس برس گزار دیئے۔ اس حالت میں مجھ پر ایسے حقائق کا انکشاف ہوا۔ جنہیں بیان کرنا تو در کنار ان کی طرف اشارہ کرنا بھی ممکن نہیں۔ مجھے یہ یقین ہو گیا کہ صوفیا کا راستہ خدا کا راستہ ہے، وہ اپنے عمل اور اپنے سکون، اپنے ظاہر اور باطن میں نورِ نبوت سے مستفید ہوتے ہیں۔

اس راہ میں شرطِ اول یہ ہے کہ خدا کے سوا ہر خواہش اور خیال سے دل کو پاک کیا جائے۔ اسکے بعد خشوع و خضوع سے دعائیں کی جائیں۔ جو روح کی گہرائیوں میں سے ابھریں اور خدا کی طرف ایسی "concentration" توجہ کی جائے کہ دل اور کسی طرف مائل نہ ہو سکے لیکن یہ ابتدائی منازل ہیں۔ انتہائی منزلِ مقصود کلیتاً خدا کے اندر جذب ہو جانا ہے ***(uncon scious) State of mind (superconsciousness)*** اس سے پہلے تمام وجدانات و احوال داخلے سے قبل محض دہلیز کی طرح ہیں۔ ابتداء ہی سے

عجیب انکشافات شروع ہو جاتے ہیں۔ بیداری میں ہی ملائکہ اور انبیاء کی ارواح نظر آنے لگتی ہیں۔

صوفیا ان کی آوازیں سنتے اور ان سے برکات حاصل کرتے ہیں۔ جس شخص کو اس بے خودی کا تجربہ نہیں ہوا اس نے نبوت کا فقط نام سنا ہے مگر اس کی حقیقت سے قطع نا بلد ہے۔ جیسے ایک مادر زاد اندھے کو رنگوں کا کیا علم ہو سکتا ہے۔ نبوت کی خاص صفات صوفیاء پر وجد و مستی کی حالت (نیند کی سی حالت) میں ظاہر ہوتی ہیں۔

نبی کے صفات و ملکات عام انسانوں میں نہیں ہوتے اسلیئے وہ ان کو سمجھ بھی نہیں سکتے۔ حالتِ مستی صوفی کو ماورائے عقل و حس حقائق کا ادراک ایسا ہی براہِ راست اور یقینی ہوتا ہے۔ جیسا کہ کوئی ہاتھ کسی چیز کو چھو کر اس کے وجود کو حقیقی سمجھتا ہے۔

روحانی حال تعقل کے مقابلے میں محسوسات سے زیادہ مشابہ ہے۔ خدا کے متعلق علم منطقی نہیں ہو سکتا بلکہ وجدانی ہوتا ہے۔ اس کا تعلق براہِ راست احساس و تأثر سے ہے نہ کہ منطقی قضیہ سے۔ صوفی کیلیئے ذاتِ الٰہی محسوس ہے نہ کہ معقول۔

مندرجہ بالا مثالوں سے ہم نے دیکھا کہ عیسائی اپنے عقیدہ کے مطابق فنا فی المسیح ہو جائے تو اس کو مسیح کی صورت نظر آنے لگے گی اور ایک مسلمان اپنے عقیدہ کے مطاق فنا فی المحمد ﷺ یا فنا فی اللہ ہو جائے تو اس کی intution &Perception وجدان اور ادراک اور احساس و تأثر مختلف ہوتا ہے۔ یعنی معلوم ہوا کہ انسان کی فکر، ادراک، احساس اور تأثر حتی کہ وجدان (تحت الشعوری اور لاشعوری) اس کے عقیدہ کے تحت ہے۔

ان تمام کیفیات کو جاننے سمجھنے، ان کی پیشن گوئی کرنے اور انہیں کنٹرول کرنے کیلیئے آپ کا فرد کے عقیدہ سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔ نیز عقیدہ کی نشو و نما اور پختگی سے آپ ذہنی اعمال پر نہ صرف قادر ہو سکتے ہیں بلکہ ذہنی عارضوں کے علاج میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

عقیدہ کیا ہے؟

What is faith?

عقیدہ حق الیقین اور یقینِ محکم (غیر متزلزل) یقین کا نام ہے یعنی کہ کسی اصولِ

زندگی کو اپنی ذات پر لاگو کر لینے اور منزلِ مقصود (مقصدِ حیات) تک رسائی حاصل کرنے کی سعی ہے۔ ولیم جیمز اپنی کتاب نفسیات و عادات روحانی مترجمہ عبد القادر صفحہ ۶۴ میں پر رقمطراز ہے۔

ولیم جیمز کا تجزیہ

Analysis of Willaim james

انسان کے محدود نفس میں جو اپنے ماحول کی ہر چیز سے بیگانگی کا احساس ہوتا اور چاروں طرف جو روئی کی دیواریں کھڑی ہوتی ہیں جب وہ گر جاتی ہیں۔ تو ایک فرد کو تمام حیات و کائنات کے ساتھ اپنی یگانگت محسوس ہوتی ہے۔ انسانوں کے ساتھ، فطرت کے ساتھ اور خدا کے ساتھ اس وحدتِ کلی کا احساس ہوتا ہے اور تمام اشیاء کے ساتھ اتحاد کی یہ کیفیت جو اخلاقی وحدت کے حصول کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔ اس کو "حالتِ ایمانی" کہنا چاہئے۔

اس حالت کے طاری ہونے پر بہت سے مذہبی عقائد یقین کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں اور ان کے اندر ایک تازہ حقیقت دکھائی دینے لگتی ہے۔ چونکہ یہ یقین اور تسکین عقلی وجود سے پیدا نہیں ہوئی اس کے متعلق استدلال فضول معلوم ہوتا ہے۔ معتقدات کا رنگ اختیار کرنا حالتِ ایمانی کا ایک اتفاقی نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ حالت حیاتیاتی نشوونما کے ساتھ وابستہ ایک نفسیاتی کیفیت ہے جس میں تمام متصادم خواہشیں ہم آہنگ ہو گئی ہیں اور جس کی وجہ سے نئے تأثرات اور نئے اندازِ عمل ظہور میں آتے ہیں۔ اسکی مرکزی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اندر ہر قسم کی پریشانی مفقود ہوتی ہے اور سکون اور اطمینان کا احساس ہوتا ہے۔ آدمی اسی کیفیت میں زندہ رہنا چاہتا ہے۔ خواہ اسے اس خارجی حالت میں کوئی تغیر نہ ہو۔ تسلیم و رضا ہوتی ہے نہ کہ معقولیت۔

ٹال سٹائے کا قول

Saying of Tolstoy

ٹال سٹائے کہتا ہے کہ :

"نوعِ انسانی ہمیشہ کسی نہ کسی قسم کے ایمان کی بدولت زندہ رہتی ہے اور اپنے آپ کو ہلاک نہیں کرتی.. ایمان ہی احساسِ حیات ہے۔ انسان کسی نہ کسی مقصد کیلئے زندہ رہتا ہے۔ جس کے درست اور قابلِ آرزو ہونے پر اس کا ایمان ہے"۔

فطرت کے پوشیدہ اور نا معلوم پہلوؤں کو تسلیم کرنا امان بالغیب ہے۔ جو چیز ہمارے اعتقاد کا موضوع ہو اس کی حقیقت اس قدر ہمارے نفس (SELF) میں گڑ جاتی ہے کہ زندگی کی تمام رگ و پے میں اس کا اثر دوڑتا ہے۔ حالانکہ معین طور پر اس کی کوئی صورت وضع نہیں کر سکتا۔

ایمان کی حالت میں انسانی محبت بہت ترقی کرتی ہے۔ ایمان کا عام نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باطن میں سکون و شانتی اور آنند کی ایک جنت موجود ہو جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ کے حضور کا احساس شخص کے اندر امن اور حفاظت کی کیفیت پیدا کرتا ہے، اضطراب رفع ہو جاتا ہے، طبیعت کا پیچ و تاب محو ہو جاتا ہے، کیونکہ اس قسم کی مشکلات پیش آئیں تو اس کی زندگی بحیثیتِ مجموعی ایک ایسی قوت کی حفاظت میں ہے۔ جس پر کامل یقین اور اعتماد کیا جا سکتا ہے وہ ایک جذبہ کے ساتھ اپنے آپ کو اس قوت کے سپرد کر دیتا ہے۔

ساسکال کی دعائیں

Prayers

ساسکال ایک فرانسیسی اپنی دعاؤں میں کہتا ہے :

اے خدا! میرے اندر سے وہ غمگینی نکال جو میرے اپنے نفس کی محبت اور میری ذاتی تکلیف سے پیدا ہوتی ہے۔ میں نہ زندگی کا خواہش مند ہوں اور نہ موت کا، میں فقط یہ چاہتا ہوں کہ تو میری صحت اور میری بیماری، میری زندگی اور میری موت کو اپنی عظمت اور میری نجات کے کام میں لا۔ (ولیم جیمز صفحہ ۲۰-۴۱۹)

وہ مزید کہتا ہے:

اس کا علم فقط تجھ ہی کو ہے کہ میرے لئے کیا بات اچھی ہے، تو ہی مالکِ مطلق ہے، میرے ساتھ وہی سلوک کر جو تیری مرضی ہے، جو چاہے مجھ کو دے دے اور جو چاہے مجھ سے لے لے، میری خواہش صرف یہ ہے کہ تو میری مرضی کو اپنی مرضی کے مطابق کر لے۔

انسانوں میں اختلافِ طبائع و عقائد

Differences in human manners & beliefs

انسانوں میں اختلافِ طبائع کے ساتھ ساتھ اختلافِ عقائد کا امکان بھی ہے۔ لہٰذا اگر ایک شخص ایسے عقائد کو درست سمجھنے میں حق بجانب ہے۔ جو اس کی طبیعت کے تقاضوں کے مطابق ہو تو دوسرے کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اسے اس کے حالات میں زندہ رہنے کا حق دے ورنہ اسکے عقائد اور حالت میں تبدیلی کی خواہش اس کی بہتری کیلئے نہیں بلکہ اپنی ذاتی اغراض کا سبب ہو گی۔

بعض صداقتیں اٹل نہیں بلکہ بعض صداقتوں میں کسی اصلاح و ترمیم کی مطلق گنجائش نہیں کیونکہ انسان کا علم و تجربہ ابھی بہت محدود ہے کہ وہ بعض صداقتوں پر اٹل ہونے کی مہر لگا دے یا بعض اٹل صداقتوں کو تسلیم نہ کرے۔ ترقی، علم اور تلاشِ حقیقت کا سفر ابھی جاری ہے۔ عقائد کے دو پہلو ہیں۔ ایک طرف تو عقائد کسی ایک فرد کی اپنی مخصوص انفرادی زندگی سے متعلق ہیں اور دوسری طرف ان کا تعلق ایک جماعت (اجتماعی زندگی) اور مذہبی شعائر سے ہے۔ ہر جماعت اور ہر مذہب خود کو راہِ حق پر سمجھتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہر فرد اور ہر جماعت قابلِ اصلاح ہے۔ مگر ہم ایسے عقائد سے متعلق ہیں جن کا تعلق ایک فرد کی اپنی انفرادی ذات اور نفسی کیفیت سے ہے کیونکہ نفسیات انفرادی اختلافات کا مطالعہ کرتی ہے۔ زندگی کے تمام تقاضے قابلِ قبول نہیں ہو سکتے۔ صرف وہ تقاضے ہی قابلِ قبول ہیں جو زندگی کو مثبت و خیر کی راہ پر استوار کریں اور اسے تخلیقی و تعمیری بنائیں۔

جو عقائد ایسے تقاضوں کے پورا ہونے میں معاون ہوں وہ عقائد قابلِ عمل

ہیں! انسانوں نے جب بھی کچھ عقائد کو اپنایا ہے۔ منطقی نا قابلِ رو استدلال کی وجہ سے قبول نہیں کیا بلکہ زندگی کے مثبت تقاضوں کو پورا ہونے میں اسے معاون سمجھ کر ہی قبول کیا ہے۔ بعض لوگ عقائد کے اختلافات میں الجھ جاتے ہیں اور دوسروں کے عقائد کو ہمیشہ غلط اور اپنے عقائد کو ہمیشہ درست تصور کرتے ہیں۔

یہ rigid رویہ انسان کی ترقی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے.. زیادہ صحیح راستے پر وہی لوگ ہیں جو اپنے افکار میں ترقی و اصلاح کو ممکن سمجھتے ہیں۔ صداقت پسند وہی ہو گا۔ جو نئی معلومات سے ہمیشہ اپنی پہلی رائے بدلنے پر تیار ہو انسان کی تلاش حقیقت لا متناہی ہے۔ اسلئے ہمیشہ اس کی گنجائش باقی رہے گی کہ وسیع تر صداقت کسی محدود حقیقت کی جگہ لے لے۔

انسان کی حیوانیت یا عقلیت

Animal tendencies & intelligence in human beings

انسان کی حیوانیت اور اس کی عقلیت کو دو بالکل جداگانہ خانوں میں نہیں رکھ سکتے۔ جسمانی (نفسی) اور عقلی زندگی کے درمیان کوئی دیوار آہنی حائل نہیں۔ ہماری جبلت، عقلِ سلیم اور انسانیت کے عام تقاضے بعض عقائد سے گریز کرتے ہیں۔ ہمارے موجودہ میلانات اور تأثرات بھی ارتقاء کی پیداوار ہیں۔ موجودہ دور میں مہذب انسانوں کا مذہبی اور اخلاقی مزاج پہلے زمانے کے مقابلے میں بے حد متغیر ہو گیا ہے۔ خارجی فطرت کا روز افزوں علم اس کی تسخیر اور سیاست و معیشت کے رابطہ میں ارتقائی تبدیلیاں مذہب واخلاق میں بھی انقلاب پیدا کر رہی ہیں۔

جب ذہنی آب و ہوا اور علمی معاشرتی ماحول بدل دیا جاتا ہے تو افراد کے عقائد میں بھی تبدیلیاں آتی ہیں۔ افراد کے عقائد ان کی فطرت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ ان کے تصورات، ان کی امیدیں، ان کی آرزوئیں (مقاصد) ان کے عقائد کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں۔ ان عقائد پر عمل کرنے سے ان کے نزدیک ان کی زندگی میں کچھ مفید نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ جن عقائد و اعمال سے انسان کی زندگی بلند اور استوار ہو اور اس کے اندر اصلاح اور رحم و عدل کا میلان پیدا ہو وہ عقائد و اعمال ہی قابلِ تحسین ہیں۔ اسکے برعکس جو عقائد و اعمال زاویہ نگاہِ زندگی کی صلاحیتوں کو

مفلوج کرتے ہیں وہ قابلِ رد ہیں۔ قدیم زمانے میں روحانی عقائد والا انسان محبتِ الٰہی میں خانقاہوں، جنگلوں اور دریاؤں کا رخ کرتا تھا کیونکہ زمانہ اس کو کوئی اور راہِ عمل نہ دکھاتا تھا۔

خدمتِ خلق کا جذبہ

Passion for Social service

آج کل انسان جو خدمت خدا و خلق کا روحانی جذبہ رکھتا ہے۔ وہ رفاہِ عامہ کے کاموں کی طرف رجوع کرتا ہے یا انسانی معاشرت کی اصلاح کیلئے اور فلاح کیلئے اس نے خود کو لائبریریوں، لیبارٹریوں اور درس گاہوں میں تحقیق و تخلیق کے کاموں کے لئے وقف کرر کھا ہے۔

اس کے دل میں اخلاص، پاکیزگی اور بے انتہا قوتِ ایثار ہے اور وہ اسی طرح تزکیہ نفس کے عمل سے گزرتا ہے۔ جس طرح قدیم صوفی جنگلوں میں ریاضتوں میں مصروفِ عمل ہوتے ہوئے تزکیہ نفس کے عمل سے گزرتا تھا۔ انسانی فطرت میں دو متضاد میلانات پائے جاتے ہیں۔

ایک طرف وہ خارجی، مادی، جسمانی و نفسی قوتوں کا پرستار ہے اور دوسری طرف وہ باطنی روحانی قوتوں کے تقاضوں کی تسکین بھی چاہتا ہے۔ بقول ہربرٹ اسپنسر "کسی کردار کے مثالی ہونے کا دارومدار ماحول سے موافقت پر ہے"۔ ہر شخص کو روحانی کمال کے حصول کی کوشش کرنی چاہیئے خواہ اس کو ظاہری اور فوری کامیابی نصیب ہو یا نہ ہو۔ ہر شخص کو اپنی قوتوں کا اندازہ ہونا چاہئے اور اسے دیکھنا چاہئے کہ فطرت نے اس کو کس اندازِ حیات کیلئے موزوں بنایا ہے۔

ہر معاملے میں تقلید سے نہیں تحقیق سے فائدہ پہنچتا ہے۔ اگرچہ انسان کی محدود عقل کبھی صداقت کلی پر حاوی ہونے کی مدعی نہیں ہو سکتی۔ مگر پھر بھی انسان غیر ارادی طور پر اپنے روحانی تجربے کو عقلی سانچوں میں ڈھالتے ہیں۔ اس سے بعض لوگوں کو جمالیاتی تسکین ملتی ہے ذہنی صحت کا ایک معیار یہ بھی ہے کہ خوشنما چیزوں کو سراہا جائے۔

کچھ لوگ یہ فطری رجحان رکھتے ہیں اور کچھ لوگ سیکھ لیتے ہیں۔ اسی طرح

مسرت کا اظہار بھی ذہنی صحت کا معیار ہے یہ انسان کے عقائد اور زاویہ نگاہ پر منحصر ہے کہ وہ غم یا مسرت کو محسوس کرے یعنی ماحول سے جنم لینے والے واقعات کی کیا تفسیر کرے۔ ناخوشگوار یا خوشگوار تاثرات ناموافق یا مفید کسی بڑی مصیبت کے مقابلے میں انسان خوف بھی کھا سکتا ہے لیکن ذرا اپنا اندازِ نگاہ (عقیدہ) بدل لے تو وہی چیز اس کیلئے ہمت آفرین بھی ہو سکتی ہے اور خیر کا باعث بھی بن سکتی ہے۔

ایک شخص ایک معمولی ناکامی سے دل برداشتہ ہو کر ڈپریس ہو کر کوششیں ترک کر دیتا ہے اور خود سے ہم کلام ہوتا ہے کہ میں کسی صورت کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میرے پاس کامیابی کے وسائل نہیں ہیں اور ایک شخص ناکام ہونے کے باوجود یہ سوچتا ہے۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کیلئے

وہ شخص اپنی کوششوں کو اور بھی تیز کر دیتا ہے یوں شجاعانہ مسائل کا مقابلہ کرتا ہے کہ اس جدو جہد میں اسے لطف آنے لگتا ہے۔ جس طرح ایک صوفی تزکیہ نفس کے عمل میں مجاہدوں اور مشکلات سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

مسائل سے نپٹنے کے جذبے کے اندر جب شدت ہو تو تکلیف پر لطف اور شاندار معلوم ہوتی ہے۔ بشرطیکہ وہ کسی نصب العین کیلئے ہو۔ جس طرح ایک عاشق اپنے محبوب کے ظلم و ستم کو بھی اس کی ایک عنایت خیال کرتے ہوئے ان سے تکلیف کے بجائے لطف اٹھاتا ہے۔

لوتھر کا قول

Saying of Luther

بقول لوتھر :-

جو شخص پریشان ہو کر یہ پوچھتا رہتا ہے کہ میں نجات حاصل کرنے کیلئے کیا کروں؟ اسے یہ کہا جائے اگر تم میں ایمان ہے تو تمہاری نجات ہو چکی ہے۔ انسان مصلحتیں سوچنا ترک کر دے اور ابتدائی حفاظتی تدابیر (ego defences) چھوڑ کر حقائق کو تسلیم کر لے تو اس کے نفس سے بدگمانی اور فکر و غم کے پردے ہٹ جاتے

ہیں۔ تو اس کا اصلی نفس جو روحِ کائنات ہے۔ . بر سرِ پیکار ہوتا ہے اور اس طرح وقتی لذت کی بجائے ابدی سکون و مسرت سے وہ ہمکنار ہوتا ہے۔

خدا کی یاد سے اس کی قربت محسوس کرنا

Feeling nearness to Allah through remembering Him

بقول الوارے :-

''خدا کی یاد سے ہم اس کو ہر جگہ حاضر و ناظر محسوس کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ربط و محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ تم محسوس کرو خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔ جب ہمارا یہ عقیدہ ہوگا کہ خدا ہمیں دیکھ رہا ہے تو ایسی کیفیت میں ہم ابتدائی حفاظتی تدابیر (ego defences) اختیار کرنا ترک کر دیں گے اور مصلحتیں اپنانے کی بجائے حقیقت کو تسلیم کر لیں گے۔

اس طرح ذہنی صحت حاصل رہے گی۔ ذہنی مسائل سے دوچار مریض صحت کی منزل سے اسی بنا پر دور رہتا ہے کہ وہ حقیقت کو تسلیم کرنے کی بجائے مصلحتیں اور ابتدائی حفاظتی تدابیر کے خول میں بند رہتا ہے۔

عقیدہ کے رویہ پر اثرات

Effect of faith on behaviour

انسان کا اپنی ذات میں اس قدر کھو کر خدا تعالیٰ کی صفات میں گم ہو جانا آج کے دور کی ضرورت نہیں کہ انسانوں سے دامن بچا کر جنگلوں کا رخ کیا جائے یا عبادات گاہوں کی چار دیواری تک خود کو محدود کر لیا جائے۔ ایسا عقیدہ بنی نوع انسان کے مفاد میں کم ہے۔ نفسیات ایسے عقیدہ کی حوصلہ افزائی کرتی ہے جس کے مطابق خدا تعالیٰ کی رضا انسانوں کے آپس کے تعلقات و رویوں کے نتیجہ سے حاصل ہو نفسیات روحیات ایسے ہی عقائد کی نشوونما سے ذہنی صحت سے متعلق مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے سعی کر رہی ہے۔ کسی عقیدہ کو اس کے تحت پیدا ہونے والے نتائج کی روشنی میں اہم (صحتمند) یا غیر اہم (غیر صحتمند) قرار دیا جا سکتا ہے۔

اگر عقائد کے نتیجے میں معاشرتی اصلاح و فلاح ہوتی تو وہ عقائد صحتمند ہیں اور

اگر عقائد کے نتیجے میں معاشرتی اصلاح و فلاح کے بجائے صرف بندہ سرو مستی کی کیفیت میں نورِ الٰہی کی تجلی کا دعویٰ کرتا ہے اور اسے ہی وہ مقصدِ حیات قرار دیتا ہے اور انسانوں کے ساتھ اس کا رویہ معاشرت و اخلاقی تقاضوں پر پورا نہیں اترتا تو ایسا عقیدہ صحیح تو ہو سکتا ہے مگر مفید نہیں۔

حاصلِ بحث

Conclusion

جیسے آج کل ہمارے یہاں پیر اور مرید کے تعلقات ہیں.. پیر تجلیات کے دعوے کر کے مریدوں کو متاثر کرتا رہتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ عبادات پر زور دیتا ہے مگر مرید کی معاشرتی اور اخلاقی تربیت کو اپنے دائرۂ کار سے باہر سمجھتا ہے۔ یعنی اس کا مقصد ایک معاشرے کی تعمیر و تشکیل نہیں بلکہ ایک مخصوص عقائد سے جنم لینے والے گروہ کی تشکیل ہے جو معاشرے کیلئے مفید نہیں۔ جب کہ نفسیات روحیات ایسے عقائد کی نشو و نما اور پختگی کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔

جو گروہ کے بجائے معاشرتی کردار کی تشکیل روحانی و اخلاقی اور معاشرتی تعلیمات کی بنیادوں پر کرے۔ جس میں اجتماعی کردار کی اصلاح و فلاح کا پہلو ہو جس سے ایسا کردار جنم لے جو خدا تعالیٰ کی رضا انسانوں سے دوری میں نہیں بلکہ انسانوں کے درمیان رہتے ہوئے حاصل کرے۔ ایسے عقائد ہی ذہنی صحت کیلئے آلۂ علاج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (حوالہ سائیکالوجی اینڈ میڈیکل)

کیا بات صرف اعتقاد کی ہے...؟

Is only faith concerned....?

کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ نے دل سے دعا مانگی ہو اور وہ قبول ہو گئی ہو۔ آپ کہیں گے ایسا ایک بار نہیں کئی بار ہوا ہے کہ آپ نے خدا سے گڑگڑا کر کوئی مراد پوری ہونے کی آرزو کی اور پھر اسباب خود بخود پیدا ہوتے چلے گئے کہ آپکی خواہش مجسم حقیقت بن گئی ایسا ہونا بھی چاہئے بحیثیتِ مسلمان خدا تعالیٰ پر ہمارا ایمان ہے کہ وہ ہم سب کی سنتا ہے اور شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

دعا مسلمان کیلئے ایک بہت بڑا سہارا ہے۔ جب انسان بالکل مایوس ہو جائے تو دعا ہی اسے مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر ایک نئے عزم اور حوصلے سے ہمکنار کرتی ہے۔ اسلامی نظامِ حیات میں قدم قدم پر خدا سے دعا مانگنے میں مطمئن اور کامیاب زندگی گزارنے کا راز پنہاں ہے۔

لیکن آپ واحد فرد نہیں جو مایوسی کے وقت خدا سے رجوع کرتے ہیں یا جس کے دل میں آرزوئیں اور خواہشات مچلتی رہتی ہیں۔ دنیا میں لاکھوں کروڑوں افراد مشکل وقت یا بیماری میں خدا سے رجوع کرتے ہیں اور خدا ان کی سنتا ہے اور ایک دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ اس مادیت پرست دنیا میں دعا کے ذریعے مشکلات حل کرنے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔

ہفت روزہ ٹائم کے مطابق آج سے نصف صدی قبل اگر کسی امریکی ڈاکٹر کو یہ کہا جاتا کہ مریض کو علاج کیلئے خدا سے دعا بھی کرنی چاہئے تو وہ اس بات کو ہنسی میں اڑا دیتا.. لیکن آج ڈاکٹروں کا رویہ تبدیل ہو چکا ہے اور وہ اب اس بات کو تسلیم کرنے لگے ہیں کہ:

علاج معالجہ میں بے شک انسانی خون کے خلیوں اور دوسرے پیچیدہ ٹیسٹوں کا عمل دخل ہے لیکن شفایابی میں دعا کے اثرات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور یہ دعا کے معجزانہ اثرات کا کرشمہ ہے کہ امریکہ کے زیادہ سے زیادہ میڈیکل اسکول اپنے نصاب میں روحانیت کا باب شامل کر رہے ہیں۔ عوام میں بھی یہ شعور بیدار ہو رہا ہے کہ علاج معالجہ اپنی جگہ لیکن روحانیت اور دعا بھی صحت یابی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

اب بیسویں صدی اپنے اختتام کو پہنچ رہی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ویسٹرن میڈیسن نے جو عروج حاصل کیا تھا اس کا زوال بھی شروع ہو گیا ہے۔ دیکھا جائے تو علاج معالجے کا مغربی طریقہ بحران کا شکار ہے۔

بے شک انفیکشن پر فتح پانے کی کوششیں ہو رہی ہیں، فیل ہونے والے گردوں کی جگہ نئے گردے لگائے جا رہے ہیں دل بھی تبدیل ہوتے ہیں۔ لیکن امریکہ اور دوسرے ملکوں کو اس وقت جن طبی مسائل کا سامنا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ سنگین ہیں.. مثلاً ہائی بلڈ پریشر، کمر کا درد، دل کے امراض، جوڑوں کا درد، ذہنی دباؤ اور

دوسرے پیچیدہ امراض جیسے کینسر اور ایڈز وغیرہ......اگر آپ غور کریں تو معلوم ہو گا کہ ان میں سے اکثر امراض ہمارے غلط طرزِ زندگی کا نتیجہ ہیں اور ان میں ذہنی دباؤ اہم کردار ادا کرتا ہے۔ بوسٹن میں دماغ اور جسم کے میڈیکل انسٹی ٹیوٹ کے صدر ڈاکٹر ہربرٹ بنسن کا کہنا ہے کہ :

جو مریض ڈاکٹروں سے رجوع کرتے ہیں۔ ان میں سے 60 سے 90 فیصد مریض ایسے ہوتے ہیں۔ جن کے مرض کا تعلق ذہنی دباؤ اور پریشانی سے ہوتا ہے۔ یہ بھی دورِ جدید کی طب کی کامیابی ہے کہ ہم میں سے اکثر اتنی دیر تک زندہ رہتے ہیں کہ انہیں یہ کرانک امراض لاحق ہو جاتے ہیں لیکن ان کے علاج معالجہ کیلئے جو روایتی ادویات اور سرجری کے طریقے آزمائے جاتے ہیں وہ بہت زیادہ کارگر اور مؤثر ثابت نہیں ہوتے۔

کرانک مریضوں کو ڈاکٹروں کے کمروں میں نہ صرف یہ کہ سکون اور آرام نہیں ملتا بلکہ اعلیٰ ٹیکنالوجی کے حامل ٹیسٹ انہیں یہ احساس دلاتے ہیں کہ ان کے زخموں پر پھاہار کھنے کے بجائے انہیں مشینوں کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ بیشمار مریض علاج معالجہ کے متبادل طریقے اپناتے ہیں اور ایک اندازے کے مطابق یہ لوگ روحانی طریقوں اور متبادل علاج معالجہ پر ہر سال 30 بلین ڈالر صرف کرتے ہیں۔

کروڑوں روپے روحانیت کی کتابوں پر صرف ہوتے ہیں اور ان ٹیپ شدہ لیکچرز پر بھی لاکھوں صرف کیئے جاتے ہیں۔ جو دیپک چوپڑا اینڈ یو ویل اور لیری ڈوسے جیسے روحانی ڈاکٹروں کی تقاریر پر نہیں ہوتے ہیں۔

ہفت روزہ ٹائم کے مطابق روحانیت کی طرف عوام کے بڑھتے ہوئے رجحان کا نتیجہ ہے کہ اب سائنس دانوں نے پہلی بار اس بات پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کیا ہے کہ مریضوں کو روحانی علاج اور دعا سے کیا واقعی فائدہ پہنچتا ہے؟ اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جب انہوں نے میڈیکل لٹریچر کو کھنگالا اور اس موضوع پر ریسرچ کی تو انہیں کئی ایسے حقائق کا پتہ چلا جو ان کے اس مفروضے کی تصدیق کرتے تھے کہ روحانیت کسی بھی مرض سے صحت یابی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ مختصر سے عرصے میں اس موضوع پر کافی کام ہوا ہے۔ دو امریکی ڈاکٹروں، ڈاکٹر

ڈیوڈ اور لیون نے 200 سے زائد ایسے تحقیقی جائزوں کا مطالعہ کیا ہے۔ جن میں مذہب اور روحانیت کو صحت کیلئے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ ان میں سے چند ریسرچ رپورٹیں یہ ہیں۔

1995ء میں ڈارٹ ماؤتھ کے میڈیکل سینٹر میں کی گئی ایک ریسرچ سے ثابت ہوا کہ ہارٹ سرجری کے 232 مریضوں میں سے بعض میں علاج معالجہ کے ساتھ ساتھ دعا اور مذہبی عبادات نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ ان مریضوں نے بتایا کہ انہیں مذہب نے ذہنی طور پر بہت سکون دیا۔ جس سے وہ جلد صحت یاب ہو گئے۔ جن مریضوں نے دعا نہیں کی تھی یا مذہب سے رجوع نہیں کیا تھا۔ ان میں شرح اموات تین گنا زیادہ تھی۔

ایک 30 سالہ ریسرچ سے ثابت ہوا کہ عبادت گاہ جانے والے افراد میں نہ جانے والے افراد کے مقابلے میں بلڈ پریشر کی شکایت کم پائی گئی۔

دوسری مشاہداتی اور ریسرچ رپورٹوں سے یہ معلوم ہوا کہ جو لوگ باقاعدگی سے مذہبی اجتماعات میں شرکت کرتے ہیں۔ ان میں دل کے امراض سے مرنے کی شرح ان لوگوں کے مقابلے میں آدھی تھی۔ جو مذہبی اجتماعات میں شرکت نہیں کرتے تھے۔

ٹریفک قوانین کی پابندی

Obeying traffic law

اسلامی قوانین نے تمام زندگی کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اسلامی اصول و ضوابط انسان کو سہولت اور عافیت دینے کیلئے ہیں۔

اسلام ازل سے ابد تک قائم ہے، رہے گا۔ قیامت تک آنے والے جتنے مسائل ہیں۔ ان تمام مسائل کا حل اسلام میں مکمل طور پر موجود ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کے ماہرین نے ٹریفک قوانین پر کتنی کتابیں لکھی ہیں۔ وہ آنے والی سطور پر خلاصہ یہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اسلامی نظامِ حیات میں ٹریفک کے قوانین پر جو پابندی لگائی گئی ہے اور یورپ نے ان کی وضاحت کیلئے جتنی کتابیں اور لٹریچر لکھا ہے وہ اسلامی قوانین کی وضاحت ہی ہو سکتی ہے۔

کنوینس اینڈ ہیومن

Conveyance & Human Bieng

ڈاکٹر بلو برڈ کی یہ کتاب ٹریفک قوانین کیلئے یورپ کے سلیبس میں شامل ہے۔ جس سے ایک مبتدی سے لے کر ماہر تمام افراد استفادہ کر سکتے ہیں۔

روڈ اینڈ مائی ایکسپیر ینئس

Road & my experience

رچرڈ بورڈنگ کی یہ کتاب دراصل اس کی زندگی کے مشاہدات اور وجوہات کا خلاصہ ہے۔ رچرڈ بورڈنگ پوری زندگی سڑکوں کا شہنشاہ رہا ہے۔ اس کی زندگی کے عظیم تجربات اس میں شامل ہیں۔

سڑک اور سفر

Road & Journey

یہ کتاب بھی ٹریفک قوانین کا بہترین مجموعہ ہے۔

الغرض ان تمام کتب کا مطالعہ کرنے کے بعد جب ہم احادیثِ نبوی ﷺ پر غور کریں تو ہمیں اس بات کا بخوبی احساس واعتراف ہوتا ہے کہ یہ تمام قوانین انہی کا نچوڑ ہو سکتے ہیں۔

خدا تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں کہ :

"اے رسول ﷺ! ہم نے آپ پر کتاب نازل کی جس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے"۔ (89,16)

دوسری جگہ فرمایا کہ :

"بیشک ان کے پاس ان کے رب سے ہدایت پہنچ گئی"۔ (25,53)

لیکن افسوس کہ پاکستان میں ہماری حکومتوں، سیاست دانوں، مذہبی جماعتوں نے قرآن کو چھوڑ رکھا ہے۔ اس سلسلے میں ہم آج سڑکوں پر حادثات کے موضوع پر گفتگو کرتے ہیں۔

قرآن میں آتا ہے کہ :

"جو لوگ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو ایذا پہنچاتے ہیں حالانکہ انہوں نے کوئی قصور نہیں کیا ہوتا۔ پس ایسے لوگ بہتان اور واضح گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ (الاحزاب 58)

"کسی بے قصور کو تکلیف دینا گناہ ہے چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم"

یہ بات بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔ اچھا مسلمان وہی ہے جو خود تکلیف اٹھائے تاکہ دوسرے لوگ آرام سے رہیں۔ (کنز العمال)

جنگِ بدر میں جو قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ ان کو حکم نبوی ﷺ یہی تھا کہ ان کو آرام سے رکھو اور ان کو اچھا کھانا کھلاؤ۔ پس صحابہ خود روکھی سوکھی کھاتے اور دشمن قیدیوں کو اچھا کھانا کھلاتے اور قیدی اس پر شرمندہ ہوتے۔ (مجمع الزوائد)

احادیث میں جمعہ کے دن مسجد میں لوگوں کو گردنیں پھلانگ کر آگے جانے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس سے نمازیوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔

ابنِ ماجہ و ترمذی کی حدیث کے مطابق نبی ﷺ نے ایسا کرنے والوں کے متعلق کہا ہے کہ یہ لوگ اپنے لیئے جہنم میں جانے کیلیئے پُل تیار کرتے ہیں۔ ایسی ایک غلطی کرنے والے کو جنابِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ :

جس نے مؤمن کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی.. اس نے خدا تعالیٰ کو ایذا دی۔

اس طرح کئی احادیث منذری نے اپنی کتاب ترغیب و ترہیب میں بیان کی ہیں۔ (504,503,1)

قرآن و حدیث سے بے رخی

Neglecting Quran & Hadith

اصل بات یہ ہے کہ ہم نے قرآن و حدیث سے منہ موڑ رکھا ہے۔ قرآن و سنت میں جو عوام کے حقوق ہیں اور جس طرح سے عوام کی خدمت کا کلچر اسلام نے پیدا کیا ہم اس سے بے بہرہ ہیں۔ اس کے برعکس ناچ گانے کا کلچر اور خود غرضی اور دولت پرستی کا کلچر ہم پر چھایا ہوا ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ جو شخص راستے سے تکلیف دہ چیز کانٹا، پتھر، گندگی ہٹاتا ہے۔ اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور وہ جنت کا حقدار بن جاتا ہے۔

حضرت معاذؓ اور دیگر صحابہؓ کا عمل

The behaviour of Sayyidina Mu'az & other Companions رضی اللہ تعالیٰ عنہم

امام طبرانی روایت کرتے ہیں حضرت معاذؓ سڑک پر جارہے تھے اور ایک شخص

ان کے ساتھ تھا۔ آپ نے راستے سے پتھر ہٹا کر دور کر دیا۔ آپ کے ساتھی نے پوچھا: آپ نے ایسا کیوں کیا؟

آپ نے جواب دیا:

''میں نے رسولِ خدا ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص راستہ سے پتھر ہٹادے اور راستہ صاف کرے تو اس کیلئے نامۂ اعمال میں نیکی لکھی جاتی ہے اور جس کی نیکی اس طرح لکھی جائے یعنی قبول ہو جائے تو اسے جنت میں داخل کیا جائے گا''۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جو کوئی مسلمان کے راستہ سے اذیت دینے والی چیز ہٹادے تو اس کے لیے نیکی لکھی جاتی ہے اور خدا تعالیٰ جس کی نیکی لکھ لیتا ہے تو اس کے بدلے اسے جنت میں بھی داخل کر دیتا ہے۔ مسلم اور نسائی کی حدیث میں بتایا گیا ہے کہ:

جو شخص مسلمانوں کے راستے سے پتھر، کانٹا یا ہڈی کا ٹکڑا دور کر دے۔ تو گویا اس نے اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے دور کر لیا۔

بخاری و مسلم نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ جنابِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص راستے پر جا رہا تھا۔ اس نے کانٹے دار شاخ دیکھی اور اسے راستے سے دور کر دیا۔ خدا تعالیٰ نے اس کی نیکی کو قبول کر لیا اور اس کو بخش دیا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص راستے سے ایک کانٹے دار شاخ سے گزرا۔ اس نے کہا کہ:

خدا کی قسم میں اس کو یہاں سے ہٹادوں گا کہ یہ مسلمانوں کو اذیت نہ پہنچائے۔ پس خدا نے اس کو اس نیکی پر جنت میں داخل کر دیا۔

ابو داؤد کی روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ کسی نے کوئی قابلِ قبول عمل اس سے بہتر کوئی نہیں کیا مگر یہ کہ اس نے راستے میں کانٹے دار جھاڑی دیکھی اور اس کو کاٹ کر پھینک دیا۔ یا سڑک پر کانٹے دار جھاڑی دیکھی تو راستہ صاف کر دیا۔ خدا تعالیٰ نے اس نیکی کو قبول کر لیا اور اس کو جنت میں داخل کر دیا۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ راستہ میں ایک درخت تھا جس سے گزرنے والوں کو دقت ہوتی تھی۔ ایک شخص آیا اور اس نے راستہ کو صاف کر دیا۔ پھر

جنابِ اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو جنت میں درخت کے سائے میں پھرتے دیکھا۔ (مسند احمد مذکورہ بالا احادیث کیلئے دیکھئے ترغیب وترہیب 618 تا 621)

راستے کو صاف رکھنا

To keep the thoroughfaoc

مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہو گیا کہ راستہ میں چلنے والوں کیلئے ذرا سی تکلیف کا موجب بن جانا دوزخ کا راستہ ہموار کر دیتا ہے۔ بلکہ جنابِ اقدس ﷺ کی زبانِ مبارک سے دوزخ کی وعید بہت کثیر احادیث میں مذکور ہے۔ اس کے بر عکس راستہ سے تکلیف کی معمولی چیز دور کرنے سے انسان کی بخشش ہو جاتی ہے اور جنت مل جاتی ہے۔

دراصل انسان کیلئے اسلام کیونکہ ہمیشہ کیلئے قانون اور آخری ہدایت ہے اسلئے اس کے ضابطوں میں آئندہ آنے والے تمام حالات کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جب کوفہ کا شہر بنایا تو حکم دیا کہ سڑکیں اور گلیاں چوڑی رکھیں۔ مثلاً 30 ہاتھ 40 ہاتھ چوڑی بنائی جائیں۔

روایات میں شادی یا دعوتوں کیلئے راستہ روکنا بھی منع ہے اور گناہ ہے۔ کیونکہ راستہ چلنے والوں کو اس سے ایذا اور تکلیف پہنچتی ہے۔ مسلمان کا فرض تو یہ ہے کہ خود تکلیف اٹھائے اور راہ گیروں کو آرام پہنچائے۔ امام غزالی نے لکھا ہے کہ مسجدوں سے باہر جمعہ کے دن جو لوگ نماز کیلئے سڑک پر کپڑا بچھاتے اور راستہ روکتے صحابہ کرامؓ ان کو مار کر اٹھا دیتے۔

مسلمان کا کام راہگیروں اور مسافروں کی خدمت ہے نہ کہ ان کو ایذا پہنچانا۔ اسی طرح اگر راستہ روک کر کوئی اپنی دوکان لگاتا اور راہ میں رکاوٹ پیدا کرتا تو خلفائے راشدین ان کو ہٹا دیتے۔ غرضیکہ راہ میں رکاوٹ اسلام میں عظیم گناہ ہے۔ دراصل آج کے دور میں خود غرضی نے ہمارے اخلاق خراب کر دیئے ہیں۔

ایک لکھنو کا کلچر تھا کہ سنتے ہیں کہ ریل گاڑی میں سوار ہوتے تو ہر ایک دوسرے کو کہتا کہ پہلے آپ سوار ہو جائیں اور پہلے آپ، پہلے آپ، کہتے ہوئے کبھی ایسا بھی ہوتا کہ گاڑی چل پڑتی۔

قانون سازی

Legislation

ہم قانون سازی کے خلاف ہیں قوانین قرآن و سنت میں موجود ہیں۔ مگر خدا کے قوانین کی روشنی میں تفصیلی ضابطے یا ریگولیشن بنانے بھی ضروری ہیں۔ مثلاً بائیں ہاتھ چلنا، چوک پر رفتار کم کر دینا، ٹریفک لائٹوں کا انتظام، سڑکوں پر ٹریفک کی آسانی کیلئے بورڈ و نشانات قائم کرنا وغیرہ...... ٹریفک رولز کی خلاف ورزی نہ صرف جرم بلکہ گناہِ عظیم ہے۔

اسلامی قوانین کے مطابق اگر کوئی سڑک پر ایسا ضرورت سے زیادہ چھڑکاؤ کرتا ہے کہ کیچڑ ہو جاتا ہے۔ پھر اگر کوئی پھسل کر گر جائے اور ہڈی ٹوٹ جائے یا کسی قسم کی چوٹ لگ جائے تو کیچڑ پیدا کرنے والے پر اس کا تاوان واجب ہو گا۔ اگر گرنے والا مر جائے قتل بالسبب کا مقدمہ اس پر بن جائے گا اور دیت لازم ہو گی۔ ہر دو افعال اس کی نفسیات کا پر تو ہوتے ہیں۔ اسلئے جنت یا دوزخ کا سبب بن جاتے ہیں۔

ہمارے ملک میں روزانہ ہزاروں نہیں تو سینکڑوں لوگ ٹریفک کے حادثات میں زخمی ہو جاتے ہیں۔ مگر ان جانوں کے ضیاع کی نہ حکومت کو پرواہ ہے نہ لیڈروں کو۔ خلفاءِ راشدین کا کہنا تھا کہ گورنروں، کمشنروں، ڈپٹی کمشنروں (عمال) کو اس لیئے بھیجا جاتا ہے کہ وہ عوام کی خدمت کریں اور ان کو دینِ اسلام کی تعلیم دیں۔

ابن عساکر نے لکھا ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بقول حضرت عائشہؓ گھر میں فارغ بیٹھے نظر نہ آتے۔ کبھی کسی بیوہ کا کپڑا سیتے دکھائی دیتے یا کسی غریب یتیم کی جوتی کی مرمت میں مصروف ہوتے۔ (مختصر تاریخ دمشق جلد دوئم مؤلفہ ابن منظور)

ٹریفک قوانین کی پابندی کا احساس

Observing the traffic laws

جب تک عوام میں ٹریفک قوانین کی پابندی کا احساس پیدا نہ ہو اس وقت تک لازمی ہے کہ ٹی وی ریڈیو پر اس سلسلے میں مختلف طریقوں سے تعلیم دی جائے۔ طرح طرح کے پروگراموں سے ٹریفک قوانین کی اہمیت بیان کی جائے اور بتایا جائے

کہ ان قوانین کی پابندی جنت میں جانے کا موجب بھی بن سکتی ہے اور خلاف ورزی دوزخ میں دھکیلنے کا موجب بن سکتی ہے۔ یعنی صرف خلاف ورزی بغیر کسی حادثے کے وقوع کی بات تو الگ ہے۔

ٹریفک کا مسئلہ اتنا اہم ہے کہ اس موضوع پر صدر، وزیر اعظم اور وزراء اعلیٰ بار بار ٹی وی پر خطاب کریں اور اس وقت تک لگا تار تقریریں اور ایسے اقدامات کرتے رہیں جب تک حادثات ختم یا تقریباً ختم نہیں ہو جاتے۔

ان حادثات میں بڑے بڑے محبِّ وطن اور قیمتی لوگ جان کھو بیٹھتے ہیں۔ اس معاملے میں سرکاری افسروں اور اخباروں اور ادیبوں پر ہی نہیں بلکہ علماء پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ قرآن و احادیث کی روشنی میں ٹریفک کے مسئلہ کو اجاگر کریں۔ یاد رہے کہ تین بڑے علماء ٹریفک کا شکار ہو کر جان ضائع کر چکے ہیں۔ مثلاً مولانا غزنوی لندن میں حادثے کا شکار ہوئے، مولانا عبد الغنی کوکب اور فہیم عثمانی لاہور میں حادثوں میں جاں بحق ہوئے مگر علماء نے کبھی جمعہ کے خطبوں میں ٹریفک قوانین کی پابندی پر زور نہیں دیا نہ ہی احادیث کی روشنی میں ان کی خلاف ورزی پر دوزخ جانے کا پیغام سنایا۔ (مقالاتِ نوری۔ جنگ ۱۶ مئی ۱۹۹۷ء)

حضرت علیؓ کا انصاف

The judgement of sayyidina ' Ali رضی اللہ عنہ

جب جرم ہوتا ہے تو مجرموں سے زیادہ مجرم وہ لوگ ہوتے ہیں جو جرم دیکھتے ہوئے بھی جرم کو ہونے دیتے ہیں اور جرائم کی روک تھام کیلئے جہاد نہیں کرتے، جرائم کو روکنے کی سعی نہیں کرتے وہ ان مجرموں سے زیادہ بڑے مجرم ہیں۔

ابن قیمؒ حضرت علیؓ کا ایک فیصلہ نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص کو دوسرا شخص قتل کرنا چاہتا تھا تو وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ اتنے میں دوسرا شخص آیا اور بھاگنے والے کو پکڑ لیا۔۔ اتنے میں پہلا شخص آیا اور اس کو قتل کر دیا۔۔ اس قتل کو تیسرا شخص بھی دیکھ رہا تھا۔۔ وہ شخص اس پر قادر تھا کہ مقتول کی جان بچا لے۔ مگر وہ محض دیکھتا رہا اور اس کی جان بچانے کی کوشش نہیں کی۔

پس حضرت علیؓ نے فیصلہ دیا کہ قاتل کو قتل کیا جائے۔۔ اور پکڑنے والے کو

عمر قید یعنی موت تک کیلئے قید رکھا جائے.. اور دیکھتے رہنے والے کی آنکھ ضائع کر دی جائے کیونکہ وہ محض کھڑا دیکھتا رہا اور اس کی جان بچانے کیلئے کچھ نہ کیا۔
امام احمد اور دیگر علماء اس فیصلہ سے اتفاق کرتے ہیں سوائے ناظر کی ایک آنکھ ضائع کرنے سے۔ غالباً حضرت علیؓ نے اس کی آنکھ ضائع کرنے کا جو فیصلہ دیا وہ امت کی مصلحت کی وجہ سے دیا۔ اس کا کچھ اشارہ حضور ﷺ کی اس حدیث میں بھی ملتا ہے جس میں اس شخص کی آنکھ ضائع کرنے کی اجازت دی گئی ہے جو کوئی دوسرے کے حرم میں سوراخ یا طاقچہ وغیرہ میں سے جھانکتا ہو۔ یہ حدیث بالکل واضح اور صحیح ہے۔ (ابن فصیح، الطرق الحکمیہ :۲۱)

قوانینِ ٹریفک اور پاکستان

Traffic laws & Pakistan

اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ پاکستان بننے سے پہلے اور کچھ سال بعد تک ٹریفک کے قانون سختی سے نافذ کیئے جاتے تھے۔ بغیر بتّی کے سائیکل، ریڑھا، تانگہ سڑکوں پر نہیں چل سکتا تھا۔ پھر غریبوں سے ہمدردی ظاہر کرنے کیلئے بعض حکمرانوں نے صرف موٹر سائیکلوں اور کاروں وغیرہ پر رات کی لائٹ کی پابندی قائم رکھی۔ مگر سائیکل سواروں، ریڑھوں اور تانگہ والوں کو بتّی سے کھلی چھوٹ دے دی۔
مزید پہلے تانگہ پر چار سے زیادہ سواری بٹھانے پر چالان ہو جاتا تھا۔ مگر غریبوں سے ہمدردی کے نام پر چھ سواریاں بٹھانے کی عام اجازت دے دی گئی۔ آپ کو میکلوڈ روڈ، سرکلر روڈ وغیرہ سب جگہ رات کو تانگے بغیر چھ سواریاں بٹھائے عام نظر آتے ہیں۔ اب جانوروں سے بے رحمی کو روکنے والی انجمن کہیں نظر نہیں آتی۔ عجیب بات ہے کہ انگریزوں نے تو گھوڑوں پر یہ ظلم بند رکھا۔ نام نہاد مسلمانوں نے اس ظلم کی بھی کھلی اجازت دے دی۔
سائیکل سواروں کو نہ عام طور سے بلکہ تمام سائیکل سواروں کو بغیر بتّی کے دیکھ کر بعض موٹر سائیکل والوں نے بھی بتّی کے معاملے میں تساہل برتنا شروع کر دیا ہے۔ اگر آپ نمازِ فجر کیلئے مسجد جائیں تو کئی موٹر سائیکل سوار بھی بغیر بتّی کے آپ کو مل جائیں گے۔ پھر جب رسم چل نکلی تو بعض کاروالے بھی کبھی کبھی بغیر بتّی یا صرف

ایک بتّی کے ساتھ نظر آجاتے ہیں۔

اچھا یا برا طریقہ جاری کرنا

Promoting something good or bad

مسندِ احمد وغیرہ (۴: ۳۶۱) میں حدیث ہے کہ جس نے اچھی سنت یعنی مثال قائم کی۔ پھر دوسروں نے اس کی متابعت کی تو اچھی مثال قائم کرنے والے کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ بعد میں اس کی پیروی کرنے والے کو ملے گا۔ بعد والے کے ثواب میں سے بھی کچھ کم نہ ہوگا۔

اسی طرح جس نے بری سنت یعنی بری مثال قائم کی تو بعد میں جو اس مثال کی پیروی میں اس برائی پر عمل کریں گے تو بعد کے جتنے لوگ بھی جتنی بار اس قائم کردہ بری مثال پر عمل کریں گے ان سب کا گناہ پہلے شخص کو بھی اتنا ہی ملے گا جتنا کہ بعد والے تمام اشخاص کو ملے گا۔

اس حدیث شریف سے واضح ہو گیا کہ جن حکمرانوں نے بغیر بتّی کے سائیکلوں، تانگوں وغیرہ کو رات کو چلنے کی اجازت دی اور وہ حکمران جنہوں نے اس اجازت کو قائم رکھا۔ وہ سب کے سب ان تمام حادثات کے ذمہ دار ہیں جو بغیر لائٹ کے سائیکل، تانگہ، ریڑھا وغیرہ چلنے سے ہوتے ہیں۔ مگر ہمارے حکمرانوں کو تو ووٹ اور کرسی سے غرض ہے چاہے جتنے لوگ زخمی ہوں یا ہلاک ہوں ان کو اس سے کیا غرض۔

سرخ بتّی

The red light

یہ بات بھی قارئین نے نوٹ کی ہوگی کہ جب چوک میں ٹریفک کی سرخ بتّی دیر تک جلتی رہے اور یہ سمجھا جائے کہ اب نارنجی اور سبز بتّی آنے کے قریب ہے تو کئی کار والے سرخ بتّی ہی میں چل پڑتے ہیں۔ پھر ایک کو دیکھ کر دوسرا بھی صبر نہیں کرتا اور چل پڑتا ہے۔ جس سے بعض اوقات حادثات بھی ہو جاتے ہیں۔ اب حدیث شریف کی رو سے وقت سے پہلے چلنے کی مثال قائم کرنے والے کو بھی ان سب کا گناہ ملے گا۔ جو بعد میں دیکھا دیکھی وقت سے پہلے چل پڑتے ہیں۔

انسان میں نقل کرنے کی بہت عادت ہوتی ہے۔ اسی طرح سے اچھے برے فیشن چل نکلتے ہیں۔ ان کا گناہ یا ثواب بھی پہلی مثال قائم کرنے والے کو بھی پہنچتا ہے۔

آج کل لوڈ شیڈنگ نہ بھی ہو ویسے بھی رات کو اکثر بار بجلی فیل ہوتی رہتی ہے.. دن کو بھی اور رات کو بھی۔ ایسے میں اگر سائیکل یا موٹر سائیکل یا تانگہ وغیرہ کی بتی نہ ہو تو سڑک کی بتی اچانک فیل ہونے سے حادثہ کا امکان اور بھی بڑھ جاتا ہے۔

خود راقم الحروف بھی لوڈ شیڈنگ کے وقت ایک موٹر سائیکل کی ٹکر کا لکشمی چوک میں شکار ہو گیا۔ جو بغیر بتی کے تیزی سے موٹر سائیکل بھگائے جا رہا تھا اور جس نے چوک کراس کرتے وقت بھی تیز رفتاری کو قائم رکھا۔ حادثہ کے بعد وہ نو دو گیارہ ہو گیا.. بعض پڑوسیوں نے ہسپتال پہنچایا.. سر کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں...... اب تفصیل کا کیا ذکر۔

قرآنِ حکیم میں جہاں آدم علیہ السلام کے بیٹوں کا قصہ ہے اسکے فوراً بعد یعنی قابیل کا ہابیل کو قتل کرنے کا ذکر ہے اس کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

"اس وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کیلئے لکھ دیا کہ جس نے کسی جان کو قتل کیا بغیر اسکے کہ اس مقتول نے کسی کی جان لی ہو۔ زمین میں فساد برپا کیا ہو تو گویا اس نے تمام دنیا کے انسانوں کو قتل کر دیا۔ اسی طرح جس نے کسی کی جان بچائی تو گویا اس نے تمام دنیا کے انسانوں کو زندگی بخشی"۔

تنہائی

Loneliness

جیسا کہ ہم سب جانتے اور مانتے ہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور فرد کی دینی اور دنیاوی دونوں قسم کی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ فرد کو متحرک رکھنے کیلئے اسلامی تعلیمات مکمل (یعنی انسانیت کی فلاح و بہبود میں لگے رہنا) اور ہر وقت درس دیتی ہیں۔ آپ ﷺ ہمیشہ انسانیت کی خدمت اور فلاح و بہبود کیلئے کوشاں رہے۔۔۔ بہت سے واقعات سے اس کا حوالہ ملتا ہے۔

دوسرا اسلام کی اجتماعی تعلیمات پر عمل کرنے کا درس یہی ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی خیر خواہی، اس کے دکھ سکھ، غم و خوشی، رنج والم میں برابر نہیں ہے شریک ہوں۔ حتیٰ کہ اپنی ضرورتوں کو قربان کر کے دوسروں کی ضرورتوں کو پورا کرے۔ تاکہ اسکو تنہائی کا احساس نہ ہو۔

نماز اجتماعی اعمال میں سے ایک بڑا عمل ہے۔ اس میں جہاں ہماری روز مرہ زندگی کے اور درس پائے جاتے ہیں وہاں تنہائی کو ختم کرنے کا درس بھی پایا جاتا ہے۔ مسجد میں جانا اور اختلاط کرنا اور ایک دوسرے کی خیر و عافیت کا پوچھنا اس مرض کے خاتمے کا پیش خیمہ ہیں۔ لہٰذا انسانوں سے میل جول، ان کے کام آنا۔ ان کے دکھ اور سکھ میں شامل ہونے سے تنہائی سے چھٹکارا پا سکتے ہیں اور اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے سے اس سے نجات پا سکتے ہیں۔

تنہائی......ایک نیا قاتل

Loneliness as a new Murderer

ایک نئی کتاب میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ تنہائی ایک نیا قاتل ہے۔ لوگوں سے روابط آدمی کو امراض اور موت سے بچاتے ہیں اور سماجی عدمِ رابطہ یا تنہائی اتنی ہی مہلک ہوتی ہے جتنا کہ ہائی بلڈ پریشر یا موٹاپا یا سگریٹ نوشی۔

اس کتاب کے تین مصنفین میں سے جاکولین اولڈز (بیوی) اور رچرڈ شوارٹز (خاوند) دونوں نفسیاتی طبیب ہیں۔ جبکہ تیسری مصنف ہیریٹ وبسٹر ایک صحافی ہیں۔ ان کی کتاب کا نام ہے "روزمرہ زندگی میں تنہائی پر قابو پانا"۔

شوارٹز کہتے ہیں کہ تنہائی مغرب اور بالخصوص امریکہ میں ایک بڑا مسئلہ ہے۔ کیونکہ بالغوں کی ایک خاصی بڑی تعداد (خاص طور پر معمر لوگ) تنہا رہتی ہے۔ ۱۹۹۰ء کے ایک گیلپ پول کے مطابق تنہا رہنے والوں کی تعداد کل آبادی کا 36 فیصد ہے۔

اولڈز اور شوارٹز

Olds & Shwarts

اولڈز اور شوارٹز دونوں کی رائے ہے کہ تنہائی کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ مغرب خود کفیل ہونے پر فخر کرتے ہیں اور بڑھاپے میں کسی کے دستِ نگر رہنے سے انہیں شرم محسوس ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دوسری ثقافتوں مثلاً مشرقی ثقافتوں میں دوسروں کا سہارا لینا ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔

تنہائی کو پستی (ڈپریشن) سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ پستی اور تنہائی دونوں میں افسردگی ہوتی ہے لیکن تنہا آدمی کسی وقت بھی تنہائی کا حصار توڑ کر باہر نکل سکتا ہے۔ جبکہ پستی کا مریض ایسا نہیں کر سکتا۔

اگر کوئی شخص تنہا رہ کر تخلیقی کام کر سکے تو یہ اچھی اور بڑی خوشی کی بات ہے لیکن شواہد یہ بتاتے ہیں کہ جن لوگوں کے معاشرے میں لوگوں سے روابط ہوتے ہیں وہ صحتمند رہتے ہیں اور لمبی عمر پاتے ہیں۔

تنہا لوگوں کی موت

The death of lonely people

صحتمند وار روابط والے افراد کے مقابلے میں تنہا لوگوں کی جلد موت کے مواقع دو گنا ہوتے ہیں۔ یہ بات ۱۹۸۸ء کے ایک مطالعے سے سامنے آئی جس میں ۳۷ ہزار افراد پر امریکہ، فن لینڈ اور سویڈن میں تحقیق کی گئی۔ کام کرنے کی عمر کے بالغوں تنہا رہنے والوں کی نسبت جلد موت کے مواقع دوسروں کے مقابلے میں چار گنا ہوتے ہیں اور تنہا رہنے والی خواتین کے جلد موت کے مواقع دوسروں سے تین گنا ہوتے ہیں۔

ایک ہزار افراد پر تحقیق

Research an one thousand people

۱۹۹۲ء میں کولمبیا یونیورسٹی نے ایک ہزار افراد پر تحقیق کی۔ اس کے نتائج جرنل آف امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی رپورٹ یہ ہے کہ حملۂ قلب کے بعد تنہا رہنے والوں کے طبّی مسائل بہت بڑھ جاتے ہیں۔

اسی طرح ڈیوک یونیورسٹی کے تحقیق کاروں نے 1368 افراد پر تحقیق کی اور ان کی رپورٹ یہ ہے کہ جو لوگ امراضِ قلب میں مبتلا ہیں اور غیر شادی شدہ ہیں ان کے زندہ بچ رہنے کے مواقع بہت کم ہو جاتے ہیں۔

اگر میاں یا بیوی میں کسی کو ذہنی خلل کی تکلیف ہو اور ان کے احباب کا حلقہ وسیع ہو تو ان کی تکلیف خاصی کم ہو سکتی ہے۔ سماجی میل جول پستی کو روکتا ہے، اس کا اطلاق خاص طور پر معمر افراد پر ہے۔

کارنیل یونیورسٹی کا مرکزِ تحقیق

Research centre of Cornell University

کارنیل یونیورسٹی کے مرکزِ تحقیق برائے عملی شیخوخیت کے ڈائریکٹر کارل پلے مر کا کہنا ہے کہ وہ معمر حضرات جو سماجی روابط سے محروم ہوتے ہیں، ان میں جسمانی اور ذہنی امراض اور موت کی شرح زیادہ ہوتی ہے۔ تنہا رہنے والے معمر افراد سے

لوگ دھاندلی میں ناجائز فوائد حاصل کرتے ہیں۔ اور وہ کچھ کر بھی نہیں سکتے کیونکہ ناجائز فائدہ اٹھانے والے انہیں دھمکیاں دیتے ہیں (اور ان کی بے بسی یہ ہوتی ہے کہ ان کے کسی سے روابط نہیں ہوتے)۔

تنہائی کا علاج دوا نہیں بلکہ یہ ہے کہ آپ دوسرے لوگوں سے میل جول بڑھائیں اور روابط کے جو فرائض ہیں ان کو پورا کریں۔ دوستی شکل کی دلکشی سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ اس حقیقت پر اس کا انحصار ہے کہ لوگ آپ کے کام آئیں اور آپ لوگوں کے کام آئیں۔ (درجینا رپورٹ، روزمرہ زندگی میں تنہائی پر قابو پانا)

نئی زندگی............جے۔ سی۔ پینی

New life .... J. C. Penny

مومن جب اذان کی آواز سنتا ہے تو وہ اس کیلئے رحمت کا باعث ہے، پریشانی سے نجات کا ذریعہ ہے۔ صحابہؓ جب بھی اذان کی آواز سنتے تھے تو عظمتِ الٰہی سے ڈر جاتے تھے اور ان کو یہ فقرات نیا جذبہ دیتے تھے۔ جب وہ مسجد میں جا کر وضو کرتے اور نماز پڑھتے تو ساری پریشانیوں کو بھول جاتے۔ جو اپنے آپ کو مسجد میں جانے کا عادی بنائے گا۔ وہ نفسیاتی امراض سے بچے گا۔ توکل، قناعت ان کی زندگی کا لازمی حصہ تھے۔
چونکہ صحابہؓ کی زندگی ولولہ انگیز زندگی تھی اور وہ ہر معاملے میں اللہ کی رضا کو سامنے رکھ کر ہر انسان کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرتے تھے۔ اس کے نتیجے میں دوسرے انسان بھی ان کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتے تھے، ایک دوسرے کا بہت اکرام کرتے تھے، چاہتے تھے، ایک دوسرے کو محبت بھرے الفاظ سے پکارتے تھے۔ گھریلو زندگی میں بھی یہی ماحول تھا۔ کوئی مسلمان احساس محرومی میں مبتلا نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے زندگی اچھی لگتی تھی۔
خدا کی مدد کا یقین اور محبت کے احساس کی بناء پر جے۔ سی۔ پینی پریشانی کی دلدل سے نکل آیا اور تندرست ہوا۔
جے۔ سی۔ پینی نے ایک بہترین اسلامی اصول اپنایا۔ اس نے گھر والوں کے بارے میں بدگمانی کا اصول چھوڑ کر خوش گمانی کا اصول اپنایا اور یقینِ کامل اور توکل کے اصولوں کو سامنے رکھا تو زندگی خوشگوار بن گئی۔

نئی زندگی

جے۔ سی پینی کی آپ بیتی

New life

J. C. Penny's autobiography

یہ اس شخص کی داستان ہے جو امریکہ میں خشک مال فراہم کرنے والی سب سے بڑی فرم کا مالک ہے۔ اسکی ذاتی شاخوں کی تعداد سولہ سو ہے۔ وہ کوئی امیر کبیر فرد نہ تھا لیکن وہ ایسا نوجوان تھا جس میں خود اعتمادی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اس کا نام پینی ہے۔

جب اسکی شادی ہوئی بلکہ پہلا بچہ بھی پیدا ہو گیا تو اس کا کوئی باقاعدہ ذریعۂ معاش نہ تھا اسکی جیب میں صرف پانچ سو ڈالر تھے۔ جب میاں بیوی نے مل کر خشک مال کا سٹور کھولنے کا فیصلہ کیا۔

خوش قسمتی سے انہیں ایک ایسی دکان کرایہ پر مل گئی جسکے بالائی حصے پر ایک رہائشی کمرہ تھا۔

رہائش کا مسئلہ حل ہو گیا لیکن بہت جلد اسٹور چلانے کیلئے ایک مددگار کی ضرورت پیش آئی۔ اسکی نوجوان بیوی نے یہ کہہ کر خاوند کی ڈھارس بندھائی کہ وہ گھر کا کام کرے گی، بچے کو سنبھالے گی اور دکان کے کاؤنٹر پر بھی کام کرے گی۔

وہ گاہک آنے سے پیشتر کھانے پکانے سے فارغ ہو جاتی، بچے کو کپڑوں میں لپیٹ کر کاؤنٹر کے نیچے ڈال دیتی اور بعد میں گاہکوں کو نپٹانے لگتی۔

پینی جب تک تھوک فروشوں سے مال لیکر آجاتا، کئی گاہک بھگتائے جا چکے ہوتے۔

اس ماحول، خوش اخلاقی اور مسلسل محنت سے کام چل نکلا اور پینی کروڑ پتی بن گیا۔ اب اسکی رہائش ایک بڑے بنگلے میں تھی جو اسکی ذاتی ملکیت تھا۔ اسکے بچے جوان ہو چکے تھے بیوی اپنی ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے سرانجام دیتی تھی کہ ایک

رات اسے کمر میں درد محسوس ہوا، صبح اٹھ کر دیکھا تو جلد پر بڑا سا سرخ دھبہ تھا پینی سیدھا ڈاکٹر کے پاس گیا جو اسکول میں اس کا ہم جماعت رہ چکا تھا۔ ڈاکٹر نے دھبے کا ملاحظہ کیا اور کہا: "پینی تمہیں شدید بیماری لاحق ہو گئی ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ جان لیوا ثابت ہو"۔

ڈاکٹر نے اس دھبے پر شدید قسم کی دوائیں ملنے کیلئے دیں۔ ان دواؤں سے آرام تو کیا آتا الٹا وہ درد میں اضافہ کا باعث بن گئیں۔ پینی نے ایک بار پھر ڈاکٹر کو اپنی حقیقت بتائی۔ شب بیداری، بے خوابی، پریشانی اور درد کی تفصیلات پیش کیں۔ ڈاکٹر نے مسکن دوائی کا اضافہ کر دیا۔

شروع میں نئی دوائی نے فائدہ دیا۔ پینی کو درد کا احساس نہ رہتا اور اسے نیند آجاتی لیکن اب نیند کے بجائے غنودگی سی محسوس ہوتی جس کے دوران درد چبھن کی طرح رات بھر محسوس ہوتی رہتی۔ یہ بھی غنیمت تھا۔ . ایک شام اس نے دوائی کھائی اور سو گیا۔ نصف شب کے قریب اس کی آنکھ کھل گئی، وہ درد سے بے تاب ہو گیا اور اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

دو تین راتیں یہی کیفیت رہی بلکہ ایک نئی علامت پیدا ہو گئی۔ اسے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے کنبہ کے افراد اس کے مخالف ہو گئے ہیں اور اس سے چھٹکارا چاہتے ہیں۔ شاید انہیں اس کی دولت سے زیادہ پیار ہو گیا تھا۔ اس سوچ سے اس پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ مسکن ادویات کا اثر زائل ہو گیا اور وہ ساری رات بستر پر کروٹیں لیتا رہتا۔ ایک رات جسمانی کے علاوہ ذہنی تکلیف زوروں پر تھی۔

وہ پریشانی اور اضطراب کا پیکر تھا۔ . اور بستر پر پہلو بدل رہا تھا۔ اللہ اللہ کر کے صبح ہوئی۔ ایک نزدیکی گرجے سے گھنٹیوں کی آواز اس کے کانوں میں آئی۔ زمانۂ صحت کے دوران وہ کبھی کبھار یہ آواز سنا کرتا تھا۔ مگر آج اس میں ایک خاص کشش معلوم ہوئی تھی۔ اس نے کپڑے بدلے اور گرجے پہنچ گیا۔ جہاں اسے ایسا سکون ملا جیسے ماں کی آغوش میں پہنچ گیا ہو۔ پھر گرجے والوں نے موسیقی کی دھن چھیڑی:

"خدا تمہاری حفاظت کرے گا"

اب گویا ایک معجزہ ہو گیا۔ اسے یوں معلوم ہوا جیسے اسے جہنم کے شعلوں سے نکال کر جنت کی ٹھنڈی فضا میں پہنچا دیا گیا ہو۔

گھر والوں کی محبت

Love for family members

دوسرے لمحے کمر کے درد میں کمی محسوس ہوئی۔ واپس آیا تو اسے اپنے کنبے والوں کے چہروں پر محبت و آشتی کے نشان ملے۔ کچھ افراد بے قراری سے اس کے منتظر تھے اور چند بچے اس کی تلاش میں نکل گئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں محبت کے آنسو آگئے۔ اسے یوں معلوم ہوا جیسے بیماری کسی بیرونی امر کا نتیجہ نہ تھی بلکہ خود اس کے خیالات کی پیدا کردہ تھی، اس نے مسکن اور خواب آور ادویات کا استعمال ترک کر دیا اور درد جب پر معمولی سی دوائی لگانے لگا وہ جلد ہی تندرست ہو گیا۔

دو باتوں نے اس کی دنیا بدل دی۔ ایک یہ احساس کہ گھر والوں کو اس سے محبت ہے اور دوسری یہی کہ خدا اس کی حفاظت کرے گا۔

بحث سے منع

Do not argue

زیرِ نظر مضمون میں محقق و مصنف نے جن اخلاقی اصولوں کی تعلیم دی ہے وہ دراصل درج ذیل اسلامی اصولوں کی وضاحت ہیں۔

حضور پاک ﷺ کسی کی بات کو نہ ٹوکتے، بحث نہ فرماتے، کسی معاملے میں الجھنے سے گریز فرماتے۔ آپ ﷺ اعرابیوں اور بدوؤں، جاہلوں سے درگذر فرماتے اور ان سے کبھی نہیں الجھتے۔ (مدراج النبوت)

آپ ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے تو اس وقت دنیا میں ظلمتوں کا اندھیرا تھا، انسان اندھیرے کی عمیق گہرائیوں میں ڈوبا ہوا تھا، چھوٹی چھوٹی باتوں کو انا کا مسئلہ بنا کر جانیں قربان کر دی جاتی تھیں۔

انسانیت کو راہِ راست پر لانے کی محنت جب آپ ﷺ نے شروع فرمائی تو جو کچھ آپ ﷺ کو کہا گیا یا تکالیف دی گئیں۔ آپ ﷺ نے ان کا جواب نہیں دیا بلکہ ان کیلئے دعائیں نکلیں سفرِ طائف کی بڑی مثال سامنے ہے۔

مکی زندگی میں صحابہ کرامؓ کیلئے یہی حکم تھا کہ جو آپ ﷺ کو مارتے ہیں، گالیاں دیتے ہیں، تکالیف دیتے ہیں ان کو اف بھی نہیں کہنی بلکہ رات کو ان کیلئے دعائیں مانگنی ہیں۔ چنانچہ بہت سے لوگ دعاؤں کی وجہ سے نرم ہوئے اور حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

جو لوگ آپ ﷺ اور صحابۂ کرامؓ کے متعلق جو کچھ کہتے آپ ﷺ بحث نہ فرماتے

"جب تم سے جاہل مخاطب ہوں (تو) سلام کر کے علیحدہ ہو جاؤ"۔
بحث کرنے سے علم کم ہوتا ہے اور مذاکرہ کرنے سے علم بڑھتا ہے۔ اصل میں آپ ﷺ کی محنت سے ہمیں جو درس ملتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم پہلے انسان کی خوشنودی کو حاصل کریں، اس کے دل کو جیتا جائے، اس کے دل میں جگہ بنانے کے بعد جو کچھ آپ چاہیں گے ویسے ہی ہو گا۔ اللہ رب العزت برائی کو برائی سے نہیں بلکہ بھلائی سے دور فرماتے ہیں۔

آپ بحث و تکرار کرنے سے جیت نہیں سکتے

You cannot win by the discussing

جنگِ عظیم کے ختم ہونے کے فوراً بعد میں نے لندن میں ایک گرانقدر سبق سیکھا۔ . میں ان دنوں سر راس سمتھ کے مقامی ادارے کا منیجر تھا۔ جنگ کے دوران میں سر راس نے فلسطین میں کارہائے نمایاں انجام دے کر آسٹریلیا کا نام روشن کر دیا تھا۔ صلح ہو جانے کے بعد جلد ہی سر راس نے آدھی دنیا کے گرد ہوائی جہاز میں تیس دن میں سفر طے کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔
اس سے پہلے اس قسم کی مہم سر کرنے کی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ دنیا بھر میں تہلکہ مچ گیا۔ حکومتِ آسٹریلیا نے انہیں چار ہزار روپے کا انعام پیش کیا۔ شاہِ انگلستان نے انہیں "نائٹ" کا خطاب دیا اور کچھ عرصے کیلئے یونین جیک کے سائے تلے یعنی دولتِ مشترکہ میں ان کی سب سے زیادہ تعریف و توصیف ہوتی رہی۔

ایک مزاحیہ کہانی

A humorous story

ایک رات میں ایک ایسی دعوت میں شریک تھا۔ جو سر راس کے اعزاز میں دی گئی تھی اور کھانے کے دوران میں میرے قریب بیٹھے ہوئے مہمان نے ایک بڑی مزاحیہ کہانی سنائی۔ جس کا مرکزی خیال یہ تھا۔
"ایک دیوتا ہمارے کاموں کے انجام سنوارتا بگاڑتا ہے۔ ہم اس میں مداخلت نہیں کر سکتے"۔

جنہوں نے یہ مقولہ سنایا تھا وہ فرمانے لگے کہ یہ بائبل کی ایک آیت ہے۔ وہ غلط بیان کر رہے تھے.. مجھے معلوم تھا.. میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ غلط بیانی کر رہے ہیں اور مجھے ان کے غلط ہونے میں ذرا بھی شبہ نہ تھا۔ اسلیئے میں نے اپنی اہمیت جتانے اور احساسِ برتری کے حصول کیلیئے ایک بن بلائے مہمان کی طرح اس بیان کو درست کرنے کی تکلیف اپنے ذمے لے لی لیکن وہ اپنی ضد پر اڑ گیئے :

کیا؟...... شیکسپیئر کا مصرعہ؟...... ناممکن!...... لغو...... یہ حوالہ میں نے بائبل سے دیا ہے۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔

شرمندگی سے بچانا

Do not shame anyone

کہانی بیان کرنے والے صاحب میری داہنی جانب تشریف رکھتے تھے اور میری بائیں طرف میرے ایک پرانے دوست مسٹر فرینک گیمنڈ تشریف فرما تھے۔ مسٹر گیمنڈ نے کئی سال شیکسپیئر کے مطالعے میں صرف کیئے تھے۔ ہم دونوں اس بات پر متفق ہو گیئے کہ فیصلہ مسٹر گیمنڈ پر چھوڑ دیں۔ انہوں نے سارا قصہ سنا.. میز کے نیچے سے مجھے اپنے پاؤں سے ٹھوکر ماری اور کہا: ”ڈیل! تم غلط کہتے ہو.. یہ صاحب درست فرماتے ہیں.. یہ حوالہ بائبل سے ہے“۔

اس رات گھر واپس آتے ہوئے میں نے راستے میں مسٹر گیمنڈ سے کہا: ”فرینک! تمہیں تو اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ حوالہ شیکسپیئر سے تھا“۔ انہوں نے جواب دیا: یقیناً مجھے معلوم تھا۔ (ہملٹ، ایکٹ نمبر ۵ سین نمبر ۲)

لیکن پیارے ڈیل! ہم ایک خوشی کے موقع پر ضیافت میں بطورِ مہمان شریک تھے۔ کسی آدمی کو جھوٹا ثابت کرنے سے حاصل کیا.. وہ اس طرح آپ کو پسند کرے گا؟ اسے اپنی خفت مٹانے کا موقع کیوں نہ دیا جائے؟ اس نے آپ کی رائے نہیں پوچھی تھی.. وہ آپ کی رائے نہیں چاہتا تھا.. پھر اس سے تکرار کیوں کی جاتی؟ حجت بازی سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہیئے۔

”حجت بازی سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہیئے“۔ جس شخص نے یہ الفاظ کہے وہ اب اس دنیا میں نہیں لیکن جو سبق اس نے مجھے سکھایا وہ اب تک زندہ ہے۔

حجت بازی اور تکرار سے پرہیز

Avoid argument

مجھے اس سبق کی از حد ضرورت تھی۔ کیونکہ میں بڑا سخت دلیل باز تھا۔ میں نوجوانی کے دنوں اپنے بھائی کے ساتھ دنیا بھر کی چیزوں پر بحث کر چکا تھا۔

جب میں کالج میں گیا تو میں نے علمِ بحث و استدلال سیکھا اور بڑے بڑے مباحثوں میں شریک ہوا۔ میری مثال کچھ ایسی ہی تھی کہ آپ مسوری کی بات کریں تو میں فوراً کہہ دوں کہ میں تو پیدا ہی وہاں ہوا تھا۔ چنانچہ وہاں کی ہر چیز پر بحث کرنے کیلئے تیار ہوتا تھا۔ اس کے بعد میں نے علمِ بحث و استدلال کا مضمون نیویارک میں پڑھایا اور مجھے یہ اعتراف کرتے ہوئے بڑی شرمندگی محسوس ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ میں نے اس موضوع پر کتاب لکھنے کا منصوبہ بھی بنایا تھا۔ میں نے لوگوں کی دلیلیں سننا، ان پر تنقید کرنا، ان سے الجھنا اور اپنی ہزار ہا دلیلوں کے اثرات مرتب کرنا شروع کیا اور بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ بحث جیتنے کا ایک ہی طریقہ ہے...... اور وہ ہے دلیل بازی سے پرہیز۔

دلیل بازی سے اتنا ہی دور بھاگیئے جتنا آپ کوڑیالے سانپ اور خوفناک زلزلے سے دور بھاگتے ہیں۔ نوے فیصد ایسا ہوتا ہے کہ بحث کے خاتمے پر طرفین میں سے ہر شخص یہی احساس لے کر اٹھتا ہے کہ وہ عین راستی پر اور اس کا حریف غلطی پر ہے۔

ہٹ دھرمی پر قائم رہنا

Do not be stusborn

آپ دلیل کو نہیں جیت سکتے۔ اگر دلیل کو جیت بھی جائیں پھر بھی یہی سمجھئے کہ آپ ہار گئے۔ کیوں...... ؟ فرض کیجئے کہ آپ کو اپنے حریف پر کامیابی ہوتی ہے اور آپ اس کی دلیلوں کو رد کر کے پھینک دیتے ہیں اور ثابت کر دیتے ہیں کہ وہ غلطی پر ہے.. پھر کیا ہوگا؟ آپ خوش ہوں گے لیکن وہ...... ؟ آپ نے اس کو نیچا دکھایا ہے، آپ نے اس کے غرور کو زخمی کیا ہے، وہ آپ کی فتح سے نفرت کرے گا، جس آدمی کو مجبوراً کوئی بات ماننی پڑ رہی ہو تو وہ اپنے غرور کی خاطر اپنی پہلی بات پر قائم رہنے کی کوشش کرتا ہے۔

میوچل لائف انشورنس کمپنی کی پالیسی

The policy of mutual life insurance company

میوچل لائف انشورنس کمپنی نے اپنے سیلز مینوں کیلئے ایک واضح پالیسی متعین کر رکھی ہے اور وہ یہ ہے "بحث مت کرو"۔ کاروبار کے معنی حجت بازی نہیں۔ کاروبار اور دلیل کا آپس میں دور کا بھی واسطہ نہیں۔ انسانی ذہن اس طریقے سے نہیں بدلا جاتا۔

جھگڑالو نوجوان کی کہانی

The story of a quarrelsome young man

کئی سال ہوئے آئرلینڈ کا ایک جھگڑالو نوجوان پیٹرک۔ جے۔ ادہیر، تفریح کے طور پر میری ایک جماعت میں شامل ہوا۔ اس کی تعلیم نہ ہونے کے برابر تھی لیکن جھڑپ لینے میں وہ سب سے آگے ہوتا تھا۔ وہ شوفر بھی رہ چکا تھا۔ وہ میری جماعت میں اسلیئے شامل ہوا کہ وہ آٹو موبائل ٹرک بیچنے میں کامیاب نہیں ہو رہا تھا۔ ذرا سی پوچھ گچھ کے بعد پتہ چل گیا کہ وہ انہی لوگوں کے ساتھ تو تو میں میں ہونے اور انہیں ناراض کرنے میں لگا رہتا تھا جن کے ساتھ وہ تجارت کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ اگر کوئی گاہک کسی ٹرک کے بارے میں کوئی خلافِ توقع بات کہہ بیٹھتا تو پیٹرک آگ بگولہ ہو جاتا اور اس کی گردن دبوچ لیتا۔ ان دنوں پیٹرک نے بہت سی بحثیں جیتیں۔ بعد میں اس نے مجھے بتایا:

"میں اپنے حریف کے دفتر سے اکثر یہ کہتا ہوا نکلتا تھا کہ میں نے اس کمینے کو خوب سنائیں۔ اس میں کیا شک تھا کہ میں اسے سنا تو خوب آتا تھا لیکن اس کے ساتھ میں ایک پائی کا کاروبار نہ کر پاتا تھا"۔

پیٹرک کی تربیت

Patrick's training

میرے سامنے پہلا سوال یہ تھا کہ پیٹرک کو بات کرنے کا ڈھنگ بتایا جائے۔

بلکہ میرا کام یہ تھا کہ اسے بات کرنے سے باز رہنے اور تو تکار سے پرہیز کرنے کی تربیت دوں۔

پیٹرک کا طریقِ کار

Patrick's method

مسٹر پیٹرک ادھیر اب نیویارک میں وائٹ موٹر کمپنی کا سب سے بڑا ایجنٹ ہے۔ اب اس کا طریق کار کیا ہے؟ یہ رہی اس کی کہانی اس کی اپنی زبانی۔

اگر اب میں کسی خریدار کے دفتر جاؤں اور وہ کہہ دے: "کیا...... ؟ وائٹ کمپنی کا ٹرک؟ اس کا مال اچھا نہیں ہوتا۔ میں اس کمپنی کے یہاں کا کوئی مال نہیں خریدوں گا، میں تو ہوزائٹ کمپنی کا ٹرک خریدوں گا"۔

تو میں کیا کہتا ہوں۔ ہاں بھائی جان، ہوزائٹ کے ٹرک واقعی اچھے ہوتے ہیں۔ اگر آپ ان کے یہاں کا ٹرک خریدیں گے۔ تو آپ بالکل ٹھیک کریں گے۔ یہ ٹرک ایک بہت اعلیٰ کمپنی تیار کرتی ہے اور اعلیٰ قسم کے لوگ انہیں فروخت کرتے ہیں۔

وہ شخص بالکل چپ ہو جاتا ہے۔ دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ اگر وہ کہتا ہے ہوزائٹ بہترین ہے تو میں کہتا ہوں بلاشبہ؟ وہ پھر چپ ہو جاتا ہے۔ وہ کہاں تک یہ کہے جائے گا کہ وہ بہترین ٹرک ہیں۔ کیونکہ خود میں اس سے اتفاق کر چکا ہوں۔ چنانچہ ہوزائٹ کی بات ختم ہو جاتی ہے اور میں اپنے وائٹ ٹرک کی خوبیاں بیان کرنا شروع کر دیتا ہوں۔

کبھی ایسا وقت بھی تھا کہ اس قسم کا ٹیڑھا داندار مجھے مارے غصے کے سرخ کر دیتا۔ میں ہوزائٹ کے خلاف دلیلیں دینا شروع کر دیتا جتنا بھی میں ہوزائٹ کے خلاف دلیلیں دیتا اتنا ہی یہ بات میرے مقصد کے خلاف جاتی۔ خریدار ہوزائٹ کی خوبیوں پر جس قدر اڑا رہتا۔ اتنا ہی میری بات میرے مقصد کے برعکس میرے حریف کے حق میں ہو جاتی۔

"اب میں ان باتوں پر دھیان کرتا ہوں تو مجھے حیرانی ہوتی ہے کہ ان دنوں میں کس طرح کوئی چیز فروخت کر لیا کرتا تھا۔ میں نے جھگڑے اور دلیل بازی میں اپنی زندگی کے کئی سال ضائع کر دیئے۔ اب میں اپنا منہ بند رکھتا ہوں تو فائدے میں رہتا ہوں"۔

مشہور دانشمند بن فرینکلن کا قول

The saying af the intellectual, Franklin

دانشمند بن فرینکلن کہا کرتے تھے "آپ دلیل بازی، جھگڑے اور دوسرے کی مخالفت سے بھی بعض اوقات کامیابی حاصل کرلیں گے لیکن آپکی یہ فتح بالکل بے معنی ہوگی کیونکہ آپ کو اپنے حریف کی خوشنودی بھی حاصل نہ ہو سکے گی"۔ اسلئے آپ اچھی طرح سوچ لیں.. آپ کو کس قسم کی فتح کی ضرورت ہے علمی یا ڈرامائی فتح، یا انسان کی خوشنودی۔ آپ بیک وقت دونوں حاصل نہیں کر سکتے۔

مزاحیہ اشعار

Humorous couplets

رسالہ بوسٹن ٹرانسکرپٹ میں ایک مرتبہ یہ مزاحیہ شعر چھپے تھے :

"یہاں ولیم جے آرام فرما رہے ہیں
جو اپنے آپ کو راہِ راست پر ثابت کرتے ہوئے ختم ہو گئے
جو صحیح.. بالکل صحیح راستے پر چل رہے تھے
لیکن اب وہ ہمیشہ کیلئے یوں چپ ہیں گویا وہ ہمیشہ سے غلطی پر تھے"

آپ کی دلیل بالکل صحیح ثابت ہو سکتی ہے لیکن جہاں تک دوسرے شخص کے نقطۂ نظر کو بدلنے کا تعلق ہے آپ اتنے ہی ناکام ہوں گے جتنے کہ آپ غلطی پر ہونے کی صورت میں ہوتے۔

ولیم جی میکارڈو کا قول

Saying of William G. Macarchur

صدر ولسن کی کابینہ کے مہتمم خزانہ ولیم جی میکارڈو نے ایک دفعہ کہا کہ مجھے سیاست کے سالہا سال کے تجربے سے یہ سبق حاصل ہوا ہے کہ : "جاہل آدمی کو دلیل سے ہرانا ناممکن ہے"۔

مسٹر میکارڈو کے خیال میں صرف کسی جاہل آدمی کو بحث سے ہرانا ناممکن ہے لیکن میرا تجربہ تو یہ ہے کہ کسی آدمی کا معیارِ ذہانت خواہ کچھ بھی ہو، بحث سے اس کے

نقطۂ نظر کو بدلنانا ممکن ہے۔
مثال کے طور پر ایک مرتبہ انکم ٹیکس کے ایک مشیر فریڈرک ایس پارسنس ایک سرکاری ٹیکس انسپکٹر کے ساتھ ایک گھنٹہ تک بحث و تکرار میں مصروف رہے۔ چھتیس ہزار روپے کی رقم کا جھگڑا تھا۔ مسٹر پارسنس مصر تھے کہ یہ رقم نا قابلِ وصول قرضہ ہے.. یہ روپیہ کسی صورت میں بھی وصول نہیں کیا جاسکتا.. اس پر ٹیکس نہیں لگنا چاہئے لیکن انسپکٹر صاحب فرماتے تھے: "نا قابلِ وصول قرضہ؟ میں کیسے مانوں؟ اس پر ٹیکس ضرور لگنا چاہئے"۔

تحسین و تعریف

Homage & Praise

مسٹر پارسنس نے میری جماعت کو بتایا:
"یہ انسپکٹر بڑے دیدہ دلیر، ضدی اور سخت مزاج تھے۔ ان پر دلیل اور حق بات کا اثر نہیں ہوتا تھا۔ جوں جوں ہم بحث کرتے گئے وہ اور بھی زیادہ سخت ہوتے چلے گئے۔ اسلئے میں نے دلیل بازی سے گریز کرنے، موضوعِ گفتگو کو بدلنے اور تحسین و تعریف اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔
میں نے کہا: ان اہم اور مشکل فیصلوں کے مقابلے میں جو آپ کو اکثر کرنا پڑتے ہیں یہ معاملہ بہت ہی معمولی ہے۔ میں نے بھی ٹیکس کے قوانین کا مطالعہ کیا ہے.. لیکن میرا علم کتابوں تک محدود ہے۔
آپ کے علم کا سرچشمہ تجربے کی دہکتی ہوئی بھٹی ہے۔ مجھے اکثر یہ تمنا رہی ہے کہ مجھے آپ جیسا منصب نصیب ہوتا تو میں آپ کی طرح بہت کچھ سیکھ سکتا۔ میں نے یہ الفاظ بڑے پُر خلوص انداز سے کہے۔

احساسِ برتری کی تسکین

Superiority complex

انسپکٹر صاحب اپنی کرسی پر ڈٹ کر بیٹھے اور گردن کو ٹیک لگا کر بڑی دیر تک اپنے منصب پر بات کرتے رہے اور مجھے بتاتے رہے کہ انہوں نے کون کونسی جعل سازیاں

پکڑی ہیں۔ رفتہ رفتہ ان کا لہجہ نرم پڑ گیا اور وہ نہایت ہی دوستانہ انداز میں گفتگو کرنے لگے اور ہوتے ہوتے بات ان کے بال بچوں تک جا پہنچی۔ وہ رخصت ہوتے وقت فرما گئے کہ: "آپ کے مسئلے پر مزید غور کروں گا اور چند دنوں تک آپ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کروں گا"۔

تین دن کے بعد وہ میرے دفتر میں آئے اور انہوں نے بتایا: "میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ والی رقم پر ٹیکس نہ لگایا جائے"۔

یہ ٹیکس انسپکٹر ایک عام انسانی کمزوری کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ وہ احساسِ برتری کے بھوکے تھے۔ جب تک مسٹر پارسنس ان کے ساتھ بحث کرتے رہے وہ بڑے جوش و خروش سے مقابلہ کر کے اپنے احساسِ برتری کی تسکین کرتے رہے لیکن جونہی ان کی برتری کو تسلیم کر لیا گیا اور بحث بند ہو گئی اور انہیں اپنی انا کو بلند کرنے کا موقع ملا تو وہ ایک ہمدرد اور مہربان انسان بن گئے۔

نپولین کا خانساماں

Chef of Napoleon

نپولین کا خانساماں کونستان اکثر ملکہ جوزفین کے ساتھ بلیرڈ کھیلا کرتا تھا۔ وہ اپنی کتاب "نپولین کی نجی زندگی کی جھلکیاں" کے تہترویں صفحے پر لکھتا ہے۔ اگرچہ میں بلیرڈ کا پکا کھلاڑی تھا۔ پھر بھی میں جوزفین سے ہمیشہ مات کھا جایا کرتا۔ اس بات سے وہ بہت خوش رہتی تھی۔ ہمیں کونستان سے ایک اہم سبق لکھ لینا چاہیے۔ چھوٹی موٹی تکرار میں ہمیں چاہیے کہ اپنے گاہکوں، محبوباؤں، شوہروں اور بیویوں سے ہم ہار مان لیں۔

گوتم بدھ کا قول

Saying of Gautama Buddha

گوتم بدھ کا قول ہے:

"نفرت.. نفرت سے ختم نہیں ہوتی بلکہ محبت سے مٹتی ہے"۔

کوئی غلط فہمی بھی دلیل بازی سے ختم نہیں ہوتی۔ اسکے بجائے حکمتِ عملی، حسنِ سلوک، سمجھوتے اور حریف کے نقطۂ نظر کو ہمدردی سے سمجھنے کی کوشش

سے دور ہو سکتی ہے۔

لنکن کی تنبیہ

Lincoln's warning

لنکن نے ایک مرتبہ ایک فوجی افسر کو اپنے ایک ساتھی کے ساتھ دنگا کرنے پر بڑی سخت تنبیہ کی تھی۔ اس نے کہا تھا:

جو آدمی اپنے منصبی فرائض سے کماحقہ عہدہ برآ ہونا چاہے اس کے پاس ذاتی لڑائی جھگڑے کیلئے وقت نہیں ہوتا۔ وہ کبھی ایسا اقدام نہیں کرتا جس کی سزا خود اسے بھگتنا پڑے۔ وہ اپنے مزاج کو بگڑنے نہیں دیتا اور اپنے آپ پر قابو رکھتا ہے۔ غلطیوں کو بھی تسلیم کر لیجئے خواہ آپ اپنے آپ کو بے قصور سمجھتے ہوں ہر چھوٹی سے چھوٹی خطا کو بھی مان لیجئے جو بظاہر آپ ہی سے سرزد ہوئی ہو۔

سڑک پر چلنے کا حق آپ کو بھی ہے لیکن اگر آپ کتے کو گزر لینے دیں گے تو وہ آپ کو کاٹ نہ کھائے گا۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو کتا آپ کو کاٹ کھائے گا.. پھر خواہ آپ کتے کو قتل کر دیں لیکن کتے کا کاٹا اچھا نہ ہو گا۔ اسلئے پہلا اصول ہے:

"آپ بحث و تکرار کرنے سے نہیں جیت سکتے"

حسنِ سلوک کے بنیادی طریقے

The Fundamental Ways of Fair dealing

زیرِ نظر مضمون میں محقق و مصنف نے جن اخلاقی اصولوں کی تعلیم دی ہے اور جن نکتوں کو دہرایا ہے۔ اگر ان کو بنظرِ غور پڑھیں تو یہ دراصل مندرجہ ذیل احادیث کی شکل میں اسلامی طرزِ معاشرت اور طرزِ اخلاق کی وضاحت ہے۔

یہ دراصل یورپ کی تعلیم نہیں بلکہ ان فراموش اسلامی تعلیمات کی وضاحت ہیں جن اسلامی تعلیمات کو ہم نے اپنے مطالعاتی زندگی کا حصہ نہیں بنایا۔

آیئے............اسلامی اور یورپی اخلاقی اقدار کا موازنہ کریں۔

اسلامی تعلیمات میں انسان کی اپنی زندگی کے احتساب پر زور دیا گیا ہے۔

انسان کا اپنا احتساب بھی صحیح زندگی گزارنے کی طرف ممد و معاون ہو سکتا ہے۔ صحابۂ کرامؓ کے ایسے واقعات ملتے ہیں کہ وہ سونے سے پہلے اپنا احتساب کر کے سوتے تھے، گزرے ہوئے دنوں میں اپنے اعمال کو دیکھتے تھے اور سب انسانوں کو (جن کے ساتھ دن میں وقت گزرتا تھا) معاف کر کے سوتے تھے، چاہے قصور اپنا ہو یا ان کا۔

مسلمان ہر عمل میں حضور ﷺ کی پیروی کرتے ہیں، غصے میں کسی کو غلطی کرتے وقت آپ ﷺ نے کیا عمل اختیار فرمایا۔ اس عمل کو اختیار کرنے سے نہ صرف سنت پر عمل ہوگا بلکہ بہت سی مصیبتوں سے بچیں گے۔ دشمنوں کو معاف کرنا، نکتہ چینی نہ

کرنا، ہر انسان سے محبت کرنا، اس کو اہمیت دینا۔ "ہر صحابیؓ اپنے آپ کو ایسے سمجھتا تھا کہ حضور ﷺ تمام صحابہؓ میں سے سب سے زیادہ محبت مجھ سے ہی کرتے ہیں"۔

نکتہ چینی اور عیب گوئی سے صحابۂ کرامؓ پرہیز فرماتے ہیں۔ نکتہ چینی اور عیب گوئی سے دل ٹوٹتے ہیں۔ اگر اس جیسی صورتحال سے دوچار ہوں تو ہم حضور پاک ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے طرزِ عمل کو دیکھیں۔ جب حضرت عکرمہؓ مسلمان ہونے کیلئے تشریف لا رہے تھے اور آپ ﷺ کو اس کا علم ہو چکا تھا تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو فرمایا.. جس کا مفہوم یہ ہے :

"ان کے سامنے ان کے باپ کی برائی نہیں کرنی.. ان کا دل نہ ٹوٹ جائے"

یہ کامل اور مکمل تعلیم کا نتیجہ تھا کہ بکھرے ہوئے اور ٹوٹے ہوئے دل جڑ گئے اور ایسا صرف نکتہ چینی نہ کرنے سے ممکن ہوا۔

کسی کو اپنے سے کم سمجھنا یا کسی کے عیب دیکھنا.. ان سب سے منع فرمایا گیا ہے۔ کسی کو اپنے سے کم سمجھنے سے اس کی محبت دل میں سے نکل جاتی ہے۔ عیب دیکھنا بھی اس زمرے میں آتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ :

(برے) گمان سے بچو.. کیونکہ گمان سب باتوں سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔

پھر فرمایا کہ :

کسی کی پوشیدہ باتوں کا پتہ نہ لگاؤ اور نہ عیب تلاش کرو، ایک دوسرے کو لڑائی کیلئے نہ بھڑکاؤ، آپس میں حسد نہ کرو، بغض نہ رکھو، تعلقات ختم نہ کرو اور سب اللہ کے بندے ہو کر بھائی بھائی بن جاؤ۔ (مشکوٰۃ، بخاری، مسلم)

رسولِ پاک ﷺ نے فرمایا کہ :

عفو (معاف کرنے) سے اللہ تعالیٰ آدمی کی عزت بڑھاتا ہے۔

(مسلم۔ اخلاقِ رسول)

اے ابوذرؓ! تجھے اپنے عیب دوسروں کے عیب دیکھنے سے روکے۔

(مشکوٰۃ)

اے اللہ! مجھے اپنی نگاہ میں چھوٹا کر دے اور لوگوں کی نگاہ میں بڑا کر

دے۔(مشکوٰۃ، آدابِ زندگی)

الغرض اسلامی تعلیمات سے یہ بات واضح اخذ ہوتی ہے کہ اسلام دوسرے کی عزت واحترام سکھاتا ہے۔ دوسرے کی عیب جوئی اس وقت ہوتی ہے۔ جب اس کے عیبوں پر نظر ہوتی ہے۔ اسلام مسلمانوں کو عیب جوئی سے منع کرتا ہے بلکہ دوسروں کی اچھائیاں دیکھنے کی تلقین کرتا ہے۔

اگر شہد حاصل کرنا مقصود ہے تو مکھیوں سے بیر مول نہ لیں

If you are after honey do not anger the bees

۷ مئی 1931ء کا واقعہ ہے۔ نیویارک جیسے پرانے شہر نے ایک نہایت سنسنی خیز مجرم کی تلاش کا منظر دیکھا۔ ہفتوں کی تلاش اور جستجو کے بعد دو بندوق والا قرولی... جو قاتل تھا اور ایسا بندوقچی کہ اسے شراب کی عادت تھی نہ تمباکو پینے کی... اپنی معشوقہ کے کمرے میں جو ویسٹ اینڈ ایونیو میں واقع تھا محصور ہو گیا۔ ڈیڑھ سو سپاہیوں نے مکان کے سب سے بالائی حصے کے مخفی کمرے کا محاصرہ کر رکھا تھا۔

چھت میں سوراخ کر کے پولیس نے اشک آور گیس کی دھونی دی تاکہ قرولی قاتل کسی طرح سے کمرے سے باہر آئے۔ پھر انہوں نے گردو پیش کی عمارتوں پر مشین گنیں چڑھادیں اور ایک گھنٹے سے زائد عرصے تک نیویارک کا خوبصورت ترین محلّہ گولیوں کی آوازوں اور مشین گنوں کی دنادن سے گونجتا رہا۔ قرولی ایک گدے دار آرام کرسی کے پیچھے سے پولیس پر گولیاں برساتا رہا۔ دس ہزار پرجوش شہریوں نے اس لڑائی کا تماشہ دیکھا۔ نیویارک کی پگڈنڈیوں نے کبھی اس قسم کا خونی منظر نہ دیکھا تھا۔

پولیس کمشنر کے تأثرات

Impressions of a police commissioner

جب قرولی پر قابو پالیا گیا تو پولیس کمشنر عروی نے کہا کہ: دو بندوق والا قاتل ایسا خطرناک مجرم ہے کہ نیویارک کی تاریخ میں کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ کمشنر نے کہا کہ: قرولی پر اگر چڑیا کا پر گر جائے تو وہ شبے میں قریب والے شخص کو قتل کر دیتا

ہے لیکن خود دو بندوق والے قرولی کا اپنی نسبت کیا خیال تھا؟

یہ جاننا اس لیئے ممکن ہے کہ جب پولیس اس کے کمرے کو گولیوں کا نشانہ بنا رہی تھی تو وہ ایک خط لکھ رہا تھا۔ جس کا مخاطب وہ شخص تھا "جس سے بھی یہ خط متعلق ہو"۔ خط لکھتے وقت اس کے زخموں سے بہتا ہوا خون کاغذ پر ایک سُرخ لکیر کی شکل میں گر رہا تھا۔ اس خط میں اس نے کہا تھا: "میرے پہلو میں ایک تھکا ماندہ دل ہے لیکن شفیق دل۔۔ جو کبھی کسی کو کسی قسم کا گزند نہیں پہنچائے گا"۔

قرولی کی سنگدلی

Hardheartedness of the Criminal

اس واقعے سے تھوڑی دیر قبل قرولی جزیرہ لانگ کی ایک سڑک پر کار میں تفریح کر رہا تھا۔ یکایک پولیس کا ایک سپاہی اس کے پاس آکھڑا ہوا اور اس نے درخواست کی: "اپنا لائسنس دکھایئے"۔

بغیر ایک لفظ کہے قرولی نے اپنی بندوق نکالی اور پولیس کانسٹیبل کو گولی کا نشانہ بنایا اور اسے وہیں ڈھیر کر دیا۔ جب مرنے والا افسر گرا تو قرولی اچک کر کار سے باہر نکلا اور اس نے پولیس افسر کا پستول نکال کر نعش پر ایک اور گولی چلائی۔ یہی قاتل اب یہ کہہ رہا تھا کہ: "میرے پہلو میں ایک تھکا ماندہ لیکن شفیق دل ہے۔۔ جو کبھی کسی کو کوئی گزند نہیں پہنچائے گا"۔

قرولی کے جذبات

Emotions of the Criminal

قرولی کو پھانسی کی سزا کا حکم سنایا گیا۔ جب اسے پھانسی گھر تک لے جایا گیا تو کیا اس نے یہ کہا تھا کہ: یہ یہی وہ سزا ہے جو مجھے قتل کی پاداش میں ملی ہے؟" نہیں...... !بلکہ اس نے یہ کہا: "مجھے اپنی جان کی حفاظت کرنے کا اجر مل رہا ہے"۔

کہانی کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ دو بندوق والے قرولی نے کسی چیز کا الزام اپنے ذمے نہیں لیا۔

ال کیون کے الفاظ

Thoughtful words

کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ سب ملزم اور مجرم ایسا نہیں کرتے ہیں۔ اگر آپ کا یہ خیال ہے، تو سنیئے :

"میں نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ لوگوں کی مسرتوں اور ان کیلئے راحت کا سامان بہم پہنچانے میں صرف کیا ہے اور مجھے اس کے صلے میں گالیاں دی جاتی ہیں اور میری زندگی ایک مفرور انسان کی زندگی بنا دی گئی"۔

یہ "ال کیون" کے الفاظ ہیں جو امریکہ کے باشندوں کا دشمن نمبر ایک رہ چکا ہے۔ وہ بد معاشوں کا بہترین سرغنہ تھا اور شکاگو شہر میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا کیون اپنی مذمت نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے کو عوام کا مربّی سمجھتا ہے ایک ایسا مربّی جس کی نا قدری کی گئی یا جس کو کسی نے سمجھا ہی نہیں۔

ڈچ شلٹز کے خیالات

Views of Ditch Shields

اسی طرح ڈچ شلٹز بھی قزاقوں کی گولیاں کھا کر گرنے سے قبل تک اپنے آپ کو خلقت کا محسن سمجھتا تھا۔ ڈچ شلٹز نے جو نیویارک کا سب سے زیادہ خطرناک غنڈا تھا ایک اخبار نویس کو دورانِ ملاقات کہا کہ وہ خلق خدا کا محسن ہے۔ اپنے اس عقیدے پر اسے ایمان تھا۔

داروغۂ جیل کے تأثرات

Impression,s of Superintendent of Jail

اس موضوع پر سنگ سنگ جیل کے داروغوں سے میری بڑی دلچسپ خط و کتابت ہوئی ہے، داروغۂ جیل لکھتا ہے کہ : شاید ہی چند مجرم ایسے ہوں جو اپنا جرم تسلیم کرتے ہیں، یہ مجرم ایسے ہی انسان ہیں جیسے کہ میں اور آپ۔ یہ توجیہیں تو کرتے ہیں اور بیان

دیتے ہیں۔ یہ توجیہیں آپ کو بتائیں گی کہ کیوں انہوں نے تجوری توڑی یا کیوں فوری طور پر بندوق کے گھوڑے پر ہاتھ رکھا۔ ان میں سے بہت سے معقول گفتگو کرنے کی کوشش کرتے ہیں خوہ ان کی گفتگو منطقی ہو یا مطالغہ آمیز۔ لیکن وہ ہر حال میں اپنی سیاہ کاریوں کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ انہیں قید وبند کی سزا ہرگز نہیں ملنی چاہیئے تھی۔

اگرال کیون، دوبندوق والا قرولی، ڈچ شلٹز جیسے دلیر لوگ اپنے آپ کو ہر الزام سے بری سمجھتے ہیں تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جن سے مجھے اور آپ کو روزمرہ سابقہ پڑتا ہے؟۔

جان وانا میکر کا اعتراف

A confessin of John Wona-Maker

جان وانا میکر آنجہانی نے ایک دفعہ اعتراف کیا کہ مجھے تیس برس پہلے یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ کسی کو سرزنش کرنا بے وقوفی ہے، مجھے اپنی کمزوریوں پر غالب آنے میں کافی زحمت اٹھانا پڑی ہے، میں اس امر پر کبھی چیں بجبیں نہیں ہوا کہ خدا نے ذہانت کو مساوی طور پر تقسیم کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

جان وانا میکر نے تو پھر بھی یہ سبق جلد سیکھ لیا لیکن میں اس دنیا میں تیس برس تک برابر غلطیاں کرتا رہا تا آنکہ مجھ پر یہ حقیقت کھلی کہ انسان خواہ وہ خود کتنا ہی قصور وار کیوں نہ ہو ذاتی محاسبہ کرنے سے ننانوے فیصد پہلو تہی کرتا ہے۔ کسی کو ملزم گردانا ایک فعلِ عبث ہے اس لیے کہ انسان اس سے اپنی مدافعت پر آمادہ ہو جاتا ہے اور اکثر وہ اپنے آپ حق بجانب ثابت کرنے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ عیب جوئی خطرناک ہے کیونکہ انسان کے بیش بہا اعتماد کو اس سے ٹھیس لگتی ہے، انسان کی اہمیت کے جذبے کو صدمہ پہنچتا ہے اور غصہ بھڑک اٹھتا ہے۔

جرمن فوج کا قانون

Restirictios on the German men of army

جرمن فوج میں کسی سپاہی کو شکایت کرنے کی اجازت نہیں ہوتی نہ ہی وقوعے

کے فوراً بعد اسے نکتہ چینی کا حق ہوتا ہے۔ اس سپاہی کیلئے یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ پہلے اپنے غصے پر غالب آجائے تاکہ اس کا مزاج اعتدال پر آجائے۔ اگر وہ فوراً دعویٰ دائر کردے تو اسے سزا مل جاتی ہے۔ اربابِ حل و عقد کو ایک ایسا ہی ایک قانون دیوانی بھی رائج کرنا چاہیئے۔ یہ قانون بڑبڑاتے ہوئے والدین پر شکایت، بیویوں، ناک بھوں چڑھاتے ہوئے مالکوں اور لاتعداد نکتہ چینوں پر لاگو ہونا چاہیئے۔

نکتہ چینی کے نقصانات

Disadvantage fo Criticism

تاریخ کے ہزارہا صفحات فضول نکتہ چینی کے قصوں سے بھرے پڑے ہیں۔ مثال کے طور پر صدر تھیوڈور روزولٹ اور صدر تافت ہی کا تنازعہ لیجئے۔ اس تنازعے سے ری پبلکن پارٹی دو حصوں میں بٹ گئی، اس نے ڈورولسن کو وہائٹ ہاؤس میں مسند نشین کردیا جس نے عالمگیر جنگ کے متعلق نہایت جرأت مندانہ الفاظ لکھے اور تاریخ کا رخ پھیر دیا۔ آیئے ذرا واقعات کو جلدی سے دہرالیں:

تھیوڈور روزولٹ ۱۹۰۸ء میں وہائٹ ہاؤس سے نکلا، اس نے تافت کو صدر بنایا اور خود شیر کے شکار کیلئے افریقہ چلا گیا۔ جب واپس آیا تو آبلے کی طرح پھوٹ پڑا، اس نے تافت کی قدامت پسندی کی مذمت کی، تیسری مرتبہ اپنے لیے نامزدگی کی کوشش کی۔ پھر بل مُڈز پارٹی بنائی اور جی او پلی چھوڑ کر سب کچھ منہدم کردیا۔

انتخابات جو بعد میں ہوئے ان میں ولیم ہاورڈ تافت اور ری پبلکن کی حمایت صرف دو ریاستوں نے کی، یہ دو ریاستیں درماؤنٹ اور اٹاوہ تھیں۔ اس قدیم جماعت کی تاریخ میں ایسی تباہ کن شکست کبھی نہیں ہوئی تھی۔

تھیوڈور روزولٹ نے صدر تافت کو موردِ الزام ٹھہرایا لیکن کیا صدر تافت نے بھی یہ الزام تسلیم کیا؟... کبھی نہیں... اس نے آنسوں بہاتے ہوئے کہا:

> میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ جو کچھ میں نے کیا، میں اس کے علاوہ کچھ اور بھی کر سکتا ہوں۔

قصور کس کا تھا...... تھیوڈور روزولٹ کا یا تافت کا؟

سچی بات یہ ہے کہ مجھے یہ معلوم ہی نہیں اور نہ ہی مجھے اس سے سروکار ہے۔

جس پہلو کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں وہ صرف یہ ہے کہ صدر تھیوڈور روزولٹ کی نکتہ چینی تافت سے اس کا قصور تسلیم نہ کرا سکی بلکہ اس نے تافت کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کرے اور اشک بار ہو کر یہ کہے :

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ جو کچھ میں نے کیا، میں اس کے علاوہ کچھ اور بھی کر سکتا تھا۔

پبلک زندگی کا شرمناک واقعہ

A Shameful incident in public-life

ٹی پارٹ ڈوم کے تیل کا قضیہ لے لیجئے...... اس واقعے کے متعلق اخبارات نے برسوں اپنے غیظ و غضب کا اظہار کیا اور ساری قوم کو ہلا دیا۔ امریکہ کی پبلک زندگی میں اس قسم کا واقعہ کبھی سننے میں نہیں آیا۔ اس شرمناک واقعے کی تفصیلات یہ ہیں :-

ہارڈنگ کی کابینہ میں محکمۂ داخلہ کے ناظم البرٹ فال کے سپرد یہ خدمت کی گئی کہ ایلک بل اور ٹی پارٹ ڈوم کے تیل کے ذخائر پٹے پر دیدیئے جائیں۔ یہ تیل کے ذخیرے بحری فوج کے استعمال کیلئے محفوظ کئے گئے تھے۔ کیا ناظم فال نے پٹہ حاصل کرنے والوں میں باہمی مقابلہ کرایا؟...... نہیں... بلکہ ان کا ٹھیکہ اپنے ایک دوست ایڈورڈ ڈہنی کو دے دیا۔ ڈہی نے کیا کیا؟...... اس نے ناظم فال کو چار لاکھ روپے دیئے۔ پھر ناظم فال نے نہایت جابرانہ طریقے سے امریکی بحریہ کے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ علاقے کے تمام ٹھیکیداروں کو وہاں سے نکال دیں.. جن کے کنویں ایلک بل کے چشموں کا تیل جذب کرتے جارہے تھے۔ جتنے بھی ٹھیکیدار بانوکِ سنگین وہاں سے نکالئے گئے تھے سب کے سب عدالت میں پہنچ گئے اور دعویٰ دائر کر دیا۔

انہوں نے ٹی پارٹ ڈوم کے شرمناک واقعے کا راز فاش کر دیا جس میں ناظم فال نے چار لاکھ روپے رشوت لی تھی۔ اس واقعے سے پبلک میں اس قدر نفرت پھیلی کہ ہارڈنگ کی حکومت بدنام ہو گئی اور قوم کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ری پبلکن پارٹی کو زوال آ گیا اور ناظم فال کو جیل کی ہوا کھانی پڑی۔

فال کی خوب مٹی پلید ہوئی۔ شاید تاریخ میں کوئی شخص اپنی پبلک زندگی میں اتنا

بدنام نہ ہوا ہوگا۔ کیا اس نے پشیمانی ظاہر کی ؟ ہر گز نہیں۔ کئی برس بعد ہربرٹ ہوور نے ایک عام جلسے میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہارڈنگ کی موت کا باعث ذہنی پریشانی تھی جو اسے اپنے ساتھی کی بے ایمانی کی وجہ سے لاحق ہوئی۔ جب فال کی بیوی نے یہ ماجرا سنا تو وہ رونے لگی اور تقدیر کو کوستے ہوئے بولی :

کیا ہارڈنگ کو فال نے دھوکا دیا؟ ہر گز نہیں میرا شوہر کبھی کسی کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ اگر کوئی ویران گھر سونے سے بھی بھرا ہو میرا شوہر غلط کاری پر آمادہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ خود اس کے ساتھ دھوکا ہوا ہے اور اسے ناجائز طور پر سزا دلوائی گئی۔

انسانی فطرت کی عادت

Human innate nature

نسانی فطرت عملاً کچھ اسی قسم کی واقع ہوئی ہے۔ غلط کار سوائے اپنے اور سب کو الزام دیتا رہتا ہے۔ ہم سب اس عملے میں یکساں ہیں۔ لہٰذا کل کو آپ یا میں کسی پر نکتہ چینی کرنے پر مائل ہوں تو ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ نکتہ چینی پیغام رساں کبوتر کی طرح ہمیشہ واپس گھر لوٹتی ہے۔

ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ جس شخص کو ہم درست راستے پر ڈالنا چاہتے ہیں یا اس کی خدمت کرتے ہیں وہ غالباً اپنے کو حق بجانب ثابت کرے گا اور اس کے برخلاف الٹی ہماری خدمت کرے گا یا وہ نرم مزاج تافت کی طرح یہی کہے گا کہ "میری سمجھ نہیں آیا کہ جو کچھ میں نے کیا ہے میں اس کے علاوہ کچھ اور بھی کر سکتا تھا"۔

لنکن کے آخری لمحات

Last moments of Lincoln

۱۵ اپریل ۱۸۶۵ء کی صبح کو ہفتے کے دن ابراہم لنکن ایک معمولی سی سرائے کے ایک کمرے میں دم توڑ رہا تھا۔ یہ سرائے فورڈ تھیٹر والے بازار کے عین مقابل واقع ہوئی تھی۔ جہاں بوتھ نے اس پر گولی چلادی تھی۔ لنکن کا لمبا تڑنگا جسم پلنگ پر آڑا پڑا ہوا تھا۔ پلنگ بہت چھوٹا تھا۔ روزا بونہرز کی مشہور تصویر "گھوڑوں کا میلہ" کی ایک سستی سی نقل دیوار پر لٹک رہی تھی اور ایک مدھم سی شمع جھلملا رہی تھی۔

جب لنکن آخری سانس لے رہا تھا تو دار سیکرٹری اسٹائن نے کہا: ”دنیا نے ایسا پختہ اور کامل حاکم کبھی نہ دیکھا ہو گا جیسا کہ لنکن تھا“۔

لنکن کی کامیابی کا راز

The secret of Lincoln's success

لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں لنکن کی کامیابی کا راز کیا تھا؟ لنکن کے سوانح حیات کا مطالعہ میں آج تک برابر کرتا ہوں پورے تین برس اس کوشش پر صرف کیئے ہیں کہ لنکن کی زندگی کے حالات لکھوں۔

ایک بار نہیں کئی بار لکھوں اور اس کتاب کا نام رکھوں۔ ”نا معلوم لنکن“ میرا خیال ہے کہ میں نے لنکن کی زندگی کے حالات کا اس قدر گہرا تفصیلی مطالعہ کیا ہے اور اس کی شخصیت اور خانگی زندگی پر اتنا غور کیا ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔

کامیابی کی وجہ

Reason of success

میں نے خاص طور پر اس چیز کا مطالعہ کیا ہے کہ لنکن اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتا تھا۔ کیا وہ لوگوں کو حقیر سمجھتا تھا؟ ہاں جب وہ ابھی نوجوان تھا۔ تو ایسے خطوط اور نظمیں لکھا کرتا جن میں وہ لوگوں کا مذاق اڑاتا اور ان خطوط کو دیہات کی سڑکوں پر ڈال دیا کرتا راہگیر ان خطوں کو اٹھا لیتے۔ ایک خط نے ایسا غصہ بھڑکایا کہ زندگی بھر مکتوب حلیہ کی آتشِ انتقام نہ بجھ سکی۔

جن دنوں وہ وکالت کرتا تھا وہ اپنے حریفوں پر کھلم کھلا حملے کرتا تھا اور ان کی مذمت میں اخباروں میں خطوط چھپوایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ تو وہ حد سے تجاوز کر گیا۔ ۱۸۴۲ء کے موسمِ خزاں میں اس نے ایک مغرور لڑاکے آئرش سیاست دان کا مذاق اڑایا۔ اس کا نام جیمز شیلڈز تھا۔

لنکن نے اسپرنگ فیلڈ رسالے مین ایک گمنام خط شائع کرایا۔ جس میں اسکی خوب خوب تذلیل کی گئی تھی۔ شہر کے باشندوں نے خوب قہقہے لگائے لیکن شیلڈز جو حساس اور مغرور تھا۔ اسے پڑھ کر آگ بگولا ہو گیا۔ اسے پتہ چل گیا کہ خط لکھنے

والا کون ہے۔ چنانچہ وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور لنکن کی تلاش میں چل پڑا اور اسے زور آزمائی کے لئے للکارا۔ لنکن لڑنا نہیں چاہتا تھا۔

وہ زور آزمائی کا مخالف تھا لیکن بغیر لڑے وہ اپنی آبرو بھی نہیں بچا سکتا تھا۔ اسے ہتھیار سے لڑنے کا اختیار دے دیا گیا۔ چونکہ اس کے بازو لمبے تھے۔

اس نے تلوار کی لڑائی منظور کر لی اور ویسٹ پائنٹ کے ایک ماہر سے تلوار چلانے کا کرتب سیکھنا شروع کر دیا۔ مقررہ تاریخ کو دریائے مسی سی پی، کے ریتلے میدان میں دونوں حریف مقابل ہوئے جو آخر دم تک لڑنے کے لئے تیار ہو کر آئے تھے لیکن فیصلہ کن لمحوں میں دونوں کے حامی بیچ میں کود پڑے اور انہوں نے لڑائی بند کرا دی۔

سبق

A Lesson

لنکن کی زندگی میں یہ واقعہ بڑا طوفانی ثابت ہو۔ اس واقعے سے اس نے یہ بیش قیمت سبق سیکھا کہ اپنے جیسے لوگوں سے کس طرح کا برتاؤ کرنا چاہئے۔ اس نے اس کے بعد کسی کو توہین آمیز خط نہیں لکھا، نہ کبھی کسی کا مزاق اڑایا اور نہ ہی اس کے بعد اس شخص پر کسی قسم کی نکتہ چینی کی۔

خانہ جنگی کے دوران میں لنکن پوٹومیک کی فوج کے جرنیل یکے بعد دیگرے بدلتا رہا اور ان میں سے ہر ایک .... میک کلین، پوپ برن سائڈ، ہوکر میڈی...... فاش غلطیوں کا مرتکب ہوا۔ یہاں تک کہ مایوسی کے عالم میں لنکن فرش پیمائی کرتا رہتا تھا۔ قوم کی قوم نے ان نالائق جرنیلوں کی مزمت کی۔ لیکن لنکن نے کہ اس کا دل سب کی طرف سے صاف تھا۔ اپنے ایمان کو متزلزل نہ ہونے دیا۔ اس کا ایک محبوب مقولہ تھا کہ "دوسروں کا محاسبہ نہ کرو ورنہ تمہارا بھی محاسبہ کیا جائے گا۔"

دوسروں کے جذبات کا خیال رکھنا

Respect sentiments of other people

اور جب لنکن کی بیوی اور دوسرے لوگ دشمن کو سخت سُست کلمات کہتے تھے تو لنکن جواب دیتا۔ "ان پر نکتہ چینی نہ کرو۔ ان جیسے حالات میں ہم ہوں تو ہم بھی وہی کریں جو وہ کر رہے ہیں۔"

وہی کریں جو وہ کر رہے ہیں"۔

مثال

An Example

لیکن اگر نکتہ چینی کیلئے کبھی موقع پیدا ہوتا تو لنکن یہ کام بھی سرانجام دینے میں کوتاہی کبھی نہ کرتا تھا۔ ایک مثال سُن لیجئے:

جون ۱۸۶۳ء کے پہلے تین دنوں میں گیٹیز برگ کی لڑائی پیش آئی۔ ۴ جولائی شام کو لی نے جنوب میں پسپا ہونا شروع کر دیا۔ ملک بھر میں بارش ہو رہی تھی۔ جب لی اپنی شکست خوردہ فوج کو لیئے ہوئے پوٹومیک کی طرف بڑھا تو راستے میں ایک دریا حائل تھا۔ جو طغیانی کے باعث ناقابلِ عبور ہو گیا تھا۔ صدر لنکن کی فاتح فوج اس کا تعاقب کر رہی تھی۔

لی اب دام میں آچکا تھا کسی طرح بچ نہیں سکتا تھا.. یہ ایک زرّیں موقع قدرت کی طرف سے پیدا ہو گیا تھا۔ اس موقع پر لی کی فوج پر چھاپہ مارنا اور اسے بے دست وپا کر دینا نہایت آسان تھا۔ اس مرحلے پر جنگ جیتی جا سکتی تھی۔ لنکن نے پر امید ہو کر جنرل میڈ کو حکم دیا کہ وہ جنگی کونسل بلائے بغیر فوراً لی کی فوج پر حملہ کر دے۔

لنکن نے بذریعہ تار اپنے احکام بھیجے، بعد میں ایک خاص قاصد کے ذریعے ان احکام کی تعمیل کا مطالبہ کیا۔

لیکن جنرل میڈ نے کیا کیا؟ جو اسے کہا گیا بالکل اس کے برعکس.. لنکن کے احکام کو پس پشت ڈالتے ہوئے اس نے جنگی کونسل بلائی۔ اس نے تامّل کیا، اس نے تاخیر کی.. اس نے بذریعہ تار ہر طرح کے عذراتِ لنگ پیش کیے...... غرض اس نے لی پر حملہ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ بلآخر دریا کا پانی اتر گیا اور اپنی فوج سمیت پار اتر گیا۔ لنکن اس پر بہت بگڑا، اس نے اپنے بیٹے رابرٹ کے سامنے چلاتے ہوئے کہا: "اس کا مطلب کیا ہے؟...... اے عظیم خدا اس کا مطلب کیا ہے؟.. وہ ہماری دسترس میں آچکے تھے.. ہمیں صرف ہاتھ ہلانے کی ضرورت تھی اور وہ ہمارے قابو میں تھے لیکن میری موقع شناسی فوج کے اندر کوئی حرکت پیدا نہ کر سکی، ان حالات میں کوئی اور جرنیل ہوتا تو لی کو شکست دے دیتا.. اگر میں خود وہاں جا سکتا تو اسے یقیناً ٹھکانے لگا دیتا۔

لنکن کا خط

Lincoln,s letter

سخت مایوسی کے عالم میں لنکن نے جنرل میڈ کے نام حسبِ ذیل خط لکھا۔ وہ نہایت قدامت پسند تھا اور اپنی تحریر میں بہت محتاط للہذا یہ خط ۱۸۶۳ء میں لنکن کے قلم سے نکلا، اسے ایک زبردست سرزنش سمجھنا چاہیئے۔

میرے پیارے جرنیل :

لی کے بچ کر نکل جانے میں جو خطرہ پنہاں ہے میں نہیں سمجھتا کہ اس کا آپ نے کما حقہ اندازہ کیا ہو گا، وہ ہماری دسترس میں آچکا تھا.. اگر اس کا اُسی وقت تعاقب کیا جاتا تو جنگ وہیں ختم ہو جاتی.. اب ایسی حالت ہے کہ جنگ کو ایک غیر متعین عرصے کیلئے جاری رکھنا پڑے گا۔ اگر آپ پچھلے سوموار کے دن لی پر آسانی سے حملہ آور نہیں ہو سکتے تھے تو اب آپ دریا پار کر کے ایسا کیونکر کر سکتے ہیں جبکہ آپ کے پاس بمقابلہ اس دن کے فوج بھی دو تہائی رہ گئی ہے، آپ سے اس قسم کی توقع رکھنا ایک غیر معقول بات ہو گی اور مجھے کوئی امید نہیں کہ اب آپ اس سلسلے میں کوئی زیادہ مؤثر قدم اٹھا سکیں۔ آپ وہ زرّیں موقع ہاتھ سے کھو چکے ہیں اور میں اس وجہ سے بے انتہا پریشان اور رنجیدہ ہوں۔

آپ کے خیال میں جرنیل میڈ نے یہ خط پڑھ کر کیا کیا ہو گا؟ میڈ نے یہ خط کبھی نہیں دیکھا، لنکن نے اسے ڈاک کے حوالے ہی نہیں کیا تھا.. یہ خط لنکن کی موت کے بعد اس کے کاغذات میں سے ملا۔

سخت تنقید ـــــ بے اثر

Serere criticism – ineffective

میرا قیاس یہ ہے...... اور یہ محض قیاس ہی ہے کہ لنکن نے یہ خط لکھ کر کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا اور اپنے دل سے کہا: "ایک منٹ ٹھہر جاؤ.. مجھے اس قدر جلدی نہیں کرنی چاہیئے.. وائٹ ہاؤس کی آرام دہ اور خاموش فضا میں بیٹھ کر میرے

لئے میڈ کو حکم دینا آسان ہے لیکن اگر میں گسٹر برگ کے میدان میں موجود ہوتا اور میں بھی انسانی جانوں کو بے تحاشا خاک و خون میں لوٹتے ہوئے دیکھتا جیسا کہ پچھلے ہفتہ میڈ نے دیکھا ہے اور زخمیوں اور مرنے والوں کی چیخ و پکار سے میرے بھی کان پھٹ رہے ہوتے تو شاید میں بھی لی پر حملہ آور ہونے کیلئے بیتاب نہ ہوتا۔

اگر میں بھی، میڈ کی طرح بزدل ہوتا تو وہی کچھ کرتا جو اس نے کیا۔ لیکن اب تو پانی سر سے گذر چکا ہے۔ اگر میں یہ خط بھیج دوں تو میرے دل کی بھڑاس تو نکل جائے گی لیکن میڈ اپنی مدافعت کی کوشش کرے گا، اس خط سے اس میں بددلی کے جذبات ابھریں گے۔ جرنیل کی حیثیت سے اس کی آئندہ افادیت کم ہو جائے گی اور شاید وہ تنگ آکر فوج سے استعفیٰ دیدے۔

لہذا جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں لنکن نے یہ خط ایک طرف رکھ دیا۔ اس لئے کہ اسے اس امر کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا کہ سخت تنقید اور سرزنش کا نتیجہ بالآخر کچھ نہیں نکلتا۔

تھیوڈور روزویلٹ کہتا ہے کہ جب وہ صدر تھا اور اسے کوئی مشکل مرحلہ پیش آجاتا تو وہ اپنی آرام کرسی پر تکیہ لگا کر بیٹھ جاتا اور لنکن کی قدِ آدم تصویر کی طرف دیکھا کرتا تھا جو اس کی میز کے اوپر وائٹ ہاؤس میں آویزاں تھی اور اپنے دل سے یہ سوال کیا کرتا تھا "اگر میری جگہ لنکن ہوتا تو اس موقع پر کیا کرتا؟ وہ کس طرح اس مسئلے کو حل کرتا؟"

آئندہ جب کبھی کسی کو سرزنش کرنے کا موقع آئے تو ہمیں بھی اپنے کسی عظیم الشان رہنما کی تصویر کی طرف دیکھنا چاہئیے اور دریافت کرنا چاہئیے "اگر اس شخص کو یہی مسئلہ پیش آتا تو وہ کس طرح اس کا حل کرتا؟"۔

اصلاح اپنی ذات سے

Reformation begins with own self

کیا آپ کسی شخص کی کایا پلٹنا چاہتے ہیں یا اس کی عادات کو باقاعدہ کر کے اس کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں؟ ایسا ہے تو بڑی اچھی بات ہے.. میں اس کے حق میں ہوں لیکن اس کا تجربہ آپ اپنی ذات سے کیوں نہ شروع کریں؟ تھوڑا سا خود غرض بننے میں کوئی حرج نہیں۔ زیادہ مفید تو یہی ہے کہ آپ دوسروں کو سنوارنے سے قبل

اپنی اصلاح کریں۔ اس کوشش میں کامیابی کا امکان کہیں زیادہ ہے۔

براؤننگ کا مقولہ

Browning's words

براؤننگ کا مقولہ ہے:

"جب انسان خود اپنے نفس سے جنگ کرتا ہے تو اس کی قدرو قیمت بڑھتی ہے"۔ شاید آپ کو تکمیلِ ذات کے سلسلے میں سال بھر کا عرصہ لگے۔ پھر آپ طویل چھٹی کا زمانہ گزار سکتے ہیں اور نئے سال میں دوسروں کی اصلاح و تنقید اپنے ذمے لے سکتے ہیں۔ یعنی پہلے اپنی تکمیل کیجئے۔

کنفیوشس کا قول

Sayings of Confucius

کنفیوشس کہتا ہے:

"جب تمہاری اپنی دہلیز غلیظ ہے تو اپنے ہمسائے کے متعلق یہ شکایت نہ کرو کہ کاہلی کی وجہ اس کی چھت ابھی تک برف سے ڈھکی ہوئی ہے"۔

میں ابھی نوجوان ہی تھا اور لوگوں کو متاثر کرنے کیلئے بڑی جدو جہد کر رہا تھا کہ میں نے نامور امریکی مصنف رچرڈ ڈیوس ہارڈنگ کے نام ایک احمقانہ خط لکھا۔ میں مصنفین کے متعلق اپنے رسالے کیلئے ایک مضمون تیار کر رہا تھا۔ میں نے ڈیوس سے دریافت کیا تھا کہ اس کے لکھنے کا طریقہ کیا تھا؟

چند ہفتے قبل مجھے ایک شخص نے خط لکھا تھا جس کے نیچے یہ الفاظ درج تھے۔ "خط پر نظر ثانی نہیں کی جا سکی"۔ میں اس سے بہت متاثر ہوا اور سمجھا تھا کہ لکھنے والا کوئی بڑا نامی گرامی اور نہایت مصروف آدمی ہے۔ میں بالکل مصروف آدمی نہیں تھا لیکن پھر بھی رچرڈ ڈیوس ہارڈنگ پر رعب ڈالنے کیلئے میں نے خط کو ان الفاظ پر ختم کیا: "خط پر نظر ثانی نہیں کی جا سکی"۔ اس نے میرے خط کا جواب لکھنے کی زحمت نہیں اٹھائی۔ ۔ اس نے میرا خط واپس کر دیا اور نیچے لکھ دیا: "گستاخی کا جواب گستاخی کی صورت میں دینا میں نے پسند نہیں کیا"۔

یہ سچ ہے کہ میں نے غلطی کی تھی اور میں اس سرزنش کا مستحق بھی تھا لیکن انسان ہونے کی حیثیت سے مجھے یہ جواب ناگوار گزار۔ میں نے اس شدت کے ساتھ اس کو محسوس کیا کہ دس سال بعد جب میں نے ہارڈنگ کے انتقال کی خبر پڑھی تو اس وقت بھی یہ احساس میرے دل میں چٹکیاں لے رہا تھا۔

نکتہ چینی

Criticising

اگر ہم کسی کا غضب بھڑکانا چاہتے ہیں۔ جس کا اثر سالہا سال بلکہ موت تک باقی رہے تو آیئے ہم اس پر جلی کٹی نکتہ چینی شروع کر دیں خواہ ہمیں اس بات کا یقین ہی ہو کہ ہماری نکتہ چینی درست ہے لیکن اس کا نتیجہ وہی نکلے گا۔

لوگوں سے برتاؤ کرتے وقت اس امر کا خیال رکھنا چاہئے کہ ہم منطقی قسم کی مخلوق سے معاملہ نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہمارا معاملہ جذباتی مخلوق سے ہے۔ وہ مخلوق جس کے سینے میں تعصّبات ابل رہے ہیں، غرور بھی ہے اور تکبر بھی ہے۔

نکتہ چینی نہایت خطرناک شعلہ ہے.. ایسا شعلہ جو غرور کے بارود خانے میں دھماکہ پیدا کر دیتا ہے.. ایسا دھماکہ جو موت کے منہ میں دھکیل دیتا ہے۔ مثال کے طور پر جنرل لیو فارورڈ پر نکتہ چینی ہوئی اور فوج کو اس کی قیادت میں فرانس جانے سے روک دیا گیا۔ اس کے غرور کو ایسا صدمہ پہنچا کہ اسی حادثے سے مر گیا۔

ٹامس ہارڈی نے اپنے بہترین ناولوں سے انگریزی ادب میں بیش بہا اضافہ کیا لیکن اس پر اس قدر تلخ نکتہ چینی ہوئی کہ اس نے تخیّلی افسانے لکھنے بند کر دیئے۔ ایسی نکتہ چینی نے نامور انگریز شاعر ٹامس کو خودکشی پر مجبور کر دیا۔

بنجمن فرینکلن کی کامیابی کا راز

Secret of Benjamin Franklin's Success

بنجمن فرینکلن جو اپنے ایامِ شباب میں بالکل سیدھا سادھا آدمی تھا، ایسا چلتا پرزہ ہو گیا اور لوگوں سے معاملہ کرنے میں اتنا ماہر ہو گیا کہ اسے فرانس میں امریکہ کا سفیر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اس کی کامیابی کا راز کیا تھا؟ اس نے کہا تھا: میں کسی آدمی کی برائی نہیں

کرتا.. البتہ ہر ایک کی خوبیاں میرے علم میں ہیں وہ بیان کرتا ہوں"۔
ہر بے وقوف نکتہ چینی، مذمت اور شکایت کرنے کا اہل ہے اور بہت سے بے وقوف ایسا کرتے بھی ہیں لیکن افہام و تفہیم اور عفوودرگزر کیلئے سیرت کی پختگی اور نفس پر قابو پانے کی ضرورت ہے۔

کارلائل اور ڈاکٹر جانسن کے قول

Sayings of Carlyle & Dr. Johnson

کارلائل کہتا ہے :
"بڑا آدمی چھوٹوں سے برتاؤ کرتے وقت بھی اپنی بڑائی کا اظہار کرتا ہے"
لوگوں کی مذمت کرنے سے پہلے ہمیں اسے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ہمیں یہ جاننا چاہئے کہ جو کچھ وہ کرتے ہیں کیوں کرتے ہیں؟
یہ بات نکتہ چینی کی نسبت زیادہ مفید اور خوشگوار ہے اور اس سے ہمدردی، بردباری اور شفقت پیدا ہوتی ہے۔ سب کو جاننا سب کو معاف کر دینے کے مترادف ہے۔ڈاکٹر جانسن نے کہا تھا:
"جب تک انسان موت کی منزل تک نہیں پہنچ جاتا خود خدا بھی اسکے اعمال کا محاسبہ نہیں کرتا...... اس لئے آپ اور میں ایسا کیوں کریں؟"۔

پہلے اپنی غلطیوں کا ذکر کیجئے

Remember your faults, first

چند سال ہوئے میری بھتیجی جوزفین کارنیگی اپنے کینساس سٹی سے نیویارک میں میری سیکریٹری کی حیثیت سے کام کرنے کیلئے آئی۔ اس کی عمر انیس سال تھی۔ اسے اسکول چھوڑے تین سال گذر چکے تھے اور کام کاج میں اس کا تجربہ صفر ہی کے برابر تھا لیکن آج وہ ہمارے یہاں کی بہترین سیکرٹریوں میں سے ہے۔
اس میں اصلاح اور ترقی کی صلاحیت بدرجہ اتم تھی۔ ایک دن میں اس کے کام پر نکتہ چینی کر چکا تو میں نے اپنے دل میں کہا:
"ڈیل کارنیگی! ایک منٹ کیلئے ذرا سوچو تو سہی تمہاری عمر جوزفین سے دگنی

ہے۔ تمہیں کاروبار کا ہزار گنا تجربہ ہے تمہارا نقطۂ نظر، سمجھ اور اجتہاد بذاتِ خود خواہ میانہ درجے کا ہو، وہ کس طرح تمہاری ہمسری کر سکتی ہے۔ میرے پیارے ڈیل کارنیگی ذرا سوچو تو سہی کہ انیس سال کی عمر میں تم کون سا تیر مارا کرتے تھے ؟ کیا تمہیں اپنی شرمناک غلطیاں اور حماقتیں یاد ہیں جو تم کیا کرتے تھے ؟ اور یاد رہے کہ اس قسم کی غلطیاں تم ایک بار نہیں بلکہ بار بار کیا کرتے تھے۔

میں نے معاملے پر ایمانداری اور ٹھنڈے دل سے غور کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ میں انیس سال کی عمر میں جو کچھ کیا کرتا تھا جوزفین کا کام اس سے اوسطاً بہتر ہے اور مجھے شرم آنی چاہیئے کہ میں جوزفین کی مناسب قدردانی اور حوصلہ افزائی نہیں کر رہا۔ چنانچہ اسکے بعد مجھے جوزفین کی توجہ کسی غلطی کی طرف دلانا ہوتی تو میں اس سے کہتا۔

جوزفین تم سے ایک غلطی ہوئی ہے لیکن خدا جانتا ہے کہ یہ ان غلطیوں سے کہیں ادنیٰ ہے جو تمہاری عمر میں مجھ سرزد ہوتی تھیں۔ کوئی شخص کام کی سوجھ بوجھ ساتھ لیکر پیدا نہیں ہوتا یہ صرف تجربے سے ہی آتی ہے۔ تم اس سے کہیں بہتر ہو جیسا کہ میں تمہاری عمر میں ہوتا تھا۔ میں خود اس قدر فضول اور مضحکہ خیز غلطیوں کا ارتکاب کرتا تھا کہ تم پر یا کسی اور شخص پر نکتہ چینی کرتے ہوئے جھجکتا ہوں۔ لیکن تم یہ کام اس طرح کرتیں تو کیا بہتر نہ ہوتا ؟۔

اگر کوئی نکتہ چین اس اعتراف کے ساتھ بات شروع کرے کہ وہ بھی غلطیوں سے مبرّا نہیں تو ہم پر اپنی غلطیوں کا ذکر ناگوار نہیں گزرتا۔

جرمن شاہی چانسلر کا طریقِ کار

The way of the German Chancellor

نہایت نیک سیرت اور شریف النفس، مہذب شہزادہ فان بولو کو اس طریقِ کار کی اہمیت کا احساس ۱۹۰۹ء میں ہی ہو گیا۔ وہ اس وقت جرمنی کے شاہی چانسلر تھے اور جرمنی کے تخت پر ولہلم ثانی جلوہ افروز تھے جنہیں ولہلم متکبر کہا جاتا ہے۔ جو آخری قیصرِ جرمنی تھے اور جو ایسی فوج اور بحریہ تیار کر رہے تھے۔ جن کے متعلق وہ بڑے غرور سے فرماتے تھے کہ وہ دنیا کی بڑی سے بڑی فوج اور بحریے سے بھی فوراً اپنا لوہا منوا سکتے ہیں۔

ایک عجیب و غریب اور حیران کن واقعہ رونما ہوا۔ قیصرِ جرمنی نے ایسی باتیں کہنا شروع کر دیں جو نہایت نا قابل، اعتبار تھیں جنہیں سن کر سارا یورپ آگ بگولا ہو گیا اور دنیا بھر میں ان کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہونا شروع ہو گئی۔ قیامت یہ ہوئی کہ اپنی بڑیں سرِ عام ہانکنا شروع کر دیں۔

انہوں نے اس وقت بھی سفید جھوٹ بولنے سے دریغ نہ کیا جب وہ انگلستان میں شاہی مہمان تھے۔ طرّہ یہ کہ اپنی اس بے معنی اور فضول بکواس کو اخبار ''ڈیلی ٹیلیگراف'' میں چھاپنے کی اجازت بھی دے دی۔ مثال کے طور پر انہوں نے یہ اعلان کیا کہ صرف میں ہی ایک ایسا واحد جرمن ہوں جو انگلستان کو اپنا دوست سمجھتا ہے۔ میں جاپانی آفت کے خلاف بحری طاقت کو مستحکم کر رہا ہوں۔ یہ میری ہی ذاتِ واحد ہے جس نے یکہ و تنہا انگلستان کو روس کے آگے زمین بوس ہونے کی ذلت سے بچایا ہے اور وہ منصوبہ میرا ہی تیار کردہ تھا جس پر عمل کر کے لارڈ رابرٹ جنوبی افریقہ میں بوئروں کو شکست دینے کے قابل ہوئے وغیرہ وغیرہ......

اس قسم کے بے معنی الفاظ عرصہ سو سال سے یورپ کے کسی باد شاہ کی زبان پر نہ آئے تھے۔ سارا یورپ بھڑوں کے چھتے کی طرح بھنبھنا اٹھا۔ انگلستان کی بہت توہین ہوئی تھی۔ جرمنی کے سیاست دان ہکا بکا رہ گئے۔ ہر طرف سے صدائے احتجاج بلند ہوئی تو قیصرِ جرمنی گھبرا گئے۔

انہوں نے شاہی چانسلر فان بولو صاحب سے کہا کہ وہ الزام اپنے سر لے لیں وہ چاہتے تھے کہ شہزادہ فان بولو اعلان کر دیں کہ قیصرِ جرمنی کی تقریروں کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے، میں نے ہی انہیں مشورہ دیا تھا کہ وہ اس قسم کی تقریریں کریں۔ لیکن فان بولو نے کہا: جہاں پناہ! میرا دل یہ نہیں مانتا کہ جرمنی یا انگلستان میں کوئی شخص اس بات پر یقین کر لے گا کہ میں آپ کو ایسی باتیں کہنے کا مشورہ دے سکتا ہوں۔

جونہی شہزادہ فان بولو کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔ انہیں یہ احساس ہو گیا کہ انہوں نے سخت غلطی کی ہے۔ قیصرِ جرمنی آگ بگولا ہو گئے اور چلا کر کہنے لگے: ''آپ مجھے گدھا خیال کرتے ہیں کہ میں ایسی غلطیوں کا مرتکب ہو سکتا ہوں جو آپ جیسے عقلمند سے ہرگز سرزد نہیں ہوتیں''۔

شہزادہ فان بولو کو علم ہو گیا تھا کہ انہیں مذمت سے پہلے تعریف کرنی چاہئے تھی لیکن اب وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ اس لئے وہ ہوشیار ہو گئے اور اب حتی الامکان صحیح طریقہ اختیار کرنے کی ٹھانی۔ انہوں نے نکتہ چینی کے بعد تعریف کی جس نے جادو کا اثر دکھلایا، جیسا کہ عام طور پر تعریف کا اثر ہوتا ہے۔

انہوں نے نہایت ادب سے عرض کیا :

میرا ہرگز یہ مطلب نہ تھا جہاں پناہ! آپ مجھ سے بہت سی باتوں میں افضل و اعلیٰ ہیں۔ نہ صرف فوجی اور بحری حکمتِ عملی میں بلکہ قدرتی سائنس میں بھی آپ مجھ پر فضیلت رکھتے ہیں۔ جب کبھی آپ نے بیرومیٹر، وائرلیس ٹیلی گرافی یا شعاعوں کی تشریح بیان کی میں داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ میں قدرتی سائنس کی تمام اقسام سے نابلد ہوں۔

مجھے علم کیمیا یا طبیعات کی خاک خبر نہیں اور میں عام سے عام مظہرِ قوت کی بھی تشریح نہیں کر سکتا لیکن ان کے مقابلے میں مجھے تاریخ میں آگاہی ہے اور مجھ میں چند خصوصیات ایسی بھی ہیں جو سیاست اور ڈپلومیسی میں بہت کام دے جاتی ہیں۔

قیصرِ جرمنی خوش ہو گئے۔ فان بولو نے ان کی تعریف کی تھی۔ انہوں نے قیصر کی عظمت اور اپنی خاکساری کا ذکر کیا تھا۔ اس کے بعد وہ ان کے بڑے سے بڑے قصور معاف کر سکتے تھے۔ چنانچہ وہ فرمانے لگے : "میں تو آپ سے کئی بار کہہ چکا ہوں کہ ہم ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ ہمیں ایک جان ہونا چاہئے اور ہم ہمیشہ ایک جان رہیں گے"۔

انہوں نے فان بولو کے ساتھ ایک بار نہیں کئی بار ہاتھ ملایا اور بعد میں شام کے وقت وہ اس قدر جوش و مسرت سے بھرپور تھے کہ انہوں نے دونوں مٹھیاں بند کر کے کہا کہ :

"اگر کوئی شخص میرے سامنے فان بولو کو برا کہے گا تو میں اس کی ناک میں نکیل ڈال دوں گا"۔

فان بولو بروقت خود کو بچا گئے۔ حالانکہ وہ بڑے چالاک ڈپلومیٹ تھے.. پھر بھی ان سے شروع میں بھول ہو گئی تھی۔ انہیں اپنی غلطیوں اور قیصرِ جرمنی کی ستائش کے ساتھ بات کا آغاز کرنا چاہئے تھا۔ انہیں چاہئے تھا کہ وہ قیصرِ جرمنی کو یہ احساس

ہرگز نہ ہونے دیتے کہ وہ نیم پاگل ہیں اور کہ انہیں بھی کسی محافظ کی ضرورت تھی۔
اگر اپنی برائی اور دوسروں کی بڑائی میں کہے ہوئے چند جملے ایک متکبر اور پر افروختہ شہنشاہ کو ایک دلی دوست میں بدل سکتے ہیں تو انکساری اور تعریف روزمرہ کے تعلقات میں ہمارے کیا کچھ کام نہیں آسکتی۔ انکساری اور تعریف کا اگر صحیح استعمال ہو تو یہ معجزے دکھا سکتی ہیں۔

چنانچہ اگر آپ لوگوں کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچانا چاہیں، ان کی ناراضگی بھی مول نہ لینا چاہیں اور انہیں حسب، منشلبد لنا چاہیں تو تیسرا اصول یہ ہے :۔

"دوسروں پر نکتہ چینی کرنے سے پہلے اپنی غلطیوں کا ذکر کیجئے"

اخلاق اور کردار میں سبقت

Excellence of character

زیرِ نظر مضمون میں محقق و مصنف نے جن اخلاقی اصولوں کی تعلیم دی ہے وہ دراصل ان اسلامی اصولوں کی وضاحت اور عکس ہیں۔

استقامت اور سابقیت دو مشور دینی اصطلاحات ہیں۔

مسلمان کا عمل تھوڑا ہو یا زیادہ لیکن روزانہ ہو تواتر کے ساتھ ہو بار بار ہو۔ کوئی کمی اور وقفہ نہ ہو۔ ایسے اعمال کو استقامت کہتے ہیں۔

عمل میں آگے سے آگے بڑھنے کا شوق، جذبہ، ولولہ اور اشتیاق یہ سابقیت کہلاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کی زندگی سابقیت سے بھرپور تھی۔

ایک دفعہ آپ ﷺ نے مال اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے فضائل بیان فرمائے۔ تو کچھ غریب صحابہؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مال والے تو سارے جنت کے درجے لے اڑے۔

آپ ﷺ نے ان صحابہؓ کو چند ایسے اعمال بتائے جن پر عمل کر کے وہ بھی جنت کے درجے لے سکتے ہیں۔ جب مالدار صحابہؓ کو ان اعمال کا پتہ چلا تو وہ بھی ان پر عمل کرنے لگے۔ دوسرے صحابہؓ آپ ﷺ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ وہ اعمال مالدار صحابہؓ نے بھی شروع فرمادیئے ہیں...... آپ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ کی تقسیم ہے۔ (مفہوم۔۔الترغیب الترہیب)

میدانِ جنگ میں جہاں لاشوں پر لاشیں گر رہی ہیں، جوانیاں کٹ رہی ہیں،

کشت و خون جاری ہے۔ ان حالات میں صحابۂ کرامؓ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں ہیں۔ حضرت معاذؓ اور معوذؓ دو بچے ہیں لیکن ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں میدانِ جنگ میں انہوں نے وہ جوہر دکھائے جو تاریخِ عالم چشمِ فلک نے کبھی نہ دیکھے۔

بالکل یہی کیفیت، یہی حالت صحابۂ کرامؓ کی دنیا کی تجارت اور بیع میں تھی۔ مسلمانوں نے تجارت کے جو اصول وضع کیئے اور پوری دنیا میں جو مالِ تجارت پھیلایا اور ان اصول و ضوابط وضع میں جو صداقت اور دیانت کی بنیاد ڈالی وہ چہار دانگِ عالم میں مثال بن گئی۔

جہاں کوئی اور طریقہ کام نہ دے وہاں یہ اُصول آزمایئے

When everything fails, follow this principle

چارلس شواب ایک مل منیجر تھے جن کے ماتحت ملازمین اپنے کام کی مقررہ مقدار کو پورا نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے منیجر سے پوچھا:

"آخر کیا وجہ ہے کہ آپ جیسے قابل آدمی بھی اس کارخانے کے معیار کے مطابق پیداوار حاصل نہیں کرپاتے؟

منیجر صاحب نے جواب دیا:

معلوم نہیں.......... کیوں؟ میں ملازمین کو ڈانٹ چکا ہوں، انہیں ابھار چکا ہوں، انہیں قسمیں دلا چکا ہوں، میں انہیں سزا کی دھمکیاں دے چکا ہوں اور گولی کا نشانہ بنانے کا بھی خوف دلا چکا ہوں لیکن کوئی طریقہ کارگر نہیں ہوتا۔ جتنا کام وہ اب کرتے ہیں.. وہ اس سے زیادہ ایک تنکا بھی دوہرا نہیں کر کے دیتے۔

مسابقت کا شوق

An urge to surpass

دن تقریباً ختم ہونے والا تھا۔ رات کی شفٹ شروع ہونے والی تھی کہ شواب صواحب نے منیجر سے چاک کا ایک ٹکڑا مانگا.. پھر اپنے قریب کھڑے ایک مزدور

سے پوچھا آج دن کی شفٹ والوں نے کتنے انجن بنائے ہیں۔

اس نے جواب دیا: چھ۔

شواب صاحب نے اس کے بعد ایک لفظ نہ کہا اور فرش پر چھ کا بڑا سا ہندسہ لکھ دیا اور چلے گئے۔ جب رات کو کام کرنے والے لوگ آئے تو انہوں نے پوچھا کہ اس چھ کے ہندسے کا کیا مطلب ہے؟

دن والے مزدور نے انہیں بتایا کہ آج بڑے صاحب یہاں آئے تھے.. انہوں نے ہم سے پوچھا کہ ہم نے کتنے انجن بنائے ہیں.. تو ہم نے ان کو جواب دیا کہ چھ۔ انہوں نے چھ کا ہندسہ چاک سے فرش پر لکھا دیا۔

اگلی صبح شواب صاحب گھومتے ہوئے وہاں سے گذرے.. رات کے کام کرنے والے مزدوروں نے فرش پر سات کا ہندسہ لکھ رکھا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ رات والے مزدور اپنے آپ کو دن والے مزدوروں سے بہتر خیال کرتے تھے۔ دن والوں نے ارادہ کیا کہ ہم بھی رات والوں کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیں گے۔

وہ جوش سے بھر گئے اور اس شام گھر جانے سے پہلے وہ فرش پر دس کا بڑا سا ہندسہ چھوڑ گئے۔ پیداوار دن رات بڑھتی گئی۔ یہ اصول کیا بنا؟ چارلس شواب ہی کی زبانی سنئے۔

کام لینے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ مقابلے کی تحریک پیدا کی جائے، حریفانہ اور روپے کی ہوس کا مقابلہ نہیں بلکہ ایسا مقابلہ جس میں فریقین ایک دوسرے سے بہتر بننے کی کوشش کریں۔

لوگوں کی بجھی روحوں کو متأثر کرنے کا تیر بہدف نسخہ یہ ہے کہ ان میں دوسروں سے سبقت لے جانے کی خواہش پیدا کی جائے۔ دوسروں سے آگے نکل جانے کی خواہش لوگوں کیلئے میدان میں آنے کی للکار ثابت ہوتی ہے۔

تھیوڈور روزولٹ کا جذبۂ مسابقت

Theodore Roose velt's desire to surpass

للکار کے بغیر تھیوڈور روزولٹ بھی شاید امریکہ کے صدر نہ بنتے۔ ہمارے گھڑ سوار صاحب کیوبا سے آئے تو نیویارک کی گورنری کے انتخاب کیلئے کھڑے کر دیئے

گئے۔ مخالف جماعت کو معلوم ہوا کہ وہ نیویارک کے جائز شہری نہ تھے۔

تھیوڈور روزولٹ اس پر بہت ہراساں ہوئے اور اپنا نام واپس لینا چاہا، عین اس وقت تھامس کولٹ پلاشانے پانسہ پھینکا۔ وہ تھیوڈور روزولٹ سے گرجدار آواز میں مخاطب ہو کر بولے: ''کیا سان جوین ہل کا مردِ میدان اس موقعے پر بزدلی دکھا جائے گا؟''

تھیوڈور روزولٹ نے مقابلہ کیا اور باقی حالات آج تاریخ کا سنہری ورق ہیں۔ اس للکار نے نہ صرف ان کی اپنی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا بلکہ اس نے امریکہ کی قومی تاریخ کو بھی بہت زیادہ متاثر کیا۔

جس طرح چارلس شواب للکار کی بے پناہ قوت سے باخبر تھے۔ اسی طرح پلاٹ صاحب اور السمتھ صاحب بھی اس سے بیگانہ نہ تھے۔

السمتھ کا جذبۂ مسابقت کو ابھارنا

Smith arouses himself

جب السمتھ صاحب نیویارک کے گورنر تھے تو انہوں نے اس اصول کو آزمایا۔ رسوائے عالم جیل خانے سنگ سنگ میں کسی قابل محافظ کی ضرورت تھی۔ جیل کی چار دیواری کے اندر سازشیں اور خطرناک افواہیں اٹھ کر ملک میں گردش کر رہی تھیں۔ السمتھ صاحب کو سنگ سنگ پر قابو پانے کیلئے ایک مضبوط اور آہنی ارادے کے انسان کی ضرورت تھی۔ لیکن ایسا آدمی کون تھا؟ انہوں نے نیو ہمپٹن کے رہنے والے لیوس ای لاویس کو بلا بھیجا۔

جب لاویس ان کے سامنے آئے تو انہوں نے ہنس کر کہا: ''سنگ سنگ کا اختیار سنبھالنے کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ وہاں ایک تجربہ کار آدمی کی ضرورت ہے''۔

لاویس خاموش رہ گئے۔ وہ سنگ سنگ کے خطرناک حالت سے واقف تھے۔ اس جیل خانے کی محافظت ایک سیاسی منصب تھا اور اس کا دارومدار سیاسی رہنماؤں کی پسند اور ناپسند پر تھا۔ ایک کے بعد ایک محافظ آتا تھا اور چلا جاتا تھا۔ ایک محافظ تو صرف تین ہفتے تک سکا تھا۔ انہیں اپنے مستقبل پر غور کرنا تھا۔ کیا یہ خطرہ اس قابل

تھا کہ اس کو مول لیا جاتا؟

السمتھ صاحب نے لاویس صاحب کو شش و پنج میں گرفتار دیکھا تو پیچھے جھکے اور مسکرائے۔ اسکے بعد انہوں نے کہا: "میرے نوجوان دوست! اگر آپ گھبراتے ہیں تو اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں۔ یہ واقعی بڑا کٹھن کام ہے۔ میں کسی مضبوط آدمی کو وہاں جانے اور ٹھہرنے کیلئے چن لوں گا"۔

السمتھ صاحب، لاویس صاحب کو للکار رہے تھے۔ لاویس صاحب اب یہی عہدہ سنبھالنے کا خیال بہت بھایا۔ جس کیلئے ایک مضبوط آدمی کی ضرورت تھی۔

چنانچہ وہ سنگ سنگ میں گئے اور مستقل طور پر وہاں ٹھہرے۔ وہ اس جیل خانے کے سب سے مشہور محافظ بنے۔ ان کی کتاب "سنگ سنگ میں بیس سال" کی لاکھوں جلدیں فروخت ہوئیں۔ انہوں نے ریڈیو پر اپنے تجربات نشر کیلئے جیل خانے کی اندرونی زندگی سے متعلق ان کی لکھی ہوئی کہانیوں کی کئی فلمیں تیار ہوئیں اور انکے اس اسلوب سے کہ وہ مجرموں کو بھی انسان سمجھتے تھے۔ جیل کی اصلاح میں معجزے رونما ہوئے۔

ربڑ کمپنی کے بانی کا قول

The founder of a ruber company says

فائر سٹون ٹائر اور ربڑ کمپنی کے بانی فائر سٹون صاحب کا قول ہے:

"صرف اونچی تنخواہ کے لالچ سے اچھے آدمیوں کو اپنے یہاں ملازم رہنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اس کیلئے تو اس کام کو اتنا دلچسپ بنانا چاہئے کہ وہ یہ کام کرنا پسند کریں"۔

ہر کامیاب آدمی اپنے کام کو ایک کھیل سمجھتا ہے۔ وہ اپنی شخصیت کے اظہار، اپنی قابلیت کے ثبوت، سبقت لے جانے اور فتح پانے کا دل سے متمنی ہوتا ہے۔ پیدل دوڑوں، لطائف بازیوں اور دودھ پینے کے مقابلوں کا یہی راز ہے کہ ہر آدمی دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتا ہے، ہر آدمی یہ محسوس کرنا چاہتا ہے کہ وہ بڑا اہم آدمی ہے۔ چنانچہ اگر آپ جیالے اور قابل لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانا چاہتے ہیں تو بارہواں اصول یہ ہے:-

"دوسرے شخص کی صلاحیتوں کو للکاریئے"

یاد دہانی

A Reminder

لوگوں کو ہم خیال بنانے کے بارہ اصول

پہلا اصول : آپ بحث و تکرار کرنے سے جیت نہیں سکتے۔

دوسرا اصول : دوسرے شخص کے نقطۂ نظر کا احترام کیجئے۔ کسی سے یہ نہ کہیئے کہ وہ غلطی پر ہے۔

تیسرا اصول : آپ سے غلطی ہو جائے تو فیاضانہ طور پر تسلیم کیجئے۔

چوتھا اصول : گفتگو ہمیشہ دوستانہ انداز سے شروع کیجئے۔

پانچواں اصول : دوسرے شخص کے منہ سے گفتگو کے آغاز ہی میں ہاں کہلوائیے۔

چھٹا اصول : دوسرے شخص کو زیادہ سے زیادہ بات کرنے کا موقع دیجئے۔

ساتواں اصول : اپنا خیال دوسرے شخص پر ظاہر نہ کریں۔

آٹھواں اصول : بڑی ایمانداری کے ساتھ چیزوں کو دوسرے شخص کے نقطۂ نظر سے دیکھنے کی کوشش کریں۔

نواں اصول : دوسروں کے خیالات اور خواہشات کے متعلق آپ کا رویہ ہمدردانہ ہونا چاہئے۔

دسواں اصول : لوگوں کے نیک جذبات کو متأثر کیجئے۔

گیارہواں اصول : اپنے خیالات کو ڈرامائی انداز سے پیش کیجئے۔

بارہواں اصول : دوسرے شخص کی صلاحیتوں کو للکاریئے۔

اگر آپ کو نکتہ چینی کرنا ہی پڑے تو اس کی یوں ابتداء کیجئے

کالون کولج کے زمانۂ صدارت میں میرے ایک دوست انکے پاس وائٹ ہاؤس میں ہفتہ بھر کیلئے ٹھہرے۔ ایک دن وہ پھرتے پھراتے صدر صاحب کے پرائیویٹ دفتر میں جا نکلے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ اپنے ایک سیکرٹری سے کہہ رہے ہیں۔ "یہ لباس جو آپ نے آج صبح پہنا ہے، بہت نفیس ہے اور آپ اس میں نہایت دلفریب

دوشیزہ لگ لگتی ہیں"۔
انھوں نے شاید اپنی زندگی میں کسی سیکرٹری کی تعریف میں ایسے الفاظ نہیں کہے ہوں گے۔ یہ الفاظ خلافِ توقع اور خلافِ معمول تھے کہ وہ نوجوان عورت مارے حیا کے سکتے میں آگئی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر کولج صاحب نے کہا: "گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ میں نے یہ الفاظ صرف آپ کی طبیعت کو نکھارنے کیلئے کہے ہیں۔ مجھے امید ہے آپ آئندہ لکھتے وقت ہجوں کی صحت کا خیال رکھیں گی"۔
ان کا طریقہ کچھ زیادہ ہی واضح تھا لیکن نفسیات جو اس طریقے کے پیچھے کام کر رہی تھی، نہایت اعلیٰ تھی۔ اپنی خوبیوں کی تعریف سن لینے کے بعد ناخوشگوار باتیں ذرا آسانی سے سنی جاسکتی ہیں۔

حجام کا داڑھی مونڈنے سے قبل چہرے کو جھاگ کر دینا

The barber lathers the face before shaving

حجام ڈاڑھی مونڈنے سے قبل چہرے کو جھاگ جھاگ کر دیتا ہے۔ میک کنلے نے ۱۸۹۶ء میں امریکہ کی صدارت کیلئے انتخاب لڑتے وقت بعینہ یہی کچھ کیا تھا۔ اس زمانے کے ایک مشہور ری پبلکن نے ایک انتخابی تقریر لکھی تھی جو ان کے خیال میں سیروہ پیٹرک ہنری اور ڈینئل ویسٹر کی تقاریر سے بھی بہتر تھی۔
اس نوجوان نے نہایت جوش سے اپنی "لافانی" تقریر میک کنلے صاحب کو اونچی آواز میں سنائی۔ تقریر میں بہت سے عمدہ نکات بھی تھے۔ پھر بھی وہ کامیاب تقریر نہ تھی۔ تقریر کو سنتے ہی احتجاج کا طوفان بھی امڈ پڑا۔
میک کنلے صاحب اس نوجوان کے جوش کو بھی ختم نہیں کرنا چاہتے تھے اور اس کی تقریر کو قبول بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ دیکھئے انھوں نے کس ہوشیاری سے بات کی۔ انھوں نے کہا:
"یہ بڑی شاندار تقریر ہے۔ اسے اچھی تقریر کسی سے بھی تیار نہیں ہو سکتی۔ بے شمار ایسے لوگ بھی ہیں جن کیلئے اس قسم کی تقریر موزوں ہو سکتی ہے۔ لیکن کیا یہ تقریر اس موقع کیلئے موزوں ہے؟ آپ کے نقطۂ نظر کے مطابق یہ تقریر یقیناً وزنی

اور سنجیدہ ہے لیکن اس کا اثر پارٹی کے نقطۂ نظر سے دیکھنا پڑے گا۔ آپ تشریف لے جائیں تو میرے تجویز کردہ خاکے کے مطابق اپنی تقریر دوبارہ لکھئے اور اس کی ایک نقل مجھے بھیج دیجئے۔

اس نوجوان نے ایسا ہی کیا.. میک کنلے نے اس تقریر پر نیلی پنسل سے نشان لگائے اور اسے ایک بار پھر لکھنے میں اس کی مدد کی۔ وہ نوجوان ان کی انتخابی مہم کا ایک زبردست مقرر ثابت ہوا۔

ہم نیچے ابراہم لنکن کے دوسرے مشور ترین خط کی نقل کرتے ہیں۔ (انکا سب سے زیادہ مشہور خط وہ تعزیت نامہ ہے جو انہوں نے مسز بکشی کے نام لکھا جس کے پانچوں فرزند جنگ میں کام آگئے تھے) لنکن نے یہ خط شاید پانچ منٹ میں گھسیٹ ڈالا ہوگا لیکن یہ خط ۱۹۲۶ء میں ایک نیلام کے موقع پر اڑتالیس ہزار روپے میں فروخت ہوا۔ اتنی بڑی رقم لنکن پچاس سال کی سخت محنت کے باوجود پس انداز نہ کر سکتے تھے۔

یہ خط امریکہ کی خانہ جنگی کے تاریک ترین زمانے میں ۲۶ اپریل ۱۸۶۳ء کو لکھا گیا تھا۔ مسلسل اٹھارہ مہینے تک لنکن کے مقرر کردہ جرنیلوں کی بدولت ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی فوجوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ انسانی قتلِ عام سے کچھ حاصل نہ ہو رہا تھا۔ قوم پر مردنی اور یاس طاری تھا۔

ہزاروں سپاہی فوج سے بھاگ چکے تھے۔ پارلیمنٹ کے ری پبلکن ممبروں نے بھی لنکن کے خلاف بغاوت کر دی تھی کہ لنکن کو امریکہ کی صدارت کے عہدے مستعفی ہونے پر مجبور کر سکیں۔ لنکن نے کہا:

> "ہم اب تباہی کے غار کے کنارے کھڑے ہیں۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ خدا بھی ہم سے ناراض ہے۔ مجھے امید کی ایک کرن تک دکھائی نہیں دیتی"۔

ایسے ہی تاریکی اور آلام سے گھٹاٹوپ دنوں میں یہ خط لکھا گیا تھا۔ میں یہ خط اسلئے نقل کر رہا ہوں کہ آپ کو دکھا سکوں کہ لنکن نے کس طرح ضدی جرنیل کو بدلنے کی کوشش کی۔ جس کے اقدامات پر قوم کی قسمت کا دارومدار تھا۔

سخت ترین خط

The sternest letter

شاید یہ اپنی نوعیت کا سخت ترین خط ہے جو لنکن نے امریکہ کا صدر بننے کے بعد لکھا۔ لیکن آپ ملاحظہ کریں گے کہ انہوں نے جنرل ہوکر کی خطرناک غلطیوں کا ذکر کرنے سے پہلے اس کی تعریف کی۔

ہاں، یہ غلطیاں نہایت خطرناک تھیں۔ لیکن لنکن نے ایسا نہیں کہا۔ لنکن نے نہایت بردباری اور حکمتِ عملی سے کام لیا۔ انہوں نے لکھا: "چند باتیں ایسی بھی ہیں جن کے بارے میں مطمئن نہیں ہوں"۔ حکمتِ عملی اور دور اندیشی کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہو سکتا ہے۔

یہ ہے وہ خط جو انہوں نے میجر جنرل ہوکر کے نام لکھا:

میں نے آپ کو پوٹو میک کی فوج کا سپہ سالار بنایا ہے۔ میں نے آپ کا تقرر سوچ سمجھ کے کیا ہے۔ پھر بھی چند باتیں ایسی بھی ہیں۔ جن کے بارے میں میں مطمئن نہیں ہوں۔

میں آپ کو ایک بہادر اور تجربہ کار سپاہی مانتا ہوں اور آپ کی اس خوبی کو بہت زیادہ سراہتا ہوں۔ مجھے یہ بھی بھروسہ ہے کہ آپ سیاست کو اپنے فرائضِ منصبی کے قریب پھٹکنے نہیں دیتے اور یہ بہت ہی اچھی صفت ہے۔ آپ کو اپنی ذات پر مکمل اعتماد ہے۔ کسی جرنیل میں اس صفت کا ہونا اگرچہ لازمی نہیں لیکن قابلِ قدر ضرور ہے۔

آپ اپنے حصولِ مقصد کیلئے جو مناسب سمجھتے ہیں کر گزرتے ہیں۔ اگر مناسب حدود سے تجاوز نہ ہو تو اس صورت میں نقصان کے بجائے فائدہ زیادہ ہے لیکن میرے خیال میں جن دنوں جنرل برن سائڈ فوج کی کمان کر رہے تھے آپ نے اپنی ہی من مانی کی اور جنرل موصوف کے راستے میں حتی الامکان رکاوٹیں پیدا کیں۔ اس طرح آپ نے اپنے بلند صفت اور قابلِ احترام بھائی اور اپنے وطنِ عزیز کو بہت نقصان پہنچایا۔ میں نے ایک معتبر ذریعے سے سنا ہے کہ آپ نے حال ہی میں کہا

ہے کہ فوج اور وطن دونوں کو ڈکٹیٹر کی ضرورت ہے۔ میں نے فوج کی کمان اس لئے نہیں دی اور فوج آپ کے حوالے اسلیئے نہیں کی گئی کہ آپ اسکے ڈکٹیٹر بن جائیں۔

صرف وہی جرنیل ڈکٹیٹر بن سکتے ہیں جو فتح پر فتح حاصل کریں

Only victorious generals can be dictators

صرف وہی جرنیل ڈکٹیٹر بن سکتے ہیں جو فتح پر فتح حاصل کریں۔ میں آپ سے کامیابی کا مطالبہ کرتا ہوں۔ اس کیلیئے میں ڈکٹیٹر شپ کا خطرہ بھی مول لینے کو تیار ہوں۔ حکومت آپ کی ہر ممکن امداد کرے گی۔ وہ اپنے ہر جرنیل کی پہلے بھی امداد کرتی رہی ہے اور آئندہ بھی کرتی رہے گی۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ آپ نے اپنے سپاہیوں میں افسروں پر نکتہ چینی کرنے اور ان پر بھروسہ کرنے کی جو روح پھونک دی ہے اس کی وجہ سے سپاہی اب خود آپ کے خلاف ہو جائیں گے۔ میں سپاہیوں کے اس غلط رویے کو ختم کرنے کیلیئے حتی الوسیع آپ کی مدد کروں گا۔ ایسی فوج کے ساتھ آپ تو آپ نپولین بھی کوئی معرکہ سر نہ کر سکتا۔ جس میں اس قسم کی عادت موجود ہو لیکن پھر بھی آپ کو اس معاملے میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ جلد بازی نہ کیجیئے، اپنی ہمت اور ہوشیاری سے آگے بڑھیئے اور ہمیں اپنی فتوحات کی خوشخبری سنایئے۔

ہم کولج، میک کنلے یا لنکن نہیں ہیں۔ ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ یہ پالیسی روزمرہ کے کاروباری تعلقات میں کام دے گی یا نہیں۔ آیئے دیکھیں۔ ہم فلاڈلفیا کی وارک کمپنی کے منیجر پی۔ گا کی مثال لیں گے۔ مسٹر گا بھی آپ کی اور ہماری طرح ایک عام شہری ہیں۔ وہ فلاڈلفیا میں میری جماعت میں داخل تھے۔ انہوں نے یہ واقعہ جماعت کے سامنے ایک تقریر کرتے ہوئے بیان کیا:

وارک کمپنی نے فلاڈلفیا میں ایک دفتر کیلیئے ایک بہت بڑی عمارت کسی مقررہ

تاریخ تک بنانے کا ٹھیکہ لیا۔ ہر کام خاطر خواہ ہو رہا تھا۔ عمارت تقریباً مکمل ہو چکی تھی کہ ایک متعلقہ شخص نے یہ اعلان کیا کہ وہ مقررہ وقت پر عمارت کے باہر پیتل کا آرائشی سامان نہیں لگا سے گا۔ ایک ذرا سی بات کیلئے سارے کیئے کرائے پر پانی پھر رہا تھا۔ بھاری جرمانہ، نا قابلِ برداشت نقصان صرف ایک آدمی کے سبب ؟

دور دور ٹیلیفون کیئے گئے۔ دلیل بازی اور گرما گرم بحث و تکرار ہوئی، لیکن سب بے کار۔ آخر کار مسٹر گا کو پیتل کے اس شیر پر قابو پانے کیلئے نیویارک بھیج دیا گیا۔ مسٹر گا جو نہی اس شخص کے دفتر میں داخل ہوئے انہوں نے کہا:

”کیا آپ کو معلوم ہے کہ بروکلین کے علاقے میں آپ کا کوئی ہم نام موجود نہیں“۔ وہ صاحب بہت حیران ہوئے اور کہا:

”نہیں مجھے تو اس کا علم نہیں“۔ مسٹر گا نے کہا:

”آج صبح میں گاڑی سے اترا تو میں نے آپ کا نام ٹیلیفون ڈائریکٹری میں تلاش کرنے کی کوشش کی تو مجھے پتہ چلا کہ آپ بروکلین کے علاقے میں اپنے نام کے واحد شخص ہیں“۔

ان صاحب نے کہا: ”مجھے اس کا ہرگز علم نہ تھا“۔ انہوں نے ڈائریکٹری کا بڑی دلچسپی سے مطالعہ کیا۔ انہوں نے بڑے فخر اور مسرت سے کہا:

یہ نام بڑا ہی غیر معمولی ہے۔ میرا خاندان آج سے تقریباً دو سو سال پہلے ہالینڈ سے آکر نیویارک میں آباد ہوا۔ وہ کئی منٹ تک اپنے خاندان اور آباؤ اجداد کا تذکرہ کرتے رہے۔ جب وہ اپنی بات ختم کر چکے تو مسٹر گا نے انہیں مبارک باد دی کہ وہ اتنے عظیم کارخانے کے مالک ہیں اور ان کے کارخانے کو بہت سے دوسرے کارخانوں سے افضل بتلایا جن کو وہ پہلے دیکھ چکے تھے۔ مسٹر گا نے کہا:

”میں نے آج تک پیتل کا اس سے زیادہ صاف اور ستھرا کارخانہ نہیں دیکھا“۔ کارخانے کے منیجر نے کہا: ”میں نے اس کام کو فروغ دینے میں اپنی زندگی وقف کردی ہے۔ مجھے اس پر بڑا فخر ہے۔ کیا آپ ایک نظر کارخانے کو دیکھنا پسند فرمائیں گے ؟“

معائنے کے دوران میں مسٹر گا نے منیجر کے حسنِ انتظام کی تعریف کی اور بتایا کہ ان کا انتظام کس طرح دوسرے کارخانوں سے اعلیٰ اور برتر ہے۔ انھوں نے بعض غیر معمولی مشینوں کو سراہا۔ منیجر صاحب نے فخریہ انداز سے کہا کہ: ”یہ مشینیں میری

ذاتی ایجاد کردہ ہیں"۔

انہوں نے مسٹر گا کو مشینیں دکھانے، ان کی حرکت اور کام کرنے کے طریقے میں کافی وقت صرف کیا۔ انہوں نے مسٹر گا کو دوپہر کا کھانا اپنے ساتھ کھانے کیلئے اصرار کیا (آپ یہ نہ بھولئے گا کہ اب تک مسٹر گا نے اپنے اصل مقصد کا ذکر تک نہیں کیا تھا۔)

دوپہر کا کھانا کھا چکنے کے بعد منیجر صاحب نے کہا: "آیئے اب اپنے کاروبار کی باتیں کریں۔ مجھے احساس ہے کہ آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔ مجھے توقع نہ تھی کہ ہماری ملاقات اس قدر مسرت بخش ہوگی۔ آپ فلاڈلفیا تشریف لے جاسکتے ہیں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کا سامان سب سے پہلے تیار کر کے ارسال کر دیا جائے گا۔ خواہ مجھے دوسروں کا کام دیر ہی سے کیوں نہ کرنا پڑے۔

مسٹر گا نے بغیر التجا کے اپنا مقصد حاصل کر لیا اور تمام سامان انہیں مقررہ وقت سے پہلے پہنچ گیا۔ عمارت ٹھیک اسی روز ہر طرح سے مکمل ہوگئی جس دن کہ مقررہ میعاد ختم ہونی تھی۔

اگر مسٹر گا نے دستور کے مطابق وہی لٹھ مار رویہ اختیار کیا ہوتا جو عموماً ایسے کٹھن موقعوں پر کیا جاتا ہے تو کیا اس کا نتیجہ ایسا نکلتا جیسا کہ اب بر آمد ہوا۔

چنانچہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ لوگوں کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے، وہ ہم سے ناراض بھی نہ ہوں اور وہ ہمارے حسبِ منشا بدل بھی جائیں تو پہلا اصول یہ ہے:

"اپنی بات دوسرے شخص کی پُر خلوص تعریف و تحسین سے شروع کیجئے"

مسکراہٹ

Smile

زیرِ نظر مضمون میں محقق و مصنف نے جن اخلاقی اصولوں کی تعلیم دی ہے وہ دراصل ان اسلامی اصولوں کی وضاحت ہیں۔

ایک سچا مومن ہمیشہ خوش گفتار رہتا ہے، مسکراہٹ اس کے چہرے پہ رہتی ہے، پر مسرت چہرے کے ساتھ دوسرے مسلمان کا استقبال کرتا ہے، اگر وہ کسی غمزدہ اور مصیبت زدہ کو ملتا ہے تو خوشی اور مسرت سے ملتا ہے.. کہ اس کی پریشانی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ :

"مسکرا کر ملنا بھی صدقہ ہے"

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ :

حضورِ اقدس ﷺ کا ہنسنا صرف تبسّم ہوتا تھا۔ (شمائلِ ترمذی، اسوۂ رسولِ اکرمؐ)

بلکہ آپ ﷺ محض تبسّم ہی فرماتے۔ کسی ہنسی کی بات پر آپ ﷺ صرف مسکرا ہی دیتے۔ (زاد المعاد، اسوۂ رسولِ اکرم)

حضرت عبد اللہ بن حارث فرماتے ہیں کہ :

میں نے حضورِ اقدس ﷺ سے زیادہ تبسّم فرمانے والا نہیں دیکھا۔

(شمائلِ ترمذی، اسوۂ رسولِ اکرمؐ)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ :

جب بھی حضورِ اقدس ﷺ مجھے دیکھتے تو تبسّم فرماتے۔ (یعنی خندہ پیشانی سے

مسکراتے ہوئے ملتے)۔ (شمائلِ ترمذی، اسوۂ رسولِ اکرمؐ)
جو ہر حال میں خوش اور مسکراتا رہتا ہے، خوش طبعی اور خوش خلقی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ وہ کامیاب اور پُر سکون زندگی گزارتا ہے۔ صحابۂ کرامؓ جب بھی ایک دوسرے کو ملتے تو دعا دیتے تھے کہ: "اللہ تعالیٰ تمہارے دانتوں کو یونہی کھلا ہوا ہنستا رکھے"۔

اثر انگیزی کا آسان طریقہ

An easy way to impress

مجھے حال ہی میں نیویارک کی ایک دعوتِ عشائیہ میں شامل ہونے کا اتفاق ہوا۔ ایک خاتون جنہیں وراثت میں کافی سرمایہ ملا تھا۔ ہر کسی پر خوشگوار اثر ڈالنے کیلئے بے تاب نظر آتی تھیں۔ انہوں نے اپنے لباس، جواہرات اور موتیوں پر دل کھول کر خرچ کیا تھا لیکن انہوں نے اپنے چہرے کی مطلق خبر نہ لی تھی۔ اس سے خود غرضی اور تلخی مترشح تھی۔ یہ بات ہر کوئی جانتا ہے لیکن انہیں اس بات کی خبر ہی نہ تھی کہ عورت کے چہرے کا تأثر اس کی پوشاک سے کہیں زیادہ اہم ہوتا ہے (آپ کی بیگم کسی دن گرم کوٹ خریدنا چاہیں تو اس موقع کیلئے اس جملے کو ذہن نشین رکھیئے)
چارلس شواب نے مجھے بتایا کہ اس کی مسکراہٹ دس لاکھ ڈالروں سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کیونکہ اس کی شخصیت، اس کی دلکشی، لوگوں کے دل میں گھر کرنے کی صلاحیت ہی اس کی غیر معمولی کامیابی کے اسباب تھے اور اس کی شخصیت میں سب سے زیادہ دل خوش کن عنصر اس کی دل موہ لینے والی مسکراہٹ تھی۔
ایک شام میں مشہور شخصیت موریس شوالیر سے ملا اور سچی بات ہے کہ مجھے اس سے ملکر بہت مایوسی ہوئی۔ وہ بہت افسردہ، کم گو اور خشک سا شخص تھا۔ جو تصور میں نے اس کے متعلق باندھ رکھا تھا وہ اس سے بالکل مختلف نظر آیا لیکن جب وہ ہنسا تو ایسا لگا کہ گھٹائیں چھٹ گئیں اور چمکتا ہوا سورج نکل آیا ہے۔ اگر قدرت نے اسے یہ دلکش مسکراہٹ عطا نہ کی ہوتی تو وہ اب تک اپنے والد اور بھائیوں کی طرح پیرس کے کسی گوشے میں الماریاں بنا رہا ہوتا۔
الفاظ کے مقابلے میں اعمال زیادہ آواز رکھتے ہیں لیکن مسکراہٹ کہتی ہے: "میں آپ کو پسند کرتی ہوں۔ آپ میرے لیئے باعثِ مسرت ہیں۔ مجھے آپ سے مل کر

خوشی ہوئی"۔

یہی وجہ ہے کہ کتے فوراً ہماری توجہ مبذول کرا لیتے ہیں۔ وہ ہمیں دیکھ کر اتنے خوش ہوتے ہیں کہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے قدرتاً ہم بھی انہیں دیکھ کر خوشی محسوس کرتے ہیں۔

مصنوعی مسکراہٹ

Forced smile

اگر آپ اوپرے دل سے یونہی دانت نکالتے ہیں تو یاد رکھئے کہ اس سے کوئی دھوکا نہیں کھائے گا۔ یہ ایک مصنوعی حرکت ہے اور اسے کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ میں اصلی مسکراہٹ، دلوں کو گرما دینے والی مسکراہٹ اور ایسی مسکراہٹ کی بات کر رہا ہوں جو دل کی گہرائیوں سے اٹھتی ہے اور ہر کسی سے اپنا خراج وصول کرتی ہے۔

دلکش مسکراہٹ

An overpowering smiling

نیویارک کے ایک بہت بڑے کارخانے کے ایک بہت بڑے ذمہ دار آدمی کارخانے میں ملازمین بھرتی کرنے کے منصوبے پر فائز تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا: "میں ایک سنجیدہ چہرہ والے فلسفے کے عالم کے مقابلے میں اس سیلز گرل کو ترجیح دوں گا.. جس نے خواہ ابھی اسکول کی تعلیم بھی ختم نہ کی ہو لیکن جس کے چہرے پر دلکش مسکراہٹ کھیل رہی ہو"۔

لگاؤ اور دلچسپی

Inclination & interest

امریکہ کی ایک بہت بڑی ربڑ کمپنی کے ڈائریکٹروں کے بورڈ کے صدر نے ایک مرتبہ مجھے بتایا کہ اسکے مشاہدے کے مطابق آدمی اس کام میں زیادہ کامیاب ہوتا ہے جس کے بارے میں اسے یہ احساس ہو کہ وہ اسے تفریحاً سرانجام دے رہا ہے۔

یہ صنعتی رہنما اس مقولے پر کوئی ایمان نہیں رکھتا کہ سخت محنت واحد ایسی کنجی ہے جو ہماری آرزوؤں کے دروازے ہم پر کھول دے گی۔ اس نے کہا: "میں ایسے

بہت سے افراد سے واقف ہوں جو صرف اس لئے کامیاب ہوئے کہ وہ کام کے دوران ہر وقت ہشاش بشاش رہتے تھے۔ اسی کام پر میں نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو کام کرتے ہوئے ہر وقت مغموم سے رہتے تھے۔ جنہیں اس کام میں کوئی مسرت محسوس نہ ہوتی تھی۔ یہ لوگ ناکام ہوئے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ سے ملکر خوش ہوں تو آپ بھی ان سے ملکر خوشی کا اظہار کریں۔

میں نے ہزاروں تجارت پیشہ افراد سے کہا کہ وہ ایک ہفتے تک سارا دن مسکراتے رہیں اور اس کے بعد آکر میری جماعت کے سامنے اپنے تجربے بیان کریں.. اس کا نتیجہ کیا ہوا.. آیئے ہم دیکھیں۔

ایکسچینج کلب کے ممبر کا تجربہ

Experience of a member of the exchange club

نیویارک کلب ایکسچینج کے ایک ممبر ولیم بی اسٹین ہارڈٹ کا خط ملاحظہ فرمائیے۔ یہ تجربہ صرف اسی کا نہیں بلکہ دوسرے سینکڑوں لوگوں کو بھی ایسے ہی خوشگوار تجربے ہوئے.. وہ لکھتے ہیں:

میری شادی کو اٹھارہ سال سے اوپر ہو گئے ہیں۔ اس عرصے میں شاید کبھی میں اپنی بیوی کو دیکھ کر مسکرایا۔ صبح بیدار ہونے سے کام پر جانے کے وقت تک میں نے شائد ہی اس سے کبھی کوئی بات کی ہو۔ ہمارے شہر میں مجھ سا خاموش طبع آدمی شاید کوئی نہ تھا۔

"آپ نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں ہنس مکھ بننے کی کوشش کروں اور پھر اپنے اس عمل کے نتائج سے آگاہ کروں۔ چنانچہ میں نے طے کیا کہ مجھے یہ تجربہ آپ کے کہنے کے مطابق کم از کم ایک ہفتے تک تو ضرور کرنا چاہئے۔ اسلئے اگلے دن جب میں اپنا چہرہ آئینے میں دیکھ رہا تھا اور اپنے بالوں میں کنگھی کر رہا تھا تو میں نے اپنے کم کو سنجیدہ سے عکس سے کہا:

میاں! آج تمہیں اپنی ننھی سی بیوی کے چہرے سے اس کی تلخی کو دھونا ہے۔ آج سے تم ہنس مکھ بن رہے ہو اور یہ کام ابھی سے شروع کر رہے

ہو۔ چنانچہ جب میں ناشتے کیلئے بیٹھا تو میں نے اپنی بیوی کو مسکرا کر سلام کیا۔

"آپ نے مجھے تنبیہ کی تھی کہ وہ شاید پہلی دفعہ اس تبدیلی پر حیران رہ جائے لیکن آپ کا اندازہ میری بیوی کے سلسلے میں صحیح نہیں تھا.. وہ کھو سی گئی.. اسے عجیب خوشگوار صدمہ پہنچا.. میں نے اس سے کہا کہ یہ کوئی بناوٹ نہیں مستقبل میں بھی وہ مجھ سے اسی زندہ دلی کی توقع رکھے اور آج دو مہینے ہونے کو آئے میں اپنی اس عادت پر باقاعدہ قائم ہوں۔ ان دو مہینوں میں ہمارے گھر میں جتنی چہل پہل اور مسرت وشادمانی رہی ہے اتنی پچھلے پورے سال میں بھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

خوشی کا احساس

Feeling of happiness

"اب جب میں اپنے دفتر جاتا ہوں تو میں لفٹ پر کام کرنے والے لڑکے کو مسکرا کر سلام کرتا ہوں۔ دروازے پر بیٹھے ہوئے چپڑاسی کو ہنس کر مزاج پرسی کرتا ہوں۔ جب میں خزانچی سے ریزگاری مانگتا ہوں تو مسکرا کر، جب میں ایکسچینج کلب جاتا ہوں تو میں ان لوگوں سے بھی ہنس کر بات کرتا ہوں جنہوں نے مجھے اب تک کبھی مسکراتا نہیں دیکھا تھا۔

میں نے بہت جلد محسوس کر لیا کہ جواباً ہر شخص مسکراتا ہے۔ جو لوگ اپنی شکایات اور اپنی تکالیف لے کر میرے پاس آتے ہیں میں ان سے خوش خلقی سے ملتا ہوں.. میں انکی بات سننے کے دوران میں مسکراتا رہتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ ان کی شکایات بہت آسانی سے رفع ہو جاتی ہیں.. میں محسوس کرتا ہوں کہ میری مسکراہٹوں کی بدولت میری جیبیں روپوں سے بھری رہتی ہیں۔

میں ایک اور دلال کے ہاں کام کرتا ہوں.. اس کا کلرک ایک بڑا پیارا سا لڑکا ہے.. میں اپنے بدلے ہوئے نئے رویے پر اتنا نازاں تھا کہ میں نے چند دن ہوئے اسے انسانی تعلقات کا یہ نیا فلسفہ بتایا.. اس نے کہا: جب وہ پہلی بار میرے ساتھ حساب کتاب کرنے آیا تھا تو اس نے محسوس کیا تھا کہ کم گو اور خشک سا انسان ہوں..

اور ابھی ابھی میرے بارے میں اس نے اپنا خیال بدل ڈالا ہے۔ اس نے کہا کہ جب میں مسکراتا ہوں تو سچ مچ کا انسان لگتا ہوں۔

تنقید اور نکتہ چینی سے پرہیز

Avoid criticism

میں نے اپنی تنقید اور نکتہ چینی کی عادت بھی ختم کر دی ہے۔ اب میں عیب جوئی کے بجائے لوگوں کی تعریف و تحسین کرتا ہوں۔ میں نے اپنے ضرورتوں کا ذکر چھوڑ دیا ہے۔ اب میں دوسروں کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں اور ان تبدیلیوں نے میری زندگی میں ایک قسم کا انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ اب میں بالکل مختلف آدمی ہوں۔ ایک شاداں امیر، دوستی اور مسرت کی دولت سے مالا مال۔ . اور یہی چیزیں ہیں جن کی زندگی میں قدر و قیمت سمجھنی چاہئے۔

یاد رکھئے...... یہ خط گھنے، زمانہ ساز اور تبادلہ زر کے ماہر نے لکھا ہے جو نیویارک کلب ایکسچینج میں کمپنیوں کے حصوں کی خرید و فروخت پر گزر اوقات کرتا ہے اور یہ کام اتنا مشکل ہے کہ سو میں سے ننانوے آدمی اس میں ناکام رہتے ہیں۔

آپ مسکرا نہیں سکتے تو کیا کر سکتے ہیں؟

دیکھئے۔ . دو کام کیجئے۔ . پہلا یہ کہ اپنے آپ کو مسکرانے پر مجبور کیجئے۔ . جب آپ اکیلے ہوں تو اپنے کو سیٹی بجانے، گنگنانے یا گانے پر مجبور کیجئے، آپ محسوس کریں گے کہ آپ پہلے ہی سے خوش ہیں۔ اس طرح آپ سچ مچ خوش و خرم ہو جائیں گے۔

ماہرِ علمِ نفسیات کا قول

Opinion of a Psychiatrist

محسوس ہوتا ہے کہ ہمارا فعل احساس کی پیروی کرتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ فعل میں اصلاح کر لیں۔ کیونکہ یہ قوتِ ارادی کے زیادہ ماتحت ہے تو ہم بالواسطہ اپنے احساس کو بدل سکتے ہیں۔

چنانچہ جب ہم سے خوشی چھن جائے تو اسے حاصل کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ خوش و خرم ہو بیٹھیں اور اس طرح سے عمل کریں اور اس طرح گفتگو کریں گویا

ہم تو بہت زیادہ خوش و خرم ہیں۔

خوشی کا انحصار سوچ پر ہے

Happiness depends on him you think

دنیا میں ہر شخص مسرت کا متلاشی ہے اور اسے حاصل کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے اپنے خیالات پر قابو پانا۔ خوشی خارجی حالت پر ہرگز مبنی نہیں.. یہ تو آپ کے احساسات کا معاملہ ہے۔

آپ کی خوشی یا ناخوشی کا انحصار اس بات پر نہیں کہ آپ کے پاس کیا کچھ ہے ؟ یا آپ کون ہیں ؟ یا آپ کہاں ہیں ؟ یا آپ کیا کر رہے ہیں ؟ بلکہ اس بات پر ہے کہ آپ کیا سوچ رہے ہیں ؟

مثال کے طور پر اگر دو آدمی ایک مقام پر ہوں.. ان کا کام بھی ایک ہو.. دونوں کے پاس برابر کا سرمایہ ہو.. اور دونوں کی عزت اور وقار بھی برابر ہو.. پھر بھی ان میں سے ایک غمگین اور ایک شادماں ہو سکتا ہے۔

کیوں ؟ صرف اپنے الگ الگ ذہنی رجحان کے سبب۔ میں نے چین کے کلبوں میں جو سات سینٹ یومیہ کی اجرت پر چین کی چلچلاتی دھوپ میں لہو پسینہ ایک کرتے ہیں، اتنے ہی ہشاش بشاش چہرے دیکھے ہیں جتنے کہ پارک ایوی نیو کی خوشحال ترین آبادی میں۔

شیکسپیئر کا قول ہے ”کوئی چیز بذاتِ خود اچھی یا بری نہیں ہوتی صرف ہماری سوچ اسے اچھا یا برا بنا دیتی ہے“۔

لنکن کا قول

Saying of Lincoln

ایک مرتبہ لنکن نے کہا تھا: ”اکثر لوگ اتنے ہی خوش ہوتے ہیں جس حد تک ان کا خوش ہونے کا ارادہ ہوتا ہے“۔

اس نے سچ کہا تھا۔ میں نے حال ہی میں اس حقیقت کی ایک روشن مثال دیکھی ہے۔ میں نیویارک میں لنگ آئی لینڈ کے اسٹیشن کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا کہ میں نے

اپنے سامنے تیس چالیس اپاہج لڑکے دیکھے جو اپنی چھڑیوں اور بیساکھیوں کے سہارے سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ ایک لڑکے کو اٹھا کر اوپر لے جایا جاتا تھا... میں ان لڑکوں کے قہقہوں اور زندہ دلی پر حیران رہ گیا۔

میں نے اپنی اس حیرت کا ذکر ان لڑکوں کے ایک نگران سے کیا.. اس نے کہا: ہاں ہاں.. جب پہلے پہل کسی لڑکے کو یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ زندگی بھر کیلئے اپاہج بن رہا ہے تو وہ بہت مغموم ہوتا ہے۔ جب وہ اس ابتدائی صدمے سے گذر چکتا ہے تو وہ اپنے آپ کو قسمت کے حوالے کر دیتا ہے اور اس طرح وہ تندرست لڑکوں سے بھی زیادہ خوش و خرم رہنے لگتا ہے۔

میرے جی میں آئی کہ ان لڑکوں کو ہیٹ اٹھا کر سلام کروں.. انھوں نے مجھے ایک ایسا سبق سکھایا کہ میں اسے زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتا۔

میری پکفورڈ.. ایک خوش مزاج عورت

A woman with a good temperament

جن دنوں میری پکفورڈ اپنے شوہر ڈگلس سے طلاق لینے کی تیاری کر رہی تھی.. مجھے ایک شام اس کے یہاں گزارنے کا اتفاق ہوا۔ دنیا شاید اس وقت یہ خیال کرتی ہو گی کہ یہ عورت بہت بد نصیب اور مغموم ہو گی.. لیکن میں نے اسے بہت زیادہ خوش مزاج اور خوش نصیب عورت پایا۔

اس کے انگ انگ سے مسرت ٹپکتی تھی۔ اس کا راز؟ اس نے یہ راز اپنی ایک چھوٹی سی کتاب میں بیان کیا ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر آپ کو خوشی ہو گی.. اپنی پبلک لائبریری میں جا کر میری پکفورڈ کی کتاب "خدا کو کیوں نہ آزمائیں" کا مطالعہ کیجئے۔

فرینکلن بیٹگر ایک کامیاب بیمہ فروش

Franklin a successful insurance agent

فرینکلن بیٹگر جو پہلے سینٹ لوئس کے راہب خانے میں ایک معمولی ملازم تھا اور آج امریکہ میں بیمے کا بہت بڑا ماہر ہے، اس نے مجھے بتایا کہ آج سے کئی سال پہلے اس نے یہ بات اچھی طرح جان لی تھی کہ ہنس مکھ انسان کو ہر کہیں خوش آمدید کہا

جاتا ہے۔

اسلئے کسی بھی شخص کے دفتر میں داخل ہونے سے پہلے وہ ایک لمحہ رُکتا اور بہت سی باتیں سوچتا ہے جن کے بارے میں اسے اس آدمی کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ وہ اپنے چہرے پر سچی مسکراہٹ پیدا کرتا ہے اور مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوتا ہے۔بیمہ فروشی میں اسکی شاندار کامیابی کا انحصار محض اسی سادہ سی بات پر ہے۔

البرٹ ہیوبارڈ کی نصیحتیں

Albert Hurbert advises

البرٹ ہیوبارڈ کی یہ جوگیوں والی چھوٹی سی نصیحت یاد رکھئے لیکن یہ نہ بھولئے جب تک آپ اس پر عمل نہیں کرتے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

جب کبھی آپ گھر سے باہر نکلیں.. ٹھوڑی ذرا اندر کی طرف کھینچ لیں اور سر کی چوٹی کو اونچا کر لیں۔ خوب سینہ بھر کر سانس لیں/ سورج کی کرنوں کو پی جائیں:.. اپنے دوستوں کی مسکرا کر مزاج پُرسی کیجئے اور ہر مصافحے میں اپنی روح کی حرارت بھر دیجئے۔

یہ فکر نہ کیجئے کہ لوگ آپ کو غلط سمجھیں گے اور اپنے دشمنوں کا خیال ایک منٹ کیلئے بھی اپنے ذہن میں نہ لائیں جو کچھ آپ کرنا چاہتے ہیں اسے اپنے ذہن میں اچھی طرح واضح کر لیں کہ اس وقت آپ سیدھے اپنی منزلِ مقصود پر جا کر دم لیں گے۔ اپنے ذہن میں وہ تمام عظیم اور شاندار کارنامے رکھئے جنہیں آپ سرانجام دینا چاہتے ہیں۔ تب امتدادِ وقت کے ساتھ آپ اپنے آپ کو غیر شعوری طور پر ان تمام مواقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دیکھیں گے۔

جن سے آپ کے مقصد کی تکمیل ہوگی۔ بالکل ویسے ہی جیسے کہ مونگے کا کیڑا طوفان میں سے صرف ہر اس چیز کو پکڑ لیتا ہے جس کی اسے اپنی نشوونما کیلئے ضرورت ہوتی ہے۔ آپ ہر وقت اپنے تصور میں رکھئے کہ آپ اس پائے کے قابل، مخلص اور مفید شخص بننا چاہتے ہیں۔

یہ خیال ساعت بساعت آپ کو اسی قسم کی شخصیت میں ڈھالتا جائے گا۔ خیال سے پہل ہوتی ہے.. اپنے اندر صحیح قسم کا ذہنی رجحان، حوصلہ، کشادہ دلی اور خوش

باشی کا مادہ پیدا کیجئے۔ صحیح سوچ ہی تخلیق ہے.. سب چیزیں چاہنے ہی سے ملتی ہیں اور ہر سچی دعا قبول ہوتی ہے۔ ہم اسی جیسے بن جاتے ہیں جو ہمارے من میں بسا ہوا ہو۔ اپنی ٹھوڑی نیچے اور سر کی چوٹی کو اونچا رکھئے.. ہم چھوٹے چھوٹے دیوتا ہیں۔

قدیم چینی کہاوت

An ancient Chinese proverb

قدیم چینی بہت ہی عقلمند لوگ تھے۔ دنیاداری کے معاملے میں وہ بہت ہی سمجھدار تھے.. ان کی ایک کہاوت ہے.. جسے جلی حروف میں لکھ کر مجھے اور آپ کو اپنی اپنی ٹوپیوں پر چسپاں کر لینا چاہئے۔ وہ کہاوت یہ ہے۔

"جو آدمی ہنس مکھ نہ ہو اسے دکان نہیں کھولنی چاہئے"

دکان کی بات سے یاد آیا کہ فرینک اور اروِن فلیچر نے ایک مرتبہ آپنیہم کولینس اینڈ کو کا اشتہار دیتے وقت ہمیں اس گھریلو فلسفے سے آگاہ کیا تھا۔ تہوار کے موقع پر مسکراہٹ کی قدر و قیمت۔

مسکراہٹ کی قدر و قیمت

Value of smil'ng

- اس پر کچھ خرچ نہیں آتا۔
- یہ حاصل کرنے والوں کو مالا مال کرتی ہے اور دینے والے سے کچھ نہیں مانگتی۔
- یہ ایک جھلک ہوتی ہے لیکن اس کی یاد بعض اوقات ابدی ہوتی ہے۔
- اس کے بغیر کوئی شخص امیر نہیں جس کے پاس یہ نہیں اس جیسا غریب کوئی نہیں۔
- یہ گھر میں مسرت و شادمانی لاتی ہے کاروبار میں اعتماد پیدا کرتی ہے اور یہ دوستوں کی پہچان ہے۔
- یہ تھکے ماندے کیلئے آرام، بے دل کیلئے دل کی روشنی، مایوس کیلئے سورج کی کرن اور مصیبت کیلئے بہترین قدرتی تریاق ہے۔

- ہاں یہ خریدی، مانگی یا چرائی نہیں جاسکتی کیونکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جو اس وقت تک کسی کو فائدہ نہیں دیتی جب تک اسے اپنے دل سے پیدا نہ کیا جائے۔
- اگر تہوار کی خرید و فروخت کی گہما گہمی اور بھیڑ بھڑ کے میں کوئی دکان دار آپ سے مجبوراً ہنس کر پیش نہ آسکے۔ تو کیا آپ اسے اپنی ہنسی عنایت کریں گے ؟
- مسکراہٹ کی ضرورت اسے سب سے زیادہ ہوتی ہے جس کے پاس دوسروں کو دینے کیلئے یہ نہ ہو۔
- اسلئے اگر آپ لوگوں کے دلوں میں گھر کرنا چاہتے ہیں تو اس کا دوسرا اصول یہ ہے۔

"مسکرایئے"

اچھے نام سے پکارنا

Call with good names

زیرِ نظر مضمون میں محقق و مصنف نے جن اخلاقی اصولوں کی تعلیم دی ہے وہ دراصل ان اسلامی اصولوں کا مکمل عکس اور وضاحت ہیں۔

اسلام میں فرد کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔اس کی عزت و توقیر کی بہت تاکید کی گئی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے :

"تین چیزوں سے محبت بڑھتی ہے :۔

"دوسرے کو اچھے نام سے پکارنا، مجلس میں جگہ بنانا اور سلام کرنا"

اچھے اور صفاتی ناموں سے پکارنے کی وجہ سے عزت اور توقیر میں اضافہ ہوتا ہے، حوصلہ افزائی ہوتی ہے، محبت بڑھتی ہے، آپس کے تعلقات مضبوط ہوتے ہیں۔ اسلامی معاشرت کا یہ بنیادی اصول ہے جس کو عمل میں لا کر ٹوٹے اور بکھرے ہوئے انسانوں کو مجتمع کیا جا سکتا ہے۔

آپ ﷺ کی مجلسِ اقدس میں ایسا کوئی صحابیؓ نہیں جس کو اچھے نام سے نہ پکارا گیا۔ ان کے پہلے بھی نام تھے.. آپ ﷺ کے خطابات نے اور بھی اہمیت بڑھا دی اور بعض صحابہ کے اصل ناموں کو لوگ کم جانتے ہیں لیکن ان کے صفاتی نام بہت مشہور ہیں مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ آپ ﷺ کی محبت، مروت اور اخلاق

کی وجہ سے نہ صرف ان صفاتی ناموں کو ان صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پسند کیا بلکہ دوسرے لوگوں نے بھی اس کو پسند کیا اور ہمیشہ اسی نام سے پکارتے رہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابو تراب کا خطاب عطا فرمایا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیف اللہ کا لقب عطا فرمایا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صدیق کا خطاب عطا فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے :

”لوگو تم قیامت میں اپنے اور اپنے باپوں کے نام سے پکارے جاؤ گے پس تم اپنے نام اچھے رکھو“۔ (مشکوٰۃ شریف، اسوۂ رسولِ اکرمؐ)

ظاہر ہے اچھا نام ہی اچھی پکار بنے گا اور برا نام بری پکار بنے گا۔ اس کے علاوہ رسولِ پاک ﷺ کی محفل اور مجلس سے یہ بات ہر وقت ثابت تھی۔ آپ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو انکا نام لے کر پکارتے تھے اور ظاہر ہے کہ آپ ان کے نام یاد رکھتے تھے اور کسی کو اس کے اچھے نام سے پکارنا اور اس کا نام یاد رکھنا محبت کی بہت بڑی علامت اور دلیل ہے۔

اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو آپ کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا

If you do not do so you will have to face anxiety

۱۸۹۸ء کی بات ہے نیویارک کے محلّہ راک لینڈ میں ایک سخت المناک واقعہ ہوا۔ ایک بچہ مر گیا تھا اور اس روز تمام ہمسائے کفن دفن کی تیاری کر رہے تھے۔ جم فارلے باہر اپنے اصطبل میں گھوڑا باندھنے گئے۔ زمین برف سے ڈھکی ہوئی تھی۔ ہوا تیز و تند اور سرد تھی۔ گھوڑے پر کئی دن سے کوئی سوار نہیں ہوا تھا۔ اس کے جسم کو ورزش کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

جب اسکو پانی کے ٹب کے قریب کیا گیا تو اس نے کدکڑے لگانے شروع کر دیئے اور اپنی پچھلی ٹانگیں ہوا میں معلق کر دیں اور اس طرح جم فارلے کو مار گرایا۔ نیویارک کی چھوٹی سی گلی میں اس روز دو اموات واقع ہو گئیں۔

جم فارلے نے اپنے پیچھے ایک بیوہ، تین لڑکے اور چند سو روپے چھوڑے تھے۔

اس کا سب سے بڑا لڑکا دس برس کا تھا۔ اسے اینٹوں کے ایک بھٹے پر کام کرنا پڑا۔ بے چارہ قسمت کا مارا ریت اور مٹی اٹھا اٹھا کر سانچوں میں بھرتا اور اینٹوں کو الٹ پلٹ کر دھوپ میں خشک کرتا۔ اس لڑکے کو زیادہ تعلیم حاصل کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا لیکن آئرش نسل سے ہونے کے سبب لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی قابلیت تھی۔ وہ سیاست میں کود پڑا۔

رفتہ رفتہ اس میں لوگوں کے نام یاد رکھنے کی حیرت انگیز قابلیت پیدا ہو گئی۔ اس نے کبھی اسکول کا منہ تک نہ دیکھا تھا لیکن جب وہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچا تو چار کالجوں نے اسے اعزازی ڈگریاں دیں۔ وہ ڈیموکریٹک نیشنل کمیٹی کا صدر اور امریکہ کا پوسٹ ماسٹر جنرل بن گیا۔

میں نے ایک دفعہ فارلے سے ملاقات کے دوران میں اس کی کامیابی کا راز پوچھا۔ اس نے جھٹ سے کہا:

"سخت محنت"۔۔ میں نے کہا کیوں مذاق کرتے ہیں اصل بات بتایئے۔

اس نے الٹا مجھ سے سوال کر دیا:

"تو آپ کے خیال میں میری کامیابی کا راز کیا ہو سکتا ہے؟"

میں نے جواب دیا:

"آپ کم از کم دس ہزار اشخاص کو ان کے اصل نام سے پکار سکتے ہیں"۔

اس نے کہا: آپ تھوڑی سی غلطی کر رہے ہیں......

"میں پچاس ہزار انسانوں کو ان کے اصل ناموں سے پکار سکتا ہوں"۔

اصل فارمولا

Original formula

یہ کوئی مبالغہ نہیں۔۔ روزولٹ کے صدر بننے میں فارلے کی اس صلاحیت نے بہت مدد دی تھی۔ جب جم فارلے مصنوعی کھاد کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کیا کرتا تھا اور جب وہ اپنے محلے میں بلدیہ کا کلرک تھا۔ ان ایام میں اس نے لوگوں کے نام یاد رکھنے کا طریقہ ایجاد کیا۔

شروع میں یہ کام بہت آسان تھا۔۔ جب وہ کسی شخص سے ملتا تو اس کا پورا نام

دریافت کرتا، اس کے خاندان، اس کے کاروبار اور س کے سیاسی نظریئے کے متعلق واقفیت حاصل کرتا۔ ان تمام باتوں کو وہ ذہن میں رکھتا۔ دوسری مرتبہ جب وہ اس شخص سے ملتا خواہ پہلی اور دوسری ملاقات میں ایک سال کا وقفہ ہو جھٹ اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتا.. اسکے بیوی بچوں اور س کے مویشیوں تک کا حال پوچھتا.. پھر اس میں حیرانی کی کیا بات ہے کہ لوگ اس کے مداح ہو گئے۔

انتخابی مہم

Electioneering

پریذیڈنٹ روزولٹ کی انتخابی مہم شروع ہونے سے کافی عرصہ پہلے فارلے نے روزانہ مغربی اور شمال اور شمال مغرب ریاستوں کے ہزاروں لوگوں کے نام خط لکھے.. پھر وہ سفر پر نکل کھڑا ہوا اور ریل موٹر، گھوڑا گاڑی کے ذریعے اس نے انیس دنوں میں بیس ریاستوں کا دورہ کیا اور بارہ ہزار میل طے کئے۔ وہ جس شہر میں جاتا.. اپنے شناسا لوگوں سے دوپہر کے کھانے پر ڈنر یا ناشتے پر ملتا اور ان سے کھل کر گفتگو کرتا۔ اس کے بعد وہ انہی قدموں اگلے شہر روانہ ہو جاتا۔

وہ سفر سے واپس آیا تو اس نے ہر شہر کے ایک ایک واقف کو خط لکھا اور پوچھا کہ جتنے لوگوں سے اس واقف نے مزید گفتگو کی ہے وہ ان کے ناموں کی فہرست بھیجے۔ یہ فہرستیں آئیں تو لاکھوں آدمیوں کے ناموں پر مشتمل ایک بڑی فہرست تیار ہو گئی۔ فارلے نے ان میں سے ایک ایک آدمی کے نام ذاتی خط لکھے.. ہر خط "پیارے" کے الفاظ سے شروع ہوتا اور "تمہارا" کے الفاظ پر ختم ہوتا تھا۔

فارلے کی زندگی

The life Farley

فارلے نے اپنی زندگی کے ابتدائی ایام ہی میں اس حقیقت کو پالیا تھا کہ ہر آدمی دنیا بھر کے دوسرے آدمیوں کے ناموں کے مقابلے میں اپنے نام سے زیادہ انس رکھتا ہے۔ کسی آدمی کا نام یاد رکھئے اور احترام سے بلایئے.. یہی آپ کا خلوص اور مؤثر خوش آمدید ہے۔ آپ اگر اس کے نام کو بھول جائیں یا غلط لکھیں یا بولیں تو سمجھئے کہ آپ نے

اپنے آپ کو بہت بڑا نقصان پہنچایا۔
مثال کے طور پر ایک مرتبہ میں نے خطابِ عامہ کے موضوع پر پیرس میں ایک لیکچر دیا۔ میں شہر میں بسنے والے تمام امریکیوں کے نام بیشمار خطوط لکھے۔ ٹائپسٹ فرانسیسی تھے.. انگریزی کے اتنے ماہر نہ تھے.. قدرتاً انہوں نے ناموں کے ہجوں میں بہت غلطیاں کیں۔ پیرس میں ایک امریکی بنک کے منیجر نے میرے نام ایک غصے اور حقارت سے بھر پور خط لکھا کہ اس کا نام غلط تحریر ہوا ہے۔

کامیابی کا راز

Secret of success

لیکن اینڈریو کارنیگی کی کامیابی کا راز کیا تھا؟
اس کو فولاد سازی کا بادشاہ کہتے ہیں۔ لیکن اس کا مَبلغِ علم یہ تھا کہ اسے فولاد سازی کے متعلق معمولی سی واقفیت بھی نہ تھی۔ اس کے ماتحت سینکڑوں ایسے کاریگر کام کر رہے تھے جو اس سے کہیں زیاہ صنعت کے ماہر تھے۔ لیکن اینڈریو کارنیگی کو لوگوں سے میل جول کا طریقہ آتا تھا.. صرف اسی وجہ سے وہ اتنا بڑا سرمایہ دار بن گیا۔
بچپن ہی سے اس میں تنظیم و قیادت کی صنعت جھلکتی تھی.. وہ دس سال ہی کا تھا کہ اس نے اس راز کو پالیا تھا کہ لوگ اپنے ناموں کو بے پناہ اہمیت دیتے ہیں۔ وہ اس دریافت کو لوگوں کا تعاون حاصل کرنے کے لئے اپنے استعمال میں لایا۔
وضاحت کیلئے ایک مثال لیجئے۔ وہ اسکاٹ لینڈ میں بچپن کے دن گزار رہا تھا کہ اس نے ایک دن ایک خرگوشنی پکڑی جلد ہی اس کا گھر ننھے ننھے خرگوشوں سے بھر گیا.. لیکن انہیں کھلانے کیلئے اسکے بس میں کچھ نہ تھا۔ اچانک اسکے ذہن میں ایک عجیب خیال پیدا ہوا.. اس نے گلی کے لڑکوں کو اکٹھا کر لیا اور کہا دیکھو! اگر ان خرگوشوں کیلئے باہر سے گھاس اور پتے توڑ کر لادو گے تو میں انکے نام تمہارے ناموں پر رکھ دوں گا.. یہ ترکیب جادو اثر ثابت ہوئی اور کارنیگی نے اس تجربے کو بھی فراموش نہیں کیا۔
اسنے اس فلسفے کو تجارتی کاروبار میں استعمال کر کے کروڑوں روپے کمائے۔
مثال کے طور پر وہ پنسلوانیا ریل روڈ پر کمپنی کے ہاتھ اپنے کارخانے کی بنی ہوئی

فولادی پٹڑیاں بیچنا چاہتا تھا۔ . اس وقت کمپنی کا صدر جے۔ اڈگر تھامسن تھا۔

اینڈریو کارنیگی نے پیٹس برگ میں فولاد کا ایک بہت بڑا کارخانہ تعمیر کرایا اور اسکا نام "اڈگر تھامسن اسٹیل ورکس" رکھ دیا۔

یہ پہیلی آسان ہے۔ جب اس کمپنی کو ریل کی پٹڑیوں کی ضرورت پڑی تو اڈگر تھامسن نے کہا کہ کہاں سے خریدیں ؟۔

جب کارنیگی اور جارج پل مین ریل کے ڈبوں کے کاروبار میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کر رہے تھے تو فولاد کے بادشاہ کو پھر خرگوشوں والا سبق یاد آیا۔

اینڈریو کارنیگی کی کمپنی

Andrew cornejo's efforts

"سنٹرل ٹرانسپورٹ کمپنی" پل مین کی کمپنی سے ٹکر لے رہی تھی...... دونوں اس کوشش میں تھے کہ پیسفک ریلوے کیلئے ڈبوں کی ساخت کا کام حاصل کر لیں۔ وہ ایک دوسرے کو چڑا رہے تھے . . قیمتیں گھٹا رہے تھے اور منافع سے بے پرواہ ہو گئے تھے۔ دونوں نیویارک میں بورڈ کے ڈائریکٹروں سے ملنے گئے۔

ایک شام دونوں سینٹ نا کولس ہوٹل میں ملے۔ کارنیگی نے کہا "تسلیم . . مسٹر پل مین...... کیا آپ کے خیال میں ہم دونوں اپنے آپ کو بیوقوف نہیں بنا رہے ؟

پل مین نے کہا . . کیا مطلب ؟

اینڈریو کارنیگی نے جھٹ اپنے من کی بات کہہ دی کہ ہم دونوں کیوں نہ مل کر چل کر کاروبار کریں۔ اس نے بڑے شاندار الفاظ میں اس طرح کام کرنے کے فوائد بیان کئے اور ایک دوسرے کی مخالفت کرنے کے نقصانات گنوائے۔ پل مین غور سے سنتا گیا لیکن وہ اپنے آپ کو پوری طرح آمادہ نہ کر سکا۔ بآلاخر اس نے پوچھا "نئی کمپنی کا نام کیا رکھا جائے گا ؟" اینڈریو کارنیگی فوراً جواب دیا "اس کام نام تو آپ ہی کے نام پر رکھا جائے گا"۔

پل مین کا چہرہ تمتما اٹھا۔ اس نے کہا . . "آیئے...... میرے کمرے میں چلیں اور اس پر بات چیت کریں" اور یہ بات چین صنعتی تاریخ کا سنگِ میل ہے۔

اینڈریو کارنیگی کی یہی پالیسی یعنی اپنے دوستوں اور تاجر پیشہ دوستوں کے نام یاد

رکھنا اور ان کا احترام کرنا.. اسکی روزافزوں ترقی اور شہرت کا بڑا راز تھا۔ وہ اس بات پر نازاں تھا کہ وہ اپنے اکثر مزدوروں کے نام جانتا ہے اور اسے فخر تھا کہ جب وہ اپنے فولاد سازی کے کارخانے کا خود انچارج تھا تو وہاں ایک بھی ہڑتال نہیں ہوئی تھی۔

مسٹر کوپر

Mr. Cooper

پیڈریوسکی اپنے حبشی شوفر کو ہمیشہ "مسٹر کوپر" کہہ کر بلاتا اور اس طرح اسکے جذبہ خودی کو ابھارتا۔ پیڈریوسکی پندرہ مرتبہ امریکہ کے ایک ساحل سے دوسرے ساحل تک ہزاروں پرجوش شائقین کے سامنے ساز بجانے کیلئے گیا۔ ہر مرتبہ اسنے اپنی ذاتی کار میں سفر کیا اور وہی شوفر آدھی رات کے وقت اس کے فارغ ہونے پر اس کا کھانا تیار رکھتا تھا۔ پیڈریوسکی نے کبھی اپنے شوفر کو عام امریکی رواج کے مطابق "جارج" کہہ کر نہیں بلایا بلکہ وہ ہمیشہ اسے مسٹر کوپر کہہ کر بلاتا تھا اور مسٹر کوپر اس بات پر یقیناً اس کا احسان مند تھا۔

دیوانے لوگ

Mad folk

لوگ اپنے ناموں کے اس قدر دیوانے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے ناموں کو بہتر قیمت دوام بخشنے کی سعی کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جہاں دیدہ اور بوڑھا پی۔ ٹی برنوم بھی بہت مایوس تھا کہ اس کے نام کو زندہ رکھنے کیلئے اس کا کوئی فرزند نہ تھا۔ اسنے اپنے نواسے سی۔ ایچ شیلے کو ایک لاکھ روپے کا نذرانہ محض اسلئے پیش کیا کہ وہ اپنے آپ کو "برنوم شیلے" کہلوائے۔

دوسو سال قبل

Two hundred years ago

آج سے دوسو سال قبل رئیس آدمی ان مصنفین کو مالا مال کرتے تھے جو اپنی تصنیف کو ان کے ناموں سے معنون کیا کرتے تھے۔ لائبریریاں اور عجائب گھر ان لوگوں کے تحفوں سے بھرے پڑے ہیں جو اس خیال کو برداشت نہیں کر سکتے کہ

ان کے نام نسل انسانی کے دماغوں سے اتر جائیں گے۔
نیو یارک پبلکن لائبریری میں آسٹر اور لینوکس کے عطیے ہیں۔ میٹروپولیٹن میوزیم، بنجمن آل، مان اور جے پی مورگنی کے ناموں کو ان کے تحفوں کی بدولت ابدی زندگی بخش رہا ہے اور تقریباً ہر گرجے کی شیشے کی کھڑکیاں عطیہ دینے والے لوگوں کے ناموں سے مزین ہیں۔

بہت سے اصحاب ناموں کو محض اسلیئے یاد نہیں رکھ سکتے کہ وہ ان ناموں پر توجہ دینے، انہیں بار بار دہرانے اور نہیں اپنے ذہنوں پر نقش کرنے کیلیئے وقت نہیں دیتے یا محنت نہیں کرتے۔ وہ اکثر یہ بہانہ کرتے ہیں کہ وہ بے حد مصروف ہیں۔

مستریوں کے نام

The names of engineers

مجھے یقین ہے کہ وہ مرحوم صدر روزولٹ سے زیادہ مصروف نہیں ہیں۔ وہ ان مستریوں کے نام یاد کرنے کیلیئے بھی وقت نکالتا تھا جن سے ملنے کا شاذ و نادر ہی اتفاق ہوتا تھا۔
مثال کے طور پر کرائسلر کمپنی نے مسٹر روزولٹ کیلیئے ایک خاص کار تیار کی۔ ڈبلیو۔ ایف۔ چیمبرلین اور ایک مستری اس کار کو وائٹ ہاؤس چھوڑنے گئے۔ میرے پاس اس وقت مسٹر چیمبرلین کا خط موجود ہے۔ جس میں اس نے اپنے ذاتی تجربے کو بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"میں نے روزولٹ کو کار چلانا سکھائی لیکن اسنے مجھے لوگوں کو قابو میں کرنے کا فن سکھایا"۔

وہ مزید لکھتا ہے:

"جب میں وائٹ ہاؤس میں داخل ہوا تو پریزیڈنٹ بے حد خوش و خرم تھا۔ اسنے مجھے میرا نام لے کر بلایا۔ مجھے آرام سے بٹھایا۔ خاص کر میں اس بات سے بہت خوش ہوا کہ میں جن چیزوں کے بارے میں میں اسے کچھ بتانا چاہتا تھا۔
ان میں وہ بہت دلچسپی لیتا اور میری باتوں کو بڑے غور سے سنتا تھا۔ کار

کچھ اس طرح سے بنائی گئی تھی کہ اسے اندر بیٹھے بیٹھے ہی حرکت میں لایا جا سکتا تھا۔ بہت سے لوگ کار کو دیکھنے کیلئے اکٹھے ہو گئے تھے اس نے ان سے مخاطب ہو کر کہا:

"میرے خیال میں یہ کار ایک عجوبہ ہے۔ صرف اتنی تکلیف کیجئے کہ بٹن کو دبا دیجئے بس یہ چل پڑتی ہے اور اسے بڑی سہولت سے چلایا جا سکتا ہے۔ میرے لیئے یہ بڑی عجیب چیز ہے۔ میں نہیں سمجھ پایا کہ یہ خود بخود کس طرح چل پڑتی ہے کاش میرے پاس وقت ہو تاکہ اس کا ایک ایک پرزہ الگ کر کے دیکھتا کہ یہ کیسے چلتی ہے"۔

مسٹر چیمبرلین

Mr. Chamberlain

جب روزولٹ کے دوستوں اور ساتھیوں نے موٹر کے نئے انجن کی تعریف کی اس نے مجھ سے ان کے سامنے کہا:

"مجھے احساس ہے کہ آپ نے اس کار کو تیار کرنے میں بہت وقت اور محنت صرف کی ہے۔ یہ کار بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس نے کار کے ریڈی ایٹر کی تعریف کی۔ اس نے کار کی روشنی، گدوں، گدوں پر چڑھے ہوئے غلافوں، کار کے اندر بنے ہوئے سوٹ کیسوں، جن پر اس کا نام لکھا تھا، غرضیکہ تمام چیزوں کو سراہا۔

اس نے ہر اس چیز کی بڑھ چڑھ کر تعریف کی جس کی طرف میں نے اس کی توجہ مبذول کرائی۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ کار کے ساز و سامان کی ایک ایک چیز کو مسز روزولٹ مسز پرکنسن، شعبۂ محنت کے سیکرٹری کی توجہ میں لایا۔ اس نے ایک حبشی قلی کی توجہ بھی یہ کہہ کر اس طرف مبذول کرائی: "جارج! تمہیں ان سوٹ کیسوں کا خاص خیال رکھنا پڑے گا"۔

جب میں اسے کار چلانی سکھا چکا تو روزولٹ نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا:

"مسٹر چیمبرلین! فیڈرل ریزروبورڈ میرا آدھے گھنٹے سے انتظار کر رہا ہے۔ میرا خیال ہے اب مجھے چلنا چاہئے"۔

میرے ساتھ ایک مستری بھی تھا میں نے روزولٹ سے اس کی ملاقات کرائی۔ اس نے روزولٹ سے کوئی گفتگو نہ کی اور اس نے اس کا نام صرف ایک مرتبہ سنا۔ وہ ایک شرمیلا سا نوجوان تھا۔ لہٰذا وہ دور دور رہا۔۔ لیکن ہم سے رخصت ہونے سے پہلے پریذیڈنٹ نے مستری کو اس کا اصل نام لے کر پکارا۔ اس سے مصافحہ کیا اور واشنگٹن آنے پر اس کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے اظہارِ تشکر میں بناوٹ ہرگز نہ تھی۔ جو کچھ وہ کہتا تھا۔۔ خلوص سے بھرپور تھا۔

"مجھے نیویارک آئے ہوئے چند دن ہوئے تھے کہ پریذیڈنٹ کی ایک تصویر موصول ہوئی۔ اس تصویر کے نیچے تحریراً میری امداد کا شکریہ ادا کیا گیا تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کیلئے وہ کس طرح وقت نکال لیا کرتا تھا؟ یہ بات میرے لیئے اب تک معمہ ہے"۔

لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنا

To win goodwill

فرینکلن روزولٹ تو جانتے تھے کہ لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنے اور لوگوں کو عزت بخشنے کا سب سے آسان، روشن اور اہم طریقہ ان کے نام یاد رکھنے کی صلاحیت ہے لیکن ہم میں سے کتنے لوگ اس بات سے آگاہ ہیں؟ ہمارا کسی اجنبی سے تعارف ہو تو ہم اس سے بات چیت تو کر لیتے ہیں لیکن اس سے رخصت ہوتے وقت اس کا نام تک فراموش کر جاتے ہیں۔ ایک سیاستدان سب سے پہلا سبق یہ سیکھتا ہے: "کسی رائے دینے والے کا نام یاد رکھنا سیاست ہے۔ اس کو بھول جانا بہت بڑی بھول ہے"۔ نام یاد رکھنے کی قابلیت جتنی ضروری سیاست میں ہے اتنی ہی لازمی تجارت اور سماجی تعلقات میں ہے۔

نپولین اعظم

Napoleon the great

شاہِ فرانس نپولین سوم جو نپولین اعظم کا بھتیجا تھا۔ فخر کیا کرتا تھا کہ وہ اپنے شاہی فرائض کے باوجود ہر اس شخص کا نام یاد رکھ سکتا تھا جو اس سے کبھی ملے۔ وہ کیا

طریقہ اختیار کرتا تھا؟ نہایت آسان طریقہ.. اگر وہ ملنے والے کا نام اچھی طرح نہ سن سکتا تو کہتا کہ افسوس ہے کہ میں آپ کا نام اچھی طرح سن نہ سکا۔ اگر وہ کچھ عجیب سا نام لگتا تو وہ کہتا: اسے لکھتے کس طرح ہیں؟ اس کے ہجے کیا ہیں؟...... گفتگو کے دوران میں اس نام کو جتنی دفعہ ہو سکتا زبان پر لاتا اور اس نام کو اس شخص کے خدوخال، طرزِ کلام اور عام وضع وقطع کے ساتھ مناسبت دے کر ذہن نشین کرلیتا تھا۔

اگر ملاقاتی کوئی اہم آدمی ہوتا تو نپولین سوم پہلے سے بھی زیادہ توجہ دیتا۔ جونہی وہ تنہائی پاتا اس آدمی کا نام کاغذ پر لکھ لیتا.. اسے غور سے دیکھتا.. اس پر توجہ جماتا.. اس نام کو اچھی طرح ذہن پر نقش کرلیتا اور پھر کاغذ کو پھاڑ کر پھینک دیتا۔ اس طریقے سے وہ اس کی آواز کے ساتھ ساتھ اس نام کی تصویر بھی ذہن میں جمالیتا تھا۔

اس کیلئے کافی وقت درکار ہے لیکن بقول ایمرسن:

"خوبیاں قربانیوں سے پیدا ہوتی ہیں"

چنانچہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ لوگوں کے دلوں میں گھر کر جائیں تو اس کا تیسرا اصول یہ ہے کہ:

"کسی آدمی کا نام اس کیلئے سب سے میٹھی اور اہم آواز ہے"

خوش کلامی کا آسان طریقہ

How to speak politely

زیرِ نظر مضمون میں محقق و مصنف نے جن اخلاقی اصولوں کے بارے میں بتایا ہے وہ دراصل درج ذیل اسلامی تعلیمات کی وضاحت ہیں۔

بات کرنا عمل ہے اور سننا بھی عمل ہے۔ جیسے ہم اپنی بات سناتے وقت یہ چاہتے ہیں کہ ہماری بات توجہ سے سنی جائے ایسے دوسرے بھی یہی چاہتے ہیں۔ اصل میں بات کو غور سے اور توجہ سے سننا دوسرے کو اس کی اپنی اہمیت کا احساس دلاتا ہے اور وہ اپنی بات نہایت اچھے انداز میں مکمل کرتا ہے اور جس کی بات کو توجہ سے نہ سنا جائے تو اس کے اندر مایوسی پھیلتی ہے اور وہ اپنی بات اچھے انداز میں مکمل نہیں کر پاتا۔

حضورِ پاک ﷺ دوسرے کی بات کو توجہ سے سنتے تھے، دوسرے کی بات کو مکمل سنتے تھے، اس کی بات کے درمیان سے قطع نہیں فرماتے تھے بلکہ دوسروں کو ایسا کرنے سے منع فرماتے تھے۔ (معمولاتِ نبویؐ)

شیخ سعدیؒ کا قول ہے: "بولنا ایک فن اور سننا سو فن ہیں"۔ (داستان گلستانِ سعدیؒ)

خوش کلامی کا آسان طریقہ

How to speak politely

مجھے حال ہی میں ایک برج پارٹی میں مدعو کیا گیا۔ ویسے میں (برج تاش کا ایک کھیل) نہیں کھیلتا۔ اس پارٹی میں اتفاق سے ایک خوبصورت عورت بھی موجود تھی جو میری ہی طرح برج نہیں کھیلتی تھی۔

اسے کسی طرح معلوم ہو گیا کہ جب لاول تھامس ریڈیو میں ملازم نہیں ہوا تھا تو میں اس کا منیجر ہوتا تھا اور یہ کہ میں یورپ کے سفر میں اس کے ہمراہ تھا اور میں نے اس کی ان تقریروں کی تیاری میں اس کی بہت مدد کی تھی جو وہ ریڈیو پر نشر کر رہا تھا۔ چنانچہ اس نے مجھ سے کہا: مسٹر کارنیگی! میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے ان عجیب و غریب مقامات اور نظاروں کا کچھ حال سنائیں جو آپ نے دیکھے ہیں۔

ہم صوفے پر بیٹھ گئے تو اس نے بتایا کہ وہ اور اس کا خاوند ابھی ابھی افریقہ کے سفر سے واپس آئے ہیں۔

''افریقہ'' ؟...... میں نے چونک کر کہا.. ''کتنا دلچسپ ملک ہے۔ میری عرصے سے خواہش رہی ہے کہ افریقہ کی اچھی طرح سیر کروں۔ لیکن ایک مرتبہ الجیریا میں چوبیس گھنٹے کے قیام کے علاوہ مجھے وہاں جانے کا موقع ہی نہیں ملا''۔

مجھے بتایئے ؟...... کیا آپ نے افریقہ کے وہ جنگل دیکھے ہیں جن میں شکار کی بھر مار ہے ؟ اچھا! آپ کتنی خوش نصیب ہیں.. مجھے آپ پر رشک آتا ہے۔ مجھے آپ افریقہ کا حال ضرور سنائیں۔

میرے یہ چند الفاظ پون گھنٹے کیلئے میرے کام آئے۔ اس نے دوبارہ مجھ سے سوال نہیں کیا کہ میں کہاں گیا تھا اور میں نے کیا کچھ دیکھا تھا۔ وہ میری سیاحت کا حال سننا نہیں چاہتی تھی اسے تو ایسے شخص کی ضرورت تھی جو اس کی باتوں کو کان لگا کر سنے تاکہ وہ فخر سے پھول جائے اور اسے بتائے کہ وہ کہاں کہاں گھوم پھر کر آئی ہے۔ کیا اس کا یہ فعل خلافِ معمول تھا؟ ہرگز نہیں۔ اکثر لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔

مثال

An example

مثال کے طور پر مجھے ایک ڈنر پارٹی کے موقعے پر ایک مشہور ماہر نباتیات سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ یہ پارٹی نیویارک کے ایک مشہور ناشر جے۔ ڈبلیو۔ گرین برگ نے دی تھی۔ میں نے اس سے پہلے کسی ماہر نباتیات سے کبھی گفتگو نہ کی تھی۔ اسلیے اس نے میری توجہ فوراً اپنی طرف کھینچ لی۔

میں اپنی کرسی پر آگے ہو کر بیٹھ گیا اور اس کی باتیں سننے لگا۔ اس نے حشیش، جنگلی اور خودرو پودوں، گھریلو باغات اور آلوؤں جیسی معمولی سبزیوں وغیرہ کے متعلق حیران کن

باتیں بتائیں۔ چونکہ میرے یہاں ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا۔ اس لیے میں نے اس سے کئی سوالات کئے اور اسنے میری بہت سی مشکلوں کا حل بتایا۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا، ہم ایک ڈنر پارٹی میں مدعو تھے۔ اس میں دس بارہ آدمی اور ہوں گے لیکن میں نے آداب مجلس کے تمام اُصول توڑ دیئے۔ باقی سب کو نظر انداز کر کے میں صرف ماہرِ نباتیات ہی سے گھنٹوں باتیں کرتا رہا۔

آدھی رات ہو گئی.. میں نے سب کو شب بخیر کہا اور رخصت ہو کر چلا آیا۔ ماہرِ نباتیات نے تب میزبان سے مخاطب ہو کر میری تعریفوں کے پُل باندھے کہ میں بہت ہی دلکش شخصیت کا مالک تھا.. میں یہ تھا.. میں وہ تھا اور اس نے آخر میں یہ کہا کہ میں بہت ہی زیادہ خوش گفتار آدمی تھا۔

ایک خوش گفتار آدمی

A polite orator

ایک خوش گفتار آدمی ؟ میں...... ؟ میں نے تو مشکل ہی سے کوئی لفظ منہ سے نکالا ہو گا۔ اگر میں کچھ کہنا بھی چاہتا تو موضوع بدلے بغیر شاید میں کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔ کیونکہ میں نباتات کے بارے میں اسی حد تک جانتا ہوں جتنا کہ میں عجیب و غریب پرندوں کی جراحی سے باخبر ہوں لیکن میں نے اتنا ضرور کیا تھا کہ میں نے اس شخص کی باتوں کو دلچسپی سے سنا۔

میں نے اس کی باتیں اسلیئے سنیں کہ میرے لئے وہ سچ مچ پُر کشش تھیں۔ اس نے بھی یہی محسوس کیا۔ نتیجے کے طور پر وہ بہت خوش ہوا۔ اس طرح کی باتوں کو غور سے سننا اس شخص کی بہت بڑی تعظیم کے مترادف ہے۔

وہڈ فورڈ نے اپنی کتاب ''اجنبی محبوب'' میں لکھا ہے۔ ''بہت کم آدمی ایسے ہوتے ہیں جن پر گہری توجہ اثر انداز نہ ہوتی ہو'' اور میں گہری توجہ سے بھی آگے نکل گیا تھا۔ میں نے جی بھر کر داد دی اور دل کھول کر تعریف کی تھی۔

میں نے اسے بتایا تھا کہ میں بہت زیادہ خوش ہوا ہوں اور میرے علم میں اضافہ ہوا ہے اور سچ مچ ایسا ہی ہوا تھا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ کاش میں اس کے ساتھ میدانوں میں گھوم پھر سکتا اور واقعی مجھے میدانوں کی سیر کرنی بھی چاہیئے۔ میں نے اس سے کہا کہ میں آپ سے کبھی پھر بھی ملوں گا۔ اور میں ضرور ملوں گا بھی۔

اس نے مجھے بڑا خوش گفتار آدمی تصور کیا حالانکہ میں اصل میں سننے والا تھا اور میری باتوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ دل کھول کر باتیں کر سکے۔

کامیاب گفتگو کا راز

The secret of successful conversation

کاروبار میں کامیاب گفتگو کا راز کیا ہے؟ ایک مشہور عالم چارلس ڈبلیو ایلٹ کے خیال میں "کاروباری گفتگو کا کوئی خاص راز نہیں۔ جو آدمی آپ سے بات کر رہا ہے۔ اسکی بات پر پوری توجہ دینا بہت ضروری ہے۔ اس سے بڑی خوشامد کوئی نہیں"۔ یہ بات بالکل صاف ہے۔ آپ کو یہ بات دریافت کرنے کیلئے ہارورڈ یونیورسٹی میں کئی سال ضائع کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم سب ایسے کئی تاجروں کو جانتے ہیں جو بہت مہنگی جگہ کرائے پر لیں گے، اپنا سامانِ تجارت حتی الوسیع کم قیمت پر خریدیں گے۔ دکان کی کھڑکیوں کو خوب سجائیں گے۔

ہزاروں روپے اشتہار بازی پر خرچ کریں گے لیکن کلرک ایسے رکھیں گے کہ جن میں دوسروں کی بات توجہ سے سننے کا مادہ ہی نہ ہو۔ جو بات بات پر گاہکوں کی بات کو کاٹیں گے.. انہیں جھٹلائیں گے.. انہیں چڑائیں گے اور انہیں دکان سے بھاگ کھڑے ہونے پر مجبور کریں گے۔

جے۔ سی۔ ووٹن

A nother example

جے۔ سی۔ ووٹن کے تجربے کی مثال لیجئے۔ اسنے اپنی کہانی میرے طالبِ علموں کے سامنے بیان کی۔ اس نے ریاست نیو جرسی کے ایک تجارتی شہر تواد ک سے اپنے لیے ایک سوٹ خریدا.. وہ سوٹ بہت ردی نکلا.. کوٹ کا رنگ بہت جلد اترنے لگا اور اس وجہ سے اس کی قمیض کا سفید کالر بھی کالا پڑ جاتا تھا۔

وہ اس دکان پر اپنا سوٹ واپس لے گیا اور اسی سیلزمین سے ملاقات کی.. جس نے اسے یہ سوٹ پسند کروایا تھا اس سے جو بیتا تھا بیان کیا۔ کیا میں نے کہا ہے کہ "بیان کیا؟" مجھے افسوس ہے۔ میں نے مبالغہ سے کام لیا۔ اس نے بیان کرنے کی کوشش کی لیکن وہ بیان نہ کر سکا.. اس کی بات کو فوراً کاٹ دیا گیا تھا۔

سیلز مین جھٹ سے بول اٹھا تھا: ”ہم نے اس قسم کے ہزاروں سوٹ بیچے ہیں اور آپ واحد شخص ہیں جو شکایت لے کر آئے ہیں“۔ الفاظ تو اس کے یہی تھے لیکن اس کا لب ولہجہ بہت زیادہ ہی تلخ و ترش تھا.. اس کے ہتک آمیز لب و لہجے کا مطلب تھا۔ ”تم جھوٹ بولتے ہو.. تم ہمیں ایک جھوٹا الزام دے رہے ہو.. فکر نہ کرو...... یہاں کوئی کاٹھ کے پتلے نہیں بیٹھے کہ تمہاری باتوں میں آجائیں“۔

اس تکرار کے دوران ایک میں دوسرا سیلز مین آیا۔ اس نے کہا: ”تمام کالے سوٹوں کا رنگ تو پہلے پہل کچھ اتر جاتا ہے.. اس کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں.. پھر آپ کا سوٹ تو بہت معمولی اور کم قیمت کا ہے.. رنگ اتر گیا تو باقی کیا رہ گیا“۔

ووٹن نے ہمیں بتایا: اس وقت تک میرا بھی پارہ چڑھ چکا تھا.. پہلے سیلز مین نے میری ایمانداری پر شک کیا۔ دوسرے نے میری یہ کہہ کر توہین کر دی کہ میں نے گھٹیا درجے کا سوٹ خریدا تھا.. میں گرم ہو گیا.. میں انہیں یہ کہنے والا ہی تھا: یہ رہا آپ کا سوٹ کیس.. اب سوٹ اور آپ جہنم میں جائیں۔ اتنے میں اتفاقاً دوکان کا منیجر آگیا۔ وہ اپنے کام کا دھنی تھا۔ اس نے میرا رویہ یکسر بدل دیا۔ اس نے غصے سے بھرے شخص کو مطمئن گاہک میں بدل ڈالا.. یہ اس نے کس طرح کیا؟ تین باتوں سے :۔

تین باتیں

Three steps

پہلی بات یہ کہ اس نے میری بات کو الف سے لے کر یا تک بڑے غور سے سنا اور بیچ میں خود ایک لفظ نہ کہا۔

دوسرے جب میں اپنی بات ختم کر چکا اور سیلز مینوں نے دوبارہ اپنے نقطہ ہائے بیان کرنا شروع کیے تو اس نے ان کے ساتھ میری طرف سے بات چیت کی۔ اس نے انہیں نہ صرف میرا کالر دکھایا کہ جو واقعی کالا ہو گیا تھا بلکہ ان پر یہ بھی زور دیا کہ ان سوٹوں کو فروخت ہی نہ کیا جائے.. کیونکہ گاہک مطمئن نہیں ہوتے۔

اس نے کہا: ”مجھے جھگڑے کا سبب معلوم نہ تھا اور مجھ سے کہا: آپ بتائیے میں اس سوٹ کے سلسلے میں کیا کروں؟ جو بھی آپ کہیں گے میں وہی کروں گا۔

چند منٹ پیشتر تو میں انہیں یہ کہنے پر تلا ہوا تھا کہ یہ سوٹ سنبھالیں لیکن اب میں نے جواب دیا: میں آپ کا مشورہ چاہتا ہوں.. میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ یہ صورتحال

عارضی ہے تو اس کا کیا کیا جائے۔

"اس نے کہا کہ میں ایک ہفتہ اور سوٹ کو پہن کر دیکھوں۔ اگر یہ پھر بھی آپ کی تسلی نہ کر سکے واپس لے آیئے ہم اسے بدل دیں گے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہماری وجہ سے آپ کو زحمت ہوئی"۔

میری تسلی ہوگئی اور میں دکان سے چلا آیا۔ ہفتے کے بعد سوٹ بالکل ٹھیک ہو گیا اور اس دکان پر میرا اعتبار بحال ہو گیا جس شخص نے مجھے مطمئن کر کے بھیجا تھا، وہ واقعی اس بات کا مستحق تھا کہ وہ دوکان کا منیجر بنتا۔ جو سیلز مین میرے ساتھ بری طرح پیش آئے تھے وہ ساری عمر اس شخص کے ماتحت رہے ہوں گے بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ ترقی معکوس کریں اور دکان کے اس شعبے میں تبدیل کر دیئے جائیں جہاں سوٹوں کو باندھا سنوارا جاتا ہے تاکہ وہ گاہکوں سے دور رہیں۔

صبر و سکون اور ہمدردی

Patience, Compasure & sympathy

اگر سننے والا بات صبر و سکون اور ہمدردی سے سنے تو بڑے سے بڑا ٹھوکر باز، کٹر سے کٹر نکتہ چین بھی ڈھیلا اور نرم پڑ جاتا ہے۔ جب زہر بھرا نکتہ چین پھنیر سانپ کی طرح لہرا رہا ہو اور اپنے منہ سے زہر کے مرغولے اگل رہا ہو اس وقت اس کی باتوں کو خاموشی سے سننے والا شخص اسے آخر کار رام کرے گا۔

مثال کے طور پر چند سال ہوئے نیویارک ٹیلیفون کمپنی کو معلوم ہوا کہ اسے ایک ایسے شرارتی گاہک کے ساتھ نپٹنا ہے۔ جس نے "ہیلو گرل" کو سخت سست کہا، لڑا جھگڑا، فون کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی دھمکی دی۔

اس نے بعض عوضانے ادا کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ اس کے خیال میں وہ ناجائز تھے۔ اس نے اخبار میں خط لکھے، اس نے پبلک سروس کمیشن کے نام بے شمار شکایات لکھیں اور کمپنی کے خلاف کئی مقدمے دائر کروائے۔

آخر کار کمپنی نے اس "طوفانِ بدتمیزی" سے ملاقات کرنے کے لیے اپنا ایک بہترین "مصیبت شکن" بھیجا۔ کمپنی کا آدمی خاموشی سے باتیں سنتا گیا اور اس گھاگ حجت باز کو جی بھر کر زہر اگلنے دیا۔ کمپنی کا آدمی اس کی باتیں سن کر ہاں ہاں کرتا گیا اور اس کی شکایت سے گہری ہمدردی کا اظہار کرتا گیا۔

کمپنی کے آدمی نے میری جماعت کے سامنے یہ بیان دیا۔ "وہ متواتر تین گھنٹے تک بکواس کرتا گیا اور میں سنتا گیا"۔

"پھر تھک کر واپس آگیا اور اس سے دوبارہ ملنے کا وعدہ کر آیا۔ میں اس سے چار مرتبہ ملا، ملاقات ہونے سے پہلے میں اسکی تنظیم کا ایک مستند رکن بن چکا تھا جو وہ بنا رہا تھا۔ اس نے اپنی تنظیم کا نام "انجمن حفاظت حقوق" رکھا۔ میں ابھی تک اس جماعت کا رکن ہوں اور جہاں تک مجھے علم ہے اس کے صرف دو رکن ہیں ایک بھلے مانس وہ خود اور دوسرا میں۔

"میں نے اس کی باتیں سنیں اور ان ملاقاتوں کے دوران میں اس نے جتنی شکایات پیش کیں میں نے ان میں سے ہر ایک پر ہمدردی کا اظہار کیا۔ ٹیلیفون کمپنی کے کسی ملازم نے اس سے پہلے اس طرح اس کے ساتھ بات چیت نہ کی تھی۔ وہ بہت حد تک میرا دوست بن گیا۔ پہلی ملاقات میں تو میں نے اس سے اس بات کا ذکر تک نہ کیا جس کے لیئے میں ملنے گیا تھا۔

اس کا تذکرہ دوسری اور تیسری ملاقات میں بھی نہ ہوا لیکن چوتھی ملاقات پر میں نے سارا معاملہ بالکل طے کر لیا۔ اس سے اپنے تمام بلوں کی پوری پوری رقم وصول کی اور جب سے اس نے ٹیلیفون کمپنی کے خلاف کمیشن کو شکایت لکھنا شروع کی تھی اس وقت سے لے کر اب تک وہ مسلسل شکایت کا طومار باندھے جا رہا تھا۔ لیکن میری چوتھی ملاقات کے بعد اس نے سب کی سب شکایات واپس لے لیں"۔

حقوق کی جنگ

Fighting for rights

"بلاشبہ وہ بزرگوار اپنے آپ کو لوگوں کے حقوق کی بے رحم پامالی کے خلاف لڑنے والے مجاہد سمجھتے تھے۔ لیکن حقیقت صرف اتنی تھی کہ وہ اپنے احساسِ برتری کی تسکین چاہتے تھے۔ پہلے پہل انہوں نے اس تسکین کو دولتیاں جھاڑنے اور شکایت بازی میں ڈھونڈا لیکن جوں ہی انہوں نے دیکھا کہ کمپنی کا ایک سرکردہ کارکن چل کر ان کے پاس آیا ہے تو ان کی رنجشیں ہوا میں تحلیل ہو گئیں"۔

کئی سال کا عرصہ ہوا کہ ایک روز صبح سویرے ایک ناراض گاہک ڈیٹمر وولن کمپنی کے بانی جولین ایف ڈیٹمر کے دفتر میں آیا۔ یہ کمپنی بعد میں لباس سازی کی صنعت کو اونی

کپڑا اسپلائی کرنے والی دنیا کی سب سے بڑی کمپنی بن گئی۔

مسٹر ڈیٹمر نے مجھے بتایا: "اس گاہک کے ذمے ہمارے ساٹھ روپے واجب الادا تھے لیکن وہ صاف انکار کر گیا۔ ہمیں یقین تھا کہ وہ غلط بیانی کر رہا ہے۔ لہٰذا ہمارے قرضہ وصول کرنے والے شعبے نے ادائیگی پر اصرار کیا ہمارے اس شعبے نے اسے بے شمار خطوط لکھے۔ اس نے یہ تمام خطوط سنبھالے اور شکاگو آن پہنچا اور میرے دفتر میں مجھ سے کہنے لگا کہ وہ نہ صرف ہمارے بل ادا نہیں کرے گا بلکہ ہماری کمپنی سے آئندہ ایک پائی کا سامان نہیں خریدے گا"۔

میں نے اس کی تمام باتیں بڑے صبر و تحمل سے سنیں۔ کئی بار میں نے محسوس کیا کہ اس کو ٹوک دوں لیکن اس خیال سے ضبط کیا کہ یہ پالیسی غلط ثابت ہو گی۔ لہٰذا میں نے اسے اپنے دل کا غبار نکالنے دیا۔ آخر جب وہ تھک گیا اور بات سننے پر رضامند دکھائی دیا تو میں نے بڑے دھیمے لہجے میں کہا کہ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے شکاگو کے سفر کی تکلیف گوارا کی اور مجھے اپنی شکایات سننے کا موقع دیا۔ آپ نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے کیونکہ اگر ہمارے قرضہ وصول کرنے والے شعبے نے آپ کو ناراض کیا ہے تو وہ کسی دوسرے گاہک کو بھی آپ ہی کی طرح ناراض کر سکتا ہے اور یہ بات کمپنی کے حق میں بہت بری ہو گی۔ یقین جانیے میں آپ کی شکایات سننے کیلئے اتنا بے تاب ہوں کہ شاید آپ انہیں سنانے کیلئے اتنے بے تاب نہ ہوں۔

اسے ہرگز یہ توقع نہ تھی

He was never expected that

اسے ہرگز یہ توقع نہ تھی کہ وہ میری زبان سے یہ الفاظ سنے گا میرے خیال میں وہ قدرے مایوس ہوا۔ کیونکہ وہ شکاگو میں مجھ سے دوبدو ہونے آیا تھا اور میں اس کے ساتھ تلخ ہونے کی بجائے اس کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔ میں نے اسے یقین دلایا کہ ہم اپنے ہی کھاتوں سے ساٹھ روپے کی یہ رقم کاٹ دیں گے کیونکہ اس کے پاس صرف ایک اپنا حساب کتاب ہے اسلئے جو وہ کہتا ہے وہ یقیناً صحیح ہوگا۔ لیکن چونکہ غلطی کا احتمال ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ رقم خوامخواہ اس کے ذمے پڑ گئی ہو۔

میں نے اس سے کہا کہ میں اس کے احساسات کو سمجھتا ہوں۔ اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو میں بھی اسی کی طرح محسوس کرتا۔ چونکہ وہ آئندہ ہمارے یہاں سے کچھ بھی نہیں

خریدنا چاہتا تھا اسلئے میں نے ایک دوا چھی دوکانوں کے نام بھی تجویز کر دیئے۔
ماضی میں جب کبھی وہ ہمارے یہاں آتا تھا تو ہم عام طور سے اسے کھانے پر مدعو کرتے تھے۔ آج بھی میں نے اس سے اپنے ساتھ لنچ کھانے کیلئے درخواست کی اس نے نیم دلی سے میری درخواست قبول کر لی لیکن جب وہ دفتر میں واپس آیا تو اس نے ہمیں اتنا بڑا آرڈر دیا کہ اس سے پہلے کبھی نہ دیا تھا۔
وہ مطمئن ہو کر واپس گیا۔ اس نے طے کیا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ ویسی ہی صفائی سے پیش آئے گا جس طرح ہم نے اس کے ساتھ برتاؤ کیا تھا۔ اس نے واپس جا کر بلوں کی دوبارہ جانچ پڑتال کی ایک بل غلط جگہ پر رکھا گیا تھا اسے ڈھونڈ نکالا اور معذرت کے ساتھ ساٹھ روپے کا چیک ہمیں بھجوا دیا"۔
"کچھ عرصے کے بعد اس کے یہاں بیٹا پیدا ہوا۔ اس نے اس کا نام ہماری کمپنی کے نام پر ڈیٹمر رکھا۔ اس کے بعد وہ بائیس سال تک زندہ رہا اور مرتے دم تک ہمارا دوست اور گاہک بنا رہا"۔
کئی سال کی بات ہے کہ ایک ولندیزی گھرانہ اپنے ملک سے ہجرت کر کے امریکہ میں آباد ہوا۔ یہ لوگ بہت غریب تھے ان کا لڑکا اسکول سے آکر ایک نان بائی کی دکان پر دو ر پیہ فی ہفتہ کے حساب سے دکان کی کھڑکیاں وغیرہ دھونے کی مزدوری کیا کرتا تھا۔ اسکے والدین اس قدر غریب تھے کہ وہ بیچارہ ٹوکری لے کر ریلوے اسٹیشن پر جایا کرتا اور ریل کے ڈبوں سے گرا ہوا کوئلہ چن کر گھر لایا کرتا تا کہ کھانے تیار ہو سکے۔

ایڈورڈ بک

Edword Book

اس لڑکے کا نام ایڈورڈ بک تھا۔ وہ صرف چھٹی جماعت تک تعلیم پا سکا لیکن وہ رفتہ رفتہ ایک بہت ہی بڑا ایڈیٹر بن گیا۔ اس سے پہلے وہ امریکی صحافت کی تاریخ میں اتنا کامیاب مدبر پیدا نہیں ہوا تھا۔ اس نے یہ ترقی کس طرح کی؟ یہ ایک طویل داستان ہے لیکن اس نے صحافت میں جس طرح قدم رکھا اسے مختصراً بیان کیا جا سکتا ہے۔
اس نے اپنے اس شاندار مستقبل کا آغاز انہی اصولوں پر چل کر کیا جو اس کتاب میں بتائے گئے ہیں۔
اس نے تیرہ سال کی عمر میں اسکول چھوڑا اور ویسٹرن یونین کا چپڑاسی بن گیا۔ اس

کی اجرت پچیس روپیہ فی ہفتہ تھی۔ اس نے اپنی تعلیم و تربیت کا خیال ایک لمحے کیلئے بھی اپنے دل سے محو نہ ہونے دیا۔ وہ پیدل سفر کرتا اور بعض اوقات ایک وقت کا کھانا بھی ترک کر دیتا۔ اس طرح اس کے پاس اتنی رقم جمع ہو گئی کہ اس نے امریکہ کے بڑے بڑے آدمیوں کی زندگی کے حالات کی مکمل کتاب خرید لی۔ اس کے بعد اس نے ایک اچھوتا کام شروع کر دیا۔ وہ مشہور اشخاص کی زندگی کے حالات پڑھتا اور انہیں خط لکھ کر ان کی بچپن کی زندگی کے مزید حالت معلوم کرتا۔

وہ دوسروں کی باتوں پر کان دھرنا جانتا تھا۔ اس نے مشہور و معروف ہستیوں کو ان کے اپنے متعلق باتیں کرنے پر اکسایا۔ اس نے جنرل گارڈ فیلڈ کے نام خط لکھا جو اس وقت امریکہ کی صدارت کیلئے انتخاب لڑ رہے تھے۔ اس خط میں اس نے استفسار کیا کہ کیا گارڈفیلڈ اپنے بچپن میں سچ مچ کسی نہر پر کشتی کھیلنے کا کام کرتے تھے؟ گار فیلڈ نے اس کے خط کا باقاعدہ جواب دیا۔

اس نے جنرل گرانٹ سے ایک لڑائی کا حال پوچھا اور جنرل گرانٹ نے اسے اس جنگ کا نقشہ کھینچ کر دیا اور اس چودہ سالہ لڑکے کو ڈنر پر بلایا اور ایک پوری شام اس کے ساتھ بات چیت کرنے میں گزاری۔

اس نے ایمرسن کے نام خط لکھا اور اسے اپنے متعلق گفتگو کرنے پر ابھارا۔ اس طرح ایک ادنیٰ سا لڑکا تھوڑے سے عرصے میں ہماری قوم کے بڑے بڑے افراد کے ساتھ بات چیت کرنے لگا۔

وہ نہ صرف ان کے ساتھ خط و کتابت کرتا بلکہ جب کبھی اسے چھٹیاں ملتیں وہ ان معزز اشخاص سے ملنے جاتا۔ ہر کوئی ایک عظیم مہمان کی طرح اس کا استقبال کرتا۔ اس تجربے سے اس میں زبردست خود اعتمادی پیدا ہو گئی۔ ان عظیم المرتبہ مردوں اور عورتوں نے اسے وہ بصیرت عطا کی، جس نے اس کی زندگی میں زبردست انقلاب پیدا کر دیا اور یہ نہ بھولیے کہ یہ سب کامیابی اس نے صرف انہی اصولوں کی مدد سے حاصل کی جن کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے۔

اسحاق ایف۔ مارکوسن

Ishaq F. Marcosin

اسحاق ایف۔ مارکوسن مشاہیر عالم سے انٹرویو کرنے کا سب سے بڑا ماہر ہے۔ اس

کا کہنا ہے کہ بہت سے لوگ اس لئے دوسروں پر اثر انداز نہیں ہو سکتے کہ وہ دوسروں کی بات کو کان لگا کر نہیں سنتے۔ وہ اس خیال میں ڈوبے رہتے ہیں کہ وہ اپنی بات ختم کرے گا تو ہم کیا کہیں گے۔

وہ اپنے کان کھلے نہیں رکھتے بلکہ اپنی زبان تیز کرنے میں لگتے رہے۔ مجھے بڑے آدمیوں سے ملاقات سے یہ سبق ملا ہے کہ وہ اچھا بولنے پر اچھا سننے والوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ دوسرے کی بات کو توجہ سے سننے کی اہلیت دوسری صفات کے مقابلے میں کمیاب ہے۔ نہ صرف بڑے آدمی ہی توجہ سے بات سننے والے کو پسند کرتے ہیں بلکہ چھوٹے لوگ بھی انہیں پسند کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ رسالہ ریڈرز ڈائجسٹ میں کسی نے لکھا تھا:

بہت سے لوگ ڈاکٹر کو بلاوا بھیجتے ہیں حالانکہ انہیں صرف ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جو ان کے من کی بات دل لگا کر سنے۔

خانہ جنگی کے تاریک ترین دِن

The darkest days of civil war

خانہ جنگی کے تاریک ترین دِنوں میں لنکن نے اپنے ایک قدیم دوست کو خط لکھ کر واشنگٹن بلایا۔ وہ شخص اسپرنگ فیلڈ میں رہتا تھا۔ وہ اس سے چند ضروری مسائل پر تبادلۂ خیال کرنا چاہتا تھا۔ لنکن کا قدیم ہمسایہ جب وائٹ ہاؤس پہنچا تو وہ اس کے ساتھ کئی گھنٹے تک اس موضوع پر گفتگو کرتا رہا کہ غلاموں کی آزادی کا اعلان کرنا مناسب ہے یا نہیں۔

اس اقدام کے حق میں اور خلاف جتنی بھی دلیلیں پیش کی جا سکتی تھیں لنکن نے پیش کیں۔ اس کے بعد اخبار میں شائع شدہ مضامین اور خطوط پڑھے۔ ان میں سے بعض میں کوسا گیا تھا کہ وہ غلاموں کو کیوں آزاد کر رہا ہے اور بعض میں اسلئے کہ وہ غلاموں کی عام آزادی کا اعلان کرتے ہوئے ہچکچاتا کیوں ہے۔

اس کے ساتھ کئی گھنٹے اسی طرح باتیں کرنے کے بعد لنکن نے اپنے اس پرانے دوست کے ساتھ مصافحہ کیا۔ اسے شب بخیر کہا اور اس کی رائے پوچھے بغیر اسے واپس بھیج دیا۔ اس اثناء میں صرف لنکن ہی بولتا رہا تھا۔ اس طرح اس کا ذہن صاف ہو گیا..

اس کے قدیم دوست نے بتایا:

"اس گفتگو کے بعد لنکن مطمئن اور پُر سکون نظر آتا تھا"۔ لنکن کو مشورے کی ضرورت نہ تھی۔ اسے صرف ایک ایسے شخص کی حاجت تھی جس کے سامنے وہ اپنے دل کا غبار نکال سکے اور جو اس کی باتوں کو نہایت ہمدردی اور دوستانہ انداز سے سنتا جائے"۔

اور یہی کچھ ہم سب چاہا کرتے ہیں۔ جب ہم کسی مصیبت میں پھنس گئے ہوں اور یہی کچھ تمام ناراض گاہک، غیر مطمئن ملازمین اور روٹھے ہوئے دوست چاہا کرتے ہیں۔

کسی کی زیادہ دیر تک بات نہ سنیئے، اپنی ہی سناتے جائیے

Don't listen for long , put your point of view forward

کسی کی زیادہ دیر تک بات نہ سنیئے، اپنی ہی سناتے جائیے۔ جب کوئی دوسرا شخص بول رہا ہو اور آپ کے ذہن میں کوئی نیا خیال ابھرے تو اس کی بات کے ختم ہونے کا انتظار نہ کیجئے۔ وہ آپ جیسا عقلمند نہیں.. اس کی فضول بکواس سننے میں آپ اپنا وقت کیوں ضائع کریں؟ فوراً بیچ ہی میں برس پڑیے اور اسے اپنی بات پوری نہ کرنے دیجئے۔

کیا اس نسخے پر عمل کرنے والے لوگوں سے آپ کا پالا پڑا ہے؟ بد قسمتی سے مجھے ایسے کئی لوگوں سے واسطہ پڑا ہے اور حیرانی کی بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر اخلاق کا پرچار کرنے والے تھے۔

ایسے لوگ محض اکتاہٹ پھیلاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی خودی کے نشے میں مست ہیں، اپنی برتری کے احساس میں بری طرح جکڑے ہوئے ہیں، جو شخص اپنے متعلق ہی گپ ہانکتا ہے، صرف اپنی ذات کے متعلق ہی سوچتا ہے اور جیسا کہ ڈاکٹر نکولس میورے بٹلر، صدر کولمبیا یونیورسٹی نے کہا ہے:

> جو آدمی اپنی ہی ذات کے متعلق سوچتا ہے وہ تعلیم و تربیت سے بری طرح بے بہرہ ہے.. اس نے خواہ کتنا ہی پڑھا ہو لیکن اسے ان پڑھ ہی سمجھنا چاہئے"۔

اس لئے اگر آپ ایک خوش گفتار شخص بننا چاہتے ہیں تو اپنے اندر لوگوں کی باتوں کو غور سے سننے کی صلاحیت پیدا کیجئے۔ بقول مسز چارلس نار تھم لی:

> "اگر آپ دلچسپی کے طلبگار ہیں تو دوسروں میں دلچسپی لیجئے، ایسے سوالات کیجئے جن کا جواب دیتے وقت دوسرے کو خوشی محسوس ہو۔ اسے اپنی ذات

اور اپنے کارناموں کے متعلق باتیں کرنے پر اکسائیے۔

یاد رکھئے.. آپ کا مخاطب آپ کے مسائل کی بہ نسبت اپنے مسائل، اپنی ضروریات اور اپنی ذات میں ہزار درجہ زیادہ دلچسپی رکھتا ہے۔ اس کیلئے اس کے دانت کا درد، کسی دور دراز کے ملک کے اس قحط سے زیادہ تکلیف دہ ہے جو لاکھوں افراد کی موت کا باعث ہوتا ہے۔ اس سے اپنی گردن کا پھوڑا افریقہ سے چالیس زلزلوں سے زیادہ تکلیف دہ معلوم ہوتا ہے آئندہ جب کبھی آپ کسی سے گفتگو کریں تو اس بات کو نہ بھولئیے۔

پس اگر آپ لوگوں کے دل میں گھر کرنا چاہتے ہیں تو چوتھا اصول یہ ہے :

"دوسروں کی باتیں توجہ سے سنئیے اور انہیں ان کے اپنے متعلق باتیں کرنے پر ابھاریئے"۔

ترغیب اور کامل جذبہ

Encouragement & perfect Sentinluts

زیرِ نظر مضمون میں محقق و مصنف نے جن اخلاقی اصولوں کا درس دیا ہے وہ دراصل ان اسلامی اصولوں کی توضیح اور عکس ہیں۔

ترغیب وترہیب اسلامی اصولوں میں سے ایک سنہری اصول ہے۔ رسول پاک ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے سخت سے سخت مراحل میں کام لیا۔ بھوک، افلاس، غربت، تنگدستی، افرادی قوت کی کمی، اسباب کی کمی ان سب کے باوجود حضورِ پاک ﷺ نے انہیں مشکل سے مشکل اور کٹھن سے کٹھن غزوات اور اسفار کے لئے تیار کیا۔

شاگردانِ نبوت ﷺ یعنی صحابۂ کرامؓ کو اپنی جان، مال، عزت اور وقار لگانے کیلئے جو چیز مجبور کرتی تھی وہ رسول پاک ﷺ کی ترغیب اور ولولہ انگیز جذبات سازی تھی۔ رسولِ پاک ﷺ صحابہ کرامؓ کے جذبات بناتے تھے: ”بڑھو اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی زمین وآسماں کے برابر ہے“۔

یہ وہ الفاظ تھے جو رسولِ پاک ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے جذبات بڑھانے کیلئے استعمال فرمائے ایسے نہیں بلکہ بے شمار مواقع پر حضورِ پاک ﷺ کی حیرت انگیز ترغیب اور جذبہ سازی صحابہ کرامؓ کے دلوں میں مر مٹنے کا شوق پیدا کر دیتی تھی۔ تو پھر یہی لوگ تھے جو پوری دنیا کے فاتح بنے۔

دنیاوی اسباب میں مسجدِ نبوی ﷺ کی تعمیر، غزوۂ خندق کی کھدائی وغیرہ کے مواقع

پر حضورِ اکرام ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو جو ترغیب دی اور ان کے جذبات کو ابھارنے اور بڑھانے کیلئے جو فتح اور سرفرازی کی خوشخبریاں دیں یہ سب حضور پاک ﷺ کی تدبیر اور بصیرت کا حصہ تھیں۔

لوگ آپ کا کام بھی کریں اور خوش بھی رہیں

People help you & feel happy

۱۹۱۵ء میں سارا امریکہ خوف زدہ اور حیران تھا۔ ایک سال سے زیادہ عرصہ بیت چکا تھا کہ اقوام یورپ ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہی تھیں اور قتل وغارت گری کا بازار اتنے وسیع پیمانے پر گرم تھا کہ اس سے پہلے دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ کیا امن کا قیام ممکن تھا؟ یہ کسی کو معلوم نہ تھا۔
لیکن صدر ولسن مصمم ارادہ کر چکے تھے کہ وہ ضرور کوشش کریں گے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنا ذاتی نمائندہ صلح کا ایلچی بنا کر یورپ کے جنگجو حکمرانوں کے پاس بھیجیں گے۔

امریکہ کے وزیرِ خارجہ ولیم جیننگس بریان جو امن کے مشہور نمائندہ تھے، اسنیک مشن پر جانا چاہتے تھے۔ وہ بنی نوعِ انسان کی عظیم خدمت اور اپنے نام کو لافانی بنانے کا خواب دیکھنے لگے۔ لیکن ولسن نے اپنے ایک ذاتی دوست کرنل ہاؤس کو نامزد کر دیا۔ کرنل ہاؤس کے سامنے اب یہ مشکل مسئلہ درپیش تھا کہ وہ بریان کے جذبات کو مجروح کیئے بغیر انہیں یہ خبر کس طرح سنائیں۔

معاملہ فہمی

Understanding the situation

کرنل ہاؤس اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں: "جس وقت بریان صاحب کو میں نے بتایا کہ میں صلح کے ایلچی کی حیثیت سے یورپ جا رہا ہوں تو انہیں بہت زیادہ مایوسی ہوئی انہوں نے کہا "میں خود اس کام پر جانے کا منصوبہ بنا چکا تھا"۔
میں نے جواب دیا: صدر صاحب کا خیال ہے کہ اس کام کو سرکاری طور پر کرنا درست نہیں۔ کسی سرکاری آدمی کے یورپ جانے سے لوگ چونک جائیں گے اور ان کے دل میں شبہات پیدا ہوں گے۔" دیکھا آپ نے؟ ہاؤس صاحب صاف صاف بریان

صاحب کو بتا رہے ہیں کہ اس کام کیلئے میں زیادہ موزوں ہوں اور بریان صاحب مطمئن ہو گئے۔ کرنل ہاؤس نہایت دور اندیش اور معاملہ فہم شخص تھے وہ جہاں دیدہ تھے۔ انہوں نے بریان صاحب سے بات کرتے وقت انسانی تعلقات کے اس زرین اصول پر عمل کیا کہ آپ کسی دوسرے شخص کے سامنے کوئی کام کرنے کی تجویز اس طرح پیش کریں کہ وہ اسے خوشی سے قبول کرے۔

ووڈرو ولسن کی دعوت

The feast fo Woodrow wilson

ووڈرو ولسن نے ولیم گیس میکاڈو کو اپنی کابینہ کا ممبر بننے کی دعوت دی تو انہوں نے اسی اصول کو پیش نظر رکھا۔ حالانکہ یہ دعوت بہت ہی بڑی عزت افزائی تھی اور یہ بہت ہی بڑا عہدہ تھا جو وہ پیش کر رہے تھے۔ لیکن انہوں نے یہ پیش کش بھی اس طریقے سے کی کہ میکاڈو صاحب کو اپنی اہمیت کا دگنا احساس ہوا۔ یہ کہانی میکاڈو صاحب کی زبانی یوں ہے :

صدر صاحب نے مجھ سے کہا اور میں اپنی کابینہ کی تشکیل کر رہا ہوں اگر آپ اس میں خزانچی کا منصب قبول فرمالیں تو مجھے بڑی مسرت ہو گی" انہوں نے یہ بات نہایت خوشگوار طریقے سے کی۔ انہوں نے یہ تأثر پیدا کیا کہ میں اتنا بڑا منصب قبول کر کے ان پر احسان کروں گا"۔

لیکن ولسن صاحب ہمیشہ اس اصول کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ اگر وہ اس کے عادی ہوتے تو شاید دنیا کی تاریخ قدرے مختلف ہوتی۔ انہوں نے امریکہ کو مجلس اقوامِ عالم کا ممبر بنانے میں سینٹ اور ری پبلکن پارٹی کی خوشنودی حاصل نہ کی۔ صدر ولسن نے ری پبلکن پارٹی کے کسی ممبر کو اپنے ساتھ امن کانفرنس میں لے جانے سے انکار کر دیا۔ ان کے بجائے وہ اپنی پارٹی کے غیر معروف سے ارکان کو اپنے ساتھ لے گئے۔ انہوں نے ری پبلکن پارٹی والوں کو پسِ پشت ڈال دیا۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ مجلسِ اقوامِ عالم کے قیام کا تخیّل صرف انہی کے دماغ کی پیداوار ہے۔ ری پبلکن پارٹی کے ممبروں کا اس سے کوئی لگاؤ نہیں۔ انہوں نے انہیں اپنے ساتھ نہ ملایا۔ ان کے اس سخت رویے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ولسن نے اپنا مستقبل تباہ کر لیا، اپنی صحت کا ستیاناس کر لیا، ان کی زندگی مختصر ہو گئی، امریکہ لیگ کا ممبر نہ بنا اور دنیا کی تاریخ کچھ سے کچھ ہو گئی۔

پبلشنگ ادارہ ڈبل ڈے پیج کا اصول

The working of double day page

پبلشنگ ادارہ "ڈبل ڈے پیج" اس اصول کی پیروی کرتا تھا کہ دوسروں سے کام اس طرح لیا جائے کہ وہ اسے خوشی سے سرانجام دیں۔ یہ ادارہ اس اصول پر اتنی خوش اسلوبی سے عمل پیرا تھا کہ او ہنری نے ایک مرتبہ بیان کیا: "یہ ادارہ جب کبھی کہانی چھاپنا نہیں چاہتا تو اس شاندار طریقے سے انکار کرتا ہے کہ مجھے اس انکار میں کسی دوسرے ناشر کے اقرار سے زیادہ لطف آتا ہے"۔

میں ایک صاحب کو جانتا ہوں جنہیں عدیم الفرصتی کی وجہ سے اپنے احباب اور محسنوں کو اکثر انکار کرنا پڑتا۔ وہ اس انداز سے کرتے ہیں کہ دعوت دینے والے کی تشفی ہو جاتی ہے۔ ان کا طریقِ کار کیا ہے؟ وہ یہ کہہ کر انکار نہیں کرتے کہ وہ مصروف ہیں، وہ بہت یہ ہیں اور بہت وہ ہیں۔ بلاوے کا شکریہ ادا کرنے اور اسے قبول نہ کر سکنے کی معذرت خواہی کے بعد وہ کسی اور اچھے مقرر کا نام تجویز کر دیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں وہ دعوت دینے والے کو اپنے انکار کے متعلق سوچنے اور ناراض ہونے کا موقع ہی نہیں دیتے۔ وہ ان کا دھیان فوراً کسی دوسرے مقرر کی طرف موڑ دیتے ہیں۔

وہ اکثر یوں جواب دیتے ہیں: "آخر آپ میرے عزیز "کلیو لیڈر راجر زمدیر برو کلین ایگل" کو تقریر کرنے کیلئے کیوں نہیں بلاتے؟" یا وہ نئے آدمی کا نام اس طرح تجویز کرتے ہیں:

"کیا آپ گائی ہکاک صاحب کے متعلق کچھ جانتے ہیں، وہ پندرہ سال پیرس میں رہے ہیں اور یورپ میں اخباری نمائندے کی حیثیت سے کام کرنے کے سبب وہ بیشمار حیرت انگیز واقعات سے باخبر ہیں۔ یا لو نگسٹن لانگ فیلو کو کیوں نہیں بلا لیتے، ان کے پاس ہندوستان کے بڑے بڑے جنگلی جانوروں کے شکار کی فلمیں ہیں"۔

حوصلہ افزائی اور خدمات کا اعتراف

Encouragement & help

جے۔ اے۔ وانٹ آرگنائزیشن، نیویارک کے انچارج جے۔ اے وانٹ کو اپنے ایک مستری کے رویے اور مطالبات کو بدلنے کی ضرورت درپیش تھی۔ وہ چاہتے تھے

کہ مستری صاحب اپنا ارادہ ترک کر دیں اور اُن سے ناراض بھی نہ ہو۔ وہ مانتے تھے کہ مستری کا کام یہ تھا کہ وہ درجنوں ٹائپ رائٹروں اور دوسری مشینوں کو دن رات چلتا رکھے۔ اسے ہمیشہ یہ شکایت رہتی کہ مجھے بہت زیادہ وقت تک کام کرنا پڑتا ہے۔ میرے پاس بہت کام ہے مجھے ایک معاون چاہئے۔

مسٹر وانٹ نے ان میں سے ایک بھی بات نہ مانی اور مستری کو خوش بھی رکھا؟ وہ کس طرح ؟اس مستری کو اپنا ایک الگ ذاتی دفتر دے دیا گیا اس کا نام دروازے پر چمکنے لگا اور ساتھ ہی یہ الفاظ بھی "منیجر شعبۂ خدمات"۔

اب وہ مشینوں کی مرمت کرنے والا مستری نہ تھا۔ اب وہ بہت نازاں تھا۔ اب وہ ایک شعبے کا منیجر تھا اور اس کے احساس برتری کے جذبہ کی تسکین ہوگئی تھی۔ اب وہ کسی شکایت کے بغیر خوش خوش کام کرنے لگا۔

شاید آپ کے خیال میں یہ بچوں جیسی حرکت ہے۔

نپولین کا اندازِ حکمت

Napoleon's way of governing

لوگ نپولین سے بھی یہی کہتے تھے۔ جب اس نے لیجن آف آنر کی اختراع کی اور اپنے سپاہیوں میں پندرہ سو تمغے تقسیم کیے۔ اپنے اٹھارہ جرنیلوں کو مارشل آف فرانس بنایا اور اپنی فوج کو عظیم فوج کہا تو لوگوں نے کہا کہ آپ تجربہ کار جنگجو نوجوانوں کو کھلونے دے کر بہلا رہے ہیں۔ نپولین نے جواب دیا :

"انسانوں پر کھلونوں ہی کے ذریعہ حکومت کی جاتی ہے"۔

لوگوں کو خطابات اور اختیارات دینے کی پالیسی نپولین کے کام آئی۔ یہ آپ کو بھی ضرور کام دے گی۔

مسز جینٹ کی پریشانی

Mrs. Ganet's anxiety

میرے ایک دوست مسز جینٹ ہیں جن کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ ان کی گھاس کو لڑکے ادھر اُدھر بھاگ دوڑ کر پامال کر رہے تھے۔ وہ نہایت پریشان تھیں کہ کیا کیا جائے۔ انہوں نے لڑکوں کو برا بھلا کہا۔ ڈانٹا ڈپٹا لیکن ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ پھر انہوں نے

لڑکوں کے سرغنہ کو ایک خطاب دیا اور اس میں احساسِ فضیلت بیدار کیا۔ انہوں نے اس لڑکے کو اپنا جاسوس بنالیا اور اسے اپنے گھاس کے میدان کی نگرانی سونپ دی۔
مسئلہ حل ہو گیا۔ ان کے جاسوس نے آگ جلائی۔ اس میں لوہے کی ایک سلاخ کو رکھ کر گرم کیا۔ یہاں تک کہ وہ سرخ ہو گئی۔ اس نے لڑکوں کو دھمکی دی کہ کسی نے میدان میں قدم رکھا تو سلاخ سے اس کا جسم داغ دیا جائے گا۔ وہ ہر روز یہی ترکیب استعمال کرتا۔ لڑکوں نے میدان میں داخل ہونا چھوڑ دیا۔ یہی طریقہ انسانی فطرت کے قریب ہے۔
اس لئے اگر آپ چاہتے ہیں کہ لوگوں کے جذبات کو ٹھیس بھی نہ پہنچائیں آپ ان کی ناراضی بھی مول نہیں لیں اور وہ آپ کے حسبِ منشا بدل بھی جائیں تو نواں اصول یہ ہے :-
"دوسرے سے اس طرح کام لیں کہ وہ اسے خوشی کرے"۔

یاد دہانی

Reminder

لوگوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچائے بغیر اور ان کی نفرت مول لیے بغیر انہیں حسبِ منشا بدلنے کے نو اصول :-

پہلا اصول : اپنی بات دوسرے شخص کی پُر خلوص تعریف و تحسین سے شروع کیجئے۔

دوسرا اصول : لوگوں کی توجہ ان کی غلطیوں کی طرف بالواسطہ مبذول کرائیے۔

تیسرا اصول : دوسروں پر نکتہ چینی سے پہلے اپنی غلطیوں کا ذکر کیجئے۔

چوتھا اصول : حکم چلانے کے بجائے سوال پوچھئے۔

پانچواں اصول : دوسرے شخص کو شرمندگی سے بچائیے۔

چھٹا اصول : معمولی سے معمولی ترقی کی بھی تعریف کیجئے اور ہر اصلاح کو سراہیے، جی بھر کر داد دیجئے اور دل کھول کر تعریف کیجئے۔

ساتواں اصول : ہر شخص کی تعریف کیجئے تاکہ وہ اس تعریف پر پورا اترنے کی کوشش کرے۔

آٹھواں اصول : حوصلہ افزائی سے کام لیجئے، لوگوں کی خامیوں کو ناقابلِ اصلاح نہ بتائیے۔

نواں اصول : دوسرے سے اس طرح کام لیں کہ وہ اسے خوشی کرے۔

غلطیوں کو نا قابلِ اصلاح نہ ٹھہرائیے

Do not suppore mistaks cannot be reetifed

میرے ایک دوست ہیں۔ چالیس سال کی عمر تک کنوارے بیٹھے رہے۔ کچھ عرصہ پہلے ان کی نسبت کہیں ٹھہر گئی۔ ان کی ہونے والی بیوی نے انہیں نئے نئے ناچ سیکھنے کی رغبت دلائی۔ انہوں نے مجھے اپنی کہانی سناتے ہوئے کہا :

خدا کی قسم .. مجھے واقعی سیکھنے کی ضرورت تھی۔ کیونکہ میں جو ناچ جانتا تھا وہ آج سے بیس سال پہلے کے تھے۔ میری پہلی استانی نے شاید سچ بتادیا تھا کہ میں بالکل غلط ناچتا ہوں۔ مجھے سب کچھ بھلا کر نئے سرے سے ناچنا سیکھنا ہو گا۔ میں یہ بات سن کر ہمت ہار بیٹھا۔ میرے لئے کورس جاری رکھنا دوبھر ہو گیا۔ میں اس استانی کے یہاں سے چلا آیا۔

میری دوسری استانی ممکن ہے جھوٹ بول رہی ہو .. لیکن مجھے وہ بہت پسند آئی۔ اس نے سرسری طور پر مجھے کہا کہ میرے ناچنے کا انداز قدرے پرانے فیشن کا ہے لیکن بنیادی باتیں سب ٹھیک ہیں۔ مجھے چند نئے قدم سیکھنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے گی۔ پہلی استانی نے میری غلطیوں پر زور دے کر میرا حوصلہ توڑ دیا تھا۔

نئی استانی کا رویہ اس سے بالکل برعکس تھا۔ وہ میری ٹھیک حرکتوں کی تعریف کرتی رہی اور میری غلطیوں کو گھٹا کر بیان کرتی۔ وہ مجھے یقین دلاتی کہ آہنگ میری فطرت میں موجود ہے اور میں پیدائشی رقاص ہوں حالانکہ مجھے معلوم تھا کہ میں ہمیشہ معمولی رقاص رہا ہوں اور شاید ایسا ہی رہوں گا۔ لیکن میں اس خیال سے بڑا خوش تھا کہ شاید وہ ٹھیک کہتی ہو اور میں واقعی اچھا ناچنے لگ جاؤں۔ یوں سوچا جائے تو یہ باتیں کہنے کا اسے معاوضہ ملتا تھا۔ لیکن مجھے یہ بات جتانے کی کیا ضرورت تھی!

بہر حال کم از کم اب مجھے اتنا احساس ضرور ہے کہ میں پہلے سے بہت اچھا رقاص ہوں۔ اگر وہ مجھے یہ نہ بتاتی کہ مجھ میں آہنگ کا جوہر موجود ہے تو شاید میں اتنا اچھا رقاص کبھی نہ ہو سکتا۔ اس کے اس رویے نے میری حوصلہ افزائی کی، مجھے امید دلائی اور مجھ میں ترقی کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔

حوصلہ افزائی

Encouragement

اگر آپ کسی بچے، خاوند یا ملازم سے کہہ دیں کہ وہ فلاں معاملے میں بالکل کورا اور نالائق ہے۔ اس میں اس کام کے کرنے کی صلاحیت نہیں۔ وہ بالکل غلطی پر ہے تو سمجھ لیجئے کہ آپ نے اس کی اصلاح اور ترقی کے ہر امکان کو ختم کر دیا۔ لیکن اگر آپ اسکے برعکس رویہ اختیار کریں۔ اس کی دل کھول کر حوصلہ افزائی کریں۔ اس سے کہیں :

یہ کام کرنا تمہارے لئے زیادہ مشکل نہیں مجھے یقین ہے کہ تم میں جوہر موجود ہے اور تم میں اس کام کا صحیح ذوق پایا جاتا ہے صرف نشوونما کی ضرورت ہے۔

تو یقین جانئے کہ وہ شخص راتوں کی نیند حرام کرلے گا اور اپنی اصلاح کی سر توڑ کوشش کرے گا۔

سر لاول ٹامس کا طریقِ کار

How Sir Lowell Thomas worked

سر لاول ٹامس اس اصول پر کاربند ہیں اور یقین جانئے کہ وہ خوشگوار انسانی تعلقات کے بہت بڑے امام ہیں۔ وہ آپ میں خود اعتمادی پیدا کر دیتے ہیں۔ وہ آپ کو حوصلے اور ایمان سے بھرپور کر دیتے ہیں۔ مجھے پچھلے ہفتے سر لاول ٹامس اور ان کی اہلیہ کے ساتھ چند روز گزارنے کا موقع ملا۔ ہفتے کی رات انہوں نے مجھے انگیٹھی کے قریب بیٹھ کر برج کھیلنے کی دعوت دی.. برج اور میں ؟ توبہ توبہ مجھے یہ کھیل بالکل نہ آتا تھا۔ میرے لئے یہ کھیل ہمیشہ سے ایک سربستہ راز تھا لیکن انہوں نے مجھے اس میں شریک کر لیا۔

سر لاول ٹامس نے کہا :

ڈیل یہ کوئی شعبدہ نہیں ہے۔ اس میں ذرا سا حافظے اور عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے حافظے پر ایک مقالہ لکھا تھا۔ برج سیکھ لینا آپ کیلئے کوئی بڑی بات نہیں۔ آپ یقیناً کھیل سکتے ہیں۔ یہ آپ کی قابلیت سے بالا نہیں۔

مجھ پر اس گفتگو نے جیسے جادو کر دیا۔ اس میں اس احساس کے بغیر کہ میں کیا کر رہا

ہوں۔ میز کے سامنے جا بیٹھا اور برج کھیلنے لگا۔ میں نے پہلے کبھی یہ کھیل نہ کھیلا تھا لیکن مجھے بتایا گیا تھا کہ مجھ میں اس کا ذوق موجود ہے تو یہ کھیل میرے لیے آسان ہو گیا۔

ایلی کلبر ٹسن کی کامیابی کا راز

Elic Burton's secret of the success

برج کا ذکر آیا تو ایلی کلبر ٹسن کی یاد تازہ ہو گئی۔ جہاں کہیں بھی برج کا کھیل کھیلا جاتا ہے وہاں ایلی کلبر ٹسن کا ذکر ضرور آتا ہے۔ انہوں نے اس کھیل پر جو کتابیں لکھی ہیں۔ ان کا ترجمہ کئی زبانوں میں ہو چکا ہے اور ان کی لاکھوں جلدیں فروخت ہو چکی ہیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا: "میں اس کھیل کی بدولت اتنی کمائی ہر گز نہ کر سکتا اگر مجھے ایک عورت نے یہ نہ بتایا ہوتا کہ مجھ میں اس کا اصل جوہر موجود ہے"۔

ایلی کلبر ٹسن ۱۹۲۲ء میں امریکہ آئے تو انہوں نے فلسفہ اور علم شہریت پڑھانے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ انہوں نے کوئلے کی فروخت شروع کی مگر اس میں بھی ناکام ہوئے۔ اس کے بعد انہوں نے کافی کی فروخت شروع کی اس میں بھی انہیں کامیابی نہ ہوئی۔

ان دنوں ان کے ذہن میں یہ بات نہ آئی کہ برج سکھنا شروع کر دیں وہ نہ صرف اناڑی تھے بلکہ بہت سخت مزاج بھی تھے۔ وہ اس قدر سوال کرتے اور اس قدر جرح کرتے تھے کہ کوئی شخص بھی ان کے ساتھ کھیلنا پسند نہ کرتا۔

اس کے بعد ان کی ملاقات ایک برج سکھانے والی خاتون سے ہوئی۔ اس کا نام جوز فین ڈلن تھا۔ وہ اس سے محبت کرنے لگے اور پھر اس سے شادی کر لی۔ ان کی بیوی نے دیکھا کہ ایلی کلبر ٹسن تاش کے پتوں کا بڑی احتیاط سے جائزہ لیتے ہیں تو ان سے کہا: "آپ میں برج کے کھیل میں نام پیدا کرنے کی قابلیت موجود ہے"۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ صرف اسی حوصلہ افزائی کے طفیل میں برج کا پیشہ ور کھلاڑی بن گیا۔

اسلئے اگر آپ چاہتے ہیں کہ لوگوں کے جذبات کو ٹھیس بھی نہ پہنچے، وہ آپ سے ناراض بھی نہ ہوں اور آپ کے حسبِ منشا بدل بھی جائیں تو آٹھواں اصول یہ ہے :-

"حوصلہ افزائی کیجئے، جس غلطی کی اصلاح مقصود ہو اسے نا قابلِ اصلاح نہ کہئے، جو کام آپ دوسروں سے لینا چاہتے ہیں اسے نا قابلِ عمل بنا کر پیش نہ کیجئے۔

دوسروں سے کام اس انداز سے لیں کہ وہ بخوشی قبول کر لیں۔

نفرت اور انتقام کی قیمت

The price of revenge

اسلام محبت اور الفت میں کا مذہب ہے اس میں نفرت اور انتقام نہیں بلکہ عفوو درگزر ہے۔

حضور پاک ﷺ نے فرمایا:

عفو کرنے سے اللہ پاک آدمی کی عزت بڑھاتا ہے۔ (مسلم)

فتح خیبر کے بعد ایک یہودی عورت زینب بنتِ حارث نے رسولِ پاک ﷺ کو کھانے میں زہر کھلانے کی کوشش کی۔ آپ ﷺ کو اس کا علم ہو گیا۔ آپ ﷺ نے ہاتھ کھینچ لیا۔ فرمایا:

""اس کھانے میں زہر ہے"

اس عورت کو حضورِ پاک ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے اس کو معاف کر دیا۔ آپ ﷺ نے اپنی ذات کے معاملے میں انتقام لینا پسند نہیں فرمایا۔

طائف والوں نے شقاوت اور کمینگی کا مظاہرہ کیا، پتھر مار مار کر آپ ﷺ کو لہو لہان کر دیا، لیکن آپ ﷺ نے نہ صرف معاف کیا بلکہ ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

غزوۂ حنین میں چھ ہزار مرد عورتیں قید ہوئیں، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: میں اپنے اور ہو عبد المطلب کے حصے کے تمام قیدی بغیر کسی معاوضے کے آزاد کرتا ہوں۔ یہ سن کر مہاجرین اور انصار نے بیک زبان کہا:

ہم بھی اپنے قیدیوں کو بغیر کسی معاوضے اور شرط آزاد کرتے ہیں۔ (اخلاق الرسول ﷺ، کتاب زندگی)

الغرض دین عفوودرگزر، محبت اور الفت اور معافی کا نام ہے۔

نفرت اور انتقام کی قیمت

The price of revenge

میں نے گرزلی ریچھ کی بابت سن رکھا تھا اور میری معلومات کے مطابق یہ اتنا طاقتور جانور ہوتا کہ شیر، جنگلی بھینسے اور کوڈیاک ریچھ کے علاوہ ہر درندے پر قابو پا سکتا ہے۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ میلو سٹون پارک میں گرزلی ریچھ رہتے ہیں اور رات کے اندھیرے میں پارک ہوٹل سے پھینکی گئی بچی کھچی خوراک اور سبزی کھانے آجاتے ہیں۔ میں دوسرے سیاحوں کے ہمراہ چھپ کر بیٹھ گیا۔ نصف شب کے قریب ایک ریچھ ہوٹل کے اس گوشہ کی طرف آتا دکھائی دیا جہاں بچی کھچی خوراک ڈال دی گئی تھی۔ ذرا دیر بعد اندھیرے میں ایسی آوازیں آنے لگیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ ریچھ کھانے میں مصروف ہے۔

میں نے ٹارچ کی روشنی اس مقام پر ڈالی تو معلوم ہوا کہ ریچھ اور نیولا نما جانور ایک جگہ پر کھانے میں مصروف ہیں۔ حالانکہ نیولا ریچھ کے ایک تھپڑ کی مار نہ سہہ سکتا تھا۔ میں نے اس پر بار بار غور کیا کہ آخر ریچھ نے نیولے کو اپنی خوراک کھانے کی اجازت کیوں دی؟

میرے سوال کا ایک ہی جواب تھا کہ نیولے کی حیثیت اتنی نہ تھی کہ ریچھ اسے درخوداعتنا سمجھتا یعنی وہ ریچھ کے لئے بے ضرر تھا۔ بڑے آدمیوں کی زندگی پڑھیں، انہوں نے ان سینکڑوں آدمیوں کی طرف توجہ نہیں دی جو ان پر متواتر گندگی اچھالتے رہے۔ کیوں؟ انہیں بخوبی معلوم تھا کہ ایسے سُفلہ لوگوں سے بدلہ لینا چنداں مشکل نہ تھا لیکن بدلہ لینے کے لئے انہیں اپنے اعصاب سے کھیلنا تھا۔ بدلہ لینے کی کوشش یا منصوبہ بندی صرف وقتی جسمانی ردِ عمل نہیں ہوتی بلکہ متواتر اور مسلسل ذہنی عمل بھی ہوتا ہے۔ اس قسم کی خلش سے خون کا دباؤ اور قلب کی شکایتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔

غصہ کے اثرات

The effects of anger

غصہ کے اثرات کمزور دل والے افراد میں دیکھئے۔ ایسے واقعات روز سننے میں آتے ہیں کہ امراضِ قلب کے بیمار کو اچانک غصہ آیا جو نہ صرف دل کے دورے کی صورت اختیار کر گیا بلکہ جان لیوا ثابت ہوا۔ ایک ہوٹل کے اڑسٹھ سالہ مالک کو صرف اس بات پر غصہ آگیا کہ اس کے باورچی نے اس کی پیالی میں کافی پینے سے انکار کر دیا تھا۔ مالک نے پستول نکال کر باورچی کا تعاقب کیا مگر پیشتر اس کے کہ گولی ریوالور سے نکلتی مالک گرا اور حرکتِ قلب بند ہونے سے ختم ہو گیا۔ حضرت یسوع مسیح کے دو اقوال اس ضمن میں قابلِ ذکر ہیں۔

۱: اپنے دشمنوں سے پیار کرو۔

۲: ساڑھے سات سو دفعہ درگزر سے کام لو۔

ایک اخلاقی درس اور فرمانِ نبی علیہ السلام ہونے کے علاوہ صرف طبی نقطۂ نگاہ سے ان اقوال کے اثرات کا جائزہ لیجئے تو اس میں آپ کو صحت کے بنیادی راز ملیں گے۔ اگر آپ کسی فرد یا افراد سے نفرت کریں یا انتقام لینے کی کوشش کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ پیشتر اس کے کہ ان افراد کا کچھ بگڑے آپ اس کی کتنی قیمت ادا کر چکے ہوں گے۔

یہاں ایک نکتہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپ کے دشمنوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ کے دل میں ان کیلئے کتنی نفرت ہے یا آپ بدلہ لینے کی سوچ رہے ہیں تو وہ ان چیزوں کو اور ہوا دیں گے۔ تاکہ آپ کا خون جلتا رہے۔۔ آپ کے اعصاب میں کھنچاؤ پیدا ہو اور آپ کی نیند پریشانیوں اور اضطراب کی نذر ہو جائے۔ بتایئے بدلہ آپ نے لیا یا انہوں نے؟

میری ایک کتاب کا اردو نام رکھا گیا ہے "میٹھے بول میں جادو ہے"۔ اگر میں یہ کہوں کہ میٹھی تحریر میں جادو ہوتا ہے تو بھی درست ہو گا۔ ایک حقیقی داستان پیش کرتا ہوں۔

جارج رونا دوسری جنگِ عظیم سے پیشتر وی آنا میں سرکاری وکیل تھا۔ اس مقام کو وہ غیر محفوظ پا کر سویڈن چلا گیا۔ اسے کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا اور اسے یقین تھا کہ کسی نہ کسی فرم میں اسے نامہ نگار کے طور پر ملازمت مل جائے گی لیکن اسے نہ صرف مایوسی ہوئی بلکہ ایک فرم سے ایک ایسا کڑوا کسیلا جواب ملا کہ اس کا خون کھول گیا۔ خط میں تحریر کیا گیا تھا کہ اس کی عرضی اغلاط سے پُر تھی اور یہ کہ ایسا فرد کیا خاک نامہ نگاری کرے گا؟

جارج رونا نے بادی النظر میں فرم کے خط میں بھی گرامر کی تین چار غلطیاں تلاش کر لیں، اس نے قلم پکڑا اور فرم کے مالک کو ترکی بہ ترکی جواب لکھ دیا۔ لیکن غصہ فرو ہونے پر اس نے خط ڈاک کے سپرد نہ کیا۔ اب وہ حقائق کی دنیا میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ درخواست گزار تھا اسے ملازمت درکار تھی، فرم کے مالک کو ایسی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اگر ضرورت تھی بھی تو بیسیوں آدمی مل سکتے تھے۔

آخر اس نے فرم کو نرم سے نرم الفظ میں جواب دیا جس میں اپنی زبان کی کمزوریوں کا اعتراف کرتے ہوئے یہ لکھا کہ وہ اپنی کمزوریوں پر مزید تعلیم اور مشق سے قابو پا رہا ہے اور اسے امید ہے کہ وہ فرم کی خدمت کر سکے گا۔ وہ حیران رہ گیا جب فرم نے اسے ملازمت کی پیشکش کر دی۔ میٹھے تحریری الفاظ اپنا کام دکھا چکے تھے۔

میں ایک دفعہ پھر اپنے اس نظریئے کی طرف پلٹتا ہوں کہ اگر بڑے لوگوں پر گندگی اچھالی جائے تو وہ پرواہ نہیں کرتے۔ اس سلسلہ میں کچھ مثالیں پیش کرتا ہوں۔

جنرل آئزن ہاور صدر امریکہ بھی ایسے لوگوں میں تھے۔ جب ان پر آوازے کسے جا رہے تھے تو ان کے لڑکے سے پوچھا گیا کہ آیا جنرل موصوف ان باتوں پر خفگی کا اظہار کرتے ہیں؟ ان کا جواب تھا کہ جنرل جن لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں ان کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے۔

مسٹر ولیم جے۔ گے۔ نار سابق گورنر نیویارک کی پالیسی بھی یہی تھی۔ ایک مسئلہ پر اخبارات نے ان کی خوب پگڑی اچھالی بلکہ ایک پاگل نے ان پر گولی چلا دی اور وہ بری طرح زخمی ہوئے، ابھی وہ ہسپتال کے بستر پر دراز تھے کہ ان سے اس واقعے کے ردّ عمل کے متعلق پوچھا گیا، ان کا جواب تھا:

"میں رات سونے سے پہلے ہر اس شخص کو معاف کر دیتا ہوں جس نے میری ذات سے گستاخی کی ہو"۔

عیسائیت کے اربابِ بست وکشاد میں سے ایک کا قول ہے:

"ہو سکتا ہے لاٹھیاں اور پتھر میری ہڈیاں توڑ ڈالیں لیکن (مخالفین کے) الفاظ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے"[1]

ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں:۔

یہ ایک برطانوی نرس کی حقیقی داستان ہے جسے اتنی عزت ملی کہ اس کی لاش چار

1: انبیائے کرام علیہم السلام نے جسمانی تکالیف پہنچانے والوں کو بھی نظر بد سے نہیں دیکھا بلکہ ان کی اصلاح اور مغفرت کیلئے دعا کی۔ حضرت رسول مقبول ﷺ کی زندگی ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ طائف کی بستی میں جب آپ ﷺ پر سنگ باری کی گئی تو آپ ﷺ زخمی ہو گئے مگر ناراض ہونے کی بجائے آپ ﷺ نے ان کیلئے دعا فرمائی۔

سال بعد بیلجیم سے انگلستان لائی گئی تاکہ اسکی موت کی رسومات ویسٹ منسٹری میں ادا کی جاسکیں اور اس کا مجسمہ نیشنل پورٹریٹ گیلری میں بنایا جائے۔

نرس ایڈتھ کیوں نے پہلی جنگِ عظیم کے برسلز میں انگریزی اور فرانسیسی زخمی فوجی سپاہیوں کی اپنے مکان پر تیمار داری کی اور ان کو خوراک مہیا کی۔

جرمنوں کیلئے ان کا عمل ملک سے غداری کے مترادف تھا۔ انہیں گولی سے اڑا دینے کی سزا سنائی گئی۔ جب انہیں اس مقام تک لے جایا جارہا تھا جہاں جرمنی فوجیوں کے ایک دستہ نے گولیوں کی باڑھ مار کر انہیں ختم کر دینا تھا تو ان کے آخری الفاظ یہ تھے :

"مجھے احساس ہے کہ صرف حب الوطنی کا جذبہ کافی نہیں بلکہ میرے دل میں کسی فرد کیلئے نفرت اور کدورت نہیں ہونی چاہیئے :

اس قول کو ایک حبشی استاد نے یوں عملی جامہ پہنایا کہ حقیقت پر ڈرامہ کا گماں ہوتا ہے مگر یہ حقیقت ہے بلکہ ٹھوس حقیقت ہے۔

ایک حبشی استاد کی گردن میں گوری امریکن قوم کے لوگوں نے رسہ ڈال کر چتا پر کھڑا کر دیا، دیا سلائی دکھائی جانے والی تھی کہ ایک ایسا ردعمل ہوا کہ وہی لوگ جو جلانے آئے تھے اس کی عزت اور تکریم میں اس قدر آگے بڑھے کہ اس کے پروگرام کی امداد کیلئے وہیں چندہ کر ڈالا۔ دراصل حبشی استاد کے الفاظ کام کر گئے .... تفصیلات کچھ یوں ہے :

حبشی نے امتیازی نمبروں سے کالج سے ڈگری لی

A negro graduated with flying colours

پہلی جنگِ عظیم کے دوران ایک حبشی نے امتیازی نمبروں میں کالج سے ڈگری لی۔ اسے وظائف کی پیشکش کی گئی، کاروبار میں شرکت کی استدعا کی گئی لیکن اس کے سامنے ایک پروگرام تھا، ایک آورش تھا کہ دور افتادہ حبشی بستیوں کے بچوں بچیوں کو نورِ تعلیم سے منور کرے۔ اس نے غریب ترین آبادی میں اپنی گرہ سے اسکول کھولا۔ جب گوری اقوام نے اس کی لگن اور جذبے کو پرکھا تو دامے، درمے اور سخنے مدد دی اور اس کا اسکول علاقے کا مفید ترین ادارہ بن گیا۔ وہ نہ صرف بچوں کو پڑھاتا بلکہ بالغ حبشیوں کو تقاریر کے ذریعے سمجھاتا تاکہ وہ اپنے حقوق کیلئے ڈٹ جائیں۔

جنگ کے دوران نہ صرف سر پھرے نوجوانوں کی مدد کرنے بلکہ ملک میں بغاوت برپا کرنے کا الزام لگا۔ چند سر پھرے نوجوانوں اس سے ایسی باتیں منسوب کیں کہ گوری آبادی کے بعض لوگ اس کے گلے میں رسہ ڈال کر لے گئے اور چتا پر کھڑا کر دیا۔ ابھی دیا سلائی نہیں دکھائی گئی تھی کہ ایک بوڑھے معزز شخص کے کہنے پر اسے اپنے لیکچر کی وضاحت کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس نے اپنے زمانۂ ماضی کی تمام تفصیل اور گوری آبادی کی امداد کے اعداد و شمار پیش کئے۔ لوگوں پر اس کے اخلاص کا اتنا اثر ہوا کہ نہ صرف اسے آزاد کر دیا گیا بلکہ اس کے پروگرام کی تکمیل کیلئے وہیں چندہ پیش کیا گیا۔ وضاحت کے دوران اس سے پوچھا گیا کہ آیا اس کو ان لوگوں سے نفرت ہے جو اس کی گردن میں رسہ ڈال کر لائے تھے اور دیا سلائی دکھانے والے تھے............اس کا جواب کچھ یوں تھا:

میں اپنے ذاتی مسائل کی بجائے بلند مقصد کے حصول کیلئے ہمہ تن مصروف رہتا ہوں، میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ لڑائی اور افسوس کا اظہار کر سکوں۔ کوئی فرد مجھے اتنا عمیق نہیں لے جا سکتا کہ میں اس سے نفرت کا آغاز کروں۔

یہ باب نامکمل رہے گا اگر ہم ایسے فرد کی حقیقی داستان بیان نہ کریں جو ہماری طرح گوشت پوست کا انسان تھا کوئی فرشتہ یا ولی نہ تھا البتہ دنیا کا سب سے بااثر اور صاحبِ اقتدار فرد تھا۔ وہ لوگوں پر نوازشات کی بوچھاڑ کرتا اور انہیں بڑے اور اونچے عہدوں پر سرفراز کرتا تھا لیکن ان نوازشات کے جواب میں اس کیا ملا؟ نفرت، حقارت اور کردار کشی کی مہم۔ اس کی پگڑی اچھالی گئی، اس پر بہتان تراشے گئے، اس کے اصل روپ پر سیاہی ملنے کی کوشش کی گئی، اسے اخبارات کے کالموں اور اعلیٰ و ادنیٰ سیاسی ایوانوں میں بدنام کیا گیا۔

بدنام کرنے والے کون لوگ تھے؟ وہی لوگ جن پر اس نے نوازشات کی بارش کی تھی۔ شاید آپ اس ہستی کو پہچان گئے ہوں گے .... یہ تھے امریکہ کے صدر ابراہم لنکن اور بدنام کرنے والے تھے میک کلیلن، سیوارڈ، سٹین ٹان اور چیس۔ اس کے باوجود جب کوئی اعلیٰ عہدہ خالی ہوتا اور وہ سمجھتا کہ ان لوگوں میں سے کوئی فرد اس کیلئے موزوں ہے تو فوری طور پر اس کا تقرر کر دیتا۔ ابراہم لنکن کا قول تھا:

''ہم سب حالات و واقعات، ماحول، تعلیم، اختیار کی گئی عادات اور توارث

کی پیداوار ہیں اس لئے ہمیں کسی فرد کی اس لئے تعریف نہیں کرنی چاہئیے
کہ اس نے یہ کام کر دکھایا اور نہ ہی اس لئے مذمت کرنی چاہئیے کہ وہ فرد
فلاں کام نہ سکا"۔

گویا مذمت کرنے کا فیصلہ ابراہم لنکن میں نہ تھا اور اپنے ماتحتوں کی خامیوں کی وجہ وہ ان حالات اور ماحول گردانتا تھا جس میں اس کے ماتحت پرورش پاچکے تھے۔ یعنی وہ کسی فرد کی کوتاہیوں پر اس کی سرزنش نہ کرتا تھا۔

حضرت یسوع مسیح کے یہ الفاظ پڑھتے

Read the words of christ

میرے والد ایک معمولی کسان تھے لیکن اللہ نے انہیں قناعت اور صبر کی نعمتوں سے نواز تھا۔ رات کو سونے سے قبل وہ حضرت یسوع مسیحؑ کے یہ الفاظ پڑھا کرتے تھے: "[1]

"اپنے دشمنوں سے پیار کرو، جو لوگ تمہار برا چاہتے ہیں ان کیلئے دعا کرو،
جو افراد تم سے نفرت کرتے ہیں ان کے ساتھ نیکی کرو، جو تم سے بغض و
کینہ رکھتے ہیں اور تمہیں اذیتیں دیتے ہیں ان کیلئے دعا کرو"۔

گویا یہ ارشادِ نبوی علیہ السلام ہمیں نفرت، انتقام کا جذبہ پالنے کی بجائے محبت اور نیکی کے جذبات اجاگر کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اگر اس ارشادِ گرامی پر عمل کیا جائے تو دماغ میں نفرت اور انتقام کی بجائے نیکی، رحم اور محبت کا دور دورہ ہو گا.......... یہی اس باب کا حاصل ہے اور ذہنی سکون کے حصول کا بہت بڑا گُر ہے۔

۱: حضور پر نور سراپا رحمت تھے۔ ہر کس و ناکس، چھوٹے بڑے، امیر و غریب، اعلیٰ و ادنیٰ کیلئے آپ ﷺ کے دروازے ہر وقت کھلے تھے اور آپ ﷺ کے ہاتھ دوست، دشمن، امیر و غریب، بیمار و مقروض کی خاطر دعا مانگنے کیلئے ہمیشہ اٹھتے تھے۔ اولیاء کرام کی زندگی بھی اسی رنگ میں رنگی رہی اور وہ اسی کی تلقین کرتے تھے۔

معمولی واقعات سے متأثر نہ ہونا

Do not let little things disturb you

حضور اقدس ﷺ پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے حتیٰ کہ خود کفار بھی اس بات کو کھلے عام کہنے لگے کہ اگر یہاں ہم میں سے کوئی ہوتا تو کب کا اپنے مذہب کو بدل چکا ہوتا۔ ایسی حالت میں چونکہ صحابہ کرامؓ بھی آپ کے ساتھ ہوتے تھے اس لئے وہ بھی ظلم کے خلاف ایک چٹان بن گئے۔

واضح بات ہے کہ جب ہر طرف مظالم اور دشمنی ہو تو ایسے حالات میں چھوٹی چھوٹی تکالیف انسان کو قطعی متأثر نہیں کرتیں۔ حضور اقدس ﷺ کی زندگی ان حالات سے بھری ہوئی ہے۔ آپ ﷺ پر مسجد حرام اور مکہ مکرمہ میں ظلم ڈھایا گیا جب کہ طائف میں تو ظلم کی انتہا ہوگئی اور اس جیسا ایک اور سانحہ شعبِ ابی طالب کا تھا جہاں عرصہ دراز تک آپ ﷺ دیگر افرادِ قبیلہ کے ہمراہ بظاہر مقید و بے یار و مددگار رہے۔

ان حالات میں آپ ﷺ کے کھانے، پینے، لباس، گھریلو تنگی، لوگوں خاص طور یہودی لین دین والوں کی تنگی کو باحُسن وخوبی برداشت کرتے رہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو خزانۂ خاص سے صبر و شکر عطا فرمایا ہے۔

پھر ان مصائب میں آپ ﷺ نے عفو و درگزر کا دامن نہیں چھوڑا۔ اپنے قتل کا ارادہ کرنے والوں کو، اپنے چچا کے قاتلوں کو معاف کردیا حتیٰ کہ فتح مکہ پر تمام مخالفین کے لئے عام معافی کا اعلان کردیا۔

کچھ یورپی زندگی کے حالات دیکھیں

معمولی واقعات سے متأثر نہ ہوں

Do not let little things disturb you

یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ لوگ جن پر بڑی بڑی مصیبتیں ٹوٹیں اب وہ ادنیٰ واقعات کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ایسی ہی ایک سچی کہانی ملاحظہ کیجئے :-

مسٹر رابرٹ مور ایک آبدوز کشتی پر ملازم تھے۔ دوسری جنگِ عظیم کا واقعہ ہے یہ امریکن آبدوز کشتی بحر الکاہل میں مصروفِ کار تھی کہ کارکنوں کو راڈار کے ذریعے معلوم ہوا کہ ایک چھوٹا سا جاپانی بیڑا ان کی طرف بڑھ رہا ہے۔ نزدیک آنے پر معلوم ہوا کہ وہ ایک تباہ کن جہاز، ایک تیل بردار جہاز اور ایک سرنگیں بچھانے والے جہاز پر مشتمل تھا۔ آبدوز نے غوطہ مارا اور یکے بعد دیگرے تین تارپیڈو تباہ کن جہاز کی طرف پھینکے کسی فنی خرابی کی وجہ سے تمام تارپیڈو ناکام ہو گئے۔

ادھر ایک جاپانی طیارہ کی نظر آبدوز پر پڑی جو اس وقت زیادہ گہری نہ تھی۔ دوسرے لمحے آبدوز کشتی کے ارد گرد سرنگیں پھٹنی شروع ہوئیں۔ کارکن آبدوز کو ۲۷۶ فٹ سطح سمندر سے نیچے لے گئے۔ انجن اور پنکھے بند کر دیئے گئے، تمام ملاحوں کو کہا گیا کہ وہ اپنے آپ کو اپنی چارپائیوں سے باندھ لیں لیکن موت کا خوف دماغ کے خلیوں کی دھجیاں اڑا رہا تھا۔

مسٹر رابرٹ مورس خنکی میں پسینہ پسینہ ہوئے جاتے تھے۔ بلکہ کمزوری سے ان کا پسینہ چھوٹ رہا تھا۔ یہ صورت حال پورے پندرہ گھنٹے قائم رہی۔ ایک ایک منٹ دن کے برابر ہو گیا۔ آخر جاپانی بحری بیڑا روانہ ہو گیا اور آبدوز کشتی صحیح سالم سطح سمندر پر آگئی۔

جب جنگ ختم ہوئی تو مسٹر رابرٹ موت زندگی کا درس سیکھ چکے تھے۔ انہوں نے قیامت دیکھ لی تھی اب وہ معمولی واقعات کو ذہن میں جگہ نہ دیتے تھے اور پریشانیوں کو دور رکھتے۔

معمولی واقعات مثلاً گھر میں میاں بیوی کے درمیان تو تکار، کوئی اہانت آمیز کلمہ، تحقیر، اشارہ یا گستاخی یا اس قسم کے معمولی واقیات مسٹر رابرٹ مور کو پیش آتے تو وہ انہیں درخورِ اعتنا نہ سمجھتے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ پولیس سٹیشنوں، وکلاء کے دفاتر اور عدالتوں تک نوبت انہی معمولی واقعات کی وجہ سے پیش آتی ہے بلکہ ایسا ردِ عمل نارمل

سمجھا جاتا ہے۔ یہ ردِ عمل کوئی بڑا انتقام بھی ہو سکتا ہے۔ اگر معمولی واقعات کو نظر انداز کر دیا جائے تو یہ بڑے واقعات نہیں بن سکتے۔

بڑے آدمیوں کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور جو نظر انداز نہیں کر سکتے وہ ہنگامہ کھڑا کر دیتے ہیں۔ مشہور شاعر، مصنف رڈیارڈ کپلنگ جس نے اپنی ایک تصنیف میں یہ لکھا تھا کہ جب دوسرے اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھیں تو تم اپنا دماغ متأثر نہ ہونے دو۔ وہ اپنی بیوی کے بھائی کی معمولی سی لغزش سے دماغی توازن کھو بیٹھا اور اس سے ایک بڑے طویل مقدمے میں الجھ گیا۔ جو رڈیارڈ کپلنگ کی بدنامی کا باعث بنا۔

قصہ یہ ہوا کہ رڈیارڈ کپلنگ نے اپنے سالے مسٹر بیلسٹر سے کچھ زمین خریدی مگر معاہدہ یہ کیا کہ مسٹر بیلسٹر کو اس کی گھاس کاٹنے کی اجازت ہوگی۔ کپلنگ یہ معاہدہ نہ نبھا سکا۔ اس کو رنج ہوا۔ ایک دن جب کپلنگ سائیکل پر جا رہا تھا، بیلسٹر نے اپنی گھوڑا گاڑی اس پر چڑھا دی اور وہ سائیکل سے گر گیا۔ کپلنگ کا خون کھول گیا، اس نے پولیس میں رپورٹ کی مقدمہ رجسٹر ہوا، عدالت میں مقدمہ نے اتنا طول کھینچا کہ دونوں میں کسی سمجھوتہ یا تصفیہ کی امید باقی نہ رہی۔ کپلنگ کی شہرت کو اتنا نقصان پہنچا کہ اُسے امریکہ چھوڑنا پڑا۔ بات کہاں سے چلی تھی؟... گھاس کے چند گٹھوں سے۔ اگر کپلنگ ان چند گٹھوں کی شرط پوری کرتا رہتا یا برادرانہ طور پر معاہدہ میں معافی لے لیتا تو بات کا بتنگڑ نہ بنتا۔

کہتے ہیں چیونٹی ہاتھی کو مار دیتی ہے

An ant could kill an elephant

کہتے ہیں چیونٹی ہاتھی کو مار دیتی ہے۔ کچھ ایسا ہی واقعہ ایک عظیم دیو پیکر درخت کے ساتھ پیش آیا۔ قدرتی مناظر کے ماہرین بتاتے ہیں جب کولمبس نے سر زمین امریکہ پر قدم رکھا تو لانگ کی ڈھلانوں پر یہ پودا موجود تھا۔ جب پلائی موتھ میں آباد کاری ہوئی تو پودا درخت بن چکا تھا۔ اس نے بڑی طویل زندگی پائی۔ اس پر چودہ بار بجلی گری لیکن یہ دیو پیکر درخت پوری آن بان سے قائم رہا۔

آخر بھوروں نے اس درخت پر حملہ کر دیا۔ وہ تنے کے چھلکے کو ٹتے ہوئے اس کے گودے میں گھس گئے اور وہ درخت جو رعد اور برق کے چودہ حملے برداشت کر گیا تھا نحیف جان بھوروں کی مار برداشت نہ کر سکا اور زمین پر ڈھیر ہو گیا اگر آپ اپنے ارد گرد

دیکھیں تو آپ کو بیسوں ایسی مثالیں ملیں گی۔ آپ ڈکٹیٹروں کی زندگیوں کا تجزیہ کریں، یہ فولاد صفت لوگ جو اپنی زندگی میں کتنے قوی، مضبوط اور سیاسی طور پر توانا لوگوں کو چٹکی کی طرح مسل چکے ہوتے ہیں، کسی معمولی طالبعلم یا سیاسی کارکن کی لگائی ہوئی آگ میں بھسم ہو جاتے ہیں۔

میں پھر اس موضوع کی طرف آتا ہوں کہ بڑے لوگ کس طرح معمولی باتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مجھے ایک بار مسٹر راک فیلر کی ریاست میں جانا پڑا۔ میری کار دوسری کاروں سے بچھڑ گئی اور میں ایک گھنٹے بعد پہنچا۔ تمام کاریں گزر چکی تھیں۔ اسٹیٹ کا بڑا گیٹ بند تھا۔ اس کی چابی مسٹر سیفرڈ نے اپنی جیب میں ڈال رکھی تھی جنہیں مچھروں کی یلغار کے دوران میرا انتظار کرنا پڑا مگر ان کی پیشانی پر بل نہ آیا۔ وہ ایک سفیدے کے درخت کی شاخ کاٹ کر سیٹی بجارتے رہے۔ اتنا بڑا آدمی میرا منتظر رہا اور وہ بھی کن حالات میں؟ مسٹر سیفرڈ میرے دیر سے پہنچنے پر پریشان نہ ہوئے۔

اس باب میں ہم نے یہ اصول سیکھا ہے۔۔

"ادنیٰ باتوں کو خاطر میں نہ لائیں اور ان سے خواہ مخواہ پریشان نہ ہوں"۔

مصروف دینی زندگی

A busy spiritual life

اسلام فرصت کا مذہب نہیں بلکہ اسلام مصروفیت اور مسلسل کام کا مذہب ہے۔ یہ ہر انسان کو نہ صرف نماز، روزہ و دیگر عبادات سے اوقات کی پابندی سکھاتا ہے بلکہ اپنے ماننے والوں کو مسلسل مصروف رکھتا ہے۔

اگر وہ عشاء کی نماز پڑھ کر سوئے تو اس کے لئے رات کو اٹھنا اجرِ عظیم قرار دیا۔ پھر فجر کی نماز، پھر اشراق پھر چاشت، پھر ظہر، پھر عصر و مغرب اور آخر میں کچھ زیادہ مصروف رکھنے کیلئے عشاء کی لمبی نماز۔

آخر یہ کیا فلسفہ ہے؟ دراصل فارغ آدمی کا دماغ مثبت سوچ نہیں سوچتا وہ منفی سوچیں سوچتا رہتا ہے۔ ہم اگر حضورِ اقدس ﷺ اور آپ ﷺ کے آل واصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی پر غور کریں تو احساس ہوگا

کہ جہاں ان کی زندگی دینی اعمال وافعال میں مصروف رہتی وہاں وہ نفوسِ صالحہ تجارت و مال واسباب کی لائن میں بھی ہمیں بڑے بڑے تاجر اور مصروف لوگ نظر آتے ہیں۔

ہمیں صحابہؓ کی زندگی میں کوئی آدمی فارغ نظر نہیں آتا۔ یا تو وہ یادِ خدا میں اتنے مصروف رہے کہ دنیا کی فرصت نہیں ملی پھر کچھ وہاں سے فرصت نکال کر رزق کی تلاش میں مصروف ہوگئے حتیٰ کہ ان کے شب وروز ایسے ہی گزرتے رہے۔ اس لئے ان کے پاس مسائل پریشانیاں اور تکالیف بہت کم تھیں۔

آج اسی فلسفے کو یورپ اپنا رہا ہے اور یورپی برادری اسی اصول پر لگی ہوئی ہے۔ لیکن

اسلام اس مصروفیت میں اعتدال بھی سکھاتا ہے جسے یہ لوگ فراموش کر کے صرف مادے کے ہو کر رہ گئے ہیں۔

پریشانی چھوڑنے کے طریقے

How to fight worries

مرکز تعلیمِ بالغاں کے میرے ایک شاگرد کی سچی داستان پیش کرتا ہوں۔ اُن کی پانچ سالہ خوبصورت بچی فوت ہوئی تو میاں بیوی دونوں کی دنیا اندھیر ہو گئی۔ تفکرات نے آن پکڑا لیکن بہت جلد انہیں معلوم ہو گیا کہ قدرت اُنہیں ایک اور بچے سے نوازنا چاہتی ہے۔ دس ماہ کے اندر دوسری بچی پیدا ہو گئی۔ لیکن پانچ روزہ کی ہو کر وہ بھی چل بسی۔ اب کی بار وہ تفکرات کے اتنے گہرے گڑھے میں گرے کہ بھوک ختم ہو گئی، راتوں کی نیند اُڑ گئی، دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اور ہر چیز سے نفرت ہو گئی۔ ڈاکٹر اس روگ کا کامیاب علاج نہ کر سکے۔

خوش قسمتی سے ان کا ایک لڑکا چار برس کا تھا۔ اس نے ایک دن فرمائش کر دی کہ اسے لکڑی کی ایک ناؤ بنا کر دی جائے۔ موصوف پریشان بیٹھے تھے انکار کر دیا، مگر بچہ ضدی تھا۔ تین گھنٹے کی محنت کے بعد ناؤ ہوا کر ٹلا۔ مگر یہ کیا؟

موصوف تھکاوٹ، پژمردگی اور بدحالی کی بجائے اپنے آپ کو ہلکا اور مطمئن محسوس کرنے لگے۔ انہوں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ جو اوقات انہوں نے کام میں خرچ کئے غم واندوہ کو ان کے دماغ سے نکال کر لے گئے۔

انہوں نے اپنے گھر کی ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کی فہرست بنائی جو مرمت طلب تھیں۔ یہ دو سو چھیالیس تھیں۔ دو ماہ تک وہ خود ان کو مرمت کرتے رہے۔

کیسا غم؟ اور کیسی پریشانی؟ اب وہ ایک نئے انسان تھے۔ دو ماہ بعد انہوں نے اپنی مصروفیات کی ایک طویل فہرست بنا ڈالی جس میں مرکز تعلیمِ بالغاں کے کورس بھی شامل تھے۔

مشہور وزیرِ اعظم مسٹر چرچل اور سیلف اسٹارٹ انجن کے موجد چارلس کیٹرنگ بہت مصروف انسان تھے۔ دونوں سے علیحدہ علیحدہ سوال کیا گیا کہ وہ اس مصروفیت کی وجہ سے پریشان تو نہیں رہتے؟

دونوں کا جواب تھا:

"ہمارے پاس پریشان ہونے کے لئے وقت ہی نہیں"۔

ریسرچ سکالروں کا قول ہے کہ انہیں لیبارٹری میں سکون ملتا ہے۔ حالانکہ وہاں مسلسل کام ہوتا ہے۔

جنگِ عظیم کے بعد جب فوجی واپس اپنے وطن لوٹے تو وہ دماغی طور پر پریشانی اور اضطراب کا مرقع تھے۔ ان میں اکثر راتوں کو چنگھاڑتے اور بعض دن کے وقت عجیب وغریب حرکات کرتے، کبھی غم میں ڈوب جاتے اور کبھی ہڑبڑا کر جاگ اٹھتے۔ وہ جن ڈاکٹروں کے زیرِ علاج رکھے گئے ان کا کہنا ہے کہ ادویات نے انہیں اتنا فائدہ نہیں پہنچایا جتنا مصروف زندگی نے۔ ایسے مریضوں کو مچھلیاں پکڑنے، فٹبال اور گولف کھیلنے، کشتی رانی کرنے، تصویر اتارنے اور باغبانی میں مصروف رکھا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ صحت یاب ہو گئے۔ "علاج بذریعہ مصروفیت" قدیم یونانیوں کی اصطلاح ہے۔

بن فریکلن کے دور میں نیم حکیموں نے بھی ایک ابتدائی سا ذہنی شفاخانہ بنا ڈالا۔ ایک صاحب کو شفاخانہ کا معائنہ کرایا گیا تو انہوں نے دیکھا کہ مریضوں سے سن کی رسی بٹنے کا کام لیا جا رہا تھا۔ "ان بیچاروں سے کام نہ لو"۔ صاحب کا پہلا جملہ تھا۔ لیکن جب انہیں بتایا گیا کہ جن مریضوں کو مصروف رکھا جائے وہی مطمئن اور مصروف رہتے ہیں تو وہ بات کی تہہ تک پہنچ گئے اور اپنا جملہ واپس لے لیا۔

مجھے گاڑی میں ایک میاں بیوی ملے، ان کا جوان لڑکا پرل ہاربر کی تباہی سے ایک دن پیشتر فوج میں بھرتی ہوا تھا۔ اس واقعہ نے خاتون مذکورہ کی نیند اڑا دی، انہیں اپنے لڑکے کا غم کھائے جاتا تھا۔ وہ کہاں ہوگا؟ کیا کام کر رہا ہوگا؟ کیا اس پر بم برس رہے ہوں گے؟ وہ کون سی جسمانی تکالیف سے دوچار ہوگا؟

آخر انہوں نے غم غلط کرنے کے لئے اپنے آپ کو مصروف رکھنے کا آغاز کیا۔ گھر کی نوکرانی کو جواب دے دیا.. سارا کام اپنے ہاتھوں سے کرنے لگیں.. لیکن اس سے چنداں فرق نہ پڑا تو انہوں نے ایک سٹور کے سیلز ڈیپارٹمنٹ میں ملازمت کر لی۔ یہ سٹور کا مصروف ترین حصہ تھا۔

وہ سارا دن سودا سلف فروخت کرتیں.. گھر پہنچتیں تو اس قدر تھک چکی ہوتیں کہ سیدھی جا کر بستر پر لیٹ جاتیں اور نیند کی آغوش میں چلی جاتیں۔ کیسا غم کیسی پریشانی؟ ان کیلئے تو وقت ہی نہ تھا لہٰذا وہ چاق وچوبند رہنے لگیں۔

مشہور سیاح خاتون اوسا جانسن

Famous lady tourist osa johnson

مشہور سیاح خاتون اوسا جانسن جنہوں نے ایک کتاب تحریر کی ہے "میں نے مہمات سے شادی کی" نے بتایا کہ ان کی شادی سولہ سال کی عمر میں ہو گئی۔ انکے خاوند کو ان مناظر سے دلچسپی تھی جو معدوم ہوتے جا رہے ہیں۔

چنانچہ یہ جوڑا امریکہ کے پہاڑوں اور افریقہ کے جنگلوں میں خطرناک مقامات پر پہنچا اور ان کی تصویر بنائیں۔ ایک دفعہ یہ جوڑا ہوائی جہاز پر سفر کر رہا تھا کہ جہاز پہاڑ کی چوٹی سے ٹکرا گیا۔ خاوند وہیں کام آ گیا مگر موصوفہ کی جان بچ گئی۔ مگر وہ عمر بھر کیلئے پہیوں والی کرسی کی محتاج ہو گئیں۔

انہوں نے اسی کرسی پر بیٹھ کر سکولوں، کالجوں اور دوسرے اداروں میں ان معلومات پر مبنی لیکچر دینے شروع کئے اور تصاویر اور فلمیں دکھانے کا آغاز کیا۔ یہ غم غلط کرنے کے لئے بہترین مصروفیت ثابت ہوئی اور انکی مالی پریشانیوں کا سامان بھی ہو گیا۔

امیر البحر بیارڈ نے انہی اصولوں پر عمل کیا۔ پورے پانچ ماہ ان پر وہ وقت گزرا جس کے محض اندازہ کرنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ قطب شمالی میں ایسی جگہ گھر کر رہ گئے جہاں سو میل دور تک زندگی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ صبح و شام کی تمیز نہ تھی، سرد ہوائیں چلتیں تو یوں محسوس ہوتا کہ اسی شب وہ یخ بستہ ہو جائیں گے۔

لیکن انہوں نے زندہ رہنے کیلئے اپنے آپ کو مصروف رکھنے کا ایسا پروگرام بنایا جس کی منصوبہ بندی وہ ایک شام پیشتر کرتے تھے۔ یعنی ایک گھنٹہ فرار ہونے کی سرنگ میں کام کرنا.. نصف گھنٹہ برف برابر کرنے کیلیے، ایک گھنٹہ تیل کے ڈرم درست کرنے کیلئے، ایک گھنٹہ خوراک کی سرنگ میں تختے کاٹنے کیلئے اور دو گھنٹے انہی پل کی از سرِ نو تعمیر کیلئے وقف کر دیئے جاتے۔ دوسرے دن انہی خطوط پر کام کیا جاتا۔ اگر ان کی زندگی بے مقصد رہ جاتی تو ایک دن بھی کاٹے نہ کٹتا اور مقصد کے بغیر یہ مدت اضطراب وانتشار اور مایوسی کا مجموعہ ہوتی۔ بلکہ شاید زندگی پانچ ماہ تک ان کا ساتھ نہ دیتی۔

اسی قسم کا ایک واقعہ مسٹر ٹریمپر لانگ مین کو پیش آیا جن کا دفتر ۴۰، وال اسٹریٹ نیویارک میں تھا اور جن کی ذمہ داری تھی کہ آئس کریم بنانے والی نیشنل ڈیری کو سٹرابیری سپلائی کریں۔ گزشتہ بیس سال سے لاکھوں ڈالر کا یہ کام خوب منافع دے رہا تھا اور فیکٹری

کی تیار کردہ گیلن بھر سٹرابیری کے ڈبے مارکیٹ میں اپنی ساکھ جما چکے تھے۔

ان کی مانگ میں اضافہ ہو رہا تھا کہ اچانک نیشنل ڈیری اور بورڈن ڈیری دونوں فرموں نے سٹرابیری کی بیرل بھری پیکنگ خود بنانا شروع کر دی۔ ظاہر ہے یہ مال انہیں مسٹر لانگ مین کے مال سے کہیں ارزاں پڑتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں ڈالر کا مال سٹوروں میں رک گیا۔ کارخانہ میں گو گیلن سائز ڈبوں میں سٹرابری کی پیکنگ روک دی گئی لیکن لاکھوں ڈالر کا قرض جو بنک سے لیا گیا تھا اس کی واپسی کی کوئی صورت نہ تھی۔

قرض کی ادائیگی کا سامان یوں ہوا کہ لاکھوں من سٹرابری جس کا آرڈر دیا جا چکا تھا پیک کرنے کے بجائے کھلی مارکیٹ میں فروخت کر دی گئی۔

وہ فیکٹری چھوڑ کر اپنے دفتر واپس چلے گئے۔ اب انہیں یہ غم کھائے جاتا تھا اگر اٹلی سے خرید کردہ شاہ دانہ، فیرائر ہوائی سے خرید کردہ انناس کی پیکنگ بھی اسی طرح شکست کھا گئی تو کارخانے کا کیا بنے گا؟۔ حالانکہ اس کا خدشہ اور ڈر کا کوئی وجود نہ تھا۔

کسی نے بیرل بھر پیکنگ کا پرگرام نہ بنایا تھا۔ وہ پریشانی کا شکار ہو گئے بلکہ ان کی ذہنی شکست ان کی جسمانی شکست وریخت پر منتج ہونے لگی۔ خوش قسمتی سے انہوں نے اس اصول پر کام کرنا شروع کیا کہ "مصروفیت غم واندوہ کو دور رکھتی ہے"۔ وہ آٹھ گھنٹے کی بجائے سولہ گھنٹے روزانہ کام کرنے لگے۔ جب وہ دفتر چھوڑ کر گھر جاتے تو دھڑام سے بستر پر گر جاتے اور فوراً نیند کی آغوش میں چلے جاتے۔ فرضی خدشات دور ہو گئے۔ وہ تین ماہ اس اصول پر کام کرتے رہے حتیٰ کہ کمپنی نے اپنی مالی مشکلات پر قابو پا لیا اور خود بیرل پیکنگ کرنے لگی۔

جارج برنارڈ شا کا قول ہے کہ ذہنی شکستگی اور بددلی محض اس لئے پیدا ہو جاتی ہے کہ آپ یہ سوچ رہے ہوتے ہیں کہ میں خوش ہوں یا غمگین۔

اُٹھیے...... کمرِ ہمت باندھیے.. کچھ کیجئے اور مصروف رہیئے۔

پریشان آدمی کا کام میں مصروف رہنا چاہیئے۔

---

١ : فارسی میں ایک ضرب المثل مشہور ہے "بے کار مباش"
اردو میں کہاوت رائج ہے : "کچھ کیا کر، اگر کچھ نہیں تو پاجامہ ادھیڑ کر سیا کر۔ یا "خالی گھر میں جن بسیرا کرتے ہیں"۔
پنجابی میں بھی ایک کہاوت کم وبیش انہی معانی میں ملتی ہے، "نکمی جٹی ان ویلے"
سابق چیف جسٹس مغربی پاکستان ہائی کورٹ آنجہانی ایم۔آر۔کیانی لکھتے ہیں۔ میں جب کبھی باغ میں کام کرتا ہوں تو مجھے دو چیزیں حاصل ہوتی ہیں، غم بھول جاتا ہوں اور میرے خیالات میں نکھار آتا ہے۔

نفس کا حق .. تھکاوٹ و آرام

The right of the soul — fatigue & rest

تمہارے نفس کا تمہارے اوپر حق ہے۔ (الحدیث، معمولات نبوی ﷺ)
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں آئے تو دیکھا کہ دو ستونوں کے درمیان ایک رسی بندھی ہوئی ہے آپ نے فرمایا یہ کیا بات ہے؟
گھر والوں نے کہا کہ حضور ﷺ بی بی زینب رضی اللہ عنہا عبادت کرتے کرتے جب تھک جاتی ہیں تو اس سے سہارا لیتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے کھول ڈالو۔ تمہیں چاہئے کہ تم نماز پڑھو یہاں تک کہ طبیعت میں نشاط اور خوشی محسوس ہو جب تھک جاؤ تو سو جاؤ۔ (بخاری)
ابن عباس سے رویت ہے کہ رسول ﷺ خطبہ دے رہے تھے، ایک شخص کو کھڑے دیکھ کر آپ نے اس کے متعلق دریافت کیا، لوگوں نے عرض کیا اس کا نام ابو اسرائیل ہے۔
اس شخص نے نذر مانی ہے کہ آج سارا دن دھوپ میں کھڑا رہے گا، نہ بیٹھے گا، نہ سایہ میں جائے گا، نہ کسی سے بات چیت کرے گا، شام تک روزہ رکھے گا۔
آپ ﷺ نے فرمایا اس س کہو بات چیت کرے اور سایہ میں جائے اور کھڑا نہ رہے بیٹھ جائے ہاں روزہ شام تک رکھے۔ (بخاری)
آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو اعتدال اختیار کرو، اعتدال اختیار کرو، اعتدال اختیار

کرو۔ اللہ کسی کو تکلیف میں نہیں ڈالتا جب تک تم خود مشقت میں نہ پڑو۔ (اخلاقِ رسول ﷺ)

کسی شخص کو دین میں بصیرت زیادہ نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ اس کے اعمال میں اعتدال اور میانہ روی نہ آجائے۔ (اخلاقِ روسول)

پرہیز کرو مال اور اخراجات میں بے جا صرف کرنے سے اور اعتدال اختیار کرو۔ کوئی قوم کبھی فقیر نہیں ہوتی جب تک اعتدال پر رہے۔ (اخلاقِ رسول ﷺ)

اسی قدر اعمال اختیار کرو جس کی تم طاقت رکھتے ہو، اللہ تعالیٰ تم کو تکلیف میں نہیں ڈالتا جب تک کہ تم خود تکلیف میں نہ پڑو۔ (اخلاقِ رسول)

اس طرح اسلام اعتدال سکھاتا ہے اسی طرح زندگی کے تمام معاملات میں بھی اعتدال اور میانہ روی کا سبق دیتا ہے۔ جن قوموں نے اعتدال کا دامن چھوڑا وہ قومیں پریشان، نفسیاتی مریض، ڈیپریشن کا شکار اور معاشرتی ناسور بن گئیں۔ حتیٰ کہ جاپان جو کہ ٹیکنالوجی میں سب سے آگے ہے میں ایک محتاط اعداد وشمار کے مطابق سب سے زیادہ خودکشی، طلاقیں اور نفسیاتی مریض ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ کام پر کام کئے جاتے ہیں اور اپنے نفس کا حق یعنی آرام نہیں کرتے۔

کچھ یورپی ماہرین کے انداز پر غور کریں :-

تھکاوٹ اور آرام

Fatingue & rcst

تھکاوٹ پریشانی میں چولی دامن کا ساتھ ہے اس میں اچنبھے کی کوئی بات نہیں۔ واقعات، تجربات اور روزمرہ کی اطلاعات یہ بتاتی ہیں کہ جو لوگ باقاعدگی سے آرام کرتے ہیں وہ بہت کم پریشان ہوتے ہیں۔ بڑے لوگوں کی زندگی میں اس امر کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔

دوسری جنگِ عظیم

Second world war

دوسری جنگِ عظیم کے دوران جب وزارت عظمیٰ کی بہت بڑی ذمہ داری چرچل کے شانوں پر رکھ دی گئی تو انہوں نے حکم دیا کہ ماسوائے اس خبر کے جرمن افواج

برطانیہ کے ساحل پر اتر آئی ہیں کسی بڑی سے بڑی تباہی یا خراب صورت حال کے پیشِ نظر انہیں آٹھ بجے شب کے بعد بیدار نہ کیا جائے۔ وہ مکمل آرام کیا کریں گے۔ ان کے آرام کرنے کے اوقات میں یہی باقاعدگی تھی جس کی وجہ سے وہ اتنی بڑی ذمہ داری اٹھانے کے باوجود پریشان یا چڑچڑے نہ ہوئے اور نہایت خوش اسلوبی سے حکومت کی راہنمائی کرتے رہے۔

جان۔ ڈی۔ راک فیلر

Jhon D.Rockefeler

جان۔ ڈی۔ راک فیلر اپنے زمانے کا امیر ترین شخص تھا۔ اتنا بڑا کاروباری ہونے کے باوجود پریشان نہ ہوتا تھا۔ اس نے اٹھانوے سال کی عمر پائی۔ وہ دوپہر لنچ کے بعد ہمیشہ باقاعدگی سے قیلولہ کرتا۔

ڈاکٹروں نے آرام کرنے پر ہمیشہ سے زور دیا ہے۔ ڈاکٹر ایڈمنڈ جیکب سن نے تجربات کے بعد یہ نتیجہ پیش کیا "مکمل آرام اور سکون کی موجودگی میں افراد کے ذہنوں میں اعصابی خلش اور جذباتیت طاری نہیں ہوتی"۔

ڈاکٹر والٹر بی کامن نے بتایا ہے کہ عام طور پر یہ باور کیا جاتا ہے کہ دل کبھی آرام نہیں کرتا۔ دراصل سکڑنے کے بعد اس کے آرام کا وقفہ ہوتا ہے جس کے بعد وہ پھر سکڑتا ہے۔ ان خطوط پر جب آرام کا اندازہ لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ دل چوبیس گھنٹوں میں پندرہ گھنٹے آرام کرتا ہے۔

امریکہ کے محکمہ دفاع نے ان فوجی سپاہیوں پر تجربات کئے ہیں جو اپنا سامان شانوں پر اٹھائے مارچ کرتے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ پچاس منٹ سفر کے بعد سامان کھول کر دس منٹ آرام کر لیا جائے تو سکون حاصل ہو جاتا ہے بڑے آدمیوں کی مزید مثالیں ملاحظہ کریں جنھوں نے آرام کے اوقات باقاعدگی پیدا کر رکھی تھی۔ ان میں کرکٹ کا کھلاڑی کونی بیک، النور، روزویلٹ، ایڈیسن اور ہنری فورڈ شامل ہیں۔

یوں تو بہت سے پیشوں میں کارکنوں کو ذہنی اور جسمانی تھکاوٹ سے دوچار ہونا پڑتا ہے لیکن فلم کا ڈائریکٹر یا پروڈیوسر ہونا پریشانیوں اور تھکاوٹ کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ بڑے بڑے صحت مند لوگوں نے اس وادی میں قدم رکھا لیکن متواتر کام اور ذہنی اور جسمانی تھکن کے ایسے اثرات ظاہر کئے کہ انہیں ادویات کا سہارا لینا پڑا۔

ہالی وڈ کا مشہور ڈائریکٹر شرٹوک ایسی مثال ہے۔ میں جب اس سے ملا وہ ادویات کے بارے پر کام کرتا تھا۔ میں نے اسے باقاعدہ اوقات میں آرام کا مشورہ دیا۔ خواہ یہ سیٹ پر نصف گھنٹہ کیلئے کوچ پر دراز ہونے کی شکل میں ہو۔ اس نے میرے مشورہ پر عمل کیا اور اپنی کوفت پر قابو پالیا۔

آپ کہیں گے کہ آپ بڑی شخصیتوں اور صاحبِ رتبہ آدمیوں کی مثال دیتے ہیں جنہیں دفاتر میں آرام کرنے کے مواقع حاصل ہیں لیکن ملازمین کی بڑی تعداد ایسے کارکنوں پر مشتمل ہوتی ہے جنہیں ایسی سہولتیں حاصل نہیں ہوتیں۔ یہ ایک حد تک درست ہے۔ مگر میں کہوں گا کہ حکومت کی طرف سے پچاس منٹ کا وقفۂ آرام افسر و ماتحت دونوں کیلئے یکساں ہوتا ہے۔

آپ اس وقفہ کا بہترین استعمال کریں۔ اس وقفے میں ایک دوسرے کی غیبت کرنے کی بجائے باہر لان میں آجائیں۔ وہاں لیٹ جائیں یا کسی بینچ پر دراز ہوجائیں۔ یہ بھی نہیں ہوسکتا تو دفتری اوقات کے بعد سیدھے گھر پہنچے اور ایک گھنٹے کیلئے آرام کریں۔

ملوں اور کارخانوں کے مزدوروں کے کام کو تھکاوٹ اور تکان کا موجب سمجھا جاتا ہے اور ہر طرف سے یہی آواز اٹھتی ہے۔ اس ضمن میں ایک تجربہ آرام اور اس کی باقاعدگی کی افادیت پر روشنی ڈالتا ہے۔ مسٹر فریڈرک لوہے کی مل میں انجینئر تھا، اس کی مل میں ایک اوسط مزدور ساڑھے بارہ ٹن لوہا گاڑی پر لادتا تھا اور ہر وقت تھکاوٹ کا اظہار کرتا تھا۔ اس نے کام اور آرام کے باقاعدہ وقفے مقرر کئے جو ایک دوسرے کے بعد آتے چلے جاتے تھے۔ آپ حیران ہوں گے کہ ایک اوسط مزدور نے سینتالیس ٹن لوہا روزانہ گاڑیوں پر لادا اور کسی تھکاوٹ کا اظہار نہ کیا۔ اعداد و شمار کے لحاظ سے ہر مزدور زیرِ تجربہ نے ایک گھنٹے میں چھتیس منٹ کام کیا اور اسے چوبیس منٹ آرام میسر آیا۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اگر آپ کام اور آرام کے باقاعدہ وقفے مقرر کرلیں تو تھکاوٹ، تکان اور ذہنی چڑچڑاپن دور رہیں گے اور کام بھی زیادہ ہوگا۔

اعضاء کے تناؤ کا علاج

Cure for tired limbs

ایک زمانہ تھا کہ دماغی تھکاوٹ کے متعلق مختلف نظریات تھے اور طرح طرح کی باتیں سننے اور پڑھنے میں آتی تھیں۔ مگر ایک سائنسی تجربہ کے نتائج نے ان لوگوں

کو حیران کر دیا جو اس ضمن میں کوئی نہ کوئی رائے رکھتے تھے۔
معلوم ہوا ہے کہ ذہنی کام کے دوران اس خون کی ماہیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا جو دماغ سے گزر رہا ہوتا ہے۔ جبکہ ایک مزدور جو جسمانی کام کرتا ہے اس کے خون میں کام کے دوران "تھکاوٹی زہریں" پائی جاتی ہیں۔ دماغ خواہ آٹھ گھنٹے روزانہ کام کرے یا بارہ گھنٹے اسکی صلاحیت وہی رہتی ہے جو کام کے آغاز میں ہوتی ہے۔

ماہرینِ نفسیات کا تجزیہ

The analysis of psychiatrist

نفسیاتی امراض کے ماہر یہ بیان کرتے ہیں کہ تھکاوٹ کی بنیاد دماغی ہوتی ہے۔
ڈاکٹر اے۔اے۔ مل جو نفسیاتی امراض کے ماہرین کا خیال ہے کہ تھکاوٹ کی بنیاد نفسیاتی اور جذباتی امور ہوتے ہیں۔ ذرا جذباتی امور پر غور کیجئے کیا مسرت، اطمینان اور قناعت مزدور کو تھکاتے ہیں؟ نہیں! بلکہ یہ دیگر امور ہوتے ہیں۔ مثلاً خفگی، بیکاری، عجلت، فکر مندی پریشانی اور بزدلی۔ ان سے بھی مزدور بھی تھک جاتے ہیں اور دفتری اور علمی کام کرنے والے بھی۔
ایک بیمہ کمپنی نے جسمانی اور ذہنی تکان پر مواد اکٹھا کیا، اس فرم کا کتابچہ جس میں اس موضوع پر بحث کی گئی ہے ظاہر کرتا ہے کہ جسمانی تھکاوٹ، گہری نیند اور آرام سے دور ہو سکتی ہے جب کہ سخت قسم کی تھکان کی وجوہات پریشانی، اعصابی، کشمکش اور جذباتی جوار بھاٹا کی سی لہریں ہوتی ہیں۔ ایسی تھکاوٹ نیند سے دور نہیں ہوتی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دماغی تھکاوٹ کیوں پیدا ہوتی ہے؟ اس لئے کہ دماغی کام کے دوران آپ اپنا جسم ڈھیلا چھوڑنے کی بجائے اعصابی اور عضلاتی تناؤ پیدا کر لیتے ہیں۔ آخر ان خامیوں کا حل کیا ہے؟ یہ خود ساختہ تناؤ کس طرح دور ہو سکتا ہے؟ تھکاوٹ اور پریشانی سے کس طرح پیچھا چھڑایا جا سکتا ہے؟ اس کے دو جواب ہیں:

ا۔ آرام کیجئے
۲۔ کام کرنے کے دوران آرام کرنے کا طریقہ سیکھئے

کیا یہ طریقِ کار اپنانا آسان ہے؟ میرے خیال میں آپ کو اپنی عادات بدلنا ہوں گی اور انہیں ضرور بدلنا چاہیئے۔ تناؤ ایک بری عادت ہے اس کے برعکس آرام کرنا اچھی عادت ہے۔ کامیاب زندگی حاصل کرنے کیلئے بری عادات کا چھوڑنا ضروری ہے۔ اس کا

طریقہ کار کیا ہے ؟ یوں تو جسم کے ہر حصے سے تناؤ دور کرنا ضروری ہے لیکن آپ آنکھوں سے آغاز کریں۔ آنکھیں بند کیجئے، دل میں کہیے کہ میں آنکھ کے پپوٹے ڈھیلے چھوڑ رہا ہوں! لیجئے ایک منٹ کے اندر آرام وسکون کی کنجی آپ کے ہاتھ میں آگئی اور آپ کو اسکا راز معلوم ہو گیا۔ یہ عمدہ آغاز بھی ہے اور تناؤ کم کرنے کا بہت بڑا طریقہ بھی۔

مشہور ناول نگار مسز وکی ابھی زمانہ بچپن سے گزر رہی تھی کہ بھاگتے ہوئے گر گئیں اور انکی کلائی اور گھٹنے پر چوٹ آگئی۔ ایک بوڑھے شخص نے انہیں پونچھا۔ ان کے کپڑے درست کئے اور ان کو پیار کیا۔ دیکھو بی بی سنو! بوڑھے نے کہا جو کسی زمانہ میں سرکس کا مزاحیہ اداکار رہ چکا تھا، تم اس لئے گریں کہ تم ذہنی تناؤ کا شکار تھیں۔ بوڑھے نے بچی میں مزید دلچسپی لیتے ہوئے اسے سمجھایا کہ تم جسمانی طور پر اپنے آپ کو اس طرح محسوس کرو جس طرح مسلی ہوئی ہلکی سی جراب ہوتی ہے۔

یعنی ڈھیلی ڈھالی اس طرح کہ تمہارا جسم ربڑ کی طرح ہر جانب موڑا جا سکے۔ اس کے بعد اس نے بچی (مسز وکی) کو گرنا، چھلانگ لگانا اور قلابازیاں کھانا سکھایا۔ بچی جوان ہوئی تو وہ صرف جسمانی لحاظ سے نہیں بلکہ ذہنی لحاظ سے اپنے آپ کو ہلکا اور لطیف محسوس کرتی تھی۔ اس نے ذہنی اور جسمانی تناؤ کو اپنے پاس نہ پھٹکنے دیا۔

مسز وکی کی مثال آپ پر بھی دہرائی جا سکتی ہے۔ اگر آپ چھلانگیں لگانا نہیں چاہتے اور نہ ہی قلابازیاں کھانا چاہتے ہیں تو اتنا کیجئے جسے آپ آسانی سے سرانجام دے سکتے ہیں۔ یعنی آرام کرنے کی کوشش کیجئے، آنکھیں بند کیجئے اور کہیئے۔ چلو.. چلو.. آرام کرو۔ کوئی عجیب سی قوت آپکے اعصاب سے آپ کے جسم کے مرکز کی طرف بہتی ہوئی معلوم ہو گی۔ آپ کے جسم میں اینٹھن کی بجائے ڈھیلا پن پیدا ہو گا اور آپ شاید نیند کی دنیا میں پہنچ جائیں گے۔

مشہور گلوکار اسٹیج پر

Stage behaviour of a famous singer

ایک مشہور گلوکارہ اسٹیج پر جانے سے پیش تروِنگ میں آکر بیٹھ جاتی تھی اور اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیتی۔ یہی اس کی کامیابی کا راز تھا۔ کیونکہ جس وقت وہ اسٹیج پر پہنچتی تو تازہ دم ہوتی تھی۔ وہ بار بار اپنے آرٹ کو پسند کرنی والوں کی فرمائشیں پورا کرتی جب کہ اس کے ساتھی پہلی فرمائش پر ناک بھوں چڑھا کر واپس آجاتے تھے۔ آرام کرنے کا

طریقہ سیکھنے کیلئے مندرجہ ذیل باتوں پر عمل کریں :

۱ : ڈاکٹر ڈی ہیرولڈ خنک کی کتاب "عصابی کشمکش کا مداوا" پڑھئے۔

۲ : باقاعدہ لمحات میں آرام کریں اگر فرصت میسر ہو تو اس بلی کی طرح آرام کریں جو جسم ڈھیلا چھوڑے اور آنکھیں بند کئے دھوپ میں لیٹی ہوتی ہے۔

۳ : جسمانی اعضاء کو تناؤ کی حالت میں نہ رکھیں۔

۴ : دن میں چار پانچ مرتبہ اپنا احتساب کریں، اپنے آپ سے سوال کریں کہ آیا آپ تناؤ کی وجہ سے اپنے کام کو مشکل تو نہیں بنا رہے ؟

۵ : اگر آپ شام کے وقت تھکاوٹ محسوس کرتے ہیں تو اپنے آپ کا محاسبہ کیجئے ... کیا آپ نے دن بھر اپنے جسم میں تناؤ پیدا کئے رکھا ؟ کیا آپ جسمانی طور پر تھکے ہوئے ہیں ؟ وجہ...... ؟ جسمانی کام کیا ہے ؟ اگر یہ بات ہے تو نیند آپ کی تھکاوٹ دور کردے گی۔

جسمانی پٹھوں کا تناؤ آپ نے خود پیدا کیا تھا... اس کا حل صرف آرام ہے۔ وہی آرام جو باقاعدگی سے دن کے وقت بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن آرام اس وقت کافی نہیں ہوگا جب جسم کے مختلف حصوں میں تناؤ یا اینٹھن پیدا کئے رکھیں گے یعنی آرام کرنے کے دوران بھی آپ ذہنی اور جسمانی تناؤ کی کیفیت کو غیر ارادی طور پر برقرار رکھیں گے۔

خدمتِ خلق

Social Service

حضورِ اقدس ﷺ کی تمام زندگی خدمتِ خلق میں گزری، ایک سفر میں منزل پر پہنچ کر کھانا پکانے کی تیاریاں ہونے لگیں تو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کام بانٹ لیئے۔

کسی نے پانی لانے کی خدمت اپنے ذمہ لے لی، کسی نے آٹا لانے کی، کسی نے کھانا پکانے کی......۔

حضورِ اقدس ﷺ نے جنگل سے لکڑیاں اکھٹی کرنے کی خدمت اپنے ذمہ خود لے لی اور اسے (صحابۂ کرامؓ کے ناچاہنے کے باوجود) سرانجام بھی دیا۔

مسجدِ نبوی ﷺ کی تعمیر میں جب سب صحابۂ کرامؓ مسجد کی تعمیر میں بھرپور حصہ لے رہے تھے تو آپ ﷺ نے سب کے برابر کام کیا۔ غزوۂ خندق میں حضورِ پاک ﷺ نے صحابۂ کرامؓ کے ساتھ خندق کی کھدائی میں حصہ لیا۔

آپ ﷺ لوگوں کے گھروں میں جاکر ان کی بکریوں کا دودھ نکال دیتے حتیٰ کہ ایک بڑھیا آپ ﷺ کو طرح طرح کی تکلیفیں دینے میں پیش پیش رہتی لیکن جب وہ بیمار ہوئی تو آپ ﷺ نے اس کے گھر کی تمام خدمت اپنے ذمہ لے لی۔

الغرض آپ ﷺ کی ساری زندگی چھوٹوں، بڑوں، غریبوں، محتاجوں، ناداروں اور مستحقین کی خدمت کرتے ہوئے گذری۔

یورپ اس وقت انسانیت کی خدمت میں (بزعمِ خود) اپنا مقام لیے ہوئے ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ خدمتِ خلق کی جتنی بھی شکلیں یورپ میں مروج ہیں وہ تمام حضورِ

اکرم ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین اور اموی اور عباسی دور کی یادیں ہیں۔
ماہرینِ فرنگ کیا کہتے ہیں :

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شُد

Theone who serous is truly a master

میں نے جب یہ کتاب لکھنے کا فیصلہ کیا تو ایک اشتہار دیا تھا کہ ایسی کہانیوں پر دو سو ڈالر انعام دیا جائے گا۔ جن میں ولولہ انگیز طرزِ عمل اپنا کر پریشانیاں دور کی گئی ہوں۔ ایک انعام یافتہ کہانی کا خلاصہ ملاحظہ کریں۔ یہ کہانی مسٹر برٹن نے تحریر کی جو مسوری کی ایک ورکشاپ میں کام کرتا ہے۔

برٹن کے والدین اتنے غریب تھے کہ بڑی مشکل سے گزارا ہوتا تھا۔ اسکی ماں اپنی دو بیٹیوں کو لے کر گھر سے اچانک غائب ہو گئی۔ باپ کار کے حادثہ سے فوت ہو گیا۔ اس وقت برٹن کی عمر چھ سات سال تھی۔ وہ یتیمی کا سانحہ دل سے لگائے حیران و پریشان گھوم رہا تھا کہ ایک بوڑھے کسان اور اس کی بیوی سے ملاقات ہو گئی۔ دونوں اس کی داستان سن کر کہنے لگے :

”دیکھو برخوردار! اگر تم جھوٹ نہ بولو گے، چوری نہ کرو گے، جو کچھ تمہیں کہا جائے گا اس پر عمل کرتے رہو گے تو اس وقت تک تمہارے لیے فارم میں اچھی خوراک، کپڑا اور جگہ موجود رہے گی۔۔ فالتو وقت میں تم اسکول بھی جا سکو گے“۔

برٹن نے یہ پیشکش قبول کر لی۔ وہ بوڑھے کسان اور اس کی بیوی کی خدمت کرنے لگا۔ اسے اسکول میں داخل کیا گیا لیکن جلد اسکول میں دوسرے بچوں کے مذاق اور ٹھٹھوں کا مرکز بن گیا۔ اسے یتیم، بے وقوف اور ڈنگر تک کہا جاتا تھا۔ اس کے سر پر مٹی پھینکی جاتی اور اس کی اونی ٹوپی کو پانی سے بھر دیا جاتا۔ ایک شام اس نے کسان کی بیوی کو اپنی داستان سنائی اور اسکول چھوڑنے کا عندیہ ظاہر کیا۔ کسان کی بیوی نے پوری کہانی غور سے سنی اور اس کو نصیحت کرتے ہوئے کہا :

دیکھو برٹن! تم جن حالات سے گزر رہے ہو، تمہیں دوسرے طلباء کی خدمت کرنا ہی عزت کا مقام دے سکتا ہے۔ تم نے شاید سنا ہو گا کہ ”ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شُد“۔

برٹن نے یہ نصیحت پلّے باندھ لی

Burton followed the advice

برٹن نے یہ نصیحت پلے باندھ لی۔ وہ ہم جماعت طلبا کی خدمت کرنے لگا۔ کسی کے سوالات حل کر دیتا، کسی کی کاپی لکھ دیتا، کسی کو گھر کا کام کر دیتا۔ پھر بھی وہ جماعت میں اول آنے لگا۔ اب ہم جماعتوں کا رویہ بدل گیا اور ان کے دل میں برٹن کی عزت پیدا ہو گئی۔ اسکول کے بعد جب وہ فارم واپس جاتا تو اپنے مالک کے علاوہ دوسرے کسانوں کا چھوٹا موٹا کام کر دیتا۔

جنگ کے دوران اسے نیوی میں جانا پڑا۔ واپس لوٹا تو دور و نزدیک صرف بڑے بوڑھے کسان رہ گئے تھے۔ جنگ اکثر نوجوانوں کو نگل گئی تھی یا انہوں نے شہروں میں رہائش اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اب وہ نزدیکی چھ سات گھروں میں ایک ہی مرد تھا۔ وہ سب کی مدد کرتا۔ کسی کے گھر کی گائیوں کا دودھ نکال دیتا، کسی کا ہل چلا دیتا اور کسی کی فصل منڈی میں پہنچا کر دام کھرے کر لاتا اور ان کو دے دیتا۔ وہ اتنا ہر دل عزیز ہو گیا کہ نزدیک کے دوسو کسانوں کی آنکھ کا تارا بن گیا۔ دوسروں کی مدد نے اسے وہ مقام دلایا جو اسے ویسے حاصل نہ ہوتا۔

ڈاکٹر فرینک لوپ بیس سال سے گھٹنے کے مریض تھے۔ وہ بستر سے دور نہ جا سکتے اور سارا دن پر درد جوڑوں پر ادویات ملواتے مگر کوئی خاص افاقہ نہ ہوتا لیکن انہوں نے اپنے آپ کو رحم کا مرکز نہ بنایا۔ اور نہ بلبلا بلبلا کر دوسروں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔ اسکے برعکس انہوں نے اپنے آپ کو دوسرے مریضوں کیلئے وقف کر دیا۔

وہ ان کا حوصلہ بڑھاتے، ان کیلئے رنگین تصاویر والے اخبار اکٹھے کرتے، ریڈیو خرید کر دیتے اور دوسرے شہروں کے مریضوں کو تسلی آمیز خطوط روانہ کرتے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ سال بھر میں کم و بیش چودہ سو (۱۴۰۰) خطوط روانہ کرتے۔ آپ اندازہ کریں ڈاکٹر لوپ کی بجائے اگر کوئی دوسرا مریض ہوتا تو سارا دن بستر پر پڑا کراہتا رہتا۔ خود بھی پریشان ہوتا اور دوسرے مریضوں کو بھی پریشان کرتا۔

ڈاکٹر الفریڈ ایڈ ذہنی امراض کے ماہر تھے۔ انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں مالیخولیا اور سودا کے مریضوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان کا طریقِ علاج مخصوص تھا۔ دراصل مالیخولیا کا مریض دوسروں کو اپنی رائے سے متفق کرنا

چاہتا ہے۔ انہوں نے یہی کیا۔ جب کوئی مریض ایسی بات کا ورد کرنے لگتا جو بظاہر مشکل ہوتی تو ڈاکٹر صاحب اس کی رائے سے اتفاق کرتے۔ اس ضمن میں مریض مختلف تقاضے رکھتے۔ کوئی کہتا کہ وہ بستر پر پڑا رہنا چاہتا ہے.. ڈاکٹر صاحب جواب دیتے: "بسر و چشم.. خوب لیٹیے"۔

کوئی کہتا کہ وہ تھیٹر دیکھنا چاہتا ہے.. ڈاکٹر صاحب اس کی ہاں میں ہاں ملا دیتے۔ بعض مریض بے خوابی کی شکایت کرتے وہ انہیں تسلی دیتے کہ فکر کی کوئی بات نہیں مگر آپ اس دوران یہ سوچیئے کہ دوسروں کی مدد کس طرح کر سکیں گے؟

دوسرے دن وہ مریض سے استفسار کرتے کہ اس نے دوسروں کی امداد کے متعلق کیا سوچا ہے...... ؟ تو مریض جواب دیتا: جناب شام ہوتے ہی اسے گہری نیند آگئی تھی.. لہٰذا سوچ نہ سکا۔ ڈاکٹر صاحب کا مقصد پورا ہو جاتا۔

ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ مالیخولیا اور سودا کے مریضوں میں یہ کمی ہوتی ہے کہ وہ دوسروں سے تعاون نہیں کرتے لیکن ڈاکٹر الفریڈ مریضوں کو ایسے مواقع فراہم کرتا۔ یعنی خود ان سے تعاون کرتا اور ان کی بڑی تعداد صحتمند ہو جاتی۔

مختلف مذاہب نے اس پر زور دیا ہے کہ اپنے پڑوسی سے محبت کرو۔ ڈاکٹر ایڈلر رسولِ مقبول ﷺ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کا فرمان تھا کہ: "دوسروں سے نیکی کرو۔ نیکی کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ جس فرد سے نیکی کی جائے اس کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہو۔[1]

ایک نیکی روز کرو

A ploius deed a day

ڈاکٹر الفریڈ ایڈلر کا قول ہے کہ ایک نیکی روز کرو۔ جو شخص نیکی کرے گا وہ اپنی پریشانی، غم اور تفکرات کو بھول جائے گا۔ کیونکہ خامیاں مالیخولیا کا باعث بنتی ہیں۔ دوسروں سے نیکی کرنے اور ان کی امداد کرنے کے بعد کتنی مسرت اور شادمانی حاصل ہوتی ہے، اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو ان نعمتوں کو دوسروں پر نچھاور کرتے

1: حضور پر نور ﷺ کا دروازہ ہر بھوکے کیلئے کھلا رہتا تھا، اکثر ایسا ہوا کہ اپنا کھانا اٹھا کر سوالی کو دے دیا اور خود امہات المؤمنینؓ خالی پیٹ سو رہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں رات کے وقت کے خفیہ طور پر گلیوں میں یہ معلوم کرنے کیلئے چکر لگایا کرتے کہ کوئی بھوکا تو نہیں سویا؟ ان کا قول ہے کہ اگر کتا بھی بھوکا رہا تو ان سے باز پرس ہوگی۔

ہیں۔ میں آپ کی خدمت میں ولیم ٹی مون کی حقیقی داستان پیش کرتا ہوں۔

مسز مون نے مسرت بھری ازدواجی زندگی کے صرف پانچ سال گزارے تھے کہ بیوہ ہو گئیں۔ گھر میں سب کچھ موجود تھا۔ وہ خود ملازمت کرتی تھیں لیکن سر تاج کے بغیر زندگی میں کوئی چاشنی نہ رہی۔ کرسمس کی آمد آمد تھی، ان کیلئے بیوگی کا خیال سوہانِ روح بن کر رہ گیا۔ ان کی سہیلیوں میں سے بعض نے دعوت دی کہ مسز مون ان کے ہاں کرسمس کی تقریب میں شرکت کریں لیکن مسز مون کا خیال تھا کہ ان کی شرکت سہیلیوں کے رنگ میں بھنگ ڈالنے کے مترادف ہوگی۔

کرسمس میں دو دن باقی رہ گئے تھے۔ وہ بے مقصد گھومنے نکلیں۔ پہلے بازاروں میں پھرتی رہیں۔۔ پھر بس کی ٹکٹ لے کر سوار ہو گئیں۔ بس اپنی آخری منزل پر رک گئی۔ اب وہ کہاں جائیں ؟ انہوں نے ادھر ادھر دیکھا۔ ایک جانب گرجا تھا۔ وہ اس میں داخل ہو گئیں۔ گرجے میں کرسمس کا بڑا سا درخت بنا دیا گیا تھا۔ ارغنوں نواز کے سوا گرجا خالی تھا۔ وہ درخت کے قریب بیٹھ گئیں۔ سردی زوروں پر تھی لیکن ان کے جسم پر کافی گرم کپڑے تھے۔

گرجے کو گیس کی مدد سے گرم کر دیا گیا تھا۔ ان حالات میں انہیں غنودگی اور پھر نیند آگئی۔ دوسرے دن صبح جاگیں تو دو غریب بچے (بہن بھائی) کبھی درخت کو دیکھتے اور کبھی ان کو۔ بہن نے بھائی سے پوچھا: "آیا وہ عورت سانتا کلاس تھی؟ مسز مون نے بڑھ کر بچی کو گود میں لے لیا۔ پہلے تو وہ ڈر گئی لیکن مسز مون کے پیار کرنے پر ان سے مانوس ہو گئی۔ بہن بھائی نے مسز مون کو بتایا کہ نہ ان کا والد زندہ ہے اور نہ والدہ۔ وہ اتنے غریب ہیں کہ کوئی رشتہ دار انہیں اپنے پاس رکھنے کو تیار نہ تھا۔

صرف اس فقرے نے ان کی ممتا کو جگا دیا۔ "کوئی فکر کی بات نہیں۔۔ آؤ میرے ساتھ"۔ وہ انہیں لے کر نزدیکی ہوٹل پہنچیں۔ انہیں ناشتا کرایا اور بس میں سوار کرا کر گھر لے آئیں۔ اسی شام انہوں نے کرسمس کا درخت بنایا۔ بچوں کیلئے کپڑے اور تحفے خریدے اور کرسمس منایا۔ انہیں زندگی میں پہلی بار حقیقی مسرت حاصل ہوئی۔ کسی سے نیکی کرنے کی خوشی، کسی کے کام آنے کی مٹھاس اور غریب کی دادرسی۔ انہیں احساس ہو گیا کہ زندگی میں حقیقی مسرت اس طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ ضرورت مند کی مدد کی جائے۔ غریب کے سر پر ہاتھ رکھا جائے اور کسی مسکین کی ضرورت پوری کی جائے۔

داستانوں کا ایک طویل سلسلہ

A long chain of stories

اس قسم کی داستانوں کا سلسلہ اتنا طویل ہے کہ ایسے واقعات پر مشتمل ایک کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ ایک حقیقی داستان ملاحظہ کریں۔

ایک بیوہ مسز ٹیس پرل ہاربر میں مقیم تھیں۔ وہ دل کی شدید حد تک مریضہ تھیں کہ سارا دن بستر پر دراز رہتیں۔ ٹیلیفون ان کے سرہانے پڑا رہتا تھا۔ دوپہر کے وقت ایک ملازمہ ان کا ہاتھ تھام کر لان میں لے جاتی۔ جہاں وہ ایک گھنٹے کیلئے سورج کی روشنی میں بیٹھتیں.

اچانک پرل ہاربر پر جاپانیوں نے بمباری کی جو اتنی شدید تھی کہ سارا شہر تباہی سے دوچار ہو گیا۔ ایک بم ان کے گھر میں بھی گرا اور وہ بستر سے زمین پر جا پڑیں۔ صبح ہوئی تو ہر طرف سے گریہ وزاری کی آوازیں شدت پکڑ گئیں۔ سول، ڈیفنس اور ریڈ کراس کے ملازمین ہر اس وسیلے سے کام لینے لگے جو بنی نوع انسان کی خدمت اور جان بچانے کے کام آسکتا تھا۔ مسز ٹیس کا ٹیلیفون بلکہ ان کی شخصیت بھی انہیں غنیمت معلوم ہوئی۔ ان کی علالت کے باوجود انہیں محلے کا رابطہ افسر مقرر کر دیا گیا۔

وہ ٹیلیفون پر محلے کے ان لوگوں کی خیریت دریافت کرتیں جو نیم فوجی ڈیوٹی دے رہے تھے۔ یہ معلوم کر کے محلّہ داروں کو بتادیتیں۔ تقریباً اڑھائی ہزار فوجی اور نیم فوجی ملازم ہلاک ہو گئے تھے۔ ان کے متعلق استفسارات کرنا بہت بڑی بات تھی۔ انہوں نے اپنے اندر ایک نئی قوت محسوس کی۔ وہ بستر سے اٹھ کر پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گئیں اور ٹیلیفون پر موصول شدہ پیغامات کو کاغذ پر لکھنے لگیں۔

والنٹیئر ان ٹکڑوں کو متعلقہ گھروں تک پہنچانے لگے۔ جوں جوں ان کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوتا گیا وہ صحتمند ہونے لگیں۔ پرل ہاربر کا المیہ آیا اور گزر گیا لیکن مسز ٹیس تقریباً تندرست ہو گئیں۔ آج وہ خیال کرتی ہیں کہ دوسروں کے کام آنے کے جذبہ نے ان کے اندر چھپی ہوئی قوت کو بیدار کر دیا۔ یہ وہی قوت تھی جو بستر پر پڑے آہستہ آہستہ ان کے جسم سے حسرت ویاس کے جذبات تلے خارج ہو رہی تھی۔

جو لوگ دوسروں کے کام آتے ہیں، انہیں نہ صرف ذہنی سکون اور اطمینان میسر آتا ہے بلکہ ان کے بظاہر ناتواں اجسام میں اتنی قوت پیدا ہوتی ہے کہ دیکھنے والے

حیران رہ جاتے ہیں۔[1]

میرا دعویٰ ہے کہ جو لوگ ذہنی پریشانیوں میں مبتلا ہو کر اپنے ذہنوں بلکہ اجسام کو روگ لگا لیتے ہیں۔ اگر وہ بروقت غریبوں، ناتوانوں اور ناداروں کی مدد کا پروگرام بنالیں تو ایک تہائی کو ڈاکٹروں کے پاس جانے کی ضرورت نہ رہے گی۔

نیکی کا پروگرام بنانے کیلئے دور جانے کی ضرورت نہیں۔ گھر میں کام کرنے والی ملازم، اخبار پہنچانے والا لڑکا، گلی کی نکڑ پر بیٹھا ہوا جوتا گانٹھنے والا یا روزانہ خیرات کی صدا لگانے والا فقیر۔ ان میں کوئی نہ کوئی حقیقی طور پر آپ کی شفقت کا محتاج ہوگا۔

پروفیسر ولیم لیون فلپس

Professor William L. Phillips

پروفیسر ولیم لیون فلپس بڑے کامیاب انسان ہیں۔ لوگ ان سے دیوانہ وار محبت کرتے ہیں۔ وہ جہاں جاتے ہیں لوگ عقیدت سے اپنی کرسی ان کیلئے خالی کر دیتے ہیں۔

ایک دن میں نے اس کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے: میں گھر سے نکلتے ہی ہر ملنے والے کو آج کے ایٹمی دور کی مشین نہیں سمجھتا بلکہ انسان سمجھتا ہوں.. جس کے مسائل بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ یا ان کی اولاد محبت کی محتاج ہوتی ہے۔

پریشان فرد چاہتا ہے کہ کوئی اس کی پریشانیوں کے زخم پر میٹھے الفاظ کی مرہم رکھ دے۔ میں صرف اتنا کرتا ہوں کہ ان کی خیر خیریت اور مسائل پوچھتا ہوں اور ان کے تفکرات پر ہمدردی کا پھاہا رکھ دیتا ہوں۔ اس دوران میں ذات پات یا رتبہ کا دھیان نہیں رکھتا۔

میں ایک دور افتادہ قصبے میں لیکچر دینے گیا جو ریلوے اسٹیشن سے پچاس میل کے

1: قائداعظمؒ نے مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ کا کام ۱۹۳۶ء شروع کیا۔ جس وقت ان کی عمر ساٹھ سال ہو چکی تھی، جسمانی طور پر وہ شروع سے کمزور تھے مگر وہ روزانہ اٹھارہ گھنٹے کام کرتے رہے۔ ۱۹۴۰ء میں میاں بشیر احمد مرحوم نے اپنے ایک شعر میں ان کے متعلق فرمایا:

رکھتا ہے دل میں تاب و توا نو کروڑ کی
کہنے کو ناتواں ہے محمد علی جناح

یہ امر اب کوئی صیغہ راز نہیں کہ ۱۹۴۵ء کے لگ بھگ انہیں مطلع کر دیا گیا تھا کہ وہ پھیپھڑوں کی جان لیوا بیماری میں مبتلا ہیں لیکن مسلمانوں کیلئے وطن حاصل کا جذبہ بیماری پر غالب آتا رہا اور وہ بغیر علاج ۱۹۴۸ء تک بیماری کو دبانے میں کامیاب رہے۔

فاصلے پر تھا۔ لیکچر کے بعد ایک معمر خاتون نے مجھ سے استدعا کی کہ میں ان کے گھر ایک روز کیلئے قیام کروں۔ گھرانہ بہت بڑا تھا۔ دو لڑکے شادی شدہ اور صاحبِ اولاد تھے۔

گھر میں اللہ کا دیا سب کچھ تھا۔ میں نے اس کامیابی کی وجہ پوچھی تو انہوں نے اپنی داستان سنائی جو انہوں نے آج تک اپنے خاوند سے بھی پوشیدہ رکھی تھی۔ کہنے لگیں کہ وہ منہ میں چاندی کا چمچہ لے کر پیدا نہ ہوئی تھیں۔ موجودہ دولت کی ریل پیل سب امیر خاوند کی وجہ سے ہے۔ بچپن ہی میں انہیں اپنی غربت کا احساس ہو گیا تھا۔ ماں انہیں بہت کم قیمت لباس خرید کر دیتی۔

سکول میں دوسری لڑکیاں زرق برق یا اعلیٰ کپڑے سے سلا ہوا لباس پہن کر آتیں جبکہ ان کے جسم پر بڑے خراب کپڑے ہوتے۔ انہیں غم کھائے جاتا تھا کہ کوئی لڑکی ان کے لباس کا ذکر نہ چھیڑ بیٹھے یا کوئی لڑکا انہیں ٹوک نہ دے۔ ایک آدھ دن کی بات ہوتی تو رو دھو کر وہ وقت گزر جاتا لیکن یہ مدت تو سالوں پر محیط تھی۔

انہوں نے اس خامی کو دور کرنے کا طریقہ سوچ نکالا۔ وہ یہ تھا کہ وہ اپنی ہم جماعت لڑکیوں اور لڑکوں کے ذاتی مسائل میں دلچسپی لینے لگیں۔ خاص طور پر ان کی زندگی کے وہ گوشے زیرِ بحث لائے جاتے جہاں وہ ہمدردی کے طالب ہوتے۔

ان کا خیال تھا کہ وہ لڑکوں اور لڑکیوں کو ان کی باتوں میں مصروف رکھے گی اور ان کی اپنی ذات یا ان کے فضول کپڑے زیرِ بحث نہ آئیں گے۔ نہ صرف وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئیں بلکہ وہ لڑکوں اور لڑکیوں میں ہر دلعزیز ہونے لگیں۔

آہستہ آہستہ اسکول اور بعد میں کالج میں لڑکوں کا ایک حلقہ قائم ہو گیا۔ جس کا مرکزی کردار وہ تھیں۔ لڑکے ان کے اخلاص کے اتنے قائل ہو گئے کہ تین لڑکوں نے انہیں شادی کا پیغام دے دیا۔ انہوں نے موجودہ خاوند کو پسند کیا۔ اس طرح گویا کہ وہ جھونپڑی سے اٹھ کر محل میں پہنچ گئیں۔ خاوند عمر بھر ان کا گرویدہ رہا اور ہمسایوں کی مستورات میں ان کا سوشل حلقہ قائم ہو گیا جو اس دن تک قائم تھا۔

آج کے ایٹمی دور میں

The atomic era

آج کے ایٹمی دور میں زندگی کی قدریں بدل گئیں ہیں۔ اکثر لوگ صاف الفاظ میں یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ یہ ہمدردی، نیکی، امداد، میٹھا بول، منکسر تحریریں زمانہ

ماضی کی باتیں ہیں۔ روپیہ ہی سب کچھ ہے۔ اگر آپ کی جیب میں روپیہ ہے تو آپ ہر مادی چیز بلکہ اخلاقی ماحول بھی خرید سکتے ہیں۔ سکون اور اطمینان بھی خریدا جاسکتا ہے لیکن میں یہ کہتا ہوں آپ روپے سے خواہ کچھ خرید سکیں مگر آپ اللہ کی خوشنودی، دین کی اقدار اور سکون نہیں خرید سکتے۔ اگر آپ خودکشی کے اعداد و شمار اکٹھے کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان میں بہت بڑی تعداد لکھ پتیوں اور امیر لوگوں کی ہوتی ہے۔ دوسروں کے ساتھ نیکی اور ہمدردی کا جذبہ اور کسی کے کام آنے کی لگن[1] ایسی کیفیت فراہم کرتی ہے کہ آپ اپنی مصیبت اور پریشانی بھول تے ہیں۔

۱: بر صغیر میں اولیاءِ کرام کا فلسفہ زندگی یہی تھا۔ ان کے بعد بابا بلھے شاہ، وارث شاہ، سلطان باہو اور خواجہ غلام فرید رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلام میں یہی رنگ ملتا ہے۔

محنت کا میٹھا پھل

The savor of labour

محنت میں عظمت ہے۔ محنت میں مسلسل اپنے آپ کو مصروف رکھنا زندگی کے بہت سے مصائب و آلام کو دور کر دیتا ہے، بہت سی بیماریاں اور پریشانیاں مسلسل سخت محنت سے دم توڑ جاتی ہے۔ ان کا ظہور ہی نہیں ہو پاتا۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اپنے گھر کے کام کاج میں سخت جانفشانی سے مصروف رہتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کہنے پر آپ ﷺ کی خدمت میں خادم مانگنے چلی گئیں تو آپ ﷺ نے خادم کی بجائے تسبیحات عطا فرما دیں، جس سے ہمیں محنت میں عظمت کا درس ملتا ہے۔

مختلف مواقع پر سرورِ کائنات ﷺ نے اپنے کام خود فرما کر امت کو محنت میں عظمت کا درس دیا۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ کی زندگی بھی مسلسل جہد اور محنت کا درس دیتی ہے۔

علم کی سب سے زیادہ اہمیت

Knowledge is most important

علم کے بارے میں جتنی اہمیت رسول ﷺ نے بتلائی ہے یقین جانئے اتنی اہمیت کسی نے نہیں بتائی ہے۔ ہم ایک دفعہ ایک کورس کر رہے تھے اس کا Topic (موضوع) تھا Effective Manager اور انگلینڈ کے Mr. Borrodi آئے ہوئے تھے۔ جو ایک ہی

وقت میں کئی یونیورسٹیز کے Visiting پروفیسر تھے۔ کیلیفورنیا کی یونیورسٹی، انگلینڈ یونیورسٹی، جرمن کی یونیورسٹی اور ہالینڈ کی یونیورسٹی کے علاوہ کئی ملکوں کی یونیورسٹیوں کے Visiting پروفیسر تھے۔

یعنی ایک ان کا لیکچر ہوتا تو پوری یونیورسٹی اہتمام کے ساتھ اس کا لیکچر سنتی تھی۔ اتنا قابل اور Expert (ماہر) بندہ وہ ہمیں لیکچر دے رہا تھا۔ لیکچر کے دوران انہوں نے علم کے بارے میں بات کی اور علم کے بارے میں بات کرتے کرتے کہنے لگے کہ ہمارے Scientists (سائنس دانوں) نے آج یہ بات نکالی ہے اور محسوس کی ہے کہ آدمی کو نہ صرف طالب علمی میں ہی نہیں پڑھنا پڑتا بلکہ اپنے Profession (پیشہ) میں بھی آکر پڑھنا پڑتا ہے بلکہ ساری زندگی پڑھنا پڑتا ہے۔

اس نے یہ بات بڑے نخرے سے کی جیسے کوئی بڑی ریسرچ والی بات کی ہو۔ جب اس نے یہ بات کی تو میں کھڑا ہوا.. میں نے کہا: میں تمہیں اپنے پیارے رسول ﷺ کی ایک حدیث سنا دوں؟ اجازت ہے؟ میں نے یہ حدیث سنائی کہ "علم حاصل کرو پنگھوڑے سے لے کر قبر میں جانے تک"۔

جب میں نے یہ حدیث سنائی تو یقین کیجئے کہ اس نے لیکچر موقوف کیا اپنا بریف کیس کھولا۔ اپنی ڈائری نکالی مجھے کہتا ہے کہ آپ یہ حدیث مجھے لکھوا دیں۔ میں آئندہ اپنے لیکچرز میں یہ حدیث پڑھ کر سنایا کروں گا کہ علم کی اتنی اہمیت رسول اللہ ﷺ نے بتلائی ہے۔

علم کیسے حاصل ہوگا

How is knowledge gained

اب یہ علم کیسے حاصل ہوگا محنت کرنی پڑے گی.. ہر کام کیلئے محنت کرنی پڑتی ہے، علم حاصل کرنے کیلئے بھی محنت کرنی پڑے گی۔ عربی کا مقولہ ہے:

"من طلب فقد وجد"۔

جس نے طلب کیا پس بے شک اس نے پالیا۔

جس نے کسی کام کیلئے کوشش کی اس نے اس کو پالیا.. اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لیس للانسان الا ما سعی

انسان کیلئے وہی کچھ ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے

وان سعیہ سوف یری

اور اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی

ہم اپنی زندگی اپنے ہاتھوں سے یا بناتے ہیں یا اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی کو بگاڑتے ہیں، یہ پکی بات ہے۔ محنت ایسی مٹھاس ہے کہ زندگی میں اس کو جتنا داخل کرتے چلے جائیں گے زندگی اتنی شیریں ہوتی چلی جائے گی۔

محنت کے واقعات

Examples of labour

امام شافعیؒ کا واقعہ

An incident with Imam Shafi

ہمارے سلف صالحین نے اتنی محنت کی کہ آج ان واقعات کو سن کر حیران ہو جاتے ہیں۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ امام شافعیؒ تیرہ سال کی عمر میں امام شافعی بن چکے تھے۔ تیرہ سال کی عمر میں قرآن اور حدیث کے جمیع علوم کو حاصل کر چکے تھے تیرہ سال کی عمر میں درسِ قرآن دینا شروع کر دیا تھا۔ اتنی چھوٹی عمر میں، لیکن یہ ان کی محنت تھی۔ یہ ان کا شوق تھا کہ اتنی کم عمری میں انہوں نے علم کے بڑے سمندر عبور کر لیئے تھے۔ محنت ہوتی ہے یہ شوق ہوتا ہے۔

محمد بن قاسمؒ کا واقعہ

The incident of Mohammad Bin Qasim

محمد بن قاسمؒ کی کیا عمر تھی۔۔ ۱۷ سال ۱۷ سال کے بچے کو گھر کا سربراہ بنا دیں تو وہ گھر ٹھیک طرح سے نہیں چلا سکتا اور وہ ۱۷ سال کا بچہ کمانڈر انچیف بنا ہوا ہے اور فوج کو لے کر جا رہا ہے...... جہاں راجہ داہر کی Established Govt یعنی منظّم حکومت تھی، میں نے سندھ میں وہ میدان دیکھا جہاں راجہ داہر اور محمد بن قاسمؒ کی لڑائی ہوئی تھی۔ میں اس کی وسعتوں کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔

اس وقت عجیب میری کیفیت تھی میں نے کہا کہ یہ نوجوان کہاں سے چلا.. اس کے ساتھ کوئی ٹرینڈTrained(تربیت یافتہ) فوج نہیں تھی۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے بلکہ حجاج بن یوسف نے اسے بلا کر کہہ دیا کہ میری فوج مختلف محاذوں پرOccupied (مصروفِ کار) ہے۔ کوئی میرے پاس فوج نہیں ہے۔ ہاں ایک واقعہ پیش آیا ہے مجھے یہ بات پہنچائی گئی ہے کہ ہماری کچھ عورتیں آرہی تھیں، قافلہ آرہا تھا۔ راجہ داہر کے ڈاکوؤں نے لوٹا ایک لڑکی نے کہا:

تو مجھے بچا فوج میرے پاس نہیں ہے۔ محمد بن قاسمؒ نے Corner meeting میں نوجوانوں کو اکٹھا کیا، یہ پروفیشنل فوجی نہیں تھے۔ یہ ایمان و جذبہ کو لے کر اس کے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ وہ نوجوان اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے ساتھ چلتے ہیں اور ساتھ چلے.. کتابوں میں لکھا ہے کہ محمد بن قاسمؒ کے ذہن میں یہ بات اتنی سمائی ہوئی تھی کہ وہ بیٹھے بیٹھے چونک اٹھتا تھا اور کہتا تھا:

لَبَّیْكَ یَا اُخْتِیْ، لَبَّیْكَ یَا اُخْتِیْ

"میری بہن میں حاضر ہوں، میری بہن میں حاضر ہوں"

تو نے پکارا ہے، ہے کوئی مجھے بچانے والا۔ یہ چند نوجوانوں کا گروہ یہ جماعت وہاں پہنچی.. راجہ داہر کی لوہے میں ڈوبی ہوئی فوج کے چھکے چھڑا دیئے، پھر یہی نہیں کہ اس کو کنٹرول کر لیا بلکہ اس کا حسن یہ ہے کہ اس کو کنٹرول کر کے اپنی سیکنڈ لائن کے ہاتھ میں اس کی کمانڈ دے دی، اس کی Management(انتظام) دے دی.. خود آگے مارچ کر لیا۔ خود کنٹرول کرنا کچھ اور چیز ہوتی ہے مگر اتناConfidence(خود اعتمادی) ہونا کہ اس کو اپنے سیکنڈ لائن کے حوالے کر دیا اور پھر آگے چلتے چلے آئے اور وہ (محمد بن قاسمؒ) نوجوان سندھ سے لے کر ملتان تک اسلام کا پھریرا لہراتا رہا۔

"کیا چیز تھی دل کے اندر خوفِ خدا تھا، جذبہ تھا، مجاہدہ تھا، محنت تھی"

کامیاب زندگی

A successful life

آج ہمارے نوجوانوں کے اندر یہ شوقDevelop(ترقی کر جائے) ہو جائے، پیدا ہو جائے، میرے دوستو! دنیا کی کوئی طاقت ہماری طرف میلی آنکھ سے دیکھ نہیں سکتی۔ آج اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم محنت کو اپنائیں۔ تن آسانی کی زندگی انسان کی

کامیاب زندگی نہیں ہے۔ کامیاب زندگی ہمیشہ محنت اور لگن اور مجاہدے کی زندگی ہوا کرتی ہے، چیلنجز کی زندگی ہوتی ہے۔ انسان کیلئے نئی نئی Assignment (تقرری) کی زندگی ہوتی ہے۔ یہ ہوتی ہے کامیاب زندگی۔

حضرت عبد اللہؒ ابنِ مبارک کا واقعہ

The case of Abdullah Bin Mubarak

ہمارے سلف صالحین نے علم حاصل کرنے کیلئے اتنی محنت کی کہ انسان حیران ہو جاتا ہے۔ حضرت عبد اللہؒ ابنِ مبارک کے پاس اتنا بڑا مجمع ہوتا تھا حدیث کا علم سیکھنے کیلئے کہ کئی آدمی ایک ایک دوات کے اندر قلم لگا کر، Ink لگا کر لکھتے تھے۔ ایک دفعہ دواتوں کی تعداد کو گنا گیا تو وہ چالیس ہزار نکلیں۔ چالیس ہزار دواتیں ہیں تو سننے والے کتنے ہوں گے۔ جبکہ لکھنے والوں کی تعداد اتنی ہے۔

''۱۲۰۰'' آدمی ان کا درسِ حدیث مجمع کو مکبر بن کر سنایا کرتے تھے، یعنی لاؤڈ سپیکر تو نہیں تھے وہ حدیث سناتے۔۔ اس نے سنی۔۔ اس نے آگے سنائی کسی اور نے سنی۔۔ اس نے آگے سنائی۔ وہ جو مکبر مجمع ہوتے تھے ان کی تعدا ''۱۲۰۰'' ہوا کرتی تھی۔ پورا مجمع کتنا بڑا ہوگا۔ اتنے بڑے بڑے مجمع کے اندر بیٹھ کر حدیث کا علم سیکھا تفسیر سیکھی۔

ایک محدث کا واقعہ

An incident with a scholor of hadith

میں ایک محدث کے حالاتِ زندگی پڑھ رہا تھا۔ ان کے حالاتِ زندگی میں لکھا تھا کہ انہوں نے اتنی کتابیں لکھیں کہ اگر ان کے پیدا ہونے کے دن سے لے کر ان کے مرنے کے دن تک سارے دنوں کو گن لیا جائے اور جتنی کتابیں انہوں نے لکھیں ان کے صفحوں کو گنا جائے تو ہر دن کے اندر بیس صفحات بنتے ہیں۔ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک کے پورے دن گن لیئے جائیں کہ اتنے ہزار دن زندہ رہے اور اتنے انہوں نے صفحات لکھے اور آپس میں انہیں تقسیم کیا جائے تو ہر دن کے اندر اوسط بیس صفحات بنتے ہیں۔

اب بارہ تیرہ سال تو علم حاصل کرنے میں ہی گزرے ہوں گے اگر وہ نکال دیں تو یہ بیس کی بجائے چالیس ہو جائیں گے۔ چالیس صفحات کا ایک دن میں ہمارے لیئے پڑھنا

مشکل ہوتا ہے چہ جائیکہ اسے نئے سرے سے ترتیب یا تالیف کر لیا جائے جو لوگ تصنیف و تالیف کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں ایک دن میں ایک صفحہ لکھنا آسان کام نہیں ہوتا۔ انہوں نے کتنی محنت کی ہو گی.. ایک محدث تھے وہ حدیث جن قلموں سے لکھتے تھے، ان قلموں کا برادہ جب گھڑتے تھے تو برادہ سنبھالتے رہتے حتیٰ کہ وہ کئی من بن گیا۔ انہوں نے وصیت کی کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے غسل دینے کیلئے پانی گرم کیا جائے تو ان قلموں کے برادہ سے گرم کیا جائے.. اتنی محنت کرتے تھے۔

اس محنت کے بعد آج اس دین کے علم و معارف ہمارے پاس ہیں کتنی محنت کی ہو گی۔

سائنسدانوں کی محنت کے واقعات

Events of Hardworking Scientist

نیوٹن کا واقعہ

It happened with Newton

اغیار میں جو نامور سائنسدان بنا اس نے محنت کی۔ چاہے دین میں کوئی اوپر پہنچا.. یا دنیا میں کوئی اوپر پہنچا محنت اس کو کرنی پڑی۔ نیوٹن کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے کہ اس نے ایک Thesis تھیسز لکھا اور وہ تھیسز Thesis رکھ کر لیٹرین چلا گیا۔ اب پیچھے چراغ جل رہا تھا تو اس کا کتا جس کا اس نے نام ٹونی رکھا ہوا تھا.. وہ جو اندر آیا اور اس نے جو چھلانگ لگائی چراغ کاغذوں کے اوپر گرا اور پورے کے پورے کاغذ جل گئے۔

جب یہ واپس آیا اور اس نے دیکھا کہ پورے کا پورا تھیسز جل کر راکھ بن گیا تو اس نے صرف اتنا کہا کہ: ٹونی تو نے میرا کام بہت بڑھا دیا.. ٹونی تو نے میرا کام بہت بڑھا دیا اور اس کے بعد اس کو پھر نئے سرے سے لکھنا شروع کر دیا اور کئی مہینے کی محنت کے بعد دوبارہ اسے لکھا۔ محنت کرنے کا مادہ تھا.. شوق اور ایک لگن ہوتی تھی پڑھنے کیلئے۔

آئن سٹائن کا واقعہ

Einstien's case

دنیا کے مشہور سائندان جنہوں نے Atomic Bomb کی تھیوری پیش کی۔ آئن

سٹائن جن کے بارے میں لکھا ہوا ہے کہ بچپن میں یہ جب اسکول پڑھنے جاتا تھا تو اس کو حساب نہیں آتا تھا اور کنڈیکٹر سے یہ لڑتا تھا کہ تو نے اتنے پیسے لینے تھے، اتنے واپس کرنے تھے اور جب حساب کیا جاتا تو کنڈیکٹر ٹھیک ہوتا اور یہ غلط ہوتا۔ تو جب دو چار مرتبہ ایسا ہوا تو ایک مرتبہ کنڈیکٹر نے کہہ دیا تو بھی کیا زندگی گزارے گا۔ تجھے تو جمع تفریق ہی نہیں آتی۔ وہ بات ان کے دل میں بیٹھ گئی تو کہنے لگے اچھا میں حساب پڑھوں گا۔

اب اس نے Mathsmatics پر محنت شروع کر دی۔ محنت کرتے کرتے حتیٰ کہ ایک وہ وقت بھی آیا کہ اس نے Theory of Relativity پیش کر کے سائنس کی دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ محنت، محنت کا پھل ملتا ہے.. نتیجہ نکلتا ہے؟ جی ہاں۔

بورڈ میں سیکنڈ آنے والے لڑکے کا واقعہ

The boy who stood second in the examination

ہمارے محلے کی ایک بات ہے جو میرے تجربے میں آئی ہے۔ ایک نوجوان تھا جس نے میٹرک کا امتحان دیا اور میٹرک کے امتحان میں وہ Top کر گیا.. لیکن اس کا ایک والد، ایک ماں اور ایک وہ خود گھر کے کل تین افراد تھے اور کوئی نہیں تھا۔ اب والد اور والدہ دونوں بوڑھے ہو گئے۔ بڑھاپے میں وہ بچہ ہوا.. اس کا والد بیمار بھی تھا، کمزور بھی تھا اور کام بھی نہیں کر سکتا تھا۔

بچے نے کہا: کالج میں داخلہ دلوا دیں۔ باپ نے کہا کہ: ہم تو نانِ شبینہ کو ترستے ہیں، روٹی پانی کو ترستے ہیں، تو بچہ تو دکان بنا اور دکان چلا کہ کچھ ہمارے لیئے کھانے پینے کا ملے.. باپ نے تین ہزار روپے سے اس کیلئے اپنے گھر کی بیٹھک میں ایک کریانے کی دکان بنائی اور وہ بے چارا اسکول میں فسٹ آنے والا بچہ بیٹھ کر کریانے کی دوکان چلانے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ اسے پڑھنے کا شوق ہوا۔ اس نے F.S.C (ایف۔ ایس۔ سی) کی کتابیں لے لیں.. اس طرح اس نے کچھ کتابیں لے کر پڑھنا شروع کر دیا۔ والد کو پتہ نہیں ہے، والدہ کو پتہ نہیں ہے۔ بیٹھ کر دکان پر کتاب پڑھتا جب کوئی آتا تو اسے رکھ دیتا۔ خیر اس نے F.S.c (ایف۔ ایس۔ سی) کی فزکس، کیمسٹری اور میتھ کی ساری کتابیں پرائیویٹ خود پڑھ لیں۔ کہیں کہیں اٹکنے لگا تو ہمیں آکر اس نے کہا کہ میں پڑھنا چاہتا ہوں، مجھے پریکٹیکل بھی کرنے ہیں اور کچھ پرابلمز Solve (حل) کرنے ہیں۔

ہمارے کالج کے ایک دوست تھے ہم نے انہیں کہہ دیا: اس نے کہا کہ میں

پریکٹیکلز کرواتا ہوں اگر یہ بچہ بھی آنا چاہے تو آیا کرے اور شریک ہونا چاہے تو ہو جایا کرے مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اب دیکھو اس بچے نے کتنی عقلمندی کا مظاہرہ کیا جس دن پریکٹیکل ہوتا ہے اپنے سودا لانے کا دن وہی مقرر کرتا اور چار دن پہلے ہی والد کو کہتا کہ میں نے فلاں دن سودا لانا ہے۔

والد کہتا بہت اچھا! اس دن جناب یہ سودا لکھتا، پیسے لیتا اور وہاں سے بازار میں جاتا اور بازار میں ایک بہت ہی دین دار، پرہیزگار آدمی تھا اس کو لسٹ دیتا کہ یہ سودا نکال کر رکھو اور میں ابھی آتا ہوں۔ جتنی دیر وہ سودا نکالتا.. یہ بچہ اس وقت کالج میں جاکر پریکٹیکل کر رہا ہوتا۔ پریکٹیکل کر کے واپس آتا تو سودا اٹھا کر گھر آتا باپ کو کوئی پتہ نہ چلتا کہ بیٹا صرف سودا لے کر آیا ہے یا سودے کے ساتھ ساتھ پریکٹیکل بھی کر کے آیا ہے۔

حتیٰ کہ اب امتحان شروع ہو گیا.. اور امتحان بھی اس طرح اس نے سودے کی آڑ میں دے دیا F.S.C کا پرائیویٹ امتحان دیا۔ یقین کریں کہ ایک بچہ F.S.C کے پرائیویٹ امتحان دینے کے بعد لاہور بورڈ کے اندر سیکنڈ آیا، اخبار میں خبر آئی۔ اب لوگ محلے والے اس کے والد کو مبارکباد دے رہے ہیں۔ وہ کہتا ہے: میرا بیٹا تو پڑھتا ہی نہیں ہے وہ تو دُکانداری کرتا ہے۔

لوگ کہتے ہیں تیرا بیٹا بورڈ میں سیکنڈ آیا ہے اور والد صاحب کہتے ہیں میرا بیٹا تو پڑھتا ہی نہیں۔ حتیٰ کہ ہم نے تسلی دلائی کہ معاملہ کچھ یوں تھا۔ والد ناراض بھی ہوا، غصہ بھی ہوا کہ اس نے دُکانداری تو نہیں کی ہو گی.. پڑھائی کی طرف توجہ دی ہو گی۔ پھر ہم نے اور کچھ لوگوں نے مل ملا کر چند ایک انڈسٹریل گروپس کو صورتحال بتائی اور ان کو کہا کہ اگر آپ اپنی طرف سے کوئی پرائیویٹ اسکالر شپ دے دیں تو یہ بچہ بھی پڑھ جائے گا اور ماں باپ کو بھی کچھ مل جائے گا۔ چنانچہ اس کے لئے دو تین ہزار کا بندوبست کیا گیا۔

اس سکالر شپ میں سے کچھ تو ماں باپ کو دیا کہ یہ آپ لیں اور مزے سے بیٹھ کر کھائیں اور بچے کو یونیورسٹی میں داخل کروائیں۔ اس نے انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں داخلہ لیا۔ سول انجینئرنگ میں کورس کیا۔ میں خود اس واقعہ میں شامل تھا۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ جب انسان مصمم ارادہ کر لیتا ہے تو وہ کام کر گزرتا ہے۔

لیڈی ڈاکٹر کا واقعہ

THe case of a lady doctor

ہمارے ایک دوست اسلامیات کے پروفیسر تھے۔ان کی ایک بیٹی تھی۔اس نے میٹرک امتحان بہت اچھا پاس کرلیا۔بیٹی کے دل میں شوق تھا کہ میں لیڈی ڈاکٹر ہوں۔اب والد نے کہا کہ بھائی میں جس کالج میں پڑھتا ہوں، اس کالج میں Co-education (مخلوط تعلیم) ہے، میں نہیں پسند کرتا کہ میری بیٹی بھی وہیں پڑھے،ان پروفیسرز کے پاس پڑھے۔

لڑکیوں کا اس وقت سائنس کالج نہیں تھا۔آرٹس کا تھا سائنس کی کلاسز نہیں تھیں اس نے کہا کہ :ابو میں پڑھنا چاہتی ہوں۔ اس نے کہا اگر پرائیویٹ پڑھ سکتی ہے تو پڑھ لے۔ اب اس نے زولوجی اور میڈیکل کی ساری کتابیں بچی کو لے کر دے دیں اور اس کی بیٹی نے پرائیویٹ گھر کے اندر پڑھائی شروع کردی۔درمیان میں اسے کہیں کہیں پرابلمز ہوئے تو اس نے کہا کہ ابو مجھے فلاں چیز نہیں آتی کسی پروفیسر سے کہیں کہ وہ مجھے سمجھادیں۔ابو نے کہا کہ میں تو نہیں کہوں گا کہ کوئی پروفیسر آپ کو سمجھائے۔پھر اس بچی نے کہا کہ ابو مجھے ان سے سمجھ کے ہی سمجھادیں۔آپ اندازہ کیجئے کہ وہ اسلامیات کے پروفیسر اپنی بیٹی سے میڈیکل کے پرابلمز سمجھتے اور کالج میں جاکر کالج کے پروفیسرز سے پوچھتے کہ ان کا جواب کیا ہے؟ وہ کچھ جواب سمجھتے اب اسلامیات کے پروفیسر سمجھتے کیا ہوں گے؟ سوال کو کیا سمجھتے ہوں گے؟ جواب کو کیا سمجھتے ہوں گے؟ لیکن جو تھوڑا بہت وہ Hints (اشارات) وہاں سے لے کر آتے وہ آکر بیٹی کو دیتے۔بیٹی اس سے پک اپ کر لیتی کہ ہاں اسی کا یہ جواب تھا۔

حتی کہ بیٹی نے تیاری کی، میڈیکل کا پرائیویٹ امتحان دیا۔ حتی کہ اس کی فرسٹ ڈویژن آگئی۔اس کے نمبر اتنے آگئے کہ اس نے لاہور میں فاطمہ جناح میڈیکل کالج میں داخلہ لے لیا جو کہ لڑکیوں کا کالج ہے بعد میں وہ لڑکی میڈیکل ڈاکٹر بن گئی۔

اللہ کی مدد

The help of Allah

یہ مثالیں میں نے میڈیکل لائف سے پیش کی ہیں۔ اسلئے کہ انسان جب کسی کام کرنے کا مصمم ارادہ کرلیتا ہے تو وہ اس کام کو کر گزرتا ہے۔ اللہ کی مدد انسان کے اپنے

ارادہ کے اوپر آتی ہے۔ جتنے عزائم بلند ہوں گے اتنی اللہ کی مدد زیادہ ہو گی۔ اسی لیئے فرمایا کہ جو بلند عزائم والا انسان ہو تا ہے وہ اللہ کو بہت محبوب ہو تا ہے۔

(حوالہ محنت کی عظمت حضرت پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مدظلہ)

معاشرہ، عالم، پادری اور جدید سائنس

دلچسپ اور حیرت انگیز موازنہ

Society, Scholar, Priest & Modern science

An interesting & surprising comparsion

اسلام کامل اور اکمل مذہب ہے۔ اسلام کے جس پہلو پر تحقیق کی جائے وہی اس بات کی گواہی دے گا کہ اسلام قیامت تک آنے والے تمام چیلنجوں کا آخری جواب ہے۔ ہر وہ تحقیق جو آج ہمیں نئی معلوم ہوتی ہے اسلام صدیوں پہلے تحقیق کر چکا ہے۔

ہر وہ شخص جو اسلام کو سطحی نظر سے نہیں بلکہ بنظرِ عمیق یعنی گہری نظر سے دیکھتا ہے، تھامتا ہے اور پھر عمل کرتا ہے۔ اس کے اندر کی ذہنی سوچیں، صلاحیتیں اور طاقتیں نکھر آتی ہیں۔ پھر وہ پلک جھپکتے ہی عالم کے نظام کو سمجھ پاتا ہے، کائنات کی الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھا دیتا ہے۔

پھر وہ اسلام کو ایسی نظر سے دیکھتا ہے کہ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس مقدس اور مہذب مذہب میں ہر آدمی اور ہر باطل مذہب والا داخل ہو جائے۔ زیرِ نظر تحقیق میں قارئین اس بات کا موازنہ کریں گے کہ مبلغینِ اسلام اسلامی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں یا راستہ؟

کیا صدیوں سے ان مسلمانوں نے اقوامِ عالم کو نئی تحقیقات کی شکل میں ترقی کی راہیں ہموار کر دی ہیں؟ کیا یہی وہ لوگ تھے جن کی ایجادات آج یورپ کے ہر شعبہ ہائے زندگی کی زینت ہیں۔

پھر وہ دور بھی آیا جب اسی یورپ نے ان مبلغینِ اسلام کو صرف مسلمان ہونے کی وجہ سے طرح طرح کے مصائب سے دوچار کیا۔ تو پھر کیا خیال ہے یہ کہ مبلغِ اسلام یا مولوی معاشرہ کا حصہ ہے.. کیا اس کے اندر تمام غلطیاں ہیں یا کچھ خوبیاں بھی ہیں؟ آیئے اس کا موازنہ کرتے ہیں۔

اس وقت قومی سطح پر مختلف دینی جماعتیں مصروف عمل ہیں، سیاست میں بھی تو سماجی خدمت کے میدان میں بھی۔ ہمارے ہاں ایک دور وہ تھا جب معاشرے میں علماء اور دینی جماعتوں کو بڑی عزت اور تکریم کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، لیکن اب صورتحال میں بنیادی تبدیلی واقع ہو گئی ہے۔ جدید تعلیم یافتہ آبادی مذہبی طبقہ بالخصوص مولوی سے دوری محسوس کرتی ہے۔

سیاست میں بھی مذہبی آواز اور دینی نعروں کے خلاف ردِ عمل پیدا ہوا ہے، نئی نسل میں یہ تأثر بڑھتا جا رہا ہے کہ مذہب کی ترجمانی کرنے والے فکری اعتبار سے دورِ جدید میں نہیں رہتے بلکہ وہ ماضی میں رہتے ہیں۔ جب تمدن، معیشت اور معاشرے سادہ نوعیت کی تھی۔ گروہی وابستگیوں نے ایمانیات اور عقائد کی صورت گری اختیار کر لی ہے۔ دینی شناخت کیلئے اسلام کی بنیادی تعلیمات پر عمل کی بجائے مذہبی گروہوں اور حلقوں سے وابستگی کو ضرورت سمجھا جاتا ہے۔

نہ صرف یہ بلکہ جدید تمدن، معیشت، معاشرت اور سیاست میں جو بیشمار نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں جن کا اس سے پہلے تصور بھی مشکل تھا۔ ان مسائل کے حل کیلئے ماضی کے قابلِ قدر علمائے کرام اور اماموں کی رائے کو صرف آخر سمجھا جاتا ہے حالانکہ اس دور میں یہ مسائل موجود ہی نہیں تھے ان حالات میں علمائے کرام اور اماموں کی رائے کو حرفِ آخر سمجھا جاتا ہے، حالانکہ اس دور میں یہ مسائل مجود ہی نہیں تھے۔ ان حالات میں علمائے کرام اور جدید تعلیم یافتہ افراد کے درمیان دوری کی یہ دیوار بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ دوری جتنی بڑھتی جائے گی اس سے مذہب، اہلِ مذہب اور نئی نسل سب کو نقصان ہو گا۔

دینی ادارے مفقود ہو جائیں گے، نئی نسل علمی اور عملی مسائل میں رہنمائی کیلئے مادہ پرست فلاسفروں کی طرف رجوع ہونے کیلئے مجبور ہو گی۔ یہ فلاسفر انہیں ذہنی اور عملی طور پر ایسی دلدل میں مبتلا کریں گے جس سے ان کیلئے نکلنا دشوار ہو گا۔

اسلئے ضرورت ہے کہ یہ جائزہ لیا جائے کہ معاشرے میں علماء کرام کے مقام اور

حیثیت فروتر کرنے میں غلط فہمیوں کو کتنا عمل دخل حاصل ہے اور خود مذہبی طبقہ سے وہ کونسی کوتاہیاں سرزد ہوئی ہیں۔ جس سے وہ ملک کے حالات اور اسلام کے بقاء و تحفظ کے سلسلے میں ٹھوس اور مؤثر کردار ادا کرنے سے قاصر ہیں۔

جدید تعلیم یافتہ لوگوں کی غلط فہمی

Misunderstanding of modern educated people

ہمارے ہاں جدید تعلیم یافتہ لوگوں میں ایک بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ جس طرح یورپ میں پادریوں نے فلسفہ اور سائنس کو کفر قرار دیا تھا۔ اسی طرح اسلامی دنیا میں بھی مذہبی طبقہ کی طرف سے ضرور سائنس کی مخالفت کی گئی ہو گی۔ جدید طبقہ کی مصیبت یہ ہے کہ یورپ سے مرعوبیت کی بنا پر وہ اس کی تاریخ کا تو مطالعہ کرتا ہے لیکن وہ اپنی تاریخ کے مطالعے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

اس طبقہ کی دوسری مشکل یہ ہے کہ مذہب کے بارے میں اس کا جو بھی مطالعہ ہے وہ مغربی مصنفین اور مستشرقین کی کتابوں سے حاصل کردہ ہے[1]۔ ظاہر ہے مغربی مصنفین نے اپنی کتابوں میں جس مذہب کا نقشہ کھینچا ہے وہ عیسائی مذہب ہے جسے پادریوں نے سائنس، ترقی اور ہر نئی چیز کا مخالف اور متصادم بنا دیا تھا۔ اس معاملہ میں اگر یورپ کے پادریوں اور اسلامی دنیا کے مذہبی طبقہ کے کردار کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو ہمیں زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ اس سلسلے میں ذرا پادریوں اور علمائے کرام کے کردار پر ایک نظر ڈالیئے۔

1: اس بات سے انکار نہیں کہ مستشرقین نے اسلامی علام کی تحقیق و تلاش میں زندگیاں صرف کیں اور وہ قیمتی اسلامی ذخیرہ جا مسلمانوں کے عروج کے دور میں مسلمان مفکروں نے محنت سے ترتیب دیا تھا اسے پرانی لائبریوں سے نکال کر شائع کیا۔ یہی نہیں بلکہ مستشرقین نے اسلام کے ہر شعبہ اور ہر موضوع پر ہزارہا کتابیں لکھ ڈالیں۔ ان کا یہ کردار قابل تعریف ہے، لیکن اس اعتراف کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ سارا کام اسلام تنقیص اور تنقید کے جذبہ اور نیت کے تحت کیا گیا۔ پہلے پہلے یہ کام پادریوں نے کیا۔ ان کا مقصود یہ تھا کہ مسلم ممالک کے نوجوانوں میں ایک تجدد پسند طبقہ پیدا کیا جائے جو حقیقی اسلام سے دور ہو۔ اس طریقہ سے مسلم معاشرہ داخلی تخریب کا شکار ہو۔ اس لٹریچر سے بجا طور پر یہ مقصد پورا ہوا ہے مثلاً مغربی مستشرقین نے حضور ﷺ کی سوانح حیات لکھی تو آپ کی مثالی اور پاکیزہ زندگی کو کئی پہلوؤں سے داغدار حیثیت سے پیش کیا ہے۔ (العیاذ باللہ)

یورپ کی مجالس و تفتیش میں احتساب

Associations of Europe, investigation & reckoning

یورپ میں علم و ادب، سائنس و ترقی کے سلسلہ میں پادری کا جو کردار رہا ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ یورپ نے ۱۴۷۸ء میں مجالسِ تفتیش و احتساب قائم کیں جس کا مقصد یہ تھا کہ علم و سائنس سے ذرا سی دلچسپی رکھنے والوں کو مجلسِ احتساب میں پیش کر کے سزائیں دی جائیں۔

اس محکمہ کی گرفت پوری طرح مضبوط کرنے کیلئے یورپ نے یہ حکم بھی جاری کیا کہ ہر مسیحی روزانہ اپنے حلقے کے پادری کے سامنے اپنے اعمال اور خیالات کا حساب پیش کرے، جو شخص اس اعتراف میں سچائی کا ثبوت نہیں دے گا وہ مسیحی برکتوں سے قطعی محروم اور دائمی جہنم کا مستحق بن جائے گا۔

بھیانک نتائج

Horrible results

اس حکم کا نتیجہ یہ نکلا کہ بیوی شوہر کی، شوہر بیوی کا، باپ بیٹے کا اور بیٹا باپ کا مخالف اور جاسوس بن گیا۔ محکمہ احتساب کی سفاکیاں ملاحظہ ہوں کہ ۱۴۸۱ء سے ۱۸۰۸ء تک اس نے تین لاکھ چالیس ہزار آدمیوں کو مختلف عبرتناک سزائیں دیں۔ ان بدنصیبوں میں ۲۰ ہزار افراد ایسے تھے جنہیں زندہ جلایا گیا۔

اسپین کے محکمہ احتساب نے اپنی پہلی سالگرہ اس کارنامے سے منائی کہ بارہ مہینے میں دو ہزار آدمیوں کو زندہ جلایا اور ۱۷ ہزار آدمیوں کو بھاری جرمانے اور حبس دوام کی سزائیں دیں۔ پادری تارکوئی میڈاکٹیل اور لیاں کا صدر محتسب تھا۔ اس شخص نے اپنے اٹھارہ سالہ دورِ احتساب میں دس ہزار دو سو بیس آدمیوں کو زندہ جلایا اور ۹۷ ہزار تین سو اکیس انسانوں کو بھیانک سزائیں دیں[1]۔

۱: تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو معروف امریکی پروفیسر ڈریپر کی کتاب "معرکۂ سائنس و مذہب"۔ یاد رہے کہ ۴۰۵ صفحات پر مشتمل کتاب کا اردو ترجمہ مولانا ظفر علی خانؒ نے کیا ہے، یہ اردو میں پہلی بار ۱۹۰۱ء رفاہِ عام پریس لاہور سے شائع ہوئی۔

گلیلو کی موت کا سبب

How Galileo died

معروف سائنسدانوں میں گلیلو کو جیل میں اذیتیں دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ گلیلو نے عربوں کے علوم سے استفادہ کر کے دوربین کی ایجاد کا اعلان کیا اور ساتھ ہی زمین کے گول ہونے کا دعویٰ کیا۔ کلیسا نے ایسے گستاخانہ اعلان پر اسے گرفتار کر لیا۔ اسے خوفناک سزاؤں کی دھمکیاں دی گئیں۔ چنانچہ اس نے معافی مانگ کر رہائی حاصل کی لیکن تلاش و تحقیق کے جذبے نے اسے خاموش رہنے نہیں دیا۔

۱۶ سال کی خاموشی کے بعد اس نے اپنی کتاب "نظام عالم" شائع کر دی جس میں زمین کا گول ہونا ثابت کیا گیا۔ اس جرم میں اسے جیل بھیج دیا گیا اور وہاں انہیں گھٹنوں کے بل کھڑا کیا گیا بالآخر وہ سسک سسک کر مر گیا۔

اٹلی کے علامہ برونو کو اس جرم میں پکڑا گیا کہ وہ متعدد دنیاؤں کا قائل تھا۔ عدالتِ احتساب نے اس وجہ سے اسے بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالنے کا فیصلہ صادر کیا، یہ حکم سن کر برونو نے عدالت الفاظ سے مخاطب کیا: "یقین کرو تمہارا حکم سن کر میرے دل میں اس خوف کا عشر و عشیر بھی طاری نہیں ہوا جو خود تمہارے دلوں میں اسے صادر کرتے ہوئے پیدا ہوگا"۔ ۱۶ فروری ۱۶۰۰ء میں اسے نظرِ آتش کیا گیا۔

تحریک پروٹسٹنٹ

The protestant movement

کلیسا کے اس وحشیانہ طرزِ عمل کے خلاف لوتھر تحریک پروٹسٹنٹ نے جنم لیا[1] پادری تحریک اصلاح کو کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ چنانچہ ان دونوں کے درمیان ۱۶۴۸ء سے ۱۹۱۸ تک یعنی تیس سال تک خونی معرکہ جاری رہا۔ اس معرکہ میں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگاروں کے مطابق ۷ لاکھ افراد ہلاک ہوئے اور اربوں روپے کی جائیداد تباہ ہوئی۔

۱: لوتھر اور کلیسا میں بناءِ تنازع یہ تھی کہ حق کا معیار کیا ہے؟ کتاب اللہ یا پوپ کا اجتہاد؟ لوتھر کی طرف سے جو الزام لگائے تھے ان میں ایک الزام یہ بھی تھا کہ وہ اسلام کا پیرو ہو گیا ہے اور قرآن کے مطالعہ سے یہ گمراہی پیدا ہوئی ہے۔

پروفیسر فشر اپنی کتاب "یورپ کی تاریخ" میں لکھتا ہے کہ اس جنگ میں زبردست لوٹ مار اور فاقہ کشی کے علاوہ آدم خوری کا مظاہرہ ہوا۔ گاؤں کے گاؤں تباہ ہو گئے، اخلاقی ضابطے ٹوٹ گئے اور پورا ملک حیوانی شہوت پرستی کی نذر ہو کر رہ گیا۔

مسلمان علماء کا بے مثال کردار

Incomparable character of Muslim scholars

پادریوں کے اس کردار کے مقابلے میں ہمارے علماء کی پوری تاریخ میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس سے معلوم ہو کہ علماء نے نئی نئی ایجادوں کے علم برداروں، سائنسدانوں اور ریاضی دانوں کو قابل گردن زنی قرار دیا ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلم علماء کے اندر بڑے بڑے فلاسفر، تاریخ دان، حکماء اور ہر قسم کے علوم وفنون کے ماہر پیدا ہوئے ہیں۔

ابنِ عربی، ابنِ خلدون، ابنِ رُشد، ابنِ ماجہ، غزالی، رازی، ابنِ تیمیہ۔ رومی، فارابی، کندی، بو علی سینا، بیرونی اور اس طرح کی شخصیتوں کی ایک پوری فہرست ہے جو ہماری مسلم تاریخ کا قیمتی ورثہ ہیں۔ یورپ میں علمی، عقلی اور سائنسی دور کا آغاز دراصل انہی ممتاز مسلم علماء کی کتابوں کے ترجمہ سے شروع ہوا۔ جس کا اعتراف خود مغربی مصنفین کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم یہاں کچھ مغربی مصنفین کے حوالے پیش کرتے ہیں۔

گسٹوورکس کا اعتراف

Admission of Gustavus

گسٹوورکس نے صراحتاً اعتراف کیا ہے کہ یورپ سائنٹیفک انکشافات میں اسلام کا ممنون ہے، اسلام ہی کے طفیل علماء سائنس بیکن، نیوٹن وغیرہ پیدا ہوئے۔ اگر مسلمانوں نے کاغذ، بارود، قطب نما اور دیگر آلات کی ترقی کو رواج نہ دیا ہوتا تو یورپ کی سائنس و تہذیب کی چودہ برس پہلے جو حالت تھی وہی آج ہوتی۔

فرانسیسی ڈاکٹر کا تجزیہ

Findings of French Doctor

فرانسیس دانشور ڈاکٹر لیبان اپنی کتاب "تمدن عرب" میں لکھتا ہے۔ یورپ کی

یونیورسٹیاں، چھ سو برس تک عربی کتابوں کے تراجم پر زندہ رہیں۔ وہ پورا ملک عرب ہی ہے جنھوں نے یورپ کو علم، اخلاق اور تہذیب کی راہیں دکھائیں۔ نظری علوم میں انہماک کے ساتھ عربوں نے ان علوم سے صنعت و حرفت میں بھی پورا کام لیا۔ ان کے علموں نے صنعتوں کو درجۂ کمال تک پہنچایا۔

ہم ان کے اکثر طریقوں سے واقف نہیں ہیں لیکن ان طریقوں کے نتیجے ہمارے سامنے ہیں۔ مثلاً ہم جانتے ہیں کہ وہ کانیں کھودتے اور ان سے گندھک، تانبہ، لوہا، چاندی اور سونا نکالا کرتے تھے۔

ایچ ویلز کا تجزیہ

Findings of H. G. Wells

ایچ ویلز اپنی کتاب "ماٹرڈم آف مین" میں لکھتا ہے: "اسلامی تمدن، مغربی تمدن کا پیشرو ہے۔ بصرے، کوفے، بغداد، قاہرہ اور قطر کی یونیورسٹیاں علم و حکمت کی مرکز تھیں اور پوری دنیا میں نور پھیلا رہی تھیں۔ یورپ میں عربی فلسفہ اسپین کی راہ سے داخل ہوا اور پیرس، آکسفورڈ اور شمالی اٹلی کی یونیورسٹیوں پر چھا گیا۔ اس عربی فلسفہ نے جس میں ابنِ رشد کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یورپین ذہن کی کایا پلٹ دی۔ طب میں مسلمانوں نے جو ترقی کی یونان اس کی پاسنگ کو بھی نہیں پہنچتا۔

یہ حوالہ جات میں نے اس لئے پیش کیئے ہیں تاکہ ہمارے جدید طبقہ کو معلوم ہو کہ علم، مسلمان علماء نے تو سائنس و ترقی کے دروازے کھولے ہیں اس حساب سے پادری جمود پسند تھے جبکہ ہمارے علماء کرام روشن خیال اور ترقی پسند تھے۔

حکومتِ وقت سے جہاد

Opposition to the government

پھر یورپ میں پادریوں نے حکومتِ کے خلاف جنگ کرنا تو درکنار یہ فتویٰ دے دیا کہ بادشاہ خدا کا سایہ ہوتا ہے اور وہ معصوم عن الخطا ہوتا ہے۔ جبکہ ہمارے ہاں اس سلسلہ میں علماء کا کردار شروع سے قابلِ قدر اور لائق تعریف رہا ہے۔ ہمارے علماء نے محسوس کیا کہ مسلم معاشرہ کی علمی، سائنسی اور معاشی حیثیت باقی نہ رہ سکے گی اگر ملوکیت کے اثرات کا ازالہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کیلئے وہ بادشاہوں سے متصادم

رہے، جیلوں میں گئے مصائب برداشت کیے، پھانسیوں پر چڑھے لیکن ملوکیت سے مصالحت کیلئے تیار نہ ہوئے۔ امام ابو حنیفہ سے لے کر حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ تک ممتاز علماء کرام، مجددین نے اس معاملہ میں جو کردار ادا کیا ہے اس سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔

ہندوستان میں اس سلسلے میں ماضی بعید میں علماء کرام نے جو کارنامے سرانجام دیئے ہیں چونکہ وہ ہمارے موضوع بحث سے خارج ہیں اسلئے یہاں انگریز کی آمد کے پیدا شدہ حالات میں علمائے کرام کے کردار کی ایک جھلک پیش کی جاتی ہے۔

انگریز کی حکمتِ عملی

The policy of the British

برصغیر ہند پر انگریز کے قبضہ بالخصوص ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد یہاں انگریز کی پالیسی یہ تھی کہ مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو عیسائی بنایا جائے یا کم از کم انہیں مسلمان نہ رہنے دیا جائے۔ چنانچہ برطانیہ کے ایک ممبر پارلیمنٹ مسٹر منگلین نے ۱۸۵۷ء کے آغاز میں دارالعوام میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے کہ ہندوستان کی سلطنت پر انگلستان کا قبضہ ہو، تاکہ عیسیٰ مسیح کی فتح کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرایا جائے۔ ہر شخص کو اپنی تمام قوت ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کام کی تکمیل میں صرف کرنی چاہئے اور اس میں کسی قسم کا تساہل نہیں کرنا چاہئے"۔[۱]

ادھر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں نے تقریباً سات ہزار علماء کو تہ تیغ کا[۲] اس جنگِ آزادی کے بعد انگریز کیلئے مزید ضروری ہو گیا تھا کہ وہ ہندوستان میں اپنے پاؤں مضبوط کرنے کیلئے سیاسی اور تعلیمی میدان میں اور دیگر بہت سارے انتظامات کے علاوہ برطانیہ سے عیسائی پادری کی فوج ظفر موج لائی گئی۔ تحریکِ عیسائیت کو فروغ دینے کیلئے جو اقدامات کیئے گئے اس کی ایک جھلک ذیل کی رپورٹ سے دیکھی جاسکتی ہے۔

۱: فرنگیوں کا جال، صفحہ ۶۷، مصنفہ امداد صابری

۲: ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت، صفحہ ۲۵۱، مصنف پروفیسر محمد سلیم

گرجاگھروں کا قیام

Establishment of Churches

۱۸۵۲ء میں اسکاٹش مشنریوں نے تین سو اکتیس گرجے قائم کیئے جن میں ہندوستانی عیسائیوں کی تعداد ۱۴۱۰ تھی ۱۸۵۲ء میں عیسائی مشنری سوسائیٹوں نے ایک ہزار تین یو چھیالیس اسکول قائم کیئے جن میں ۴۷۵۰۴ لڑکوں کو دیسی زبان میں تعلیم دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ ترپن بورڈنگ اسکول تھے۔ جن میں دو ہزار چار سو چودہ لڑکوں کو تبلیغ (پروپیگنڈہ) مذہب کیلیئے تیار کیا جاتا تھا۔

ان سوسائٹیوں نے عیسائی مبلغین تیار کرنے کیلیئے ۱۲۶ مذہبی درسگاہیں قائم کر رکھی تھیں۔ جس میں ۲۴۵۶۲ نوجوانوں کو ہندوستانی اور دیسی زبان میں بائبل کی مناظرانہ سکھانے والی تعلیم دی جاتی تھی، ان سوسائٹیوں نے عورتوں میں تبلیغ مسیح کیلیئے تین سو سینتیس اسکول، ۱۰۲ بورڈنگ اسکول قائم کیے تھے۔ جس میں علی الترتیب ۱۱۵۲۹۔ ۲۷۷۹ ہندوستانی لڑکوں کو دیسی زبان میں تعلیم کے علاوہ لازمی طور پر بائبل پڑھائی جاتی تھی۔ عیسائیوں کے ۲۵ بڑے پریس کام کر رہے تھے۔ ان کے مصارف کا اندازہ ۲۴ لاکھ روپے سے کیا جاتا ہے۔[1]

۱۸۷۵ء میں ہندوستانی پروٹسٹنٹ فرقہ کے ۶۰۱ پادری کام کر رہے تھے۔ جبکہ کیتھولک یورپی پادریوں کی تعداد ۸۲۶ بیان کی جاتی ہے۔ پادریوں کو اطمینان اور ذہنی سکون کے ساتھ کام کرنے کی خاطر ہر قسم کی سہولتیں حاصل تھیں۔ ایک پادری کی تنخواہ چیف کمشنر کے برابر تھی۔ ان کی ماہانہ آمدنی کا اوسط یہ تھا۔

ایک لارڈ پادری دو ہزار وروپے ماہوار، ایک بڑا پادری ایک ہزار روپے ماہوار، چھوٹا پادری پانچ سو ماہوار، اگر کسی پادری کے ہاں کوئی لڑکا پیدا ہو جائے تو پیدا ہوتے ہی ۱۵۲ روپے ماہوار اور اگر لڑکی پیدا ہو تو ۲۵۰ روپے ماہوار دیا جاتا تھا۔[2]

۱: فرنگیوں کا جال، مصنف امداد صابری، صفحہ ۱۷، ۱۸

۲: مذکورہ کتاب، صفحہ ۵۶، ۵۷

پرنٹنگ پریس کا قیام

Setting up of printing press

مسیحی لٹریچر چھاپنے کیلئے چھ سو سوسائٹیاں قائم کی گئیں۔ ۱۸۷۹ء میں چرچ مشن سوسائٹی نے انگلینڈ سے ایک پریس منگوایا۔ اس کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے سات مزید پریس منگوائے گئے۔ پریس لگانے کے بعد ان سوسائٹیوں نے تین سال کے اندر اندر جو لٹریچر شائع کیا اس کی رپورٹ ملاحظہ ہو۔ ۱۸۷۲ء میں مختلف کتابوں کی یہ تعداد ۸۱۰۶۵ تک پہنچ گئی۔ ۱۸۸۴ء میں مزید ۲۲۵۱۹ کتابیں تقسیم کی گئیں۔[1]

یہ ساری کتابیں دینِ مسیح کی حقیقت ثابت کرنے سے متعلق تھیں اور ان میں اسلام پر اعتراضات اور حملے کیئے گئے تھے۔ مثلاً

۱: قرآن مجید اصلی نہیں ہے۔ اس میں تحریف کی گئی ہے۔ (نعوذباللہ)

۲: قرآن مجید کوئی نئی چیز نہیں ہے توریت اور زبور سے سرقہ (چوری) کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے یہودیوں کی خراقات ہے۔ (نعوذباللہ)

۳: محمد ﷺ کی پیش گوئی کتب عتیق وجدید میں نہیں ہے۔ (نعوذباللہ)

۴: قرآن مجید کی آیات ایک دوسرے کی مخالف اور متضاد ہیں۔ اسلیئے قرآن کلامِ الٰہی نہیں ہے۔ (نعوذباللہ)

ناگزیر حالات میں مسلمان علماء کرام کا تاریخی کردار

Role of Muslim scholars in difficult times

ان باتوں کے علاوہ پادریوں کی طرف سے 16 رسالے بھی شائع ہوئے تھے۔ پادریوں نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مناظرہ بازی کا بھی سلسلہ شروع کر دیا۔ صاف ظاہر تھا کہ اگر عیسائیت کے سیلاب کا مقابلہ نہ کیا جاتا تو حکومت کی سرپرستی میں عیسائیت کی تحریک انتہائی فروغ پذیر ہوتی اور لاکھوں کروڑوں افراد کا دین وایمان سلامت نہ رہتا۔

یہ علماء کرام ہی تھے، جنھوں نے فروغِ عیسائیت کے اس سیلاب کے سامنے بند باندھا۔ کتابوں کے جواب میں کتابیں لکھیں اور رسالوں کے مقابلے میں رسالے شائع کیئے اور انگریزی اور عبرانی سیکھ کر براہ راست مذہب عیسائیت کا مطالعہ کیا اور پادریوں

۱: فرنگیوں کا جال، صفحہ ۶۱

سے مناظرے کیئے۔ علماء کی اس زبردست جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ پادریوں کو لاجواب اور رسوا ہو کر اپنے جارحانہ طریقِ کار کو بدلنا پڑا۔

مولانا حالی کا تجزیہ

Findwings of Moulana Hali

اس سلسلہ میں مولانا حالی "حیاتِ جاوید" میں لکھتے ہیں :-

ہندوستان میں اسلام خطرے میں گھرا ہوا تھا۔ ایک طرف مشنری گھات میں لگے ہوئے تھے، ہندوستان میں سب سے زیادہ دانت ان کا مسلمانوں پر تھا۔ ان کی منادیوں میں، ان کے اخباروں اور رسالوں میں زیادہ تر بوچھاڑ اسلام پر ہوتی تھی۔ اسلامی تعلیمات کی طرح طرح سے برائیاں ظاہر کرتے تھے، داعی اسلام کے اخلاق و عادات پر انواع واقسام کی نکتہ چینیاں کرتے تھے۔

چنانچہ بہت سے مسلمان کچھ ناواقفیت اور بے علمی کے سبب ان کے دام میں آگئے۔ اس خطرے میں بلاشبہ علماء اسلام جیسے مولانا آل حسن، مولانا رحمت اللہ مرحوم اور ڈاکٹر وزیر خان وغیرہ متنبہ ہوئے اور انہوں نے متعدد کتابیں عیسائیت کے رد میں لکھیں اور ان سے بالمشافہ مناظرے کیے۔ جس سے یقیناً مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔[1]

علماء کرام نے پادریوں کے لٹریچر کے جواب میں ۱۳۰۸ھ تک ۲۱۱ کتابیں لکھیں۔ جو لاکھوں کی تعداد میں شائع کر کے تقسیم کی گئیں۔ اسی طرح ۶۲ سالہ رسالے شائع کیے۔[2]

ٹائمز آف انڈیا کا تجزیہ

Analysis of Times of India

علماء کرام کی متعدد کتابیں عربی اور انگریزی میں بھی شائع ہوئیں۔ ان کتابوں میں پادریوں کے دلائل کا اس انداز سے پوسٹ مارٹم کیا گیا تھا کہ اس وقت کے اخبار "ٹائمز آف انڈیا" نے امام فن مولانا رحمت اللہ کی کتاب اظہار الحق کے (انگریزی ترجمے کے)

---

۱ : حیاتِ جاوید، صفحہ ۴۹۸، مولانا حالی، شائع کردہ اکادمی ادبیات، پنجاب، لاہور

۲ : ان کتابوں اور رسالوں کے نام "فرنگیوں کے جال" کے مصنف نے تفصیل سے اپنی کتاب میں پیش کیے ہیں۔

بارے میں لکھا ہے کہ لوگ جب تک اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے۔ تب تک مذہبِ عیسائیت کی ترقی رُک جائے گی۔[1]

عیسائی پادری مناظروں کیلئے بڑی تیاریاں کر کے آتے تھے لیکن علمائے اسلام کی تیاریاں بھی کم نہ ہوتی تھیں۔ چنانچہ مناظرہ بازی کے سینکڑوں پروگرام ہوئے سب میں عیسائی پادریوں کو لاجواب ہونا پڑا۔

ایک پادری کی کہانی

Story of a priest

ایک پادری برکت اللہ اپنی کتاب میں آگرے کے تاریخی مناظرے کا ذکر کرتے ہوئے تعلّی کے ساتھ لکھتا ہے :۔

"یہاں کے علماءِ کرام دہلی کے علماء کے ساتھ گزشتہ دو تین سال سے کتابِ مقدس اور ہماری کتابوں کا اور مغربی علماء کی تنقیدی کتب اور تفاسیر کا مطالعہ کر رہے تھے تاکہ وہ کتابِ مقدس کو غلط اور باطل ٹھہرا سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دہلی کے عالم مولوی رحمت اللہ نے دو کتابیں تصنیف کیں جنوری ۱۸۵۴ء میں جب میں یہاں نہیں تھا وہ آگرہ میں آیا تھا کہ اپنے احباب کے ساتھ ان کتب کو چھپوانے کا انتظام کرے اور مناظرہ کرے۔ مناظرہ ہوا۔۔ پہلے روز تقریباً ایک سو مسلمان علماء مولوی رحمت اللہ کی مدد کیلئے جمع تھے۔ دوسرے روز مسلمان علماء کی تعداد دگنی تھی۔ مناظروں میں شکست کھانے کے بعد پادریوں نے خود ہی اس سلسلہ کو بند کر دیا"۔

یہ ساری تفصیلات اسلیئے بیان کی گئی تاکہ معلوم ہو سکے کہ برصغیر ہند کے مسلمان جب اجتماعی طور پر دینی اور تہذیبی اعتبار سے سب سے بڑے فتنہ سے دوچار تھے تو اس وقت یہ علمائے کرام ہی تھے جنہوں نے اس فتنہ کا جرأت، بصیرت، خود اعتمادی اور صلاحیت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ یہ ان کی وقت کے تقاضوں کو سمجھنے اور بیدار مغز ہونے کی نشانی تھی۔

---

[1] فرنگیوں کا جال، ۲۳۵

ماضی کی روایات اب کیوں نہیں؟

Why are past traditions forgotten?

اب یقیناً یہ سوال پیدا ہو گا کہ ماضی میں جب علمائے کرام نے مسلم معاشرے کو درپیش خطرات سے بچانے اور ان کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو پار کرنے کیلئے مثالی کردار ادا کیا تو بعد میں ایسا کیوں نہ کر سکے؟

اس سوال کو یوں بھی لیا جا سکتا ہے کہ بالخصوص قیام پاکستان کے بعد ہمارے علمائے کرام ملک کی اسلامی خطوط پر تعمیر، اصلاحِ معاشرہ اور شریعت سے عمومی انحراف کی روک تھام کے سلسلے میں مؤثر کردار کیوں ادا نہ کر سکے اور اسلاف کے تسلسل کو برقرار و قائم رکھنے میں کیوں ناکام رہے؟ یہ بہت اہم بنیادی سوال ہے.. ہمیں اس سوال پر تفصیل سے غور کرنا چاہیے۔

سبب

The reason

اس سوال کا جواب تو یہ ہے کہ انگریز نے ہمارے ہاں جس نظام تعلیم کی بنیاد رکھی تھی اس میں علماء کیلئے قرآن و حدیث پر مشتمل دینی درسگاہوں کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ چونکہ پاکستان میں تہذیبِ جدید کے علم برداروں کی حکومت رہی اور انہوں نے اپنا اور اپنی اولاد کا مستقبل جدید نظام تعلیم کو زندہ رکھنے میں محفوظ سمجھا۔ اس لئے یہاں حکومتی سطح پر نہ صرف یہ کہ علماء کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی گئی بلکہ ان کو اپنے لیئے خطرہ سمجھا گیا۔

حکومت کے اس رویے نے بھی علماء کو غیر مؤثر اور ان کی صلاحیتوں کو مفلوج بنا کر رکھ دیا۔ اس سوال کا یہ جواب ایک حد تک یقیناً صحیح ہے لیکن معاشرہ کو کچھ نہ دے سکنے میں علماء کی داخلی کمزوریوں کا تعلق بھی ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

دور اندیشی کی کمی

Lack of Far - sightedness

علماء کی ایک بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ عملی طور پر فقیر بن کر رہ گئے ہیں۔ ان کے

نصابِ تعلیم میں جدید حالات اور تہذیبِ جدید کے پیدا کردہ مسائل سے عہدہ بر آ ہونے اور وقت کے چیلنج کا مقابلہ کرنے اور مجتہدانہ صلاحیتوں کے حامل علماء پیدا کرنے کا کوئی انتظام نہیں۔

ملا نظام الدین نے اپنے دور کے تقاضوں کے تحت جو کتابیں نصابِ تعلیم میں داخل کی تھیں مدارس میں آج تک جزوی تبدیلی کے ساتھ وہی کتابیں شامل ہیں۔اس نصاب کا ایک کمزور پہلو یہ ہے کہ اس میں قدیم منطق، قدیم فلسفہ اور قدیم ریاضی کی کتابوں کا (جواز کار رفتہ ہو چکی ہیں) بڑا حصہ موجود ہے۔ابتداء سے آخر تک اس طرح کی کتابوں کی بھر مار ہے۔

لیکن تاریخ اسلام، مذاہب کا تقابلی مطالعہ، جدید سیاسی و معاشرتی نظریات، قرآن اور تفسیرِ قرآن کا کوئی اہتمام و انتظام نہیں۔ درسگاہوں کے نظام میں دوسرا نقص یہ ہے کہ اب تک اس کی تعلیمی سرگرمیاں انفرادی مذہب سکھانے تک محدود ہیں۔ چند عقائد اور ان کے متعلق کلامی بحثیں، بنیادی عبادات اور ان سے متعلق فقہی مسائل، فرقوں کے اعتقادی و فقہی نظام کے مناظرانہ و مجادلانہ طریقِ فکر یہ اور اس طرح کی دیگر چیزوں پر ہمارے دینی مدارس کا نظام تعلیم مشتمل ہے۔

ہمارا یہ دینی نظامِ تعلیم دس بارہ سال کی محنت کے باوجود ایسے افراد تیار کر کے نہیں دیتا جو زندگی اور تمدن کے وسیع نظریات و مسائل پر ماہرانہ رائے دے سکیں، جن کے پاس اعلیٰ درجے کے عقلی معیار موجود ہوں، جو اسلام کو جدید اسلوب میں پیش کر سکیں۔

ممتاز دینی عالم کا تجزیہ

Findwings of an enunciate religious scholor

ایک ممتاز دینی عالم نے مدارس کے موجودہ نصاب، تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے درد مندی کے ساتھ بہت عمدہ باتیں کہیں تھی۔ وہ لکھتا ہے:۔

"ابتدا سے لے کر اب تک ہر زمانے کی ضرورت کے موافق مدرسہ کا نصابِ تعلیم اور طریقۂ تعلیم بدلتا آیا ہے۔ آج بھی ضرورت ہے کہ اسے بدلا جائے لیکن یہ آواز نہ سننے کا نتیجہ ہے کہ سینکڑوں دینی مدارس کے ہوتے ہوئے قوم کی مذہبی ضرورتیں رفع نہیں ہوتیں۔

آج قوم کی ضرورتیں یہ ہیں:۔

۱ : موجودہ فلسفۂ اسلام پر جو اعتراجات وارد ہوتے رہتے ہیں ان کا جواب دیا جائے۔
۲ : مخالفین اسلام پر جو اعتراضات کرتے ہیں ان سے واقف ہو جائے۔
۳ : اسلامی علوم و فنون یعنی تفسیر، حدیث، اصول، فقہ اور ادب کا ماہر ہونا۔
۴ : نئے مذاق کے مطابق واعظین اور مقررین کا موجود ہونا۔

بزرگانِ سلف نے ہر زمانہ میں مدرسے کے نصاب میں تبدیلیاں کیں۔ کتابوں کا انتخاب، علوم درسیہ کا تعین، تعلیم کا طریقہ۔ یہ چیزیں ہمیشہ بدلتی رہی ہیں۔ بنی امیہ کے دور تک کتابی درس کا مطلق رواج نہیں تھا بلکہ استاد زبانی تقریر کرتا تھا اور طلباء اس کو قلم بند کرتے جاتے تھے۔ یہ طریقہ حکومتِ عباسی میں بھی مدتوں جاری رہا اس کے بعد کتابوں کا درس شروع ہوا۔

فارابی کے زمانے تک یعقوب کندی کی تصنیفات درسِ معقولات میں داخل تھیں۔ اس کے بعد بو علی سینا کی کتابیں مقبول ہوئیں اور قدیم کتابیں گمنامی کے گوشے میں داخل ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ ملا نظام الدین کا عہد آیا اور قدیم نظام کی کایا بالکل پلٹ گئی۔ موجودہ نصاب ملا صاحب کی طرف منسوب ہوئے۔ اسی وجہ سے یہ درسِ نظامی کہلاتا ہے لیکن بعض کتابیں مثلاً ملا حسن، غلام یحییٰ، حمد اللہ، قاضی مبارک آہستہ آہستہ بعد میں داخل ہوتی گئیں۔

مقدس ورثہ کو پھیلانا

Disbursing the sacred heritage

جب ماضی میں مختلف ضرورتوں کے تحت دینی مدارس کے نصاب اور طریقۂ تعلیم میں تبدیلی ہوتی رہی ہے تو آخر موجودہ دور میں (جبکہ تبدیلی نصاب کی سب سے زیادہ ضرورت ہے) اس طرف توجہ کیوں نہیں دی گئی؟ غالباً اس کا سبب اسلاف کے ساتھ بے پناہ محبت و عقیدت اور ان کے تقدس و علمی عظمت کے سامنے اپنے عجز و بے بضاعتی کا احساس و اعتراف ہے۔

اس میں بزرگوں کے نصاب کو تبرک کے طور پر زندہ رکھنے کا جذبہ بھی شامل ہے۔ یقیناً اسلاف سے عقیدت قابلِ قدر چیز ہے لیکن اسلاف سے عقیدت کا مطلب ان کے علمی کمالات کو جوں کا توں قائم و برقرار رکھنا نہیں بلکہ ان سے استفادہ کر کے ہر

دور کے تقاضوں کے مطابق اضافہ کرنا اور اس کی بنیادی روح کو سمجھنا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ اسلاف کے زندہ رکھنے کی سادگی، قناعت اور استغنا کی صفات ہیں جو ان کی زندگی کا جوہر اور حاصل تھا اور جن کو زندہ رکھنے اور اپنانے سے ان کی روحوں کو مسرت بھی حاصل ہوگی۔ کسی نظام یا نصاب کو محض روایت پرستی کے ساتھ باقی نہیں رکھا جاسکتا۔ کسی صالح سے صالح نظام کو بھی محض روایت پرستی کے ایک مقدس ورثہ اور آثارِ قدیمہ کے طور پر باقی نہیں رکھا جاسکتا۔

یہ زندگی رواں دواں اور حقیقت پسند زندگی ہے، جو چیز جدید ضرورتوں اور تیز رفتار حالات کا ساتھ نہیں دے سکتی وہ یا تو اپنی افادیت کھودے گی یا اس کی حیثیت بے جان اور مردہ کی سی ہوگی۔

مطالعۂ قرآنِ مجید

Study of The Holy Qur'an

قرآنِ مجید کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اس کائنات میں خدا کا قانون بقائے انفع کا قانون ہے۔ سورۂ رعد کی سترہویں آیت میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

"فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ج وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ ط كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ o (۱۳:۱۷)

سو جھاگ تو سوکھ کر زائل ہو جاتا ہے (پانی) جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ زمین ٹھہرا رہتا ہے۔ اس طرح خدا (صحیح اور غلط کی) مثالیں بیان فرماتا ہے (تاکہ تم سمجھو) (سورۃ الرعد: ۱۷)

جس چیز میں کوئی پیغام نہیں ہے، جو چیز کوئی اہم خدمت انجام نہیں دے رہی ہے۔ جس پر انسان کی بقا اور نشو ونما اور انسان کی راحت اور ترقی کا کوئی انحصار نہیں ہے۔ قرآن نے اسے "زبد" کے لفظ سے ادا کیا جو بہت ہی جامع اور نہایت وسیع اور عمیق لفظ ہے اور معانی سے لبریز ہے۔

زبد جھاگ کو کہتے ہیں، یعنی دریا کا وہ جھاگ جو اپنے اندر کوئی ہستی نہیں رکھتا وہ دریا کے جوش کی ایک نمود ہے۔ اس کے اندر کوئی استقرار اور کوئی صلاحیت نہیں ہے۔ بس ایک پھولی ہوئی سی چیز ہے جس کے اندر ہوا بھر گئی ہے۔ اسلئے اس میں باقی رہنے کی

صلاحیت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جو قانونِ تربیت ہے۔ وہ اس کی اجازت نہیں دیتا کہ زبد زیادہ دنوں تک باقی رہے۔

وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ

اور (پانی) جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے

فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ

پس وہ زمین میں ٹھہرا رہتا ہے۔[1]

مقصد سے آشنائی

Intimacy with the aim

بہر حال دینی مدارس کے اس نظام اور ان کے نصابِ تعلیم کی اس کمزوری کا نتیجہ ہے کہ ہمارے علمائے کرام اکثر جدید فنون اور فلسفوں کی حقیقت و ماہیت کے پس منظر اور ان کے محرکات و عوامل اور ان کے ارتقاء کی تاریخ سے ناآشنا رہتے ہیں۔ مقابلہ کیلئے پہلی شرط یہ ہے کہ حریف اور مقابل کی طاقت اور اس کے مقاصد سے واقفیت ہو۔

جدید دور کے مسائل

Problems of modern age

جدید دور کا سب سے بڑا چیلنج وہ نت نئے مسائل ہیں جو تہذیبی، معاشرتی، سیاسی، معاشی ور عقائد کے میدان میں مغربی تہذیب اور معاشرت نے پیدا کیئے ہیں نیز تاریخ وادب اور سوشیالوجی ہے۔ ان ہتھیاروں سے لاکھوں کروڑوں افراد کو مذہب سے بیزار، الحاد و تشکیک، مرعوبیت اور ذہنی انتشار کا مریض بنایا جارہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا مقابلہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک ہمارا طبقۂ علماء اپنی سوچ میں وسعت اور بلندی پیدا نہیں کرے گا اور جدید علوم کے علمبرداروں کا مقابلہ نہیں کرے گا۔

ا: تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "پاجا سراغِ زندگی" مصنف مولانا ابوالحسن علی ندوی

ضرورتِ کار

The need of the times

اس وقت زمانے کو ایسے مردانِ کار کی ضرورت ہے جو اس نئے دور کو نئی فکری قیادت، ایک نیا دینی اعتماد اور ایک نئی روحانی واخلاقی قوت عطا کر سکیں۔ یہ قیادت اگر علماء نہ دے سکے تو جدید طبقہ سے تو یہ ضرور حاصل ہو گی۔ اسلئے کہ خلا زیادہ عرصہ تک نہیں رہتا اسے بہر صورت پُر ہونا ہے لیکن اس سعادت سے دینی مدارس کے علماء و فضلا محروم رہیں گے اور یہ محرومی بہت بڑی بد نصیبی کی بات ہے۔

جداگانہ فقہی مسلک

Differing juristic deductions

ہمارے علماء کی دوسری کمزوری جو زیادہ تر انہی مدارس سے ورثہ میں ملی ہے، یہ ہے کہ وہ اپنے جداگانہ فقہی مسلکوں اور فرقوں کی سوچ سے بلند نہ ہو سکے۔ ہماری مذہبی زندگی میں مسلک کے دبستانِ فکر نے وہ حیثیت اختیار کر لی ہے کہ ہمارے علماء کا زیادہ تر وقت اسی میں صرف ہونے لگتا ہے اور آپس کے اختلافات اور تنازعات الگ پروان چڑھتے ہیں۔

حالانکہ مختلف فرقوں کا علیحدہ وجود رکھتے ہوئے قرآن و سنت کی بنیاد پر امت کے اندر اخوت و محبت کے جذبات پیدا کیئے جا سکتے ہیں۔ اگر علمائے کرام اپنے طرزِ عمل سے یہ نمونہ پیش کریں کہ اسلامی رشتہ ہی اولین اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ فقہی اور فرقوں کے اختلاف ثانوی اہمیت کے حامل ہیں تو اس سے مسلمانوں میں ملتِ واحدہ کے تصور کو فروغ حاصل ہو گا اور طبقوں میں بٹ جانے، مخالف مسلک کے حامل کو قابلِ گردن زنی تصور کرنے کی ذہنیت کا خاتمہ ہو گا۔

خوش قسمتی سے علماء کے پاس مساجد موجود ہیں، جمعہ کی تقاریب اور دیگر تقریبات کے ذریعہ وہ ملک میں وسیع دینی و مذہبی ذہن پیدا کر سکتے ہیں۔

حاصلِ بحث

Conclusion of this discussion

مذہبی طبقے کی خدمت میں یہ گزارشات دردِدل کے ساتھ پیش کی گئی ہیں اور ان کے مقصد جذبۂ اصلاح کے سوا کچھ نہیں۔ میرے نزدیک مدارس کا قدیم نظام اب بڑی حد تک اپنی افادیت کھو چکا ہے۔ اسی لئے اب اس میں ممتاز علماء و فضلاء اور ماہرینِ اسلامی قانون پیدا ہونا ناپید ہو گئے ہیں۔

دینی مدارس کے فضلاء کا مقام مسجد کی پیش امامی ہی نہیں بلکہ زندگی کے عملی و علمی مسائل ہیں معاشرے کی قیادت اور رہنمائی کرنا بھی ہے۔ اگر اس سلسلہ میں علماء کی سوچ اور مدارس کے ذمہ داروں کے طرزِ فکر میں بنیادی تبدیلی نہ ہوئی تو شاید ہمارا بہت سا قیمتی ورثہ زمانہ کے بے رحم ہاتھ کا شکار ہو جائے...... خدا کرے ایسا نہ ہو۔ آمین!   (معاشرہ، جدیدیت اور اسلام.. محمد موسیٰ بھٹو)

سائنس، ریاضی اور کمپیوٹر کی شہادت

Science, Mathematics & the evidence of Computer

۱: سائنس، کی شہادت

سائنس اور انسانی دماغ کے ہر انکشاف سے قرآن مجید کے معجزوں کا ثبوت ملتا ہے۔ آج دنیا میں تقریباً نوے کروڑ مسلمان ہیں اور ہر ایک مسلمان کا ایمان ہے کہ قرآن مجید الہامی اور کتاب اور ایک ابدی معجزہ ہے۔ مسلمانوں ہی پر کیا منحصر ہے دنیا کے کئی بڑے بڑے غیر مسلم سکالرز بھی اس کے اعجاز کے قائل ہیں۔

پادری باسور تھ سمتھ کہتا ہے کہ بلاشبہ قرآن مجید اندازِ بیاں، فراست اور صداقت ہر ایک معجزہ ہے۔ ایک اور انگریز اے جے بیری لکھتا ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت مجھے نغمے کا سرور اور اپنے دل کی دھڑکن سنائی دیتی ہے۔

لیکن ایک عام تعلیم یافتہ غیر مسلم یا ملحد سائنس دان یہ کہہ سکتا ہے کہ میں عربی زبان سے ناواقف ہوں اس لئے مجھے قرآن کی زبان کی عظمت اور تعلیم کا اندازہ نہیں ہو سکتا، میں یہ کس طرح باور کروں کہ قرآن مجید بذریعۂ وحی حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے؟ اور یہ کہ وہ ایک معجزہ ہے۔

ایسے تعلیم یافتہ سائنسدان ان سے آپ کائنات کی تخلیق کے بارے ں سوال کریں تو جواب ملے گا کہ اربوں سال پہلے یہ کائنات مادے کی اکائی تھی، مادے کا ایک ہی بہت بڑا ٹکڑا (MASS) تھی۔ پھر اس عظیم الشان ٹکڑے کے اندر ایک دھماکہ ہوا، مادے کے بڑے بڑے ٹکڑے ٹوٹ کر خلا کی تمام سمتوں میں اڑنے لگے، اسی دھماکے کے نتیجے میں ہمارا نظامِ شمسی اور کہکشاں بھی وجود میں آئے اور تمام سیارے اپنے اپنے مدار پر

گھومنے لگے۔ پھر اسی سائنسدان سے پوچھئے کہ آپ کو اس کا علم کب ہوا؟ تو وہ جواب دیگا کہ کوئی پچاس سال ہوئے کہ اس امر کا انکشاف ہوا ہے۔ اس سے مزید سوال کیجئے کہ کیا چودہ سو سال پہلے ریگستان عرب کے ایک اُمی اور ان پڑھ کو اس کا علم ہو سکتا تھا؟ تو جواب آئے گا کہ ہرگز نہیں.......... ! تب آپ اس کو بتائیے کہ عرب کے اس امی نے چودہ سو سال پہلے اس بارے میں کیا الہامی انکشاف کیا ہے:

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ط (۲۱:۳۰)

کیا کافروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین دونوں ملے ہوئے تھے تو ہم نے جدا جدا کر دیا۔

وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ o

اور وہی تو ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو بنایا (یہ) سب (یعنی سورج، چاند اور ستارے) آسمان میں (اس طرح چلتے ہیں گویا) تیر رہے ہیں (۲۱:۳۳)

قرآن مجید کی یہ آیات سائنسدانوں اور ماہرینِ فلکیات کیلئے دعوتِ فکر ہیں۔ کیا وہ نہیں سمجھ سکتے کہ سائنس نے جن واقعات کا انکشاف عہدِ حاضر میں کیا ہے ان واقعات کا انکشاف آج سے چودہ سو سال پہلے صحرائے عرب کا ایک امی چرواہا اللہ کی طرف سے اس بارے میں نزولِ وحی کے بغیر نہیں کر سکتا تھا۔

پھر کسی ماہرِ حیاتیات (BIOLOGIST) سے پوچھیے کہ اس دنیا کی زندگی سب سے پہلے کس جگہ وجود میں آئی؟ تو جواب ملے گا کہ کروڑوں سال پہلے سمندری مادے میں مادۂ حیات بننا شروع ہوا جس سے امیبا (AMOEBA) پیدا ہوا اور اسی امیبا سے تمام جاندار پیدا ہوئے، یعنی زندگی کا آغاز سمندر یا بالفاظِ دیگر پانی سے ہوا۔

استفسار پر ماہر حیاتیات یہ بھی بتائے گا کہ اس حقیقت کا علم عہد حاضر میں ہوا ہے...... اور اگر آپ اس سے پوچھیں کہ کیا اس بات کا علم کسی عالم یا فلسفی کو چودہ سو سال پہلے ہو سکتا تھا؟ تو وہ یقیناً نفی میں جواب دے گا۔ پھر اسے آپ قرآنِ مجید کی یہ

آیت سنائیے :

"وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ o"

"اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں، پھر یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟ (الانبیاء : ۳۰)

اسی طرح ماہرینِ نباتیات (BOTANIST) ماہرینِ حیوانیات (ZOOLOGIST) اور ماہرینِ طبیعیات (PHYSICISTS) سے سوال کیجئے کہ جاندار اشیاء کی تخلیق کا کیا اصولِ فطرت ہے؟۔

سب یہی جواب دیں گے کہ عصرِ جدید میں ثابت ہوا ہے کہ انسانوں اور حیوانوں کی تخلیق کی طرح نباتات کی تخلیق بھی ازواج یعنی مذکر اور مؤنث سے ہوتی ہے...... لیکن اس حقیقت کا انکشاف ہمارے نبی ﷺ نے سینکڑوں سال پہلے کیا تھا، جس کا علم خدا نے وحی کے ذریعے آپ ﷺ کو عطا فرمایا تھا۔ غور کیجئے، قرآن فرماتا ہے :-

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ o (یٰسٓ:۳۶)

وہ خدا پاک ہے جس نے زمین کی نباتات کے اور خود ان کے اور جن چیزوں کی ان کو خبر نہیں سب کے جوڑے بنائے۔

مندرجہ بالا چند مثالوں سے واضح ہو گیا ہے کہ سائنس اور انسانی دماغ کے ہر ہر انکشاف سے قرآنِ مجید کے معجزوں کا ثبوت ملتا جاتا ہے۔ یہی وہ نشانیاں ہیں جن کا ذکر اہلِ نظر کیلئے خدا کی اس ابدی کتاب قرآنِ حکیم میں بار بار آتا ہے :

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ o

ان (باتوں) میں (بہت سی) نشانیاں ہیں

ریاضی اور کمپیوٹر کی شہادت

کمپیوٹر کہتا ہے کہ :

626000000000000000000000000

"انسان بھی مل کر قرآن جیسی کتاب نہیں لکھ سکتے"

پچھلے باب میں بیان کردہ معجزات تو بیسویں صدی کے نصف اول کے لوگوں کیلئے تھے، لیکن آج جبکہ کمپیوٹر ایجاد ہو چکا ہے اور سائنس اور ریاضی میں انقلاب آگیا ہے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا کمپیوٹر کے اس عہد کیلئے بھی قرآنِ مجید میں معجزات موجود ہیں؟

"معجزہ" کے لغوی معنی ہیں "وہ کام جو انسانی قدرت سے باہر ہو"۔ مقامِ شکر ہے کہ اس عصر کے سائنس دانوں، ملحدوں اور غیر مسلموں پر سائنس، ریاضی اور کمپیوٹر کی مدد سے ہم یہ واضح کر سکتے ہیں کہ قرآن مجید آخری اور ابدی معجزہ ہے... ریاضی کے اصول ہمیشہ یکساں اور غیر جانبدار ہوتے ہیں اور کمپیوٹر بلا کسی لحاظ کے حقائق بیان کرتا ہے۔ اس دور میں قرآن مجید کو مکمل طور پر کمپیوٹرائز کیا گیا ہے۔

ریاضی کے نقطۂ نظر سے قرآنی معجزے کو سمجھنے کے لئے عربی زبان کو جاننا ضروری نہیں ہے۔ بس اتنا کافی ہے کہ انسان اس معجزے کو دیکھنے کے لئے آنکھیں رکھتا ہو اور ایک سے انیس تک گنتی جانتا ہو۔

قرآن مجید کی ترتیب نزولِ وحی کے مطابق ترتیب وار نہیں ہے، بلکہ روایاتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے خود اپنی زندگی میں اسے مرتب فرمایا ہے۔ آیاتِ الٰہی وقت کی ضروریات کے مطابق نازل ہوتی رہی ہیں۔ پہلی وحی غارِ حرا میں رمضان کی ۲۷ ویں تاریخ کو آئی، جبکہ حضرت جبرائیلؑ نے سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیات آپ ﷺ کو پڑھوائیں۔ قرآن مجید میں یہ ۹۶ واں سورہ ہے۔

آپ ﷺ اس غیر معمولی واقعے کیلئے ذہنی طور پر تیار نہیں تھے، اسلئے پریشان ہوئے اور گھر لوٹے اور امۃ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو ساری بات بتائی۔ انہوں نے آپ ﷺ کو اطمینان دلایا۔

پھر آپ ﷺ نے خدا کی وحدت اور آخرت کی باتیں بتانی شروع کیں، جو کفارِ مکہ کیلئے قابلِ قبول نہیں تھیں۔ جواب میں کفارِ مکہ نے پروپیگنڈا شروع کیا کہ (نعوذ باللہ) آپ ﷺ دیوانے اور مجنوں ہیں۔ اس پر دوسری وحی سورۃ القلم نازل ہوئی۔ قرآنِ مجید میں یہ ۶۷ ویں سورۃ ہے۔ اس میں اس بات کی تردید کی گئی کہ آپ ﷺ مجنون ہیں اور ساتھ ہی آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ عالی مرتبے کا ذکر کیا گیا۔

تیسری وحی سورۃ المزمل کی چند ابتدائی آیات کی شکل میں آئی۔ یہ ۷۳ ویں سورۃ ہے۔ اس وحی کی آخری آیت یہ ہے:

"انا سنلقی علیك قولا ثقیلا o"

"ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں"۔ قرآن (۷۳ : ۵)

حضورِ اقدس ﷺ نے اسلام کی دعوت بدستور جاری رکھی۔ لوگ آہستہ آہستہ اس دعوت کی طرف مائل ہونے لگے اور یہ سمجھنے لگے کہ قرآن کسی مجنوں کا کلام نہیں ہے۔ اس پر کفارِ مکہ نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ آپ ﷺ جادوگر ہیں اور یہ آپ ﷺ ہی کا کلام ہے خدا کا نہیں ہے۔

پھر چوتھی وحی آئی۔ قرآنِ پاک کی ۷۴ ویں سورۃ "المدثر" کی ابتدائی تیس آیات آپ ﷺ کو دے کر حضرت جبرائیلؑ تیسویں آیت پر رک گئے، جو ذیل میں درج ہے :

"عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ o"

"اس پر انیس ہیں"۔ قرآن (۷۴ : ۳۰)

۲۴ ویں اور ۲۵ ویں آیات میں کفار کے پروپیگنڈہ کا ذکر کیا گیا ہے، جو کہتے تھے کہ حضور ﷺ جو بیان کرتے ہیں، وہ جادو ہے اور یہ کہ قرآنِ پاک آپ ﷺ ہی کا کلام ہے...... اور ۲۶ ویں آیت میں کفار کی اس حرکت پر اللہ تعالیٰ نے اپنے غیظ و غضب کا اظہار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ :

آپ ﷺ پر ایسے الزامات لگانے والوں کو بہت جلد دوزخ میں ڈالا جائے گا......

۲۸ ویں اور ۲۹ ویں آیات میں دوزخ کی کیفیت بیان کی گئی ہے کہ اس میں انسان کا رنگ سیاہ پڑ جاتا ہے...... اور اس کے فوراً بعد ۳۰ ویں آیات میں کہا گیا کہ :

"عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ o"

"اس پر انیس ہیں"۔ قرآن (۷۴ : ۳۰)

جبرائیلؑ یہاں رک کر سورۃ "اقراء" کی بقایا چودہ آیات حضورِ اکرم ﷺ کو دے جاتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ قرآنِ مجید کی اس آیت "اس پر انیس ہیں" کا مطلب کیا ہے؟ اور اس کی ماہیت کیا ہے۔

مفسرین نے اسکے مختلف معنی لیئے ہیں۔ کسی نے کہا کہ دوزخ کے ذکر کے بعد یہ آیت آئی ہے، اسلیئے اس کا مطلب وہ ۱۹ فرشتے ہیں جو دوزخ پر مامور ہیں۔ کسی نے کہا

کہ یہ اسلام کے ۱۹ اساسی اصول ہیں لیکن ہر ایک نے لکھا ہے کہ اصل حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے۔ خود نبی کریم ﷺ نے بھی اس کی کوئی تعبیر نہیں فرمائی۔ منکرینِ وحی کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اگر قرآن پیغمبرِ اسلام کی اپنی تصنیف ہوتی تو وہ ضرور اس آیت کا مطلب لوگوں کو بتادیتے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مشیّتِ الٰہی نے اس عقدے کا حل بیسویں صدی کے کمپیوٹر کے عہد کیلئے چھوڑ رکھا تھا۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے، جبرائیلؑ نے پہلی وحی میں سورۃ "اقراء" (سورہ نمبر ۹۶) کی پانچ آیات آنحضرت ﷺ کو پڑھوائیں.. چوتھی وحی میں سورۃ "المدثر" کی ۳۰ آیات دیں اور پھر رک گئے اور سورۃ "اقراء" کی باقی چودہ آیات حضورِ اکرم ﷺ کو پڑھوائیں۔ اس طرح سورۃ "اقراء" کی ۱۹ آیات مکمل ہو گئیں۔ یعنی سورۃ "المدثر" میں **علیھا تسعة عشر** کہنے کے فوراً بعد انیس آیات کی یہ سورۃ "اقراء" مکمل ہو گئی۔

۱۹ کا ہندسہ

The figure nineteen

اس ۱۹ کے ہندسے کی ذرا تفصیل میں ہم جائیں تو حیرت انگیز باتیں سامنے آتی ہیں اور انسان کا ذہن تحیّرات کی گہرائی میں ڈوب جاتا ہے اور ضمیر بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ یہ کتاب...... قرآن...... کسی انسان کا کلام نہیں ہے! کچھ تفصیلات ملاحظہ کیجئے :

۱ : سورۃ اقراء کی پہلی پانچ آیات میں انیس الفاظ ہیں اور ان انیس الفاظ میں ۷۶ حروف ہیں، جو انیس کو چار سے ضرب دینے کا حاصل ہے۔

۱۹×۴=۷۶

۲ : قرآنِ مجید میں ۱۱۴ سورتیں ہی۔ یہ ہندسہ بھی ۱۹ سے تقسیم ہو جاتا ہے :

۱۱۴÷۱۹=۶ یعنی

۱۹×۶=۱۱۴

۳ : قرآنِ مجید ۱۱۴ ویں سورت سے الٹا گننا شروع کیا جائے، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱ وغیرہ تو ٹھیک ۱۹ ویں نمبر پر سورۂ اقراء آتا ہے۔

۴ : یہ بات کس قدر اہمیت رکھتی ہے کہ قرآنِ حکیم کا آغاز ہی

بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥

سے ہوتا ہے، جس میں ۱۹ حروف ہیں۔ اس میں چار الفاظ :
اِسم، اللہ، الرَّحْمٰنِ اور الرَّحِیْمِ ہیں۔
اس آیت کا ہر لفظ جتنی دفعہ قرآنِ حکیم میں آیا ہے، وہ ۱۹ پر تقسیم ہو جاتا ہے۔
پہلا لفظ "اِسم" قرآنِ پاک میں ۱۹ مرتبہ آیا ہے۔
دوسرا لفظ "اللہ" ۲۶۹۸ مرتبہ آیا ہے، جو ۱۹ پر تقسیم ہو جاتا ہے :
(۱۴۲=۱۹÷۲۶۹۸) ۲۶۹۸=۱۴۲x۱۹
تیسرا لفظ "الرحمٰن" ۵۷ مرتبہ آیا ہے، جو ۱۹ پر تقسیم ہو جاتا ہے :
(۳=۱۹÷۵۷) ۵۷=۳x۱۹
چوتھا لفظ "الرحیم" ۱۱۴ مرتبہ آیا ہے جو ۱۹ پر تقسیم ہو جاتا ہے :
(۶=۱۹÷۱۱۴) ۱۱۴=۶x۱۹
گویا چاروں الفاظ کی تعداد ۱۹ پر تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایسا ہونا محض اتفاقی بات نہیں ہے۔

۵ : آیت بسم اللہ الرحمن الرحیمo سورہ النمل میں دو مرتبہ آئی ہے : ایک مرتبہ آغاز میں اور دوسری مرتبہ متن میں...... اسی لیئے سورۂ توبہ کے آغاز میں "بسم اللہ الرحمن الرحیم" نہیں ہے ورنہ اس کی تعداد ۱۱۵ ہو جاتی اور ۱۱۵ کا ہندسہ ۱۹ پر تقسیم نہیں ہو سکتا۔ (قرآنِ مجید کی تمام سورتوں کی تعداد ۱۱۴ ہے اور سوائے سورۂ توبہ کے تمام سورتوں کے آغاز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم آئی ہے)

۶ : قرآنِ مجید کی ۲۹ سورتوں کی ابتدا حروفِ تہجی یا حروفِ مقطعات سے ہوتی ہے۔ عربی زبان کے ۲۸ حروف میں سے ۱۴ حروفِ تہجی مختلف جوڑ ہیں جو ان سورتوں کے آغاز میں واقع ہوئے ہیں۔ یہ حروفِ تہجی ذیل میں درج ہیں :

(۱) الف (۲) ح (۳) ر (۴) س
(۵) ص (۶) ط (۷) ع (۸) ق
(۹) ک (۱۰) ل (۱۱) م (۱۲) ن
(۱۳) ھ (۱۴) ی

اور ان ۱۴ حروف سے جو ۱۴ سیٹ حروفِ مقطعات کے بنتے ہیں، وہ یہ ہیں :

(الف)	ایک حرف والے ص، ق، ن ہیں	۳ سیٹ
(ب)	دو حروف والے طٰہٰ، یٰسٓ، طٰسٓ، حٰمٓ، ہیں	۴
(ج)	تین حرف والے الم، الر، طٰسٓمٓ، عٓسٓقٓ	۴
(د)	چار حروف والے الٓمٓرٰ، الٓمٓصٓ	۴
(ہ)	پانچ حروف والے کٓھٰیٰعٓصٓ	۱
	جملہ سیٹ	۱۴

اب حساب لگائیے:

۱۴ حروف + ۱۴ سیٹ + ۲۹ سورتیں = ۵۷

۱۹×۳ = ۵۷

یعنی ۱۹ کا ہندسہ ۵۷ پر تقسیم ہو جاتا ہے۔

۷: واحد حروف میں "ق" کو لیجئے۔ یہ حرف "ق" دو سورتوں کے شروع میں آیا ہے یعنی سورۂ ق میں اور سورۂ الشوریٰ میں حم عسق کی صورت میں موجود ہے۔ ان میں سے ہر سورہ میں حرفِ "ق" ۵۷ مرتبہ آیا ہے، جو ۱۹ پر تقسیم ہو جاتا ہے۔ ۵۷÷۱۹=۳ یعنی ۱۹×۳=۵۷

خود سورۂ ق میں بھی حروفِ ق ۵۷ مرتبہ آیا ہے اور حم عسق والی سورت میں بھی حرف ق اتنی ہی مرتبہ یعنی ۵۷ دفعہ آیا ہے۔ حالانکہ آخر الذکر سورت بہت طویل ہے۔

دونوں سورتوں میں حرفِ ق کا مجموعہ ۱۱۴ ہوتا ہے اور قرآنِ مجید کی جملہ سورتوں کی تعداد بھی ۱۱۴ ہی ہے۔

یعنی قرآنِ مجید میں ۱۱۴ سورتیں ہیں اور حرفِ ق، جو لفظ قرآن کا پہلا حرف ہے اور اس کی نمائندگی کرتا ہے، ۱۱۴ مرتبہ آیا ہے۔

اس طرح یہ کہنا جائز ہوگا کہ قرآنِ مجید کی اُلوہی تشکیل حسابی نظام کے تحت ۱۱۴ مرتبہ سورتوں پر ہوئی ہے۔

۸: قرآنِ مجید میں زمانۂ قدیم کی قوموں کو لفظ قوم ہی سے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً: قومِ نوح، قومِ ثمود، قومِ عاد، قومِ لوط وغیرہ...... مگر سورۂ ق کی تیرھویں آیت میں قرآن فرماتا ہے:

وعاد و فرعون و قوم لوطٍ.....

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا ذکر قرآن میں لفظ "قوم" ہی سے عموماً کیا گیا ہے، لیکن صرف اس آیت میں لفظ "قوم" کے بجائے لفظ "اخوان" خصوصاً کیوں استعمال کیا گیا ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہاں لفظ قوم استعمال ہوتا، تو ایک "ق" بڑھ جاتا اور اس سورۃ میں حرف ق کی تعداد ۵۷ کے بجائے ۵۸ ہو جاتی، جو ۱۹ سے تقسیم نہ ہو سکتی اور قرآن کا تمام حسابی نظام درہم برہم ہو جاتا۔

۹ : سورۃ القلم کے شروع میں حرف ن آیا ہے۔ اس پوری سورت میں حرف ن کی تعداد ۱۳۳ ہے، جو انیس سے تقسیم ہو جاتی ہے : ۱۹×۷ = ۱۳۳
(۱۳۳÷۱۹=۷)

۱۰ : حرف ص قرآنِ مجید کی تین سورتوں کے شروع میں آیا ہے :
سورۃ الاعراف میں المص کی شکل میں، سورہ المریم میں کٓھٰیٰعٓصٓ کی صورت میں اور سورت ص میں حرفِ واحد کے طور پر۔
ان تینوں سورتوں میں حرف ص کی تعداد ۱۵۲ ہے، جو ۱۹ سے تقسیم ہو جاتی ہے : ۱۵۲÷۱۹=۸ یعنی
۱۵۲=۸×۱۹

۱۱ : سورۃ الاعراف کی ۶۹ویں آیت میں ایک لفظ "بصطة" آیا ہے۔ عربی میں یہ لفظ حرف س کے ساتھ لکھا جاتا ہے، مگر جب یہ آیت نازل ہوئی تو یہ حکم بھی ہوا کہ اس لفظ کو ص کے ساتھ لکھا جائے اس کی کیا وجہ ہے؟

وجہ یہ ہے کہ اگر اس لفظ کو س کے ساتھ لکھا جاتا تو اس سورۃ میں ایک ص کم ہو جاتا اور ص والی متذکرہ بالا تین سورتوں میں حرف ص کی کل تعداد ۱۵۲ کے بجائے ۱۵۱ رہ جاتی اور قرآنِ مجید کا حسابی نظام غلط ہو جاتا!

۱۲ : جن سورتوں کی ابتداء ایک سے زیادہ حروف سے ہوتی ہے۔ ان سورتوں میں ہر حرف کو علیحدہ علیحدہ جمع کیا جائے تو ان کا مجموعہ ۱۹ سے تقسیم ہو جاتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ یہ حروف جن جن سورتوں کے شروع میں آتے ہیں، ان سورتوں میں ان حروف کی اپنی اپنی تعداد کو یکجا کیا جائے، تب بھی مجموعی تعداد ۱۹ سے تقسیم ہو جاتی ہے، مثلاً :

(الف) سورۂ طٰہٰ میں دو حروف ط اور ہ ہیں۔ اس سورہ میں حرف ط ۲۸ مرتبہ اور

حرف ھ ۳۱۴ مرتبہ آیا ہے۔ دونوں کا مجموعہ ۳۴۲ ہے جو ۱۹ پر تقسیم ہو جاتا ہے۔

۱۹×۱۸=۳۴۲ (۳۴۲÷۱۹=۱۸)

(ب) سورۂ یٰس میں حرف یٰ کی تعداد ۲۳۷ ہے اور حرف س کی تعداد ۴۸ ہے دونوں کا مجموعہ ۲۸۵ ہے جو ۱۹ پر ۱۵ مرتبہ تقسیم ہو جاتا ہے:

۲۸۵÷۱۹=۱۵ یعنی ۱۹×۱۵=۲۸۵

"علیہا تسعۃ عشر"

پر مزید حیرت انگیز تحقیق

قرآنِ مجید کی ۲۹ سورتوں کے شروع میں جو حروفِ مقطعات ہیں اور یہ حروف جتنی بھی دفعہ ان سورتوں میں آئے ہیں، ان کا مجموعہ انیس سے تقسیم ہو جاتا ہے۔ تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

ا: حروف الم مندرجہ ذیل سورتوں کے آغاز میں آئے ہیں اور نا حروف کی تعداد جو ان سورتوں میں آئی ہے، ساتھ ہی درج کی جاتی ہے:

سورۃ	حروف	تعداد
البقرہ	الٓمٓ	۹۹۹۱
ال عمران	الٓمٓ	۵۷۱۴
العنکبوت	الٓمٓ	۱۶۸۵
الروم	الٓمٓ	۱۲۵۹
لقمان	الٓمٓ	۸۲۳
السجدۃ	الٓمٓ	۵۸۰ (مجموعہ: ۲۰۰۵۲)
الرعد	الٓمٓر (ر کو نکال کر)	۱۳۲۴
الاعراف	الٓمٓص (ص کو نکال کر)	۵۲۶۰
جملہ تعداد		۲۶۶۷۶

جو ۱۹ پر تقسیم ہو جاتی ہے، یعنی ۱۹×۱۴۰۴=۲۶۶۷۶

۲ : حروف "الرا" مندرجہ ذیل سورتوں کے آغاز میں آئے ہیں۔ ان سورتوں میں ان حروف کی تعداد کا مجموعہ ذیل میں دیا جاتا ہے، اور سورۃ الرعد میں حرف "ر" کے سابق میں حذف شدہ ٹوٹل کا اضافہ کیا جاتا ہے :

سورۃ	حروف	تعداد
یونس	آلرا	۲۲۵۲
ھود	آلرا	۲۵۱۴
یوسف	آلرا	۲۴۰۵
ابراھیم	آلرا	۱۲۰۶
الحجر	آلرا	۹۲۵
الرعد	آلرا میں سے صرف ر کی تعداد	۱۳۷
جملہ تعداد		۹۷۰۹

جو ۱۹ پر تقسیم ہو جاتی ہے، یعنی

۹۷۰۹÷۱۹ =۱۱ یا

۱۱×۱۹ =۹۷۰۹

۳ : مندرجہ ذیل سورتوں میں حرفِ "حٰم" آغاز میں آتا ہے۔ اس کی تعداد بھی ساتھ ہی لکھی گئی ہے۔ جملہ تعداد ۱۹ سے تقسیم ہو جاتی ہے :

سورۃ	حروف	تعداد
المؤمنون	حٰم	۴۵۳
حٰم السجدہ	حٰم	۳۳۴
الزخرف	حٰم	۳۶۲
الدخان	حٰم	۱۶۱
الجاثیہ	حٰم	۲۳۱
الاحقاف	حٰم	۲۶۴
الشوریٰ	حٰم، عسق	۳۶۱ (صرف ح اور م کی تعداد)
جملہ تعداد		۲۱۶۶

یعنی : ۲۱۶۶÷۱۹ =۱۱۴ یا

۱۱۴×۱۹ =۲۱۶۶

۴: سورۃ الشوریٰ میں پانچ حروف حم عسق ہیں۔ ان پانچوں حروف ح، م، ع، س اور ق کی جملہ تعداد ۵۷۰ ہے، جو ۱۹ پر تقسیم ہو جاتی ہے:

۵۷۰÷۱۹ =۳۰ یعنی

۳۰×۱۹ =۵۷۰

۵: درج ذیل سورتوں میں حروف ط اور س آتے ہیں ان کی جملہ تعداد پر غور فرمائیے کہ ۱۹ پر تقسیم ہو جاتی ہے:

سورہ	حروف	تعداد
النمل	طٰسٓ	۱۲۰
الشعراء	طٰسٓمٓ (م کو حذف کیجئے)	۱۲۶
القصص	طٰسٓمٓ (م کو حذف کیجئے)	۱۱۹
طٰہٰ	طٰہٰ (ہ کو حذف کیجئے)	۲۸
یٰس	یٰسٓ (ی کو حذف کیجئے)	۴۸
الشوریٰ	حم عسق (اس میں سے صرف س لیجئے)	۵۳

جملہ تعداد: ۴۹۴

یعنی: ۴۹۴÷۱۹=۲۶ یا

۲۶×۱۹=۴۹۴

۶: سورۂ ص میں حرف ص ۲۸ مرتبہ آیا ہے۔ سورۃ اعراف کا آغاز المص سے ہوتا ہے۔ اس سورۃ میں حرف ص ۹۸ مرتبہ آیا ہے۔ سورہ کا آغاز کھیعص سے ہوتا ہے۔ اس میں حروف کی تعداد یہ ہے:

حرف	عدد
ک	۱۳۷
ھ	۱۶۸
ي	۳۴۵
ع	۱۲۲
ص	۲۶
جملہ تعداد:	۷۹۸

جو ۱۹ پر تقسیم ہوتا ہے :۔

۴۲×۱۹ =۷۹۸

۷۹۸÷۱۹ =۴۲

۷ : جیسا کہ عرض کیا گیا، قرآنِ مجید کی ۲۹ سورتوں میں حروفِ مقطعات آتے ہیں۔ حیرت کی انتہا ہوتی ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ ان تمام سورتوں میں ہر ایک حرف کو علیحدہ علیحدہ جمع کیا جائے تو ہر حرف کی جملہ تعداد ۱۹ پر تقسیم ہو جاتی ہے۔

مثلاً ان جملہ سورتوں میں الف کی تعداد ۱۷۴۹۹ ہے جو ۹۲۱ مرتبہ ۱۹ پر تقسیم ہوتی ہے :۹۲۱×۱۹ مساوی ہے ۱۷۴۹۹

حرف ل کی تعداد ۱۱۷۸۰ ہے : ۶۲۰×۱۹ =۱۱۷۸۰

حرف م کی تعداد ۸۶۸۳ ہے : ۴۵۷×۱۹ =۸۶۸۳

حرف ر کی تعداد ۱۲۳۵ ہے : ۶۵×۱۹ =۱۲۳۵

حرف ص کی تعداد ۱۵۲ ہے : ۸×۱۹ =۱۲

حرف ح کی تعداد ۳۰۴ ہے : ۱۶×۱۹ =۳۰۴

حرف ق کی تعداد ۱۱۴ ہے : ۶×۱۹ =۱۱۴

حرف ن کی تعداد ۱۳۳ ہے : ۷×۱۹ =۱۳۳

۸ : ۱۹ کا ہندسہ ایک اور نو سے مرکب ہے، جو اللہ تعالیٰ کی صفات ظاہر وباطن سے منسوب ہیں۔ ایک کا عدد اللہ تعالیٰ کی وحدت کا آئینہ دار ہے اور نو کا عدد اس کی مخفی صفات کا علمبردار ہے چنانچہ ۱۹ کا عدد جو ایک اور نو کا مجموعہ ہے اس کی صفات ظاہر وباطن پر محیط ہے۔ حسابی نقطۂ نظر سے ایک سے پہلے کوئی ہندسہ نہیں ہے اور نو کے بعد بھی کوئی مفرد ہندسہ نہیں ہے۔ یعنی ۱۹ کا ہندسہ ابتدا و انتہا پر حاوی ہے اور غالباً اسی لیئے قرآن کے حسابی نظام کی اساس اسی ہندسے پر رکھی گئی ہے۔

اس تمام تفصیل سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ قرآنِ مجید کا حسابی نظام اتنا پیچیدہ، مگر منظم ہے کہ یہ انسانی عقل ودانش کے بس کی بات نہیں ہے۔ اُلوہی بصیرت کو قرآن کے ایک ایک لفظ پر کنٹرول ہے۔ فی الحقیقت یہ ساری حسابی ترتیب حیرت انگیز ہے اور بلاشبہ سارے انسان اور جن مل کر بھی ایسی محیر العقول کتاب تصنیف نہیں

کر سکتے!

اس دور میں قرآنِ مجید کو پوری طرح کمپیوٹرائز کیا گیا ہے، چنانچہ کمپیوٹر سے سوال کیا گیا کہ اگر انسان قرآن جیسی کتاب کی تصنیف کرنا چاہے تو کتنی مرتبہ کوشش کرنے سے یہ بات ممکن ہو سکتی ہے؟

کمپیوٹر نے جواب دیا کہ :-

626000000000000000000000000

مرتبہ کوشش کرنی پڑے گی! بالفاظ دیگر یہ ناممکن ہے کہ کوئی انسان یا دنیا کے سارے انسان مل کر بھی ایسی کتاب تصنیف نہیں کر سکتے۔

☆ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا O

"کہہ دو کہ اگر انسان اور جن اس بات پر مجتمع ہوں کہ اس قرآن جیسا بنا لائیں تو اس جیسا نہ لا سکیں گے، اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں"۔ (۱۷:۸۸)

☆ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ O

کیا ان لوگوں کیلئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ کچھ شک نہیں کہ مومن لوگوں کیلئے اس میں رحمت اور نصیحت ہے"۔ (۲۹:۵۱)

☆ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ط وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا O

"بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے۔ اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو اس میں (بہت سا) اختلاف پاتے"۔ (۴:۸۲)

(لازوال اور ابدی معجزہ "القرآن")

دورِ نبوی ﷺ کی آب و ہوا اور فضا

Climate & Environment of the period of the Holy Prophet ﷺ

اسلام کے اصولِ سادگی اور اصولِ زندگی کائنات کے قیام اور بقا کیلئے اتنے ضروری ہیں جتنا ایک جسم کیلئے روح۔ جب سے انسان نے فطری زندگی کو چھوڑ کر مصنوعی زندگی پر اعتماد اور انحصار کیا ہے، پریشان ہوا ہے، پریشان ہو رہا ہے اور پریشان ہوگا۔
کیا دورِ نبوی ﷺ میں کسی قسم کی ماحولیاتی آلودگی کا مسئلہ تھا؟ اسلام صفائی، نفاست اور طہارت کا مذہب ہے۔ جب سے ہم نے فطری سادگی اور فطری اصول زندگی کو چھوڑ کر مشینی زندگی وار کیمیکل کی زندگی کا اختیار کیا ہے ہماری زمین، فصلیں، زمین کے اوپر کا پانی، تمام آلودہ، زہر اور قاتلِ جان بن گئے ہیں۔

ڈاکٹر روسو کے مشاہدات

Observations of Dr. Rousseau

ماحولیاتی آلودگی کو جانتے اور پرکھتے ہوئے میرے بال سفید ہو گئے ہیں، میری جوانی اور میری صلاحیتیں اسی میں کھپ گئی ہیں۔ مجھے اس کا کوئی حل نظر نہیں آتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا حل آنے والی نسلیں کیا نکالیں گی؟ اور اکیسویں صدی اس کیلئے کیا کوشش کرے گی؟ مجھ سے بڑھ کر شاید کچھ کر سکے۔
مجھے تو اب وہ زندگی چاہئے جو دورِ نبوی ﷺ کی زندگی ہے۔ میں نے اسلامی

تعلیمات، کتبِ تفاسیر کا مطالعہ کیا ہے۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر آپ اپنے جی مرنا نہیں چاہتے اور شباب کی بہاروں کو لوٹنا چاہتے ہیں تو پھر سے اس فطری ور سادہ زندگی کو اپنا لیں.. آپ تندرست اور توانا رہیں گے۔ (پریکٹیکل اینڈ اسلام۔ جلد اول)

ماحولیاتی آلودگی کے مختلف پہلو

Various aspects of environmental pollution

صنعتی انقلاب اور جدید سائنس نے صرف انسان کے نظریات ہی میں تغیر برپا نہیں کیا بلکہ انسانی زندگی تقریباً سبھی شعبوں پر اثرات مرتب کیئے ہیں۔ سائنس کی پشت پناہی میں صنعت کے ارتقاء نے جہاں بہت سے مسائل کامیابی اور خوبصورتی کے ساتھ حل کیئے وہاں بہت سے مسائل حل کرنے میں ناکام رہی رہی، بہت سے نئے مسائل پیدا بھی کیئے ہیں۔

خاص طور پر فضائی آلودگی موجودہ دور کا ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔

صنعتی کثافت اور کیمیائی یا ایٹمی تابکاری سے پیدا ہونے والی آلودگی روز بروز عالمِ انسانیت کو ایک ایسے مقام پر لے جا رہی ہے جہاں سے اس کی واپسی تقریباً ناممکن ہے، فضائی آلودگی کے بڑھتے ہوئے اثرات کے باعث مستقبل کا تصور ہی روح فرسا معلوم ہونے لگتا ہے۔

لاکھوں کارخانوں کی چمنیاں ہزار ہا ٹن صنعتی کثافت کا اضافہ دن رات ہمارے ماحول میں کرتی رہتی ہیں۔ اقتصادی اور معاشی ترقی کی دوڑ میں آج انسان خود اپنی زندگی اور ماحول میں زہر گھول رہا ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ پوری انسانیت آنکھیں بند کیے بہتر زندگی اور ترقی کے لالچ میں تباہی کے دہانے کی طرف بڑھتی جا رہی ہے۔

فضائی آلودگی ایک سنگین حقیقت

Environmental pollution is a serious matter

فضائی آلودگی اس دور کی ایک سنگین حقیقت ہے مگر سائنسی حلقوں میں ابھی تک اس کو خاطر خواہ اہمیت نہیں دی گئی۔ عام طور سے جب بھی فضائی آلودگی کے بارے میں

بات ہوتی ہے تو یہ کہہ کر ٹال دیا جاتا ہے کہ فضائی آلودگی کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ قدرتی وجوہات کی بنیاد پر بھی فضا میں ایک خاص قسم کی آلودگی رہتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ فضائی آلودگی قدرتی چیز ہے اور موجودہ آلودگی اس کی توسیع ہے۔ گویا کہ آلودگی بھی ایک طرح کے قدرتی ارتقاء کی طرف بڑھ رہی ہے۔

زیرِ نظر مضمون میں ہم قدرتی وجوہات کی بناء پر فضائی آلودگی کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے اور اس بات پر بحث کریں گے کہ قدرتی ذرائع سے پیدا کردہ مصنوعی آلودگی پر اس وقت تک قابو نہیں پایا جا سکتا جب تک کہ ہم قدرت اور انسان کے باہمی رشتوں سے متعلق اپنے نظریات کو یک لخت نہ بدل ڈالیں۔

فضا کی مصنوعی آلودگی صرف موجودہ ملکی اور غیر ملکی پالیسیوں کا ہی نتیجہ نہیں بلکہ اس کی جڑیں ان قدروں میں پیوست ہیں جو موجودہ سائنس کی بنیادوں میں بظاہر نظر نہیں آتیں۔

آلودگی کے اثرات

Effects of pollution

فضائی آلودگی کی وجہ سے فضا میں پیدا ہونے والی تبدیلیاں اتنی تیزی کے ساتھ رونما ہو رہی ہیں کہ یہ اندازہ لگانا قطعی ناممکن ہو گیا ہے کہ مستقبل میں ہمارے ماحول کی حالت کیا ہو گی۔ صنعتی آلودگی اور اس سے پیدا ہونے والی کثافت انسان کے رہن سہن پر ہی نہیں بلکہ موسمیات پر بھی اثر انداز ہو رہی ہے۔

آلودگی کا تاریخی حوالہ

Historical background of pollution

فضائی آلودگی کی وہ قسم جسے ہم صنعتی آلودگی کہہ سکتے ہیں اور جو کہ بنیادی طور پر جدید دور کی پیداوار ہے۔ اس کے بارے میں ماہرین کا خیال ہے کہ یہ ایک طرح کا مقامی مسئلہ ہے جو کہ مقامی حالات پر ہی منحصر ہے۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ انسان کی پیدا کردہ آلودگی کی تاریخ اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب انسان نے آگ کا استعمال شروع کیا تھا۔ اسکے برخلاف قدرتی آلودگی کسی حد تک انسان کے ظہور سے پہلے ہی موجود تھی۔ آتش فشاں پہاڑوں سے پیدا ہونے والی آلودگی اس کی بہترین مثال ہے۔

نباتاتی نظام اور اس کا ارتقاء

Botanical system & its evolution

پودوں کے ہلکے بیج یا فنھائی اور پولن کا انتشار بیکٹیریا کے تبادلہ اور پھیلاؤ سے ایک باقاعدہ نظام کے تحت ہوتا ہے۔ اسکے علاوہ کاربن مونو آکسائیڈ (CO) سلفر ڈائی آکسائیڈ (SO_2) اور ہائیڈروجن سلفائیڈ (HS_2) جیسی گیسیں بھی فضا میں کسی حد تک قدرتی وجوہات کی بنا پر موجود رہتی ہیں۔ برساتی گندگی اور دلدلی زمینوں سے میتھین پیدا ہوتی ہے۔

اس طرح سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ کرۂ ارض کبھی بھی آلودگی سے پاک نہیں رہا۔ خاکی ذرات تو ہمیشہ سے دنیا میں موجود رہے ہوں گے اور دھول کی شکل میں فضائی آلودگی کا سبب بنتے رہے ہوں گے۔ سائنس دانوں نے مندرجہ بالا نکات کی مدد سے بہت سی باتوں کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

مثال کے طور پر پودوں کی موجودہ اور قدیم قدموں کے ارتقاء کی بھی آلودگی سے متعلق نظریات کی مدد سے سمجھا جاسکتا ہے۔

بغور جائزہ لیں تو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ آلودگی سے متعلق مذکورہ بالا نظریات کی مدد سے سمجھا جاسکتا ہے۔

بغور جائزہ لیں تو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ آلودگی سے متعلق مذکورہ بالا نظریات سائنسدانوں کا دفاعی عمل ہے۔ یہاں پر یہ سوال بھی اٹھایا جاتا ہے کہ کیا زمانۂ قدیم کے کسی بھی دور میں فضائی آلودگی کی مقدار اتنی تھی کہ جس کی وجہ سے پورے کا پورا نظامِ حیات تباہی کے دہانے پر پہنچ جائے۔

قدرتی وسائل سے پیدا ہونے والی آلودگی میں سب سے اہم وہ آلودگی ہے جو کہ پولن اور فنھائی کے انتشار سے پیدا ہوتی ہے۔ قدرتی طور پر پیدا ہونے والی گیسیں بھی ہو سکتا ہے کسی حد تک انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہوں لیکن ان کا اثر کسی حد تک نظر انداز کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس طرح کی آلودگی کا مقابلہ کرنے کیلئے عالمِ نباتات اور عالمِ حیوانات میں از خود ایک طرح کا دفاعی نظام موجود ہوتا ہے جس کی بنیاد پر چھوٹی موٹی تبدیلیوں کا انضمام وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے۔

سبھی جانتے ہیں کہ پودے گیسوں سے پیدا ہونے والی آلودگی کو کم کرنے میں معاون ہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ کہہ سکتے کہ قدرتی وسائل سے پیدا ہونے والی

آلودگی میں صرف فنھائی اور پولن سے پیدا ہونے والی آلودگی بھی کسی حد تک انسانی زندگی پر اثرانداز ہوتی ہے۔

حالانکہ پولن اور فنھائی کے انتشار سے پیدا ہونے والی آلودگی قطعی قدرتی امر ہے۔ جسکے بغیر نباتاتی نظام کا تصور ممکن نہیں۔ لیکن فنھائی اور پولن کے ذرات انسانوں اور جانوروں میں کئی طرح کی بیماریاں پیدا کرتے ہیں جن کو ہم الرجی یا الرجی سے متعلق بیماریاں کہہ سکتے ہیں اور اس طرح سے یہ آلودگی کا باعث بنتے ہیں۔

الرجی

Allergy

الرجی نظام جسمانی کی اس کیفیت کا نام ہے جب کسی خارجی مادے کے زیرِ اثر نظامِ جسمانی منفی ردِ عمل کا اظہار کرتا ہے۔ عام طور پر خارجی مادے خاص طرح کے پروٹین ہوتے ہیں جو فنھائی ار پولن میں موجود ہوتے ہیں۔ (**Hay fever**) کھجلی اور دمہ جیسی کچھ خاص بیماریاں اسی عمل کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

فضا میں پولن، فنھائی، کائی کے ٹکڑے بیکٹریا اور جراثیم کا موجود ہونا انسانی صحت کیلئے نقصان دہ ہے۔ کائی کے ٹکڑوں سے بھی انسانوں کو الرجی ہو جاتی ہے اور یہ اپنی سطح پر خطرناک جراثیم اور تابکار مادہ جمع رکھتے ہیں جو انسانی صحت کیلئے مضر ہے۔

کائی کے ساتھ ساتھ فضا میں پھپھوندی کے ذرات اور فنھائی بھی موجود ہوتے ہیں جو پودوں اور انسانوں میں بیماری پیدا کرنے کا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ پھپھوندی کے فنھائی پندرہ سو میٹر کی اونچائی تک ملتے ہیں۔ اسکی کمی اور زیادتی موسم کے مطابق ہوتی ہے۔

سردی کی نسبت گرمی میں ان کی تعداد چوگنی ہو جاتی ہے اور برسات میں بہت ہی کم ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ ان کا انتشار ہوا، نمی دن اور رات کے درجہ حرات پر بھی منحصر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر پھپھوندی کی ایک قسم جس (Altermaria) کو کہتے ہیں۔ اسکے فنھائی کی تعداد دن کے وقت بہت زیادہ ہوتی ہے اور ایک دوسری قسم جس کو *Mush-room* کہتے ہیں کے فنھائی کی تعداد رات کے وقت زیادہ ہوتی ہے۔

فضا سے یہ ذرات سانس کے ذریعہ انسانی جسم میں داخل ہوتے ہیں جس کے اثر سے الرجی ***Farmer's Lung*** جیسی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ ***His to plasno-sis-Coeeidlo Demycosis Meningitis*** اور ***Syptococcosis*** یعنی گردن توڑ بخار، جیسی بیماریاں انہیں سے ہوتی ہیں۔

تحقیقات کے نتائج

Findings of research

حالیہ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ کچھ پودے جو دنیا کے گرم اور مرطوب علاقوں میں پائے جاتے ہیں اور جن کو فرن (Fern) کہتے ہیں۔ اسکے ہلکے فنھائی فضا میں پھپھوندی پولن اور کائی کے ذرات کے ساتھ موجود ہوتے ہیں۔ یہ انسان اور جانور دونوں کیلئے نقصان دہ ہوتے ہیں۔ ان کے اثر سے دمہ، پتی اچھلنا اور زکام جیسی بیماریاں ہو جاتی ہیں گرم اور مرطوب موسم میں چونکہ فرن کے فنھائی کا انتشار سب سے زیادہ وہتا ہے اسلئے ان سے متعلق بیماریاں بھی اسی موسم میں سب سے زیادہ ہوتی ہیں۔

انسانی صحت پر اثرات

Effects on human healths

فنھائی انسانی صحت پر جو بھی اثرات مرتب کرتے ہیں وہ عام طور سے دیرپا نہیں ہوتے۔ دواؤں کا استعمال اور مناسب احتیاط بیماریوں پر قابو پانے میں مددگار ہے۔ ان بیماریوں کے فوری عالج کیلئے کئی طرح کی دوائیں بھی دستیاب ہیں۔ ان میں سے پہلی قسم ان دواؤں کی ہے جن سے مریض کو فوراً آرام ہو جاتا ہے یا مرض کی شدت میں خاطر خواہ کمی واقع ہو جاتی ہے۔

فنھائی سے پیدا ہونے والی سبھی بیماریوں کیلئے ویکسین تیار کی جاتی ہیں۔ جس کی مدد سے ان بیماریوں پر ہمیشہ کیلئے قابو پایا جا سکتا ہے۔ اسلئے مندرجہ بالا نکات کی روشنی میں ہم یہ کہتے ہیں کہ قدرتی آلودگی کی کوئی بھی قسم ایسی نہیں جس پر مناسب تدابیر کے ذریعہ قابو نہیں پایا جا سکتا۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ چونکہ قدرتی آلودگی کی مقدار کا تناسب بنیادی اعتبار سے موسم پر منحصر ہے اسلئے ایک خاص موسم میں ہی اس سے متعلق بیماریاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اس طرح ان بیماریوں سے بچنے کیلئے پہلے ہی سے احتیاطی تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں۔

مصنوعی آلودگی کا علاج

Remedies of artificial pullution

اس کی نسبت غیر قدرتی ذرائع سے پیدا ہونے والی آلودگی ایسا مسئلہ ہے جس کا

علاج تقریباً نا ممکن ہو چکا ہے۔ اس طرح کی آلودگی کے اثرات دور رس اور دیرپا ہوتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق ۶۰ سے ۸۰ فیصد لوگوں میں کینسر یا سرطان مختلف اقسام کی آلودگی کی وجہ سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔

موجودہ تحقیق اس سے متعلق کچھ خاص اثرات کا مطالعہ ہی کر پائی ہے۔ اس آلودگی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس کی مقدار ہمارے ماحول میں لگاتار بڑھتی جارہی ہے۔ اسلئے اس کے اثرات کا صحیح صحیح تعین بھی ممکن نہیں ہے، مثال کے طور پر حالیہ تجربات سے پتہ چلا ہے کہ اوزون سطح جو ہماری زمین پر ایک دبیز غلاف کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔

ایک خاص قسم کی مصنوعی آلودگی کے زیرِ اثر دھیرے دھیرے لطیف وہ رہی ہے اور کئی جگھوں پر وقتاً فوقتاً اس میں شگاف بھی پڑ جاتے ہیں۔ یہ سطح مضرِ صحت بالا بنفشی شعاعوں کو زمین تک آنے سے روکتی ہے۔ قارئین خود اندزہ کر سکتے ہیں کہ اگر اس سطح میں برابر شگاف پڑتے رہے تو زمین پر بالا بنفشی شعاعوں کی بے روک آمد کا انسانی صحت پر کس قدر خطرناک اثر ہوگا۔

تیزابی بارش

Acidic Rain

فضائی آلودگی کے ضمن میں تیزابی بارش کا ذکر کرنا بھی لازمی ہے جو کہ صنعتی آلودگی کا طرۂ امتیاز بن چکی ہے۔ حالانکہ تیزابی بارش کی دریافت کو آج تقریباً سو سال سے زائد ہو چکے ہیں۔ مگر آج تک اس سے متأثر ہونے والے ممالک اس مسئلے کو حل کرنے میں ناکام ثابت ہوئے ہیں۔

صنعتی کثافت

Industrial waste

صنعتی کثافت جو مختلف شکلوں اور ذرائع سے ہوا میں ملتی ہے۔ وہ جب بارش کے پانی کے ساتھ دوبارہ زمین پر آتی ہے تو بارش کے پانی میں تیزابی خصوصیت پیدا کر دیتی ہے۔ بارش کے ساتھ زمین تک آنے والے تیزابوں میں گندھک کا تیزاب (H_2SO_4) اور نائٹرک ایسڈ (HNO_3) قابلِ ذکر ہیں۔

تیزابی بارش کے نقصانات

Harmful effects of Acidic Rain

تیزابی بارش کی وجہ سے یورپ اور شمالی امریکہ کا پورا ماحول جس میں دریا، جھیلیں، شہری اور دیہی علاقے شامل ہیں۔ خطرناک حد تک تیزابی ہو چکا ہے۔ برطانیہ سے لے کر ڈنمارک تک کے دریاؤں اور جھیلوں میں اس کے اثر سے مچھلیوں اور آبی جانوروں کی ایک بڑی تعداد ہلاک ہو چکی ہے۔ کئی جگہوں پر پورے کے پورے جنگل تباہ ہو چکے ہیں۔

تیزابی بارش صرف درخت کے پتوں اور اوپری حصوں کیلئے ہی مضر نہیں ہے بلکہ یہ مٹی میں بھی کئی طرح کی تبدیلیاں پیدا کر دیتی ہے۔ مثال کے طور پر مٹی میں سے تیزابی عمل کے تحت اکیومیئم کے علاوہ کیلشیم، میگنیشیم اور دوسرے پتیوں کے ذخائر فائدہ منداجزاء ضائع ہو جاتے ہیں۔ سلفر ڈائی آکسائیڈ (SO_2) پتیوں کے اسٹومیٹا کو بھی تباہ کر دیتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں فوٹوسنتھیسس کا عمل مفلوج ہو جاتا ہے۔

انسانی زندگی کا مسئلہ

The question of human life

آلودگی سے متعلق دوسرا بڑا مسئلہ ''سبز مکانی اثر'' کا ہے۔ زمینی آلودگی کی ذمہ دار زیادہ تر گیسوں کا مزاج اس طرح کا ہے کہ شمسی شعاعیں ان گیسوں سے گزر کر زمین تک تو آسکتی ہیں۔ مگر ان شعاعوں کا مزاج زمین سے خلاء کے لئے ممکن نہیں اسطرح رفتہ رفتہ کرۂ ارض کی مدت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر زمینی حدت کی یہی کیفیت جاری رہی تو آنے والے سالوں میں درجۂ حرارت میں پانچ سے لے کر چھ ڈگری تک اضافہ ہو سکتا ہے۔

نچلے ساحلی علاقے اور چھوٹے جزیرے برفانی تودے پگھلنے کے باعث غرغ آب ہو سکتے ہیں۔ بلکہ ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق جزیرہ مالدیپ اور امریکہ کے ساحلی علاقے غرقاب ہونا شروع بھی ہو چکے ہیں یہ حالات اس بات کا تقاضہ کرتے ہیں کہ ہم موجودہ سائنسی پالیسیوں کو ماحولیاتی اور انسانی پسِ منظر میں دیکھنے کی کوشش کریں (ہیومن اینڈ سائنس ہے۔ آر نرائین)

بری عادات

اسلامی اصول اور جدید سائنس

BAD HABITS

Islamic principle & Modern Science

اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے اس قانونِ حیات میں زندگی گزارنے کے مکمل اصول اور طریقے ہیں۔ اگر ان اصولوں کی پاسداری اور حفاظت کی جائے تو یہ میری امت سکون اور حلاوت کی زندگی بسر کرے گی۔ اگر ان قوانین سے روگردانی کی جائے تو خود بھی بے سکون اور پوری امت کیلئے بے سکونی کا ایک بھیانک سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

اسلام تقویٰ، پرہیزگاری، سچ، رحمت و شفقت، سخاوت و فیاضی، ایفائے عہد، مساوات، حوصلہ مندی، شجاع، مہمان نوازی، تواضع اور عدل کا مذہب ہے۔

اس مذہب میں برے کردار یعنی بری عادات کا کوئی حصہ نہیں، احادیث اور فرامین میں جگہ جگہ اسلامی اصولوں کو واضح کیا گیا اور ہر ایک برائی کو واضح کیا گیا اور ہر ایک برائی کو واضح اور وعید کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اسلام تقویٰ کا مذہب ہے

اسلام نشہ اور حرام کاری سے دوری کا مذہب ہے

اسلام سچائی اور امانتداری کا مذہب ہے

اسلام اچھی عادات اپنانے اور بہترین اصولوں کا مذہب ہے

اسلام عالمی اور آفاقی مذہب ہے اسلئے اس میں بری عادات کا حصہ نہیں

اسلام صحبتِ صالح کی ترغیب دیتا ہے

ماہرینِ نفسیات کے مطابق عادت آتی نہیں لائی جاتی ہے اور ماحول عادت کیلئے سازگار ہے۔ دینِ اسلام صحبتِ صالح اور نیکوکار لوگوں کے قرب کی نشاندہی کرتا ہے تاکہ ایسے لوگ جو معاشرے میں اچھا کردار ادا کر رہے ہیں ان کے ساتھ رہتے ہوئے تم بھی اچھے ہو جاؤ۔

اس لیے احادیث میں برے ہم نشین لوہار کی بھٹی کی مثل قرار دیئے گئے ہیں کہ بھٹی کے پاس بیٹھنے سے دھواں آئے گا اور کپڑے جلیں گے جبکہ اچھے ہم نشین کو

عطر بے فروش کی مثل کہا گیا ہے کہ اس کے پاس بیٹھنے سے اور کچھ نہیں تو خوشبو ضرور آئے گی۔

زیر نظر مضمون دراصل ان اصولوں کو واضح اور اجاگر کرتا ہے۔ اسلام جن عادات سے منع کرتا ہے یورپی ماہرین بھی ان عادات سے منع کرنے پر مصر ہیں۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ سیدھے سادے رہو، میانہ روی اختیار کرو اور ہشاش رہو۔ (مشکوٰۃ)

حضرت عمرؓ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ مریل چال چل رہا ہے آپؓ نے اسے روکا اور پوچھا کیا مرض ہے؟

نوجوان نے کہا کہ مجھے کوئی بیماری نہیں (بلکہ یہ اظہارِ عاجزی ہے) تو حضرت عمرؓ نے دُرّہ اٹھایا اور اسے دھمکایا کہ راستہ پر پوری قوت سے چلو (یعنی اس طرح کی عاجزی مطلوبِ اسلام نہیں)

بری عادت سے بچیے

Avoid Bad Habits

☆ عادت اگر دانائی اور حکمت سے اپنائی جائے تو وہ دراصل طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔ (بیکن)

☆ عادت اپنی آہنی قوت کے ذریعے ہماری رہنمائی کرتی رہتی ہے۔ (لمرٹین)

☆ عادات کی زنجیر انسانی دل کے گرد سانپ کی طرح کنڈلی مار لیتی ہے اور پھر دل کو نوچ نوچ کر کھاتی رہتی ہے۔ (ہیزلٹ)

☆ اگر تمہاری عادت دروغ و کذب کی ہے اور تم جھوٹ اور فریب کی زندگی بسر کرتے ہو تو تم اچانک سچائی اور دیانتداری کے راستے پر گامزن نہیں ہو سکو گے۔ (رابرٹسن)

☆ ہماری فطرت کی ذہنی اور اخلاقی تربیت میں یہ ایک بڑی خوبی ہے کہ جو کام بطورِ فرض کیا جاتا ہے۔ اگر اسے بار بار کیا جائے تو وہ ہماری عادت بن جاتا ہے۔ سخت اور کڑی نیکی کی عادت جس سے لوگ گھبراتے ہیں.. وہ ہماری گردن میں پھولوں کے ہار کی طرح لٹکی ہوئی اپنی سج دھج دکھاتی رہتی ہے۔ (ایکسٹن ھڈ)

ایک نوجوان ماں نے اپنے فاضل طبیب سے پوچھا: حکیم صاحب میں اپنے بچے کی تعلیم میں و تربیت کیا شروع کروں۔ طبیب نے دریافت کیا کہ: آپ کے بچے کی عمر کتنی

ہے؟ ماں نے جواب دیا: اس وقت دو سال کا ہے۔ اس پر حکیم صاحب نے بڑی سنجیدگی سے کہا: تبھی تو آپ نے ٹھیک دو سال ضائع کر دیئے ہیں۔

بیچر کا قول ہے

Saying of an intellectual

دریائے مس سی پی کے دہانے پر پانی کا روکنا، اس میں آ کر گرنے والی ندی نالوں کو اس سے الگ کرنا یا اس میں ملی مٹی کے ذرے ذرے کو علیحدہ کرنا کس قدر ناممکن ہے بس یہی حال ہماری عادت کا ہے۔ عادات مختلف جذبات و احساسات اور اعمال سے ترتیب پاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم انہیں ترک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اکثر ناکام رہتے ہیں۔

ہم عمل کا بیج بوتے ہیں اور عادت کا پھل کاٹتے ہیں۔ ہم عادت کا بیج ڈالتے ہیں اور کردار کا پھل کھاتے ہیں۔

اچھی عادت تو زیادہ تر خود ضبطی، ایثارِ نفس یا خود انکاری پر منحصر ہے لیکن بری عادات گھاس پھونس کی طرح خود رَو ہوتی ہیں اور نیکی کے پودوں کی نشو ونما میں رکاوٹ بنتی ہیں۔

جب کوئی شخص پچیس تیس سال کا ہو جاتا ہے تو اس میں کسی نئے تغیر یا نئی تبدیلی کی توقع محال ہوتی ہے کیونکہ جو عادات بچپن ہی سے اس میں رچ بس گئی ہوتی ہیں۔ وہ اسے اپنا راستہ تبدیل کرنے سے روکتی ہیں۔ ہر اچھی اور بری عادت بچپن ہی سے شروع ہوتی ہے۔ پختہ عمر میں ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ انسان بری عادات ترک کر کے اچھی عادات اپنائے۔

کسی دانشور نے کیسی عمدہ بات کہی ہے: ”اپنی عمر کے پہلے بیس سالوں کی اچھی طرح حفاظت کرو اور امید رکھو کہ آنے والے بیس سال تمہاری حفاظت کریں گے“۔

سٹریفورڈ شاعر کی تاریخ لکھنے والے مست دیوانے کا حال لکھا ہے کہ وہ گھنٹہ گھر کے پاس رہا کرتا تھا جب بھی گھنٹہ بجتا تو ایک ایک گھنٹی کو شمار کرتا یہ اس کا معمول تھا چند سال بعد اچانک گھڑیال خراب ہو گیا لیکن دیوانے کی یادداشت اور عادت کا یہ حال تھا کہ وہ گھنٹے کی مدد کے بغیر ایک ایک گھنٹی کو شمار کرتا رہا اور ہر گھنٹی ٹھیک وقت پر شمار کرتا رہا۔

ڈاکٹر جانسن کی یہ عادت ہو گئی تھی کہ جب وہ بازار سے گزرتا تو ہر ایک کھمبے کو جو

راہ میں آتا ہاتھ لگا کے آگے جاتا۔ اگر کوئی کھمبہ ہاتھ لگانے سے رہ جاتا تو وہ بے چین ہو جاتا اور واپس آکر اس کھمبے کو ہاتھ لگاتا۔

پروفیسر پیلیمان

Professor Paliman

بون یونیورسٹی (جرمنی) کے پروفیسر پیلیمان نے شراب نوشی کی وراثتاً عادت کی خاص طور پر تحقیقات کے دوران میں اس نے بیٹوں، پوتوں، پوتیوں، پڑپوتوں اور پڑپوتیوں کی زندگیوں کے حالات کا مشاہدہ و تجزیہ کیا۔ آخر اس نے سینکڑوں ایسے اشخاص کی سوانح عمریاں قلم بند کیں جو ایک ہی شرابی جدِ امجد کی اولاد تھے۔ جن اشخاص کا اس نے تذکرہ لکھا ہے ان میں سب سے مشہور ایک عورت مسماۃ فرائیڈ اجرک تھی جو ۱۷۴۰ء میں پیدا ہوئی وہ عادی شراب نوش تھی، چور تھی آوارہ گرد۔

اس کی زندگی کے آخری چالیس سال انہی عادات میں گزرے۔ یہ عورت ۱۸۰۰ء میں فوت ہوئی۔ اس کی نسل سے آٹھ سو چونتیس افراد ہوئے جن میں 709 افراد میں سے 106 تو ایسے تھے جو ناجائز شادیوں کی پیدائش تھے۔ 144 بھیک منگے فقیر بنے، 26 خیرات پر گزارہ کرتے رہے 181 عورتیں بدمعاشی کی زندگی بسر کرتی رہیں۔ اس کنبہ میں 76 اشخاص سزا یافتہ ہوئے۔ جن میں سے 7 کو سزائے موت ملی۔ لگ بھگ پچھتر سال کے عرصے میں اس ایک خاندان پر خیرات خانوں، قید خانوں اور اصلاح گھروں اور دارالامانوں میں ساڑھے بارہ لاکھ ڈالر ملک کا سرمایہ خرچ ہوا۔

آئزک وائس کو تک بندی کی عادت پڑ گئی تھی۔ اس کا باپ اس کی عادت سے سخت نالاں تھا۔ ایک دن وہ اسے سزا دینے لگا تو لڑکا چلا اٹھا:

والدِ محترم اب کرو جو مجھ پر کرم
تک بندی سے رہوں گا دور ہر دم

آپ نے دیکھا کہ معافی چاہتے وقت بھی وہ تک بندی سے گریز نہ کر سکا۔

پادری کو مبالغے کی عادت

The priests do exaggerate

ایک پادری صاحب کو مبالغے کی بری عادت میں پڑ گئے تھے۔ جس سے ان کی شہرت کو خاصا نقصان پہنچا۔ دوسرے پادری حضرات وفد کی صورت میں اس کے پاس

آئے کہ اسے سمجھائیں بجھائیں کہ بھائی اس عادت سے باز آجاؤ کیوں اپنی لیاقت کا ستیاناس کر رہے ہو؟۔

پادری نے اپنے پادری بھائیوں کی نصیحت کو بہت غور سے سنا اور کہنے لگا:

بھائیو! میں آپ کا بے حد مشکور ہوں کہ آپ نے اپنا وقت ضائع کر کے مجھ ناچیز کے غریب خانے پر تشریف لائے ہیں میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ مبالغے کی اس نا معقول عادت کو ترک کر دوں گا۔ یقین فرمایئے کہ میں خود بھی اپنی اس عادت سے تنگ آ گیا ہوں اور اس پر اتنا ماتم کیا ہے کہ "اشکوں کے دریا بہا دیئے ہیں"۔

پادریوں نے کہا:

"بھائی تم یہ عادت ترک نہیں کر سکتے.. لہٰذا خدا حافظ...... اور یہ کہتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

بعض اوقات لوگ بے احتیاطی سے یا قدرتاً اپنی بول چال اور حرکات و سکنات میں ایسی عادات شامل کر لیتے ہیں جن کے باعث انہیں اکثر شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے۔ پروفیسر فلپس نے کچھ طلباء کا حال لکھا ہے جنہوں نے مذاق مذاق میں یہ عادت اپنے اندر پیدا کر لی تھی کہ بولتے وقت ایک لفظ کے ابتدائی حروف کو دوسرے لفظ کے ابتدائی حروف سے بدل دیا کرتے تھے لیکن ایک روز انہیں اس عادت کے ہاتھوں بے حد نادم ہونا پڑا۔ ایک صبح کا ذکر ہے کہ ان میں سے ایک لڑکا مناجات کہہ رہا تھا.. دورانِ مناجات عادتاً اس کے منہ سے ہی الفاظ نکل گئے:

"روایا ہم پر خحم کر، ہم ضمزور اور کعیف گنہ گار ہیں"۔ حالانکہ اسے یہ کہنا چاہئے تھا کہ: "اے خدایا ہم پر رحم فرما، ہم کمزور ضعیف اور گنہ گار ہیں"۔

آپ نے اکثر دیکھا ہو گا کہ بہت سے لیکچراروں اور واعظوں کو تقریر میں ہاتھ پاؤں کو جنبش دینے کی خراب عادت پڑ جاتی ہے۔ بعض اپنے ہاتھ کو بار بار منہ پر لگاتے ہیں کبھی تھوڑی پر پھیرتے ہیں کبھی مونچھوں پر تاؤ دینے لگ جاتے ہیں، کوئی ناک کو کھینچنا شروع کر دیتا ہے، کوئی اپنے ہاتھوں کو ایسے حرکت دینے لگتا ہے گویا صابن کے ساتھ کسی برتن میں ہاتھ دھو رہے ہیں۔ پچر نے کہا تھا:

جن عادتوں کو ہم عمر بھر عمل میں لاتے رہتے ہیں ان کی ہستی سے ہم لگاتار انکار کرتے رہتے ہیں۔ ایک آدمی ہے اس کی چالیس پچاس سال کی عمر ہے کوئی دوسرا شخص اچانک یک فقرہ یا لفظ بول اٹھتا ہے جس سے اس کے دل میں تیر سا لگتا ہے اور اس کے کردار کی کوئی خاصیت ظاہر ہو جاتی ہے۔

جو ہمیشہ سے اس کے اندر موجود تھی مگر جس کا اب تک اس کو خیال نہیں تھا وہ عادت اس میں موجود تھی۔ چالیس پچاس سال تک وہ ایک ایسے معاملے میں اپنے آپ کو ناواقف بنائے رہا جو ایسا صاف اور واضح تھا جیسے اس کے منہ پر ناک صریحاً موجود ہے۔

اگر فرشتوں سے مشورہ کیا جاتا کہ انسان کے ضمیر میں یہ اصول شامل کر کے پیدا کیا جائے کہ اگر انسان ایک کام ایک دفعہ کرے تو دوسری دفعہ اس کیلئے اس کا کرنا مقابلتاً آسان ہو جائے اور آخر کار بغیر کوشش کے ہی وہ کام ہو جائے تو فرشتے کہہ اٹھتے :

”ہاں . . یوں ہی ہونا چاہئے“۔

یاد رکھئے کہ عادت فطرتِ انسانی کا ایک انتظامی دستور ہے اس انتظامی دستور کو ہمیں ضرور استعمال کرنا چاہئے تاکہ زندگی میں ہمارے مفید مطلب کام کی آسانی اور قابلیت بڑھ جائے۔

پرہیزگاری

Abstinence

پرہیزگاری کو اپنی عادت بنائیے تو بے اعتدالی سے آپ کو خود بخود نفرت ہو جائے گی۔ عاقبت اندیشی اگر عادت میں شامل ہو جائے تو جلد بازی اور بے پروائی سے آپ کو چھٹکارا مل جائے گا۔ صبح سویرے اٹھنے کی عادت اپنائیے تو کاہلی سے نجات مل جائے گی۔ خوش اخلاقی کو اپنائیں گے تو آپ بے زاری سے بچے رہیں گے۔

سینکڑوں کامیاب اشخاص سے سوال کیا گیا کہ ناکامی کا سبب غالباً کیا ہو سکتا ہے؟ تو ہر ایک نے یہی جواب دیا کہ بری عادت ہی ناکامی کی بنیاد ہوتی ہیں۔

بے کار اور ناکام شخصیت بننا بہت آسان ہے۔ ندی کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ بہتے چلے جانا دنیا میں بہت آسان بات ہے۔ بری صحبت کے زیرِ اثر ہونا شراب نوشی اور بدکرداری کا بڑھ جانا نہایت ہی آسان ہے۔ ذرا سی شراب چکھئے، ذرا دیر قمار بازی کیجئے تھوڑی دیر کیلئے بری صحبت میں بیٹھئے بس کام تمام ہے۔

شہر نیو اور لینز کی سطح دریائے مس سی پی کی سطح آب سے پانچ تا پندرہ منٹ تک نیچے ہے دریا سے شہر کی حفاظت صرف ایک بند سے کی گئی ہے۔ 1883ء کے مئی میں اس بند میں ایک چھوٹا سا سوراخ ہو گیا اور پانی شہر کی سمت بہہ نکلا۔ اول اول مٹی کے چند ایک بورے ہی اس سوراخ کو بند کرنے کیلئے کافی تھے۔ مگر ابتدا میں چند ایک گھنٹے اس بات پر توجہ نہ دی گئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ پانی کی دھارا اتنی زور دار ہو گئی کہ اسے روکنے کی تمام تدابیر ناکام ہو گئیں۔

آخر پانچ ہزار ڈالر کا انعام مقرر کیا گیا کہ جو کوئی اسے بند کرے گا اسے پانچ ہزار ڈالر بطورِ انعام دیئے جائیں گے۔ مگر وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا اور پانی شہر میں داخل ہو گیا۔

چھوٹے چھوٹے گناہوں اور معمولی معمولی سفید جھوٹوں سے محتاط رہو۔

صاحبِ حکمت ودانش کا قول

The opinion of an intellectual

ایک جہاں دیدہ صاحبِ حکمت ودانش کا قول ہے کہ چار عادتیں تمام نیک عادتوں کی بنیاد ہیں۔ مثلاً ۱: پابندیٔ وقت ۲: درستی ۳: استقلال ۴: کام میں پھرتیلا پن

اب ان عادات کا تجزیہ کیجئے...... اگر پہلی عادت نہ ہو تو وقت ضائع ہو جاتا ہے اور ہم زندگی میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ پابندیٔ وقت آپ کو ہر ناکامی سے محفوظ رکھتی ہے، اس سے معاشرے میں وقار بلند ہوتا ہے اور مقبولیت میں اضافہ ہوتا ہے۔

دوسری کے بغیر ایسی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں جو ہمارے اور دوسروں کے مفاد کو سخت نقصان پہنچاتی ہیں۔

تیسری کے بغیر کوئی بھی کام اچھی طرح نہیں ہو سکتا۔

چوتھی کے بغیر بڑے بڑے فائدے کے مواقع ہاتھ سے نکل جاتے ہیں جن کا دوبارہ آنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

ابراہم لنکن نے سیاسی مسائل کو درست بیان کرنے کی عادت مشق سے حاصل کی۔

وینڈل فلپس نے انگریزی زبان میں عجیب وغریب قوتِ بیان اس طرح احاصل کیا کہ وہ اعلیٰ طریقے سے سوچا کرتا تھا اور عمدہ طریقے سے بات چیت کیا کرتا تھا۔

خاندانی رسم ورواج

Family customs

خاندانی رسم ورواج دنیا پر بے حد اثر انداز ہوتے ہیں۔ بچے اپنے گھر سے باہر خاندان کی عادات کو جو ان کی گھٹی میں پڑی ہوتی ہیں سوسائٹی کی ہر صورت میں وشکل پر پھیلاتے رہتے ہیں۔ اگر تحقیقات کی جائے تو ان عادات کا اصل منبع معلوم ہو سکتا ہے۔

کام کرنے کا انداز بجائے خود ایک معمولی سی بات ہے لیکن جس انداز سے چھوٹی

چھوٹی باتیں سر انجام دیتا ہوں وہ بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں ہی سے میں اپنے کاروبار کی عادات اپناتا ہوں میرے لیئے اس بات پر دھیان دینا ضروری ہے کہ خواہ کام کتنا ہی غیر ضروری کیوں نہ ہو اس میں ناکامیاب نہ ہوں۔

عادت ایک درخت کے مثل ہے جو ٹیڑھا ہی رہے گا۔ اگر آپ کے باغ میں کوئی درخت ٹیڑھا اگا ہوا ہے تو آپ اسے لاکھ سیدھا کریں وہ ٹیڑے کا ٹیڑھا ہی رہے گا، ہاں اس کی ایک تدبیر یہ ہو سکتی ہے کہ آپ اسے سیدھا کر کے ساتھ ہی کوئی کھمبا کھڑا کردیں اور اسی طرح دو تین سال میں ممکن ہے کہ ٹیڑھا درخت سیدھا ہو جائے۔

ایک شخص کا قتل اور سزا

Murder & punishment

سر جارج سٹونن، ایک شخص سے ہندوستان میں ملے اس شخص نے قتل عمد کا ارتکاب کیا تھا اور نہ صرف اپنی جان بلکہ عزت بچانے کیلیئے اس نے یہ قتل کیا تھا بعد میں اسے اپنے کیئے پر بہت پچھتاوا ہوا اور اس نے خود کو سزا دینے کی ٹھانی۔ اس نے اپنے لیئے یہ سزا تجویز کی کہ سات سال تک ایسے بستر پر سوئے جس پر میخیں گڑی ہوں گیں۔ یہ میخیں اس طرح بنائی گئی تھیں کہ جسم کے اندر گھس تو نہ سکتی تھیں لیکن ان پر سونا بڑا ہی اذیت ناک تھا۔

سر جارج سٹونن نے جب اس شخص کو دیکھا تو اسے میخوں والے بستر پر سوتے سوتے پانچ سال ہو چکے تھے اور اس کی جلد گینڈے کی طرح سخت وہ چکی تھی اور وہ اس اذیت بھرے بستر پر بڑے آرام سے سوتا تھا۔ گناہگار زندگی کی کیسی جیتی جاگتی مثال ہے۔ گناہ اول اول ایک خاردار بستر پر ہوتا ہے۔۔ کچھ دیر کیلیئے اخلاقی احساس یعنی ضمیر مردہ ہو جانے سے وہی بستر آرام دہ بن جاتا ہے۔

دریائے نیاگرا پر جب معلق پل یا جھولا بنانے کا مرحلہ درپیش تھا تو اس وقت سوال یہ تھا کہ لوہے کے رسے دوسری جانب کس طرح پہنچائے جائیں۔ آخر یہ تجویز قرار پائی اور اس پر عمل کیا گیا یعنی جب ہوا موافق تھی۔ ایک پتنگ اڑائی گئی جسے دوسرے کنارے پر اتارا گیا۔

پھر پتنگ کی باریک ڈور کے ساتھ ایک موٹی رسی باندھی گئی اور اس تسبیل سے پرلے کنارے پر پہنچائی گئی، پھر اس سے زیادہ موٹی رسی، اسی طرح لوہے کے رسے دوسرے کنارے تک پہنچا دیئے گئے۔ آخر یہ عظیم الشان پل مکمل ہو گیا۔ جس کی بدولت ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا کے درمیان خشک راستہ قائم ہو گیا۔۔ یاد رکھیئے عادتیں بھی ہماری ذات پر اسی طرح پل بنا لیتی ہیں

جان بیگف کہتا ہے

John Beaguf says

اپنی کشتی دریائے نیاگرا میں چلایئے تو پانی کی سطح صاف چمکدار اور خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ آپ کی کشتی مزے سے دھارے کے ساتھ ساتھ بہتی چلی جاتی ہے۔ اچانک کنارے پر سے کوئی شخص آپ سے بلند آواز میں خبردار کرتا ہے: ”کشتی والو! ہوشیار رہنا“۔ آپ دریافت کرتے ہیں کہ کیا بات ہے؟ جواب ملتا ہے: آگے بھنور آئیگا، ذرا ہوشیار رہئے۔ آپ یہ جواب سن کر ہنس پڑتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے بہت بھنور دیکھے ہیں ہم اتنے احمق نہیں ہیں کہ بھنور میں پھنس جائیں پتوار ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ خطرہ محسوس کریں گے تو اپنا بچاؤ کرلیں گے۔

پھر آواز آتی ہے کشتی والو! ہوشیار بھنور آیا چاہتا ہے۔ آپ جواب دیتے ہیں ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ سن لیا ہے مستقبل کو کس نے دیکھا ہے؟ وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا جو ہو رہا ہے ہونے دو! سیر کا لطف آرہا ہے وقت کیوں ضائع کریں جو خوشی میسر ہے اسے فکر کی نذر کیوں کریں.. اس سے لطف کیوں نہ اٹھائیں.. خطرہ آئے گا تو سنبھل لیں گے۔

آواز پھر آتی ہے۔ خبردار! بھنور آگیا.. سنبھل جاؤ! اب چاروں طرف جھاگ ہی جھاگ دکھائی دیتے ہیں۔ کشتی تیز تیز چلتی جاتی ہے۔ جھاگوں پر سے کشتی بڑی تیزی کے ساتھ گزر گئی۔ لو اب اٹھاؤ چپو.. کشتی کو موڑو.. لگاؤ زور جی ہاں اپنی طاقت آزماؤ۔ زور لگ رہا ہے.. نتھنوں سے خون رواں ہے.. پیشانی پر کی نسیں پھول کر رسے بن گئی ہیں.. مستول کھڑا کرو.. بادبان اٹھاؤ.. ہائے وقت گزر چکا ہے۔ آہ و پکار.. قسمت کو گالیاں۔ خدا کی قسم یہ جاوہ جا، کشتی کا کہیں پتہ نہیں کشتی والوں کا نام و نشان تک نہیں.. سینکڑوں اشخاص سال بہ سال بھنور کا شکار ہوتے ہیں۔ عادت کے زور سے بہاؤ میں چلے جاتے ہیں۔ آواز بھی آتی رہتی ہے۔ جب پتہ چلے گا کہ اس عادت سے ہمیں نقصان پہنچ رہا ہے تو ہم ایسی چھوڑ دیں گے۔

جب کسی شخص سے کوئی جرم سرزد ہو جاتا ہے تو تمام لوگ حیران ہو جاتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ: وہ شخص کل بازار میں ملا تھا۔ کوئی کہتا ہے اسے ہم نے دکان میں کام کرتے دیکھا تاھ۔ کوئی بات ایسی ظاہر نہیں ہوئی تھی کہ آج وہ ایسے جرم کا ارتکاب کرے گا۔

یاد رکھیۓ اس شخص سے جو جرم آج سر زد ہوا ہے وہ اس کے کل اور پرسوں کے کاموں کا قدرتی نتیجہ ہے۔ یہ تو اس کی تمام سابقہ عادات کے خوفناک زور کا نتیجہ ہے۔

ایک مصور نے ''معصومیت'' کی تصویر کھینچنا چاہی بڑی تگ و دو کے بعد ایک روز اس نے ایک بچے کو دیکھا جو خدا تعالیٰ کے حضور ہاتھ اٹھائے ہوئے دعا مانگ رہا تھا۔ قریب ہی اس کی ماں کھڑی مسکرا رہی تھی۔ بچے کی نیلی نیلی معصوم آنکھیں آسمان کی سمت اٹھی ہوئی تھیں۔ اس تصویر کی مصور کے دل میں بڑی قدر تھی اور اس نے اسے اپنے ڈرائنگ روم میں سجا رکھا تھا۔ تصویر کے نیچے لکھا تھا: ''معصومیت''

وقت گزرتا گیا اور مصور بوڑھا ہو گیا اور معصومیت والی تصویر ویسے ہی آویزاں رہی۔ کئی بار مصور نے ارادہ کیا کہ اس تصویر کے مقابلے میں ایک اور تصویر بنائے جس کا عنوان ''جرم'' ہونا چاہیۓ مگر اسے کوئی موقع ہاتھ نہ آیا۔ آخر ایک دن وہ شہر کے بڑے جیل خانے میں پہنچا اور متعلقہ افسر سے درخواست کی کہ وہ کسی مجرم کی تصویر بنانے کا خواہش مند ہے مصور کو جیل کے اندر بھیج دیا گیا۔ پھرتے پھرتے وہ ایک کوٹھڑی کے سامنے رکا فرش پر ایک بدبخت مجرم کو دیکھا جس کے ہاتھ پاؤں بھاری زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے۔ اس کا جسم نحیف و نزار ہو گیا تھا۔ آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں۔ چہرے پر گناہوں کی سیاہی پھیلی ہوئی تھی۔ مصور نے اس مجرم کی تصویر بنائی اور اسے بھی شاہکار مانا گیا اس نے اس تصویر کو ''معصومیت'' والی تصویر کے ساتھ ہی آویزاں کر دیا اور اس پر ''مجرم'' لکھ دیا۔

کچھ دنوں بعد مصور پہ ایک عجیب انکشاف ہوا اور وہ اس پر مبہوت رہ گیا۔ یہ دونوں تصویریں ایک ہی شخص کی تھیں۔

ایک تصویر اس کے معصوم بچپن کی...... اور دوسری اس کے جرائم پرور بڑھاپے کی۔ مصور دونوں تصویروں کو دیکھتا اور وقت کے تغیرات پہ غور کرنے لگتا۔

دو ملاحوں کا ذکر ہے کہ وہ شراب پی کر مدہوش ہو گئے تھے اور ایک کشتی میں سوار ہو کر جہاز کی طرف چلے کشتی کو کھینچتے کھینچتے نڈھال ہو گئے لیکن وہ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھی بہتیرے چپو چلاتے تھے، مگر کچھ بس نہ چلتا تھا ایک دوسرے پر الزام لگاتے تھے کہ تو جان بوجھ کے زور نہیں لگاتا۔

تقریباً ایک گھنٹہ گزر گیا مگر انہیں کامیابی نہ ہوئی.. تھک ہار کے وہیں پڑے رہے اور جب شراب کا نشہ دور ہوا تو بہت حیران ہوئے اور دونوں بیک وقت بول اٹھے: ''واہ ٹام، ہم نے لنگر تو اب تک اٹھایا ہی نہیں تھا۔

ٹھیک یہی حال ان لوگوں کا ہوتا ہے جو کسی چیز سے چمٹے رہتے ہیں مگر انہیں اس بات سے آگہی ہی نہیں ہوتی اگرچہ وہ اپنی طرف سے جدوجہد جاری رکھتے تھے۔

رسکن کہتا ہے

Riskon says

حسرت ہے ان نوجوانوں پر جو بے پرواہ ہیں۔ جبکہ ایک گھنٹے کے خیالات اور جذبات پر پورے مستقبل کا انحصار ہے۔ افسوس ہے اس نوجوان پر جو غافل ہے جب کہ اس کا ہر ایک کام اس کے آئندہ دنوں کا بنیادی پتھر ہے اور اس کا ہر ایک خیال زندگی یا موت کا فوراہ ہے۔ آئندہ زندگی سے بے پرواہ ہونا خودکشی کے مترادف ہے۔ جہاں کوئی انسان شریفانہ طور پر لاپرواہو سکتا ہے۔

وہ صرف موت کا بستر ہے، اس جگہ پہ پہنچ کے کوئی خیال نہیں رہ جانا چاہیئے کہ جس پر سوچ بچار کی حسرت دل میں جاگزین رہے۔

دورانِ حیات ذہن کے مختلف حصوں کو عادات بنانے کی ترتیب دیتا رہتا ہے جس سے وہ حصے عمل اور رد عمل کی تقلید کرتے ہوئے خود بخود کام کرتے رہتے ہیں اور اسطرح سے نظام اعصاب کو زندگی کے فرائض کا بہت سا حصہ ادا کرنے کی نیابت مل جاتی ہے اور دماغی قویٰ کو اعلیٰ تر فرائض سرانجام دینے کی صلاحیت میسر آتی ہے۔

اگر آپ نے اپنی ہر اچھی عادت کو مکمل طور پر اپنایا ہے تو یقین کیجئے کہ آپ کی کامیابی آپ کے ہاتھ میں ہے اور اگر یہ عادت ادھوری ہے تو کامیابی بھی ادھوری ہی رہے گی۔

کہتے ہیں کہ اگر تم شیطان کے ایک بچے کو اپنے گھر مدعو کرو گے تو پورا شیطانی کنبہ تمہارے گھر میں داخل ہو جائے گا۔ اسی طرح ایک بری عادت باقی بری عادات سے رشتہ داری کا تعلق رکھتی ہے۔ مثلاً غفلت یا بد سلیقگی کی ایک عادت اپنی جیسی بری عادات کو جنم دینے میں آسانی پیدا کرتی ہے اور ہوتے ہوتے تمام چال چلن، بری عادت کا کنبہ یلغار کر دیتا ہے۔

جب آدمی کو اچانک یہ پتہ چلتا ہے کہ لوگ اسے دروغ سمجھتے ہیں تو اکثر اس کو صدمہ پہنچتا ہے۔ اس نے کبھی خواب میں بھی خیال نہیں کیا تھا کہ اس میں دروغ گوئی کی عادت ہے لیکن کسی عارضی مقصد کے حصول کیلئے کچھ کا کچھ کہتے کہتے اس کے اعصاب اور دماغی رگ و ریشوں میں ایک پگ ڈنڈی سی بنتی چلی گئی جس کا اس کو کچھ پتہ نہ چلا۔ ہوتے ہوتے دروغ گوئی اس کیلئے ایک جسمانی ضرورت بن گئی۔ اگرچہ اس کو خیال آتا ہے کہ وہ اس عادت کو بآسانی مغلوب کرلے گا مگر یہ کام اس سے نہیں ہو سکے گا۔

وہ اپنی عادت کے ساتھ فولادی زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے جو بات ٹھیک ٹھیک اور سچ سچ ہے اسکو احتیاط سے دہراتا رہے گا اور ہر موقعے پر قوت ارادی کو خاص کوشش سے سہارا دیتا رہے گا تو اس کے عصابی اور دماغی ریشوں میں مخالف سمت کو جانے والی پگڈنڈی بنے گی۔

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی آدمی کے مجرمانہ عمل سے معاشرے کو صدمہ پہنچتا ہے کیونکہ اس آدمی کو لوگ دیانت دار اور سچا سمجھتے رہتے لیکن اگر اس شخص کے اعصابی کلوں اور دماغ کے نقشئہ عادات کا وہ معائنہ کر سکتے تو انہیں پتہ لگ جاتا کہ اس کے مجرمانہ عمل کی جانب سے جانے والا راستہ ان معمولی معمولی سے کاموں کے بار بار کرنے سے شروع ہوا جس کو وہ حقیر اور ہیچ خیال کرتا تھا۔

ہم لوگ عموماً یہ بھول جاتے ہیں کہ عادات کی بنیاد اور قیام میں ہمارا جسم کیا کردار ادا کرتا ہے۔ ایک کام کو بار بار کرنے کے باعث ہم اس کے عادی ہو جاتے ہیں، جتنا ہم اس کام کو دہراتے ہیں اسی نسبت سے اس کی ادائیگی میں آسانی آتی چلی جاتی ہے، آخر کار قدرتی عمل اور ردِ عمل سے وہ کام خود بخود ہونے لگتا ہے۔

شریر اور بد اطوار لوگوں کو یہ سکھانا کہ محض قوتِ ارادی ے زور سے وہ بالکل تبدیل ہو سکتے ہیں، بے رحمانہ کوشش ہے۔ آپ ان پر واضح کیجئے کہ کردار کی تعمیر سائنسی اصولوں پر مبنی پر مبنی ہے اور یہ تعمیر عادت کی بناوٹ پر منحصر ہے۔ جو کام ہم آج کرتے ہیں وہ تقریباً وہی کچھ ہے جو ہم نے کل کیا تھا خواہ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں غیر سائنسی طریقے سے عادت کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ جو کچھ ہم آج کر چکے ہیں وہی ہم کل بھی کریں گے۔ آپ کو مہاتمابدھ کا یہ قول تو یاد ہو گا:۔

مہاتما گوتم بدھ کے ایک شاگرد نے سوال کیا

A disciple of Buddha questions

اے انسانوں میں برگزیدہ ہمیں کچھ مستقبل کے متعلق بتاؤ!

اس پر گوتم بدھ نے جواب دیا:

"تمہارا ماضی ہی تمہارا مستقبل ہے"

غور کیجئے...... کتنی معنی خیز بات ہے اور کتنی صداقت بھری بات ہے۔ اس میں! یہ کتنی بد قسمتی کی بات ہے کہ عادات کی تعمیر میں ہماری مائیں بھی انتہائی غفلت سے کام لیتی ہیں، ہمارے تعلیمی اداروں میں بھی یہ علم نہیں سکھایا جاتا۔ یہ ایک ایسی سائنس

جس کے مقابلے میں تمام سائنسی علوم حقیر اور بودے ہیں۔

ایک بوڑھا سپاہی بازار میں سے گزرتا ہوا گھر جارہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں کھانے پینے کی کچھ اشیاء تھیں، دوسرے میں انڈوں کی ایک ٹوکری تھی۔ بازار کوئی آدمی پکار اٹھا:

"ہالٹ.. اٹن شن"۔ یہ آواز سنتے ہی وہ بڈھا سپاہی ٹھہر گیا اور اٹن شن کی وپزیشن میں کھڑا ہو گیا۔ کھانے پینے کی اشیاء اور انڈے سب کے سب ہاتھوں سے گر کر سڑک پر آرہے۔ سوچئے یہاں کیا عمل اور ردِ عمل ہوا؟ اس کے اعصاب کو جو عادت پڑی ہوئی تھی وہ خود بخود پرانے محرک کے زیرِ اثر آگئی۔

سینٹ پال کا مشہور قول

Famous saying of Saint Paul

سینٹ پال عادات کی شدت کو خوب سمجھتا تھا۔ اسکا مشہور قول ہے:

"میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ میں جو نیکی کرنا چاہتا ہوں اس کیلئے برائی موجود ہے۔ خدائی قانون میں خیر و شر کا ذکر بار بار آتا ہے اس لئے کہ خیر و شر میں صرف ایک سانس کا فاصلہ ہے۔ جس دم آپ خداوندِ کریم کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں چاہیں تو اسی سانس میں شیطان کو پکارنا شروع کر دیں۔ ہمارے وجود میں خیر و شر کا تصادم جاری رہتا ہے اور بری عادات ہمیں شر کی صف میں لے جاتی ہیں اور اچھی عادات خیر کی سمت میں کھڑا کر دیتی ہیں۔ میں اکثر خوف زدہ رہتا ہوں کہ اگر شر مجھ پہ غالب آگیا تو مجھے اس "مردار جسم" سے کون چھٹکارا دلائے گا"۔

اپنے آخری فقرے میں سینٹ پال نے ایک پرانی رسم کا حوالہ دیا ہے جس کی رو سے قاتل کو مقتول کی لاش کے منہ سے منہ ملا کر باندھ دیا جاتا تھا اور قاتل مقتول کی لاش کی بدبو اور عفونت کے سبب دم گھٹنے سے مر جاتا تھا۔

مجھے ٹھیک سے یاد نہیں رہا کہ یہ قول کس کا ہے بہر حال آپ اسے پڑھیئے اور اس کی صداقت کا اعتراف کیجئے کہ وہ کہتا ہے:

> "اگر میرے پاس دنیا کا مال و زر ہو تو وہ سب کا سب میں ایک سچا آدمی بننے کیلئے قربان کر دوں لیکن چوبیس گھنٹے بھی اس قربانی کے بعد نہیں گزریں گے کہ شاید ایک روپیہ بھر قیمت کے گناہ سے مغلوب ہو کے میں بھر قعرِ مذلت میں گر جاؤں! میں اس عادت کو کیوں کر ترک کروں؟

جس طرح اس عادت کو اپنایا تھا جیسے جمع کیا تھا ویسے ہی تفریق کرو۔ جیسے مغلوب ہوئے تھے ویسے ہی غالب آؤ۔ ایک ایک دھاگہ لے کے ہم ڈوری بناتے ہیں پھر ڈوریاں ہماری گردن اور ہمارے ہاتھوں کو باندھ دیتی ہیں، اب ایک ایک دھاگہ صبر و استقلال سے کھولنا ہوگا۔ تب ہی ہمارے ہاتھ پاؤں اور گردن آزاد ہوں گے جس طرح ہم نے اینٹ پر اینٹ رکھ کے دیوار کھڑی کی تھی۔ اس طرح اکیلے محنت کر کے ہم کو دیوار گرانی ہو گی! کیا یہ ممکن ہے؟ جی ہاں.. سو فیصد ممکن ہے۔ انسان ہر جذبے پر غالب ہے"۔

پر اثر شخصیت

Attractive personality

جفارج ایم رینالڈ کا قول ہے کہ "آپکی شخصیت وہی کچھ ہو گی جو آپ اپنی زندگی کے آغاز میں بنالیں گے۔ یوں تو بیسیوں ماہرین نے "شخصیت" کی تعریف اپنے اپنے انداز میں کی ہیلی کن مختصراً یوں سمجھئے کہ آپ اپنے قول و فعل، انداز و کردار وغیرہ سے دوسروں پر جو اثر مرتب کرتے ہیں وہی آپ کی شخصیت ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ جب آپ کسی شخص سے پہلی دفعہ ملتے ہیں تو اس کی بول چال کے انداز چہرے کے تأثرات وغیرہ سے اس شخص کے بارے میں چند آراء قائم کرتے ہیں۔

آپ جس کسی شخص کے ساتھ چند گھنٹے گزارتے ہیں تو آپ کو فوراً اندازہ ہو جاتا کہ فلاں شخص اصل میں کیا ہے۔ اس کی باتوں سے پتہ چل جاتا ہے کہ وہ شخص شیخی خورہ ہے، سادگی پسند ہے، غصاور ہے، شرمیلا ہے، انتہاپسند ہے...... وغیرہ وغیرہ۔ آپ اس کی باتوں سے اسکے کردار کا بھی کافی حد تک اندازہ لگالیتے ہیں اور بعض دفعہ اس کے کپڑوں یا چہرے مہرے سے کوئی تأثر ہمارے ذہن میں بیٹھ بھی چکا ہو تو وہ تبدیل ہو سکتا ہے۔ بعض لوگ کسی شخص کی شخصیت کا اندازہ لگانے میں بہت تیز ہوتے ہیں اور بڑی تیزی سے شخصیت بھانپ جاتے ہیں۔

نوکری کیلئے انٹرویو بھی دراصل "شخصیت" جانچنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ جب انٹرویو لینے والے آپ سے مختلف قسم کے سوالات کرتے ہیں تو ان سے ایک تو یہ جانچتے ہیں کہ آپ کی معلومات کتنی دوسرے ایسا کرنے سے آپ کی شخصیت ان کے سامنے آجاتی ہے۔ دراصل یہ شخصیت ہی ہے جو انسان کو کامیابی یا ناکامی کے راستے پر لے جاتی ہے۔

یہ بات غلط طور پر بہت سے لوگوں کے ایقان میں شامل ہو گئی ہے کہ شخصیت جو بن گئی سو بن گئی، اس میں تبدیلی ممکن نہیں۔ یہ یقین قوتِ کار کو گھن کی طرح کھا جاتا ہے اور انسان تن بہ تقدیر ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوشش سے جس طرح ہر کام کو ممکن بنایا جا سکتا ہے اسی طرح کوشش سے شخصیت کی تعمیر و ترقی بھی ممکن ہے۔ یوں بھی شخصیت کوئی ناقابلِ تبدیل چیز ہرگز نہیں۔

شخصیت ایک مسلسل تغیر پذیر عنصر ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض لوگ بچپن میں بے حد شریر ہوتے ہیں لیکن یہی لوگ جب پکی عمر کو پہنچتے ہیں تو ان کی شخصیت تبدیل ہو چکی ہوتی ہے۔ ان میں سے بعض لوگ اتنے سنجیدہ ہو چکے ہوتے ہیں کہ حیرانی ہوتی ہے۔

کارنیگی نے گہری جانچ پڑتال کے بعد یہ بات واضح کر دی ہے کہ کامیابی میں تکنیکی علم کا حصہ صرف پندرہ فیصد ہوتا ہے، باقی پچاسی فیصد کامیابی کا انحصار تکنیکی علم کی بجائے صرف اور صرف شخصیت پر ہوتا ہے۔

گارڈبائرن نے اپنی ایک کتاب میں ایک سرمایہ دار کا واقعہ درج کیا ہے۔ اس سرمایہ دار سے پوچھا گیا کہ اس نے اتنے بڑے کاروبار کو چلانے کیلئے اور غیر معمولی دولت حاصل کرنے کیلئے کن کن لوگوں کا سہارا لیا تھا۔

سرمایہ دار کا جواب تھا:

”میں انسان کیلئے سب سے پہلے پرکشش شخصیت کو ترجیح دیتا ہوں اور اس کو پسند کرتا ہوں“۔

ڈیل کارنیگی کی آپ بیتی

A selfish woman

ڈیل کارنیگی نے اپنی ایک کتاب میں واقعہ درج کیا ہے جو مندرجہ ذیل ہے۔

میں ایک جگہ دعوت میں مدعو تھا۔ وہاں ایک ایسی دولت مند سے ملاقات ہوئی جس کی خواہش تھی کہ لوگوں پر اس کا اچھا اثر پڑے۔ اس کام پر اس نے کپڑوں، ہیروں اور جواہرات کی خرید میں بے پناہ رقم خرچ کر دی تھی لیکن اپنے چہرے کے تأثرات کیلئے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ اس کے چہرے سے خود غرضی اور روکھا پن ٹپکتا تھا اور اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ لباس سے ضروری یہ بات ہے کہ لوگ اس کا چہرہ دیکھیں اور اس پر مائل ہوں۔

سیلز مین کی خوبیاں

Qualities in a salerman

گارڈن بائرن نے اپنی ایک کتاب میں ضروری ایک سیلز منیجر کے حوالے سے ایک کامیاب سیلز مین کیلئے چند خوبیوں کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔آیئے ان کا ایک مختصر جائزہ لیں۔

ایک سیلز مین کیلئے سب سے پہلی خوبی صحت و تندرستی ہے ایک تندرست شخص ہمیشہ ہشاش بشاش اور چاق وچوبند نظر آتا ہے جو مخاطب پر عمدہ اثر ڈالتا ہے۔اگر چہرے سے اضمحلال اور بیماری ٹپکتی ہو تو مخاطب پر برا اثر پڑتا ہے جو کاروبا کیلئے انتہائی نقصان دہ ہے۔

ایمانداری بھی ایک لازمی وصف ہے۔ کھرے آدمی کو ہر ایک پسند کرتا ہے۔ اپنے آپ پر مختلف غلاف چڑھائے رکھنا اور جھوٹ بول کر اپنے آپ کو اصل سے زیادہ بتانا ایک مہلک حرکت ہے۔بے ایمانی خواہ کسی قسم کی ہو اس کی قلعی کھلتے دیر نہیں لگتی لہٰذا ایمانداری جیسی چیز کا دامن ہاتھ سے نہیں جانا چاہیئے۔

ایک کامیاب شخص کیلئے تیسری خصوصیت لازمی ہے وہ "قابلیت"۔ گارڈن بائرن کے مطابق اگر چہ صلاحیت یا قابلیت شخصیت کا وصف نہیں ہے۔ تاہم یہ شخصیت پر اثرانداز ضرور ہوتی ہے۔ سیلز مین ہونا ہی کافی نہیں جو کام بھی کیا جائے کرنے والے کے اندر اس کی صلاحیت، ہونی چاہیئے۔ورنہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا۔

جوش اور ولولہ ایک اور خصوصیت ہے جو کامیابی کے لئے ضروری ہے کامیاب انسان موقع شناس ہوتا ہے اسے پتہ ہوتا ہے کہ اسے فلاں موقع پر کیا کرنا ہے۔ایک کامیاب پبلشر جانتا ہے کہ اسے فلاں موقع پر کون سی کتاب چھاپنی ہے اور کونسی کتاب اسی لیے جو اس وقت چھاپنی مناسب نہیں ہے۔

اسی طرح گفتگو میں بھی موقع شناسی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ موقع بے موقع بول اٹھنا اکثر اوقات پشیمانی کا باعث بنتا ہے ایک اور کامیاب خصوصیت انکساری ہے۔ خواہ مخواہ بڑھا نکلتے رہنا اور شیخی مارنا ایسی خصوصیات ہیں جو ہمیشہ نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔

دوسروں سے انکساری سے پیش آیئے۔انہیں موقع دیجئے کہ وہ اپنے دکھ سکھ اور اپنے مصائب آپ کے سامنے پیش کریں۔آپ انکی باتوں کو غور سے سنیئے اور ان سے ہمدردی سے پیش آیئے آپ کا ہمدردانہ رویہ دوسروں کو مجبور کردے گا کہ وہ آپ سے محبت کریں۔

سادگی

Simplicity

سادگی ایک ایسی چیز ہے جو آپ کا وقار بڑھاتی ہے۔ ضروری نہیں کہ آپ بیش قیمت کپڑوں جوتوں ہی میں نظر آئیں۔ جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے یہ چیزیں ظاہری نظر میں تو شاید دوسروں پر رعب ڈال سکتی ہوں لیکن گفتگو کرتے ہوئے قلعی کھل جاتی ہے۔ سادگی سے یہاں مراد صرف لباس کی سادگی نہیں ہے۔ روزمرہ گفتگو میں خوامخواہ لمبے چوڑے محاورات اور بکثرت انگریزی الفاظ شامل کرنے سے پرہیز کیجئے۔ سادہ اور عام فہم لہجے میں گفتگو کیجئے اور دوسروں پر اپنی علمیت کے بجائے اپنی سادگی کا اثر ڈالیئے۔

جو چیز شخصیت کا ایک لازمی جزو ہے وہ ہے اعتماد، جی ہاں اپنے آپ پر بھی اور دوسروں پر بھی اعتماد کرنا ایک بہت اچھی عادت ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ آپ بغیر جانے بوجھے ہر شخص پر اعتماد کریں اور بے وقوف مشہور ہو جائیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ ہر شخص کو جرائم پیشہ یا چوراچکانہ سمجھیں۔ ہر ایک کو مشکوک نظروں سے کبھی نہ دیکھیں۔ ایسا کرنے سے خود آپ کے متعلق لوگوں کی رائے خراب ہو جائے گی۔ مندرجہ بالا تمام خصوصیات ایسی ہیں جو شخصیت ایک خوبصورت رخ دیتی ہیں۔ اگر آپ میں یہ خصوصیات موجود ہیں تو انہیں اور وسعت دینے کی کوشش کریں یقیناً آپ کی شخصیت کو چار چاند لگ جائیں گے۔ لوگ آپ سے دوستی بڑھانا اور فائدہ اٹھانا چاہیں گے۔

شخصیت کا اظہار

Expression of personality

ہو سکتا ہے کہ آپ کی شخصیت ہر لحاظ سے کامل ہو لیکن اس وقت تک اسکے اچھے نتائج برآمد نہیں ہو سکتے جب تک آپ اپنی شخصیت کا اظہار نہ کریں گے۔ آپ کی شخصیت آپ کے انداز اور گفتگو سے ہی لوگوں پر ظاہر ہو سکتی ہے۔

ایک کامیاب شخصیت کیلئے ضروری سطور پچھلے صفحات میں بیان کی جاچکی ہیں لیکن ان کے اظہار کے بغیر ان کی موجودگی بے معنی ہے، غیر ضروری اور خوامخواہ کا شرمیلا پن ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہوتا ہے۔

غیر ضروری حجاب سے پرہیز بہت ضروری ہے۔ یہ نہیں کہ آپ محفل میں اپنی شخصیت کا اظہار یوں کریں کہ مسلسل بولتے چلے جائیں اور یوں اپنی شخصیت کو لوگوں

کے سامنے لائیں۔ دوسروں کی بات بھی غور سے سنیں لیکن موقع سے فائدہ اٹھانا نہ بھولئے۔ اپنا آپ اس طرح لوگوں کے سامنے لائیں کہ انہیں یہ معلوم نہ ہو کہ آپ شیخی مار رہے ہیں۔

نکتہ چینی سے پرہیز کیجئے۔ نہ ہی پیٹھ پیچھے کسی کی برائی کیجئے۔ ایسا کرنے سے مخاطب کے ذہن میں یہ خیال ضرور آئے گا کہ آپ اس کے سامنے کسی کی برائی کر رہے ہیں۔ تو کبھی کسی کے سامنے اس کی برائی بھی کر سکتے ہیں۔ شخصیت کے اظہار کیلئے بہت سی باتیں ایسی ہیں جو گفتگو کے فن سے تعلق رکھتی ہیں اور یہ آپ کو گفتگو کے فن کے متعلق باب میں جائیں گی۔

مضبوط قوتِ ارادی سے کام لیں

Use strong willpower

مشہور فلسفی روڈولف کا کہنا ہے :

"ارادہ ایک ایسا نفسیاتی عمل ہے جو عمل کو تحریک دیتا ہے اور اسے ساتھ لے کر بڑھتا ہے"۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر شعوری عمل کی بنیاد ارادہ ہی ہوتا ہے۔ ہم جو کام بھی شعور کی مدد سے کرتے ہیں تو سب سے پہلے ذہن اس کام کا ارادہ کرتا ہے اور پھر عمل ہوتا ہے۔ جب ہم قوتِ اردہ سے متعلق بات کرتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ قوتِ ارادہ کا جسمانی ساخت سیکوئی تعلق نہیں ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ بے حد جم شخص کی قوتِ ارادی بھی زیادہ ہو۔ ایک بے حد کمزور جسم کا مالک بھی بے مثال قوتِ ارادی کا مالک ہو سکتا ہے۔

پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ قوتِ ارادی ہر شخص میں موجود ہوتی ہے۔ گو بعض اشخاص میں یہ غیر منظم ہوتی ہے۔ یعنی وہ قوتِ اردی کی صحیح سمت متعین کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ تاہم اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دراصل قوتِ ارادی ان میں بھی موجود ہوتی ہے۔ دراصل قوتِ ارادی ایک ایسا منظم عنصر ہے جو کسی خاص مقصد کے حصول کیلئے وقف ہوتا ہے۔ بعض مثبت عادات ہمیشہ قوتِ ارادی کی مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ جب کہ منفی عادات کا طرزِ عمل اس کے الٹ ہوتا ہے۔

قوتِ ارادی کی مقدار فکس (مقرر) نہیں ہوتی کہ اس میں کمی بیشی ہی نہیں کی جا سکے۔ بعض طریقوں سے اس میں اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ قوتِ ارادی بڑھانے کے

سلسلے میں گارڈن بائرن کی کتاب سے کچھ اصول ذیل میں درج ہیں۔

قوتِ ارادی کیلئے سب سے پہلے صحت کا ہونا ضروری ہے۔ ایک بیمار جسم میں دماغ بھی بیمار ہو جاتا ہے اور یوں قوتِ ارادی کم ہو جاتی ہے۔ اس میں اضافے کیلئے بہتر یہ ہے کہ پہلے چھوٹے چھوٹے کام لیئے جائیں اور ان میں کامیابی حاصل کی جائے۔ جو شخص پہلے ہی چھلانگ لگا کر بڑے بڑے کام کر لیتا ہے وہ ہمیشہ ناکام رہتا ہے اور اس کی قوتِ ارادی بھی کمزور ہو جاتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ بعض مثالیں بھی موجود ہیں۔ مثلاً ڈاون، سینئر، بریڈ فورڈ اور کئی دوسرے لوگوں نے تقریباً اپاہج ہوتے ہوئے بھی شہرۂ آفاق شہرت حاصل کی لیکن عام طور پر صحت اور قوتِ ارادی میں رشتہ ضرور ہے۔ جسمانی صحت قوتِ ارادی کو بنانے اور سنوارنے میں بے حد اہمیت کی حامل ہے اور مختلف ذہنی امراض قوتِ ارادی کو لازماً نقصان پہنچاتے ہیں۔

قوتِ ارادی بڑھانے کا عمل شروع کرنے سے پہلے ہمیں اپنی جسمانی صحت کا بھر پور جائزہ لینا چاہیے۔ بری اور نقصان دہ عادات کو چھوڑ کر صحت کے اصول پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ (گو اس کام کیلئے بھی قوتِ ارادی کی ضرورت پیش آئے گی) ہو سکتا ہے کہ ایسا کرنا آپ کیلئے وقت طلب ہو لیکن یہ سوچ کر آپ کو تسکین ہو سکتی ہے کہ ان اصولوں پر کاربند ہو کر آپ کی زندگی آسان ہو سکتی ہے۔

جانوروں سے محبت

ایک صحابی کا بلیاں پالنا... حیرت انگیز سائنسی انکشافات

Love of Animal

A Companion domesticates cats

اسلام محبت کا درس دیتا ہے۔ اسلام جہاں انسانوں میں محبت کو عام کرتا ہے وہاں حیوان بھی اس محبت سے محروم نہیں رہتے۔

ایک صحابی حضرت ابو ہریرہؓ کو بلیاں پالنے کا شوق تھا۔ وہ بلیوں کی خدمت اور محبت کرتے تھے۔ حضور پاک ﷺ نے انہیں "ابو ہریرہ" یعنی بلیوں کا باپ کا خطاب عطا

فرمایا۔

حضورِ پاک ﷺ بذاتِ خود جانوروں سے بہت محبت فرماتے تھے اور ان پر رحم کھاتے تھے۔ جدید سائنس نے اس کی تصدیق کچھ یوں کی ہے :-

پالتو جانوروں کے اثرات

Effects of domesticated animals

لوگ عموماً پالتو جانور مثلاً خرگوش، طوطے، مینا م لال مُنیا وغیرہ کو پال کر ان سے دل بہلاتے ہیں۔ ان سے گھر میں رونق بھی رہتی ہے۔ یہ جاننا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ ان معصوم، بے زبان جانوروں کے مفید اثرات بھی ہیں۔

میناسوٹا یونیورسٹی نے اس طرف خاص تحقیقی توجہ کی ہے۔ اس میں صحتِ عامہ اور طبِ حیوانات کے شعبوں نے بھی گہری دلچسپی لی ہے اور پروگرام کے مطابق صحت اور نفسیات کے چالیس ماہرین اس میں شرکت کریں گے۔ اب تک کے نتائج کے مطابق ان پر اور دیگر پالتو جانوروں کی وجہ سے ماحول پر اچھے اثرات پڑتے ہیں۔ ان کے پالنے والوں کیلئے یہ ایک عمدہ شغل اور ورزش بھی ہے۔

اگرچہ ابھی تک یہ طے نہیں کیا جاسکا تاکہ ان پالتو جانوروں کے کون سے اچھے اور کون سے مضر اثرات ہیں لیکن ان کے شفائی اور مفید صحت اثرات پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ حال ہی میں کہ پالتو جانور بوڑھے اور تنہا لوگوں اور جسمانی طور پر معذور افراد کی صحت پر اچھا اثر ڈالتے ہیں۔ ان سے وہ بہلتے ہیں۔ پالتو جانوروں کے قرب سے تناؤ اور کھنچاؤ میں کمی آتی ہے، اعصاب کو سکون ملتا ہے، یہ تھکے ہوئے لوگوں کیلئے عمدہ تفریح اور بحالی کا ذریعہ ہیں، ان سے رفاقت بھی ملتی ہے۔ (فارن سائنس)

تَمَّتْ بِالْخَيْرِ